شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی

★

ناشر
اہلحدیث اکادمی کشمیری بازار۔ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیه ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com
www.KitaboSunnat.com

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ

حضرت شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی ف ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء

کے

مکتوبہ و مصدقہ فتاوی کا بے نظیر مجموعہ

فتاویٰ نذیریہ

مبوّب و مترجم

جلد سوم
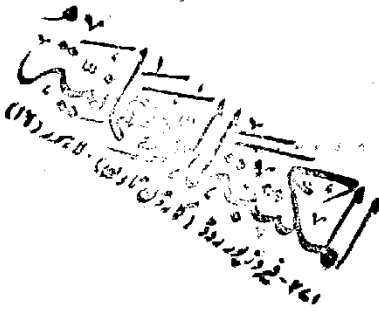
ناشر

اہل حدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور

سلسلہ مطبوعات نمبر ١٥

طابع شیخ محمد اشرف

ناشر .... اہلحدیث اکادمی لاہور

مطبع .... اشرف پریس لاہور

تاریخ اشاعت

طبع اول .... ١٣٣٣ھ / ١٩١٣ء

طبع دوم .... ١٣٩٠ھ / ١٩٧١ء

قیمت

جلد اول مجلد .... ١٨ روپے

جلد دوم مجلد .... ١٥ روپے

جلد سوم مجلد .... ١٢ روپے

کامل سیٹ ٤٥ روپے

فہرست مضامین استفتاہائے مجموعہ فتاوی نذیریہ جلد ثالث

	مضمون استفتاء	صفحہ
۲۹	صورت مذکورہ میں زید کو مناسب ہے کہ خلع پر راضی ہو کر طلاق دے دے	۶۲
۳۰	مسئلہ طلاق بحالت غیظ و غضب	۶۳
۳۱	ایضاً	۶۴
۳۲	صورت مسئولہ میں بلاشبہ ہندہ مطلقہ ہوگئی	۶۵
۳۳	شوہر کا یہ کہنا کہ میں نے بی بی کو چھوڑ دیا طلاق بالکنایہ ہے	۶۶
۳۴	صورت مذکورہ میں زید کا یہ سب شرطیں کرنا باطل ہے اور لغو ہے اور ہندہ اسکے نکاح سے باہر ہوگئی	؍؍
۳۵	نابالغ کی طلاق واقع نہیں ہوتی	۶۷
۳۶	نابالغ کی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں اور اس کی طرف سے اس کے ولی کی طلاق واقع ہوسکتی ہے یا نہیں	۶۸
۳۷	صورت مسئولہ میں زوجہ زید پر طلاق واقع ہوگئی	۷۰
۳۸	صورت مذکورہ میں تین طلاق کنائی واقع ہوچکی ہیں اور اب حاجت عدت کی بھی نہیں عورت جس سے چاہے نکاح کرے	۷۱
۳۹	صورت مذکورہ میں وہ عورت جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے	؍؍
۴۰	صورت مسئولہ میں فیصلہ الٰہی یہ ہے کہ عورت خلع کرے	۷۲
۴۱	تحریری طلاق جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو اس کا کیا مضمون ہونا چاہیئے	۷۳
۴۲	صورت مسئولہ میں خلع جائز ہے	۷۴
۴۳	صورت مذکورہ میں زید کو چاہیئے کہ طلاق دے کر یا خلع کرکے ہندہ کی گلوخلاصی کردے	۷۸
۴۴	فارغخطی ہمارے عرف میں ایک طلاق بائن ہوتی ہے لہٰذا صورت مذکورہ میں حق رجوع حاصل نہیں	۷۹
۴۵	صورت مسئولہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی	۸۰
۴۶	صورت مذکورہ میں دونوں طلاقیں رجعی ہیں	۸۲
۴۷	جب شوہر کو طلاق دینے سے انکار ہو تو بلا گواہوں کے طلاق نہیں ہوسکتی	۸۴
۴۸	تعلیق طلاق بعد عقد نکاح کے بالاجماع معتبر ہے	؍؍
۴۹	صورت مسئولہ میں شوہر جب طلاق نہ دے نکاح فسخ نہیں ہوسکتا	۸۵
۵۰	جب زید اپنے وطن کو جانے لگا تو ساس نے کہا کہ میری بیٹی کو جو تیری جورو ہے طلاق دیکر جا زید نے کہا کیا کہوں ساس نے کہا کہ میں نے تین طلاق دیا زید نے کہا کہ دیا اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں	۸۶

کتاب الظہار

کتاب النفقات

کتاب الحضانۃ والنسب

كتاب الرضاع

كتابُ المحرّماتِ

كِتَابُ السَّتْرِ وَالْحِجَابِ وَبَيَانِ الْعَوْرَاتِ

کتاب الایمان والنذور

کتاب الفرائض والوصایا

كِتَابُ الْأُضْحِيَةِ وَالْعَقِيقَةِ

کتاب الامارۃ والجہاد

کتاب الحدود والتعزیر

کتاب الحظر والاباحۃ

كِتَابُ الْأَطْعِمَةِ وَالصَّيْدِ وَالذَّبَائِحِ

كِتَابُ اللِّبَاسِ وَالزِّيْنَةِ

	مضمون استفتاء	صفحہ
۷	ڈاڑھی کس قدر رکھنا چاہیئے۔	۳۵۹
۸	شاربین کو حلق کرانا یا کھڑوانا ایسے ہی موئے حزین کو حلق و نتف کرنا جائز ہے یا نہیں	۳۶۱
۹	اکثر عالموں کے پاس جو عصا چوبی ہوتا ہے اس میں پھل آہنی کس قدر لانبا ہونا چاہیئے اور ایک عالم کے پاس کے عصا رکھنے کا حکم ہے	۳۶۳
۱۰	سر کے بال منڈانا جائز ہے یا ناجائز	۳۶۴
۱۱	اس مسئلہ کی تحقیق کہ سر منڈوانا جائز ہے یا نہیں	۳۶۷
۱۲	سیاہ خضاب کرنا درست ہے یا نہیں	۳۶۹
۱۳	جن کپڑوں پر ریشم یا سونے یا چاندی کے گل بوٹے ہوں ان کا پہننا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔	۳۷۰
۱۴	دستار سے نماز پڑھنا واجب ہے یا نہ اور کیا دونوں مساوی ہیں	۳۷۱
۱۵	مسئلہ نماز با عمامہ	۳۷۲
۱۶	اس مسئلہ کی تحقیق کہ نماز با عمامہ کو نماز بے عمامہ پر کچھ فضیلت ہے یا نہیں	۳۷۳
۱۷	مردوں اور بچوں کو چاندی کا زیور پہننا جائز ہے یا نہیں	۳۸۲
۱۸	مسئلہ۔ عورتوں کو میانہ آواز سے قرآن پڑھنا چاہیئے اور زیور گھنگرو دار پہننا بھی منع ہے	۳۸۳
۱۹	عورتوں کو سونے کا زیور پہننا جائز ہے یا نہیں	۳۸۴

کتاب الطب

۱	طاعون سے بھاگنے کے متعلق مفصل بحث	۴۰۵
۲	تداوی بالحرام بمذہب حنفی جائز است یا نہ	۴۱۲
۳	مسئلہ استعمال ادویہ انگریزی	۴۱۴
۴	تداوی بالخمر	؍؍
۵	دواؤں میں حرام و ناپاک اجزا ملے ہوں تو ان کا استعمال ناجائز ہے	۴۱۵

کتاب الادب

کتاب البر والصلۃ

کتاب مناقب الصحابۃ وغیرھم رضی اللہ عنہم

کتاب ذکر الانبیاء وبدء الخلق

کتاب المعراج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

تصدیر

اللہ عزوجل کی توفیق سے علمائے اہلحدیث کثر اللہ سوادھم نے برصغیر میں اسلام کی تجدیدی خدمات کے سلسلے میں ایک بنیادی خدمت یہ ہے کہ "فقہ الحدیث" کے موضوع پر عربی، فارسی اور اردو میں مدلل اور ٹھوس نسیم کی کتابوں کا ایک وافر ذخیرہ نہ صرف کہ تیار بلکہ طبع واشاعت کے ذریعہ (متحدہ) ہندوستان کے کونے کونے تک ان کو پھیلا بھی دیا۔ جزاہم اللہ تعالےٰ۔

"فقہ الحدیث" کا موضوع اسلام کی پوری تعلیم پر حاوی ہے جس میں عقائد، عبادات، معاشرت، معیشت، سیاست، اخلاق وغیرہ سارے مسائل پر خالص قرآن وحدیث کی تصریحات اور سلف امت ــ صحابہ، تابعین وفقہائے محدثین ــ کی تنقیحات کی روشنی میں مسائل کا حل موجود ہے۔ معتدل طریق فکر وعمل سے روزمرہ پیش آنے والے مسائل کا حل موجود ہے۔ مثال کیلئے اس مبارک فن ــ فقہ الحدیث ــ کی ایک اہم کتاب "فتاویٰ نذیریہ" کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے جو اس وقت آپ کے سامنے ہے۔

فتاویٰ نذیریہ ــ میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سلسلۂ فکر کے گل سرسبد حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید محمد نذیر حسین (ف ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء) نور اللہ مرقدہ اور آپ کے تلامذہ کرام کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا ایک عظیم مجموعہ ہے جو بیشتر تحقیقات نادرہ پر مشتمل ہے گو یہ ضروری نہیں کہ ہر مسئلے میں ہر شخص کسی مفتی سے اتفاق کر سکے یا یہ کہ کسی استدلال میں کوئی خامی نہ ہو۔

دو ضخیم جلدوں کا یہ فتاویٰ، حضرت موصوف کے دو خصوصی شاگردان رشید حضرت مولانا محمد شمس الحق محدث عظیم آبادیؒ (ف ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء) اور مولانا محمد عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ (ف ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۲ء) کی مساعی حسنہ نیز نظرثانی اور حضرت مولانا محمد شرف الدین دہلویؒ (ف ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء) کی تصحیح ومختصر تعلیقات سے حضرت اقدس کے نبیرگان کے اہتمام سے ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۳ء میں دہلی سے شائع ہوا۔

یہ فتاویٰ کافی مدت سے اب بالکل ناپید ہو گیا تھا جب کہ اس کی ضرورت بعض وجوہ سے سابقہ دور سے بھی زیادہ ہے قدیم نظم کے علماء، طلباء اور متوسط درجے کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا بھی ایک حلقہ فقہ الحدیث کی کسی جامع سی کتاب کا متلاشی ہے

چند سال ہوئے ہیں کہ حضرت الاستاذ مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف نے اہل حدیث اکادمی کے منصرم جناب شیخ محمد اشرف صاحب سے مزید تنقیح کے بعد فتاویٰ نذیریہ طبع ثانی کی ضرورت اور اہمیت بیان کی تو شیخ صاحب آمادہ ہو گئے۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ (گوجرانوالہ) نے یہ ارشاد فرمایا کہ ان فتاویٰ میں آمدہ عربی فارسی عبارتوں کے اردو ترجمے بھی ساتھ ہو جائیں تاکہ اردو دان طبقہ بھی اس سے مستفید ہو سکے۔ چنانچہ ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء میں کام شروع کر دیا گیا۔ اور چار سال کی محنت شاقہ اور صرف زر کثیر کے بعد بحمد اللہ پوری کتاب ـــــ جو اب تین ضخیم جلدوں میں ہے ـــــ طباعت کے سارے مراحل طے کر کے نظر نواز ناظرین ہے۔

موجودہ اشاعت چند باتوں میں سابقہ اشاعت سے ممتاز نظر آئے گی۔

- بعض مسائل متعلقہ ابواب کے سوا دوسرے ابواب میں ضمناً آ گئے تھے (مثلاً نماز کے بعض مسائل بیوع یا نکاح (مثلاً) کے سوالات کے ساتھ مذکور ہوئے تھے) لیکن موجودہ اشاعت میں ان سے اکثر کو ہر مسئلہ متعلقہ موضوع کے تحت لانے کی کوشش کی گئی ہے۔
- عموماً عربی اور فارسی عبارتوں کے اردو ترجمے حاشیہ میں کر دیئے گئے ہیں۔
- فہرست مضامین سابق سے زیادہ تفصیلی ہے۔
- فتاویٰ میں مذکور مفتیان کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اور مصدقین کے اسمائے گرامی کی ایسی فہرست آخر میں لگا دی گئی ہے جس سے معلوم ہو سکے گا کہ کس کس مفتی یا مصدق کا فتویٰ یا تصدیق، کون کون سے صفحے میں ہے۔

امید ہے کہ یہ کاوش افادیت میں اضافہ کا سبب ہو گی دعا ہے اللہ تعالیٰ اشاعت دین کی اس کوشش کو قبول فرمائے۔ اور ہم سب کو اخلاص کی نعمت سے نوازے۔ آمین وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وسلم۔

یوم الترویہ ۱۳۹۰ھ

خاکسار۔ نذیر احمد سبحانی

منیجر اہل حدیث اکادمی لاہور۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی مَا اَسْبَغَ عَلَیْنَا نِعَمَہٗ فِی الْقَدِیْمِ وَالْحَدِیْثِ وَاَرْسَلَ اِلَیْنَا رَسُوْلَہُ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ بِاَحْسَنِ الْحَدِیْثِ الَّذِیْ بَیَّنَ لَنَا مَا اُحِلَّ لَنَا فِیْہِ مِنَ الطَّیِّبِ وَحُرِّمَ عَلَیْنَا مِنَ الْخَبِیْثِ وَوَضَعَ عَنَّا آصَارًا لرُّسُوْمِ وَاَغْلَالَ الْاَوْھَامِ فَسِرْنَا بِلَفْظِہِ السَّیْرَ الْحَثِیْثَ وَاَوْصٰی اِلٰی اَصْحَابِہٖ وَخُلَّصِ اَحْبَابِہٖ اَنْ یُّبَلِّغُوْا عَنْہُ مَا سَمِعُوْا مِنَ الْحَدِیْثِ فَبَذَلُوْا جُھْدَھُمْ فِیْ اِشَاعَۃِ عِلْمِہٖ وَاِذَاعَۃِ اَمْرِہٖ بِالسَّیْرِ السَّرِیْعِ وَالطَّلَبِ الْحَثِیْثِ فَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ وَعَلٰی مَنْ جَلَسَ مَجَالِسَ الْعِلْمِ لِلْحَدِیْثِ۔

اَمَّا بَعْدُ اس مجموعۂ فتاویٰ کے قدرے حالات ہدیۂ ناظرین کرنے بھی خالی از دلچسپی نہیں اس لئے عرض ہے کہ حضرت مولانا شمس العلماء مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب المعروف میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو فتوے خود لکھے یا تلامذہ و فرزندان وغیرہم سے لکھوائے اور ان کو اپنی مُہر و دستخط و اصلاح سے مزین فرمایا۔ اگر یہ سب دستیاب ہوتے تو یقیناً فتاویٰ عالمگیری سے چہار چند یا اس سے بھی زائد ہو جاتے مگر حضرت ممدوح کے زمانہ میں نہ اس کا خیال ہوا نہ نقل فتووں کی مہلت ملی مگر چند سال عالیجناب مولوی سید محمد شریف حسین صاحب مرحوم والد ماجد احقران نے نقل کا التزام کیا مگر صاحب موصوف کی عمر نے وفا نہ کی اور چند حوادثات مثل کثرت برسات تبدیلی مکانات وغیرہ سے یہ مجموعہ بھی مجموعہ پریشانی ہی میں رہا۔ اور سوء اتفاق سے ایک بار آتشزدگی نے سامان خانہ داری کے علاوہ اس مجموعہ پر بھی ہاتھ صاف کرنا چاہا مگر عجیب اتفاق ہے کہ یہ مجموعہ بالکل ضائع نہ ہوا۔ البتہ اس کے درست و مرتب کرنے میں محنت کثیر و زر خطیر صرف کرنا پڑا اگرچہ اس کام میں دیر لگی اور حضرت میاں صاحب موصوف کے بعض معتقدین نے بعد انتظار بسیار ناامیدی

سی اختیار کرلی مگر جن اجزائے سوختہ و پریشان اور جن جواہر زواہر کو فراہم و اندوختہ کرنا تھا اس کے مرتب و منسلک کرنے میں جناب مولوی شمس الحق صاحب مرحومؒ ڈیانواں سے اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوری نے جس قدر محنت و جانفشانی سے کام کیا ہے وہی اس کے شاہد عادل بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ فتاویٰ کس قدر وقت اور صرف سے مہیا و مرتب ہوئے ہیں بایں ہمہ علمائے کرام و ناظرین خواص و عوام سے استدعا ہے کہ جو سہو و اغلاط اس میں پائیں اس کی اصلاح فرماکر خاکساران کے ذمہ لگائیں اور جس قدر حظ و فائدہ ان سے اٹھائیں اس کے بدلے ہم عاجزان کو بھی دعائے خیر میں شریک فرمائیں ؛

۵ جمادے چند دادم جان خریدم
بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

الملتمسان سید محمد عبدالسلام و سید محمد ابوالحسن غفر لہما

(نبیرگان حضرت میاں صاحبؒ)

المجلد الثالث

کتاب الولیمۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین محمد والہ واصحابہ اجمعین والتابعین لھم باحسان الی یوم الدین وبعد فانہ ورد من بعض الفضلاء سوال فی الولیمۃ التی تصنع فی العرس من جھۃ اولیاء الزوجۃ او من جھۃ الزوجۃ نفسھا ویدعی الناس الیھا ھل ھی من قسم الولیمۃ المسنونۃ او من قسم الدعوۃ التی تجب الاجابۃ الیھا او من قسم الحرام او المکروہ او من قسم الجائز فتیدا وتا بما یشفی العلیل ویروی الغلیل من کلام ائمۃ العلم جزیتم خیرا۔

فاقول:۔ مستعینا باللہ وطالبا منہ التوفیق لاصابۃ الصواب فی الجواب قال الامام البخاری باب حق اجابۃ الولیمۃ والدعوۃ قال الحافظ فی فتح الباری کذا عطف الدعوۃ علی الولیمۃ فاشار بذلک الی ان الولیمۃ مختصۃ بطعام العرس ویکون عطف الدعوۃ علی الولیمۃ من عطف العام بعد الخاص واما اختصاص اسم الولیمۃ بہ فھو قول اھل اللغۃ فیما نقلہ عنھم ابن عبد البر وھو المنقول عن

سوال:۔ بعض علماء کی طرف سے سوال ہوا ہے کہ دلہن کے اقربا، یا خود دلہن کی طرف سے جو لوگوں کو نکاح کے موقعہ پر دعوت دی جاتی ہے کیا یہ ولیمہ مسنونہ کی قسم سے ہے یا ایسی دعوت ہے جس کی اجابت واجب ہے، یا یہ حرام یا مکروہ ہے، یا جائز ہے، جواب شافی سے مستفید فرمادیں۔

الجواب:۔ امام بخاری نے کہا، "باب دعوت ولیمہ کی قبولیت حق ہے" حافظ ابن حجر نے کہا کہ "دعوت کا ولیمہ پر عطف معلوم کراتا ہے، کہ ولیمہ شادی کے کھانے کے ساتھ مخصوص ہے، اور دعوت کا ولیمہ پر عطف، عطف عام بعد الخاص ہے، اور ولیمہ کا لفظ جو شادی کے کھانے پر بولا جاتا ہے یہ اہل لغت کا قول ہے، ابن عبد البر نے خلیل بن احمد اور ثعلب وغیرہما سے یہی نقل کیا ہے، صاحب

الخلیل بن احمد وثعلب وغیرهما وبه جزم الجوهری وابن الاثیر وقال صاحب المحکم الولیمة طعام العرس والاملاك وقیل كل طعام صنع لعرس وغیره وقال عیاض فی المشارق الولیمة طعام النكاح وقیل الاملاك وقیل طعام العرس خاصة وقال الشافعی واصحابه تقع الولیمة علی كل دعوة تتخذ لسرور حادث من نكاح او ختان وغیرهما ولكن الاشهر استعمالها عند الاطلاق فی النكاح وتقیید فی غیره فیقال ولیمة الختان ونحو ذلك وقال الازهری الولیمة ماخوذة من الولم وهو الجمع وزنا ومعنی لان الزوجین یجتمعان وقال ابن الاعرابی اصلها من تتمیم الشیء واجتماعه وجزم الماوردی ثم القرطبی بانها لا تطلق فی غیر طعام العرس الا بقرینة واما الدعوة فهی اعم من الولیمة وهی بفتح الدال علی المشهور وضمها قطرب فی مثلثاته وغلطوه فی ذلك علی ما قال النووی انتهی كلام الحافظ ابن حجر وقال الامام الشوكانی فی نیل الاوطار قال الازهری الولیمة مشتقة من الولم وهو الجمع لان الزوجین یجتمعان وقال ابن الاعرابی اصلها تمام الشیء واجتماعه وتقع علی كل طعام یتخذ لسرور وتستعمل فی ولیمة الاعراس بلا تقیید وفی غیرها مع التقیید فیقال مثلا ولیمة مادبة هكذا قال بعض الفقهاء وحكاه فی الفتح عن الشافعی واصحابه وحكی ابن عبد البر عن اهل اللغة وهو المنقول عن الخلیل وثعلب وبه جزم الجوهری وابن الاثیر ان الولیمة هی الطعام فی العرس خاصة قال ابن رسلان وقول اهل اللغة اقوی لانهم اهل اللسان وهم اعرف بموضوعات اللغة واعلم بلسان اهل العرب انتهی ویمكن ان یقال الولیمة فی اللغة ولیمة العرس فقط وفی الشرع للوكاتم المشروعة وقال فی القاموس الولیمة طعام العرس او كل طعام صنع لدعوة وغیرها واولم

محکم ابن اثیر اور جوہری نے اس کی تائید کی، کہ ولیمہ شادی اور ملک کا کھانا ہے، امام شافعی اور ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ ولیمہ ہر وہ کھانا ہے، جو خوشی کے موقع پر پکایا جائے، لیکن یہ عموماً شادی کے کھانے پر بولا جاتا ہے، اور یہ ولم سے مشتق ہے، جس کے معنی "جمع" کے ہیں، چونکہ اس میں لوگ جمع ہوتے ہیں، یا عورت مرد جمع ہوتے ہیں، لہٰذا اس کو ولیمہ کہتے ہیں، قرطبی نے کہا بغیر قرینہ کے یہ لفظ شادی کے بغیر اور کسی کھانے پر نہیں بولا جاتا اور دعوت ولیمہ سے عام ہے، بعض اوقات ولیمہ کے کھانے کو عرس بھی کہہ دیتے ہیں، یعنی سبب کے نام پر، اور عرس کا معنی بھی نکاح ہے، کیونکہ شادی سے وہی کچھ تو مقصود ہوتا ہے، اوذا عرس الرجل باہلہ

صنعہا وقال صاحب المحکم الولیمۃ طعام العرس والاملاک انتہی وقال فی تاج العروس شرح القاموس قال ابو عبید سمعت ابا زید یقول الطعام الذی یصنع عند العرس الولیمۃ والذی یصنع عند الاملاک ای العقد النقیعۃ وقال الحسن بن عبد اللہ العسکری فی کتاب الاسماء واللغات الولیمۃ ما یطعم فی الاملاک من الولم وہو الجمع لان الزوجین یجتمعان وقولہ اولم صنعہا ای الولیمۃ ومنہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لعبد الرحمن بن عوف اولم ولو بشاۃ ای اصنع ولیمۃ انتہی کلام تاج العروس مع المتن وفی القاموس وشرحہ ایضا والعرس طعام الولیمۃ وہو یعمل فی العرس سمی عرسا باسم سببہ والعرس ایضا النکاح لانہ المقصود بالذات من الاعراس من اعرس الرجل باہلہ اذا بنی علیہا ودخل بہا ثم سمیت الولیمۃ عرسا وہی تونثہا العرب وقد تذکر انتہی وفی العینی علی البخاری قولہ اجیبوا ہذہ الدعوۃ ای دعوۃ الولیمۃ وفیہ ایضا العرس طعام الولیمۃ وہو الذی یعمل عند العرس سمی عرسا باسم سببہ انتہی۔ قال الحافظ ابن حجر فی فتح الباری قولہ باب اجابۃ الداعی فی العرس وغیرہ ذکر فیہ حدیث ابن عمر اجیبوا ہذہ الدعوۃ وہذہ اللام یحتمل ان تکون اللام للعہد والمعہود ولیمۃ العرس ویؤیدہ روایۃ ابن عمر الاخری اذا دعی احدکم الی الولیمۃ فلیاتہا وقد تقرر ان الحدیث الواحد اذا تعددت الفاظہ وامکن حمل بعضہا علی بعض تعین ذلک ویحتمل ان تکون اللام للعموم وہو الذی فہمہ راوی الحدیث فکان یاتی الدعوۃ للعرس ولغیرہ واخرجہ مسلم وابو داؤد من طریق ایوب عن نافع بلفظ اذا دعی احدکم اخاہ فلیجب عرسا کان او نحوہ ولمسلم من طریق الزبیدی عن نافع بلفظ من دعی الی عرس او نحوہ فلیجب وہذا یؤید ما فہمہ ابن عمر وان الامر بالاجابۃ لا یختص بطعام العرس وقد اخذ بظاہر الحدیث

کا ترجمہ ہے، کہ آدمی کے اپنی بیوی سے خلوت کی، اور عبداللہ بن عمر کی حدیث میں ہے، کہ "اس دعوت کو قبول کیا کرو" اور دوسری روایت میں ہے کہ "جب تمہیں ولیمہ کی طرف بلایا جائے تو اس میں شامل ہوا کرو" اور نافع کی حدیث میں ہے، کہ جس کو ولیمہ یا اس جیسی دعوت کی طرف بلایا جاوے اسے قبول کرنا چاہیئے، اور اجابت دعوت صرف ولیمہ کے کھانے ہی کے لئے نہیں ہے، بلکہ ہر مباح دعوت کے لئے ہے، اور ائمہ لغت اور فقہاء کے نزدیک دعوت ولیمہ صرف مرد ہی کی طرف سے نہیں ہوتی، بلکہ جو کھانا دلہن

بعض الشافعية فقال بوجوب الاجابة الى الدعوة مطلقا عرسا كان او غيره بشرط انتهى كلام الحافظ ابن حجر بلفظه فتحصل من مجموع ما نقلناه من الاحاديث وكلام ائمة اللغة والفقه ان العرس لا تختص بما يكون من جانب الزوج فقط كما تقدم من ان الوليمة تستعمل حقيقة شرعية في وليمة العرس وتستعمل في كل دعوة فهذا الاطلاق وهو انها تستعمل في كل دعوة حقيقة شرعية وتقدم ان العرس يطلق على العقد وعلى الدخول فالوليمة التي تتخذ من جانب اهل الزوجة واهلها طعام عرس لان العرس العيد ويقال لها وليمة ايضا لان العرس النكاح فالطعام المتخذ من جانب اهل الزوجة او من جانب الزوجة يقال لها طعام عرس ووليمة ودعوة فالاجابة الى هذا الطعام واجبة وداخل في عموم الوليمة كما تقدم عن ابن الاعرابي وهو من ائمة اللغة ان الوليمة تقع على كل طعام يتخذ على كل سرور بلا تقييد وكما تقدم عن الازهري وهو من ائمة اللغة ايضا انها مشتقة من الولم وهو الاجتماع لان الناس يجتمعون لها والحاصل ان الطعام المتخذ من جانب اهل الزوجة داخل في الولائم المشروعة دون الولائم المخالفة للشرع والله اعلم ومما يشهد لذلك ما رواه ابن ماجه عن حديث ام سلمة وعائشة رضي الله عنهما قالتا امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان نجهز فاطمة رضي الله عنها حتى ندخلها على علي رضي الله عنه فعمدنا الى البيت ففرشناه ترابا لينا من اعراض البطحاء ثم حشونا مرفقتين ليفا فنفشناه بايدينا ثم اطعمنا تمرا وزبيبا وسقينا ماء عذبا وعمدنا الى عود فعرضناه في جانب البيت ليلقى عليه الثوب ويعلق عليه السقاء فما راينا عرسا احسن من عرس فاطمة رضي الله عنها وروى الحافظ الآجري عن محمد بن الحسين في

یا اس کے لواحقین کی طرف سے بھی پکایا جائے، اسے بھی دعوت عرس یعنی ولیمہ ہی کہا جاتا ہے، اور عرس کا معنی نکاح ہے، اور اس کھانے کی دعوت کو قبول کرنا واجب ہے، اور ولیمہ کے عموم میں شامل ہے، چنانچہ اس کی تائید حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہوتی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت فاطمہ کے نکاح کا ارادہ کیا، تو ہمیں حکم دیا، کہ ہم نکاح کی تیاری کریں، چنانچہ ہم نے مکان کو لیپا پوتا، فرش بچھایا، صاف کیا، پھر ہم نے لوگوں کو کھجور اور منقہ کھلایا، میٹھا پانی پلایا، ایک لکڑی مکان کی ایک جانب گاڑ دی گئی تاکہ لوگ اس پر اپنے کپڑے لٹکائیں اور پانی کی مشکیں بھی اس سے لٹکا دی گئیں ہم نے

النکاح النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ رضی اللہ عنہا بعلی رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بلالا بقصعۃ من اربعۃ امداد او خمسۃ ویذبح جزورا لولیمتہا فاتیتہ بذلک فطعن فی رأسہا ثم ادخل الناس رفقۃ رفقۃ یاکلون منہا حتی فرغوا وبقیت فضلۃ فبرک فیہا وامر بحملہا الی ازواجہ وقال کلن واطعمن من غشین انتہی کذا ذکرہ العلامۃ الخفاجی فی شرحہ علی شفاء القاضی عیاض والحدیث الذی رواہ ابن ماجہ فی اسنادہ جابر الجعفی قال الحافظ فی التقریب ضعیف وقال فی الخلاصۃ احد کبار علماء الشیعۃ عن عامر بن واثلۃ والشعبی وعنہ السفیانان و خلق ووثقہ الثوری وغیرہ وقال النسائی متروک ولکن اقل درجات الحدیثین اعنی حدیث ابن ماجہ والاخر انہما ضعیفان لا موضوعان فیصلحان شاہدین لما نحن فیہ من ان الطعام المتخذ من جانب اہل الزوجۃ یقال لہ طعام عرس وطعام ولیمۃ عرس قال الشوکانی فی نیل الاوطار روایۃ ضعیف مع الضعف توجب الارتفاع عن درجۃ السقوط الی درجۃ الاعتبار انتہی وقال الحافظ ابن حجر فی فتح الباری ان حکم الشئ الخاص الذی لم یرد فیہ نص داخل تحت حکم دلیل اخر بطریق العموم انتہی والحاصل ان الطعام المتخذ من جہۃ اہل الزوجۃ او من جہۃ الزوجۃ یقال لہ طعام العرس لغۃ وشرعا کما تقدم وداخل فی اسم الولیمۃ لانہا مشتقۃ من الولم وھو الاجتماع لان الناس یجتمعون فیہا ولانہا المتخذۃ لحادث سرور والنکاح ای سرور فھی حقیقۃ شرعیۃ ایضا کما تقدم ولان العرس النکاح کما تقدم والنکاح یطلق علی ما کان من جانب المرأۃ ومن جانب الرجل

کبھی بھی ایسی دعوت نہ دیکھی جیسی کہ فاطمہ کے نکاح پر ہوئی، دوسری روایت میں ہے، کہ حضرت فاطمہ کے نکاح کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو حکم دیا، انہوں نے چار یا پانچ مد کا کھانا تیار کیا، اور ایک اونٹ ذبح کیا گیا، ولیمہ ہوا، پھر لوگ جماعت جماعت ہو کر کھانے کے لئے آنے لگے، جب سب کھا چکے تو پھر بھی کھانا بچ گیا، آپ نے وہ کھانا اپنی بیویوں کے پاس بھجوا دیا، اور فرمایا خود بھی کھاؤ اور جس کو چاہو، کھلاؤ، پہلی حدیث کی سند میں جابر جعفی ضعیف ہے اور شیعہ ہے، اور دوسری حدیث کی سند بھی ضعیف ہے لیکن بہر حال یہ دونوں حدیثیں موضوع نہیں ہیں، اور ان سے یہ ثابت ہو سکتا ہے، کہ دلہن یا دولہن کے لواحقین کی طرف سے کھانا کھلایا جا سکتا ہے، اور اس کا نام بھی دعوت ولیمہ یا دعوت عرس ہے۔

وفی الحدیث نطلقها وتنکحت زوجا غیرہ والطعام المذکور ایضا داخل فی عموم الدعوۃ التی ورد الامر بوجوب الاجابۃ الیها۔

والقول بان الطعام المتخذ من جهۃ الزوجۃ او من جهۃ اهلها حرام او بدعۃ او مکروہ قول باطل لا معول علیه بل هو مخالف لعموم الاحادیث الدالۃ علی وجوب الاجابۃ الی عموم الدعوۃ قال الامام الشوکانی فی نیل الاوطار والظاهر الوجوب للاوامر الواردۃ بالاجابۃ من غیر صارف لها عن الوجوب ولجعل الذی لم یجب عاصیا وهذا فی ولیمۃ النکاح فی غایۃ الظهور واما فی غیرها من الولائم فان صدق علیه اسم الولیمۃ شرعا کما تقدم فی اول الباب کانت الاجابۃ الیها واجبۃ لا یقال ینبغی حمل مطلق الولیمۃ علی الولیمۃ المقیدۃ بالعرس کما وقع فی حدیث ابن عمر بلفظ اذا دعی احدکم الی ولیمۃ عرس فلیجب لانا نقول ذلک غیر ناتج للتقیید لما وقع فی الروایۃ المتعقبۃ لهذہ الروایۃ بلفظ من دعی الی عرس او نحوہ وایضا قوله صلی اللہ علیه وسلم من لم یجب الدعوۃ فقد عصی اللہ ورسوله یدل علی وجوب الاجابۃ الی غیر ولیمۃ العرس قال فی فتح الباری واما الدعوۃ فهی اعم من الولیمۃ وهی بفتح الدال علی المشهور وضمها قطرب فی مثلثاته وغلطوہ فی ذلک علی ما قال النووی وقال فی فتح الباری ایضا فی باب آخر والذی یظهر ان اللام فی الدعوۃ للعهد من الولیمۃ المذکورۃ اولا قال وقد تقدم ان الولیمۃ اذا اطلقت حملت علی طعام العرس بخلاف سائر الولائم فانها تقید انتهی ویجاب اولا بان هذا مصادرۃ علی المطلوب لان الولیمۃ المطلقۃ هی محل النزاع وثانیا بان فی احادیث الباب ما یشعر بالاجابۃ الی کل دعوۃ ولا یمکن فیه ما ادعاہ فی الدعوۃ وذلک نحو ما فی روایۃ ابن عمر بلفظ من دعی فلم یجب فقد عصی اللہ

باقی رہا یہ سوال کہ دلہن یا دلہن کے لواحقین کی طرف سے کھانا، کھانا مکروہ یا بدعت یا حرام ہے تو یہ قول باطل ہے، اس کی کوئی سند نہیں، بلکہ وہ عام احادیث کے مخالف ہے، جو وجوب اجابت پر دلالت کرتی ہیں، اور جو آدمی اس کو قبول نہ کرے سو وہ گنہ گار ہے، یہ تو شادی کی دعوت کے متعلق ہے، اور دوسری دعوتوں کا قبول کرنا بھی واجب ہے، بشرطیکہ ان میں کوئی شرعی مانع نہ ہو، ایک حدیث میں ہے، کہ جس نے دعوت کو قبول نہ کیا، اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، حضرت عبداللہ بن عمر کو اگر ولیمہ یا

ورسولہ وکذلک قولہ من دعی الی عرس او نحوہ فلیجب انتہی کلام الشوکانی
فی نیل الاوطار وقال فی فتح الباری ویحتمل ان تکون اللام للعموم وھو الذی فہمہ
الراوی الحدیث فکان یاتی الدعوۃ للعرس وغیرہ وھذا یؤید ما فہمہ ابن عمر وان
الامر بالاجابۃ لا یختص بطعام العرس انتہی کلام الحافظ فی فتح الباری وفی البخاری
باب اجابۃ الدعوۃ فی العرس وغیرہ واورد فیہ حدیث نافع عن ابن عمر انہ کان
یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجیبوا ھذہ الدعوۃ اذا دعیتم
لہا قال وکان ابن عمر یاتی الدعوۃ فی العرس وغیر العرس وھو صائم قال الحافظ
فی فتح الباری قولہ اجیبوا ھذہ الدعوۃ نحو[1] فیہ من ذلک کان حدیث اذا دعی
احدکم فلیجب عرسا کان اوغیرہ اعم من ان یکون من جانب الزوج اومن جانب
اھل الزوجۃ اومن جانب الزوجۃ

ھذا ما ظہر للحقیر فان کان صوابا فمن اللہ والحمد للہ وان کان خطاء فمنی
ومن الشیطان واستغفر اللہ والحمد للہ اولا واٰخرا وظاھرا وباطنا وحسبنا اللہ
نعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ
محمد واٰلہ وصحبہ وسلم ۔ حررہ الحقیر الفقیر الی احسان ربہ الباری حسین بن
محسن الانصاری الخزرجی السعدی الیمانی نزیل بھوپال فی الحال اصلح اللہ الحال
والمآل آمین آمین آمین ۔ یکم رمضان المبارک ۱۳۱۶ھ ہجری

الجواب صحیح والرای نجیح ۔ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین | سید محمد ابو الحسن | سید محمد عبد السلام غفرلہ

سوال :- بیٹی کی شادی میں اگر بیٹی والا بہ نیت سرور حادثہ عقد نکاح دختر کے بلا جبر
ولغیر ریا وتفاخر کے قرابت والوں اور دوستوں کو خواہ ان کا مکان قریب ہو یا بعید دعوت
کرے ، تو کھانا جائز ہے یا نہیں یا باراتیوں کی دعوت بلحاظ دعوت زور وضیف بلا جبر واکراہ

کسی اور دعوت میں بلایا جاتا ، تو اگر وہ روزہ سے بھی ہوتے ، تو بھی دعوت کو قبول کر لیتے ، اور ولیمہ کی دعوت کو
قبول کرنا جب واجب ٹھہرا ، تو پھر تمام دعوتیں اس میں شامل ہیں ، خواہ وہ مرد کی طرف سے ہوں یا عورت کی طرف
سے یا عورت کے لواحقین کی طرف سے ، واللہ اعلم ۱۲

(۱) ھکذا فی المنقول عنہ ولا شک فی انہ سقط ھھنا عبارۃ ۱۲

وبلا لحاظ رسم معمول کرے، تو وہاں کھانا کیسا ہے، اور حضرت نے بی بی فاطمہ رض کی شادی میں لوگوں کو کچھ کھلایا تھا یا نہیں یا کسی ازواج کی شادی میں کچھ کھانا کھلانا سنت ہے یا نہیں اور ولیمہ کی دعوت کے دن تک بعد از نکاح جائز ہے اور پانسو درہم سے زیادہ میں نکاح ہونا یہ نکاح مطابق سنت کے ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ فی الواقع صورت مندرجہ سوال حادثہ سرور و خوشی و فرحت تزویج کا ہے، اس میں کچھ طعام کھلانا سنت انبیاء علیہم السلام کی ہے، چنانچہ کلام نجاشی بادشاہ حبشہ سے مستفاد ہوتا ہے، جیسا کہ طبری نے سیر میں نقل کی ہے۔ فروی[1] انہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث عمرو بن امیۃ الضمری الی النجاشی لیخطبھا علیہ فزوجھا ایاہ واصدقھا عنہ اربع مائۃ دینار وبعث بھا الیہ مع شرحبیل بن حسنۃ وروی ان النجاشی ارسل الیھا جاریتہ ابرھۃ فقالت ان الملک یقول لک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی ان ازوجک وانھا ارسلت الی خالد بن سعید ابن العاص فوکلتہ واعطت ابرھۃ سوارین وخاتم فضۃ سرورا بما بشرتھا بہ فلما کان العشی امر النجاشی جعفر بن ابی طالب ومن ھناک من المسلمین فحضروا وخطب النجاشی فقال الحمد للہ الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ ارسلہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون۔ اما بعد فقد اجبت الی ما دعا الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد اصدقتھا اربع مائۃ دینار ذھبا ثم صب الدنانیر بین یدی القوم فتکلم خالد بن سعید فقال الحمد للہ احمدہ

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیۃ الضمری کو نجاشی کے پاس بھیجا، تا کہ ام حبیبہ کے متعلق نکاح کا پیغام دے پس نجاشی نے ان کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا، اور اپنی طرف سے چار ہزار دینار حق مہر ادا کیا اور ان کو شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ روانہ کر دیا، اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ نجاشی نے ام حبیبہ کے پاس ایک لونڈی کو بھیجا، اس نے جا کر کہا کہ بادشاہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے لکھا ہے، کہ میں تیرا نکاح کر کے ان کے پاس بھیج دوں ام حبیبہ نے اپنا وکیل خالد بن سعید بن عاص کو مقرر کیا اور اس لونڈی کو دو کنگن اور چاندی کی انگوٹھی بخش دی کیونکہ اس نے خوشخبری سنائی تھی پچھلے پہر نجاشی نے حضرت جعفر اور مسلمانوں کو بلایا، جب وہ آ گئے، تو نجاشی نے خود خطبہ پڑھا، اور کہا جو کچھ رسول اللہ صلی

واستعینہ واشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ و
رسولہ ارسلہ بالہدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون
امابعد فقد اجبت الی ما دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وزوجتہ ام
حبیبۃ بنت ابی سفیان فبارک اللہ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ودفع
الدنانیر الی خالد بن سعید بن العاص فقبضھا ثم ارادوا ان یقوموا فقال
اجلسوا فان سنۃ الانبیاء علیہم السلام اذا تزوجوا ان یوکل طعام علی التزویج
فدعا بطعام فاکلوا ثم تفرقوا اخرجہ صاحب الصفوۃ کما قالہ الطبری ھکذا
فی المرقاۃ نقلا عن المواھب۔ پس اگر والی دختر بطریق شکر یہ یکدو شی تزویج بقصد
سرور و ائتلاف و مواخات برادری و موالات اسلامی بلا قرض و وام او بدون تفاخر و
نام آوری و تبذیر ریا و مباہات دعوت و ضیافت اقربا و احباء کی کرے تو مشروع
و مباح بلکہ مستحب ہے کیونکہ یہ مہمانی عروسی ہے۔ عرس بالضم مہمانی عروسی کذا فی
الصراح وغیرہ، اور مہمانی عروسی و ولیمہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریب
نکاح حضرت فاطمہ زہرا کے ماثور اور منقول ہے، چنانچہ سیرت احمدیہ سے واضح ہوتا ہے
اور تعامل و تعارف سلف صالحین سے قرنا بعد قرن چلا آتا ہے۔ فقد صرح[1] الامام
الشافعی فی الام الولیمۃ التی تعرف ولیمۃ العرس وکل دعوۃ علی املاک او نفاس
او ختان او حادث سرور قال ابن العربی اصل الولیمۃ تمام الشئ واجتماعہ
وانفعل فیھا اولم تقع علی کل طعام تتخذ لسرور حادث من عرس واملاک
وغیرھما واستعالھا مطلقا فی العرس اکثر واشھر وفی غیرہ بالتقیید فیقال ولیمۃ
الاعذار ونحوہ کذا فی بدر التمام شرح بلوغ المرام ملا حسین المغربی الولیمۃ کل

اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا میں نے اس کی تعمیل کر دی، اور ام حبیبہ بنت ابی سفیان کا نکاح آپ سے کر دیا
اب اللہ اس نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برکت دے، اور حق مہر کی رقم خالد بن سعید کے سپرد
کر دی، پھر لوگ اٹھ کر جانے لگے، تو نجاشی نے کہا بیٹھ جاؤ، انبیاء کی یہ سنت رہی ہے کہ جب وہ شادی
کرتے ہیں تو کھانا کھلاتے ہیں، پھر کھانا منگایا، اور سب نے کھایا۔

[1] امام شافعی نے کہا، ولیمہ جو مشہور ہے، وہ شادی کی دعوت ہے، اور اس میں ہر خوشی کی دعوت شامل ہے
جو نکاح کی وجہ سے ہو یا ختنہ وغیرہ کی وجہ سے (بدر التمام شرح بلوغ المرام)

دعوۃ تتخذ لسرور من نکاح او ختان او غیرھما کذا فی مجمع البحار یا ور علاقہ مہمانی عروسی کا دونوں طرف سے پایا جاتا ہے، بنابر اس کے کہ مہمانی منسوب ہے طرف عروس کے اور عروس بالفتح زن و مرد نو خاستہ یک دیگر را یقال رجل عروس و امرأۃ عروس کذا فی الصراح وغیرہ تو اس صورت میں مہمانی عروسی دونوں طرف سے ثابت اور روا ہوئی عام ہے اس سے کہ بیٹی والا عقد نکاح کی دعوت کرے یا وقت زفاف یعنی رخصتی کے کرے، چنانچہ درمختار اور طحطاوی اور فتاوی عالمگیری سے واضح ہوتا ہے، اور دعوت عند املاک یعنی وقت تزویج اور عقد نکاح کے تقریر امام شافعی رح اور ابن العربی سے پہلے معلوم ہو چکا۔ الملاک والاملاک التزویج وعقد النکاح کذا فی مجمع البحار۔ املاک زن دادن کذا فی الصراح پس زن دادن وقت تزویج اور وقت رخصتی دونوں کو شامل ہے۔ کما لا یخفی علی المتامل الماہر نقل القاضی عیاض عن الاجری بضم الجیم عن محمد بن الحسین رض فی انکاح النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بلالا بقصعۃ من اربعۃ امداد او خمسۃ وبذبح جزور لولیمتہا قال فاتیتہ بذلک فطعن فی راسہا نحو ادخل الناس رفقۃ رفقۃ یاکلون منہا حتی فرغوا وبقی منہا فضلۃ فبرک فیہا وامر بحملہا الی ازواجہ وقال کلن واطعمن من غشیکن ای اتاکن والاحادیث فی ہذا الباب کثیرۃ وفیما ذکرنا کفایۃ انتہی کذا فی السیرۃ الاحمدیۃ للمولوی کرامت علی الدہلوی من تلامذۃ الشیخ العلامۃ عبد الحی ومولانا محمد اسحق الدہلوی رحمہما اللہ تعالیٰ وکذلک اذا اتخذ ولیمۃ لزفاف ابنتہ فاھدی الناس ھدایا فہو علی ما ذکرنا من التقسیم وھذا کلہ اذا لم یقل المہدی شیئا وتعذر الرجوع الی قولہ اما اذا قال اھدیت للاب او للام او للزوج او للمرأۃ فالقول

نقاضی عیاض نے نقل کیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رض کے نکاح کے وقت حضرت بلال کو حکم دیا انہوں نے چار پانچ مد کھانا تیار کیا، اور ایک اونٹ ذبح کیا گیا پھر آہستہ آہستہ لوگ آ کر کھانے لگے جب سب فارغ ہو گئے تو باقی ماندہ کھانا اپنی ازواج کے پاس بھجوا دیا، اور فرمایا خود بھی کھاؤ اور جس کو چاہو کھلاؤ، اس مضمون کی بہت سی احادیث مروی ہیں، عالمگیری میں ہے، کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیٹی کے زفاف کے موقع پر کھانا کھلائے، تو وہ کھانا سنت ہے، اور زفاف کا معنی ہے لڑکی کو اپنے گھر روانہ کرنا“

للمهدی کذا فی الظهیریة هکذا فی الفتاوی العالمگیریة وکذلک ان اتخذ ولیمة لزفاف ابنته فاهدی الناس هدایا فهو علی ماذکر من التقسیم انتهی هندیة والزفاف بکسر الزاء مصدر زفت المرأة الی زوجها زفافا وزفافا والمراد به بعثها الی بیته انتهی مافی الطحطاوی - زفاف عروس بخانہ شوی فرستادن کذا فی الصراح اقربا اور احباب بیٹی والے کے اور باراتی جو مسافت بعید سے آویں، یہ لوگ ضیف بیں داخل ہیں ضیف مہمان، ضیافت مہمانی داشتن کسے را کذا فی الصراح فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلیکرم ضیفہ الحدیث۔ دور سے آنے والے اور قریب والے لوگ مہمانی عروسی اور زور بیں بھی شامل ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان لزورك علیك حقا الحدیث، جب مدارات اور مہمانی کرنے کے بغیر تقریب شادی کی سنت اور مستحب ہے تو بروقت تقریب شادی کے کہ ہنگامہ سرور ہے مدارات اور مہمانی بطریق اولٰی مشروع آکد ہوگی اور اس تقریب میں اپنے اور بیگانے کو موجب فرحت اور سرور کا ہوتا ہے، سب شریک ہوا کرتے ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں اس کا ایک باب منعقد کیا ہے باب ذهاب النساء والصبیان الی ولیمة العرس - ابصر النبی صلی اللہ علیہ وسلم نساءا او صبیانا مقبلین من عرس الی اخر مافی صحیح البخاری - اور اوپر مذکور ہو چکا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - ولزورك علیك حقا یعنی زیارت کرنے والے اور آنے والے کے لئے بغیر تقریب شادی کے خاطر داری اکل و شرب میں لازم ہوئی تو تقریب شادی میں بطریق اولٰی ہوگی، اور اس خاطر داری میں قریب اور بعید بیٹی والے کے اور باراتی سب داخل ہیں، الغرض ضیافت اور دعوت براتیوں کی بھی بواسطہ سرور حصول نعمت از دواج دختر کے حسب مقدور بلا تکلف اور بلا جبر و اکراہ اور بغیر استدعائے والیان زوج کے مشروع و مستحب ہے ممنوع کسی طرح سے نہیں شرعا اسی نظر سے مولانا محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے مسائل اربعین میں لکھا ہے، کہ و آنچہ مروج

لہ جو آدمی اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہے، وہ اپنے مہمان کی عزت کرے ۱۲ سکہ تیری ملاقات کرنے والوں کا بھی تجھ پر حق ہے سکہ عورتوں اور بچوں کا ولیمہ کی طرف جانا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو شادی سے واپس آتے ہوئے دیکھا ۱۲

است کہ بعد نکاح والیان عروس بمردمان برات طعام میدہند این ہم بطریق ضیافت جائز است انتہی کلامہ، اور وجہ جواز کی یہ ہے، کہ طعام ضیافت اور دعوت محل سرور اور خوشی میں مشروع ہے، نہ محل شرور اور مصیبت میں۔ لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور کذا فی فتح القدیر وغیرہ۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعد تمام کرنے سورہ بقر کے اونٹ نحر کیا، اور دوستوں کو کھلایا، چنانچہ تفسیر عزیزی میں مذکور ہے، اور یہ بھی معلوم رہے کہ اس تقریب کو ایسا فرض و واجب جاننا کہ خواہ مخواہ قرض دام سے کرانجام کرنا مذموم اور خلاف شرع ہوگا۔ لقولہ تعالیٰ [1] ما جعل علیکم فی الدین من حرج، اور امر مباح و مستحب کو واجب جاننا بدعت ہے۔

مہر بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا بیس اونٹ ٹھہرایا تھا، یا بارہ اوقیہ سونے کا اور مہر ام حبیبہ کا چار سو دینار نجاشی بادشاہ نے مقرر کیا تھا اور آپ ہی انہوں نے ادا کر دیا، اور باقی ازواج مطہرات کا پانچسو درم سے زیادہ نہ تھا، اور مہر فاطمہ زہرا رض کا چار سو اسی درم تھا، اسی قدر مہر زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں باعتبار غالب عادت کے مروج تھا، باوجود اس کے حضرت کے مزاج مبارک میں تکلیف اور تکلف پسندیدہ نہ تھا، بہر حال یہ اولےٰ اور افضل ہے و موجب برکت ہے باعتبار اتباع کے نہ اس سبب سے کہ زیادت مہر ممنوع ہے شرعاً، کیونکہ نہی زیادت مہر کی پانسو سے وارد نہ ہوئی، بلکہ زیادت اس سے قرآن مجید سے ثابت ہوتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ [2] واتیتم احدٰھن قنطارا ای مہرا۔ قنطار معاذ بن جبل کے نزدیک ایک ہزار اور دو سو طلا ہوتا ہے، الغرض مہر کثیر حسب مقدور در ضا طرفین منع نہیں ہے۔ [3] علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ۔ حضرت عمر فاروق نے چاہا تھا کہ جو کوئی پانسو سے زیادہ مہر مقرر کرے، تو زیادہ بیت المال میں داخل ہو، اس پر ایک عورت نے ان کو الزام دیا، اور کہا اے عمر رض تو زیادت مہر کو منع کرتا ہے، اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ واتیتم احدٰھن قنطارا۔ پس رجوع کیا حضرت عمر رض نے اس سے، اور کہا عمر رض نے خطا کی اور عورت مصیب ہوئی، یا یہ کہا کلکم افقہ من عمر چنانچہ بدر التمام شرح بلوغ المرام اور

---

[1] اللہ تعالیٰ نے تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی [2] اور تم نے ان کو ایک خزانہ بھی دے دیا ہو، یعنی حق مہر میں [3] دولتمند پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے اور تنگدست پر اس کی حیثیت کے مطابق۔

مرقات اور دیگر تفاسیر میں مذکور ہے، حاصل کلام کا اس مقام میں یہ ہے، کہ نکاح زیادت مہر بالسوے ساتھ سنت تقریری کے بلا ریب بالاجماع ہو جاتا ہے، کیونکہ سنت یا قولی ہوتی ہے یا فعلی یا تقریری، چنانچہ سنت تقریری مہر کی در ضمن آیت کریمہ فان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم قالت عائشۃ رض ھی الیتیمۃ فی حجر ولیھا فیرغب فی جمالھا ومالھا ویرید ان یتزوجھا بادنی من سنۃ نسائھا فنھوا عن نکاحھن الا ان یقسطوا لھن فی اکمال الصداق وامروا بنکاح من سواھن من النساء ا ھ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما میں دیکھنا چاہیے کہ مہاجرین اور انصار میں مہر مختلف تھا، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحدید شرعی نہ فرمائی، کہ اس قدر چاہیے اور اس قدر منع ہے، بلکہ اس کو حسب حال مقدور درواج قوم کے موقوف رکھا، اپنے گھر میں جو حسب اتفاق مہر ٹھہرا عمل میں لایا امت مکلف ہے امر و نہی پر اور مصلحت بلا امر پر تکلف نہیں، چنانچہ قصہ بریرہ سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مصلحت کے اس سے کہا، کہ شوہر کو نہ چھوڑ دو اس نے کہا امر سے فرماتے ہیں یا سفارش کرتے ہیں، فرمایا سفارش، کہا سفارش مجھ کو منظور نہیں ہے، چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ میں یہ قصہ مذکور ہے۔

جواز دعوت ولیمہ ایک روز یا دو روز یا زیادہ ازیں صحیح بخاری اور اس کی شرح سے لکھا جاتا ہے واضح ہوگا۔ باب ذکر من اولم سبعۃ ایام کما رواہ ابن ابی شیبۃ من طریق حفصۃ بنت سیرین قالت لما تزوج ابی دعا الصحابۃ سبعۃ ایام الحدیث واخرجہ البیھقی ایضا من وجہ آخر ولحوہ ای نحوا لسبعۃ قیل یشیر الی روایۃ عبد الرزاق حدیث حفصۃ المذکور اذ فیہ عند ثمانیۃ ایام بدل

ل اگر تم کو ڈر ہو، کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے، تو جو عورتیں تم کو پسند ہوں، ان سے نکاح کرو، حضرت عائشہ رض نے کہا یہ یتیم بچی کے متعلق ہے، جو اپنے ولی کے پاس ہوتی، وہ اس کے جمال اور مال کی وجہ سے تھوڑا سا حق مہر مقرر کر کے اپنے گھر میں نکاح کر لیتا، تو اس سے منع کر دیا گیا، ہاں اگر وہ پورا حق مہر اور پورے حقوق دیں، تو جائز ہے، ورنہ کسی اور عورت سے نکاح کر لیں ۱۲

ہ ولیمہ کی دعوت سات روز تک جائز ہے حفصہ بنت سیرین کہتی ہیں کہ میرے باپ نے شادی کی، اور صحابہ کو سات دن تک بلایا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں

سبعۃ ولم یوقت النبی صلی اللہ علیہ وسلم للولیمۃ وقتا یختص بہ الایجاب او الاستحباب یوما ویومین نعم اخرج ابوداؤد والنسائی من طریق قتادۃ عن عبد اللہ بن عثمان الثقفی عن رجل من ثقیف کان یثنی علیہ ان لم اسمہ زھیر بن عثمان فلا ادری ما اسمہ لقولہ قتادۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الولیمۃ اول یوم حق والثانی معروف والثالث ریاء وسمعۃ قال البخاری فی تاریخہ لا یصح اسنادہ ولا یصح لزبیر صحبۃ قال وقال ابن عمرؓ وغیرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعی احدکم الی الولیمۃ فلیجب ولم یخص ثلاثۃ ایام ولا غیرھا انتہی ولحدیث زھیر بن عثمان شواھد منھا عند ابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ مثلہ وفیہ عبد الملک بن حسین وھو ضعیف جدا ولو احادیث اخر ضعیفۃ لکن مجموعھا یدل علی ان للحدیث اصلا وقد عمل بظاھر ذلک الحنابلۃ والشافعیۃ فقالوا تجب فی الیوم الاول ویستحب فی الثانی وتکرہ فیما بعدہ انتہی ما فی القسطلانی شرح البخاری واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ۔

شرف سید کونین ۱۲۸۱ شریف حسین

الجواب صحیح والرای نجیح۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین شریعت سید المرسلین اس مسئلہ میں کہ بروز شادی دلہن کے مکان میں کھانا کھانا از روئے شرع شریف کے جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

کیا جس کو قبول کرنا واجب ہو، ایک دن یا دو دن وغیرہ اور وہ حدیث جس میں مذکور ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ولیمہ پہلے دن حق ہے، اور دوسرے دن معروف ہے، اور تیسرے دن ریا ودکھلاوا ہے، امام بخاری نے تاریخ میں کہا ہے، کہ اس کی سند ضعیف ہے، اور زبیر کی صحبت بھی ثابت نہیں ہے، اور ایک حدیث میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جب تم میں سے کسی کو ولیمہ کی طرف بلایا جائے، تو اسے قبول کرے، اور تین دن یا کم وبیش کی تخصیص نہیں کی حنابلہ اور شوافع نے زھیر بن عثمان کی حدیث کی بنا پر کہا ہے، کہ پہلے دن ولیمہ کی دعوت کو قبول کرنا واجب ہے، اور دوسرے دن مستحب ہے، اور اس کے بعد مکروہ ہے (قسطلانی شرح بخاری)

الجواب: قبل اس کے کہ جواب لکھا جائے، بطور مقدمہ کے چند باتوں کا لکھنا ضروری ہے، پس واضح ہو کہ عرس بضم مهمانی عروسی و عروس بروزن صبور زن و مرد نو خواستہ یک دیگر را چنانچہ صراح وغیرہ کتب لغت سے ہویدا ہوتا ہے، اور ولیمہ اس طعام کو کہتے ہیں، جو بوقت سرور حادثہ کے تیار کیا جاوے، لیکن مشہور طعام نکاح میں زیادہ تر ہے، اور مہمانی عروسی دونوں طرف مرد و زن کی مہمانی پر دلالت کرتی ہے۔ کما لا یخفی علی اهل المذاق۔ الولیمة کل طعام یتخذ لسرور من نکاح او ختان او غیرهما و اشهر استعمالها علی الاطلاق فی النکاح کذا فی مجمع البحار وقال صاحب المحکم الولیمة طعام العرس والاملاك، وقیل کل طعام صنع بعرس وغیره وقال الشافعی واصحابه تقع الولیمة علی کل دعوة تتخذ لسرور حادث من نکاح او ختان او غیرهما لکن اشهر استعمالها عند الاطلاق فی النکاح وتقید فی غیره فیقال ولیمة الختان ونحو ذلك وقال شیخنا الولا لم یسبع ولیمة الاملاك وهو التزویج وولیمة الدخول وهو العرس والمادبة لما یتخذ بلا سبب ففیها تفصیل لانها ان کانت بقوم مخصوصین فهی النقری بفتح النون والقاف مقصور وان کانت عامة فهی الجلفی بالجیم والفلد بوزن اولی انتهی ما فی فتح الباری مختصرا وایضا فیه اما دعوة فهی اعم من الولیمة وعن نافع اذا دعی احدکم الی ولیمة عرس فلیجب واخرجه مسلم وابو داؤد من طریق ایوب عن نافع بلفظ اذا دعا احدکم اخاه الی عرس او نحوه فلیجب وهذا یؤید ما فهمه ابن عمر رضی الله عنه ان الاجابة لا تختص بطعام عرس وقد اخذ بظاهر الحدیث الشافعیة بوجوب الاجابة الی الدعوة مطلقا عرسا کان او غیره بشرطه ونقله ابن عبد البر عن

ولیمہ ہر وہ کھانا ہے جو خوشی کے موقع پر تیار کیا جاتے شادی ہو یا ختنہ یا کچھ اور لیکن زیادہ مشہور شادی کا کھانا ہے، پھر ایک ولیمہ نکاح ہے اور ایک ولیمہ زفاف ہے، اور دعوت وہ ہے جو بلا سبب ہو پھر دعوت اگر کسی خاص قوم کی ہو تو اسے نقری کہا جاتا ہے، اور اگر عام ہو تو اسے جفلی کہا جاتا ہے بلور دعوت ولیمہ سے عام ہے، نافع کی حدیث میں ہے، کہ جب کسی کو دعوت ولیمہ میں بلایا جاوے تو اسے قبول کرے، عبداللہ بن عمر کی حدیث میں ولیمہ اور اس کے علاوہ دوسری دعوت کا بھی ذکر ہے بلور خود ان کا عمل بھی یہی تھا، اور وہ ولیمہ اور دوسری عام دعوتوں کو قبول کیا کرتے تھے، ابن حزم نے کہا جمہور صحابہ اور تابعین کا یہی مذہب ہے۔

عبد اللہ بن الحسن العنبری قاضی البصرۃ وزعم ابن حزم انہ قول جمہور الصحابۃ والتابعین انتہی ما فی فتح الباری مختصرا

اب صاحبان شریعت غراو ماہران سیر و تعامل قرون ثلاثہ و واقفین موارد کلام عرب پر مخفی نہ رہے، کہ والی دلہن کے مکان پر کھانا تین وجہ سے درست و مباح بلکہ مستحب کو سنت بلکہ واجب ہے، بروایت مسلم اذا دعا احدکم اخاہ فلیجب عرسا کان او نحوہ یعنی عموم اجابت دعوت میں طعام والی دلہن کا بھی داخل اور شامل ہے، اور نیز اجابت دعوت والی دلہن کے روز برات کے ولیمۃ الاملاک سے صاف استحباب ظاہر ہوتا ہے، اور معنی املاک کا لغت میں تحمیر سخت کردن وزن دادن ہے، جیسا کہ صراح وغیرہ کتب لغت میں مذکور ہے، اور نسبت زن دادن کی طرف والی زن کے صریح ہے اور ولیمۃ الاملاک ھو التزویج مغایر ھی ولیمۃ الدخول ھو العرس ہے پس علاقہ ولیمۃ الاملاک کا جانب والی زن کے سمجھنا چاہیئے، اور وظیفہ ولیمۃ الدخول ہو العرس کا طرف ناکح کے جاننا چاہیئے، فی الجملہ دعوت دلہن کے مکان پر کھانا مباح ہے، اور منع و مکروہ نہیں ہے، بلکہ واجب ہے ان کے نزدیک کہ خو"فلیجب" میں امر وجوبی کہتے ہیں علی الاطلاق تو امر فلیجب سے اجابت دعوت دلہن کے والی کی واجب ہوگی، اور تارک اس کا عاصی اور گنہ گار ہوگا کما فی صحیح البخاری من ترک الدعوۃ فقد عصی اللہ و رسولہ عن ابی ھریرۃ رض وھکذا فی صحیح مسلم وغیرہ۔ اور دعوت والی دلہن کی دعوت مادبہ میں بھی داخل ہے، اور دعوت مادبہ کی دو نوع ہے اگر خاص دعوت اہل برات مردمان ناکح کی طرف کی ہوگی، تو وہ نقری میں داخل ہے، اور اگر وہ دعوت عام ہے، تو جفلی میں داخل ہے، اور یہ اسامی دعوت کے قرون ثلاثہ و قدما مجتہدین اعلام و محدثین کرام سے منقول اور نام زد ہوئے ہیں، یہ محدث اور بدعت نہیں کما لا یخفی علی ماھر تعامل السلف من الصحابۃ والتابعین وعلی واقف لغات العرب۔ ہاں اگر والی دلہن کے ضیافت اور دعوت دولہا کی نہ کریں، اور دولہا والے جبراً و قہراً دلہن والے سے ضیافت برات خواہ مخواہ طلب کریں، تو یہ بات نہ مشروع ہے اور نہ جائز ہے، کیونکہ دعوے اور طلب دولہا کا بلا سبب شرعی جبراً باطل ہے، اور جو والی دلہن حسب مقدرت بلا قرض و بغیر مشقت برضا و رغبت دولہا کے برات کی کریں تو مصیب ہوں گے اور اجابت

اس دعوت کی بموجب ضیافت اور دعوت روایت صحیح مسلم کے مباح اور مستحب بلا نکیر ہوگی، اور جن کے نزدیک فلیجب سے امر وجوب کے واسطے ہے، تو واجب ہوگی جاء الحق وزہق الباطل پھر جو کوئی نادان از راہ جہالت کے اس دعوت کو حرام جانے تو وہ احکام شرعیہ سے جاہل ہے، اس کے حق میں اعرض عن الجاہلین پڑھنا چاہیئے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ فقط۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ۔ اس صورت میں کہ ایک شخص سود لیتا ہے، اور علاوہ اس کے اس کا حلال پیشہ بھی ہے، اور جب کسی کی ضیافت کرتا ہے، اس وقت کہتا ہے، کہ میں جو کھلاتا ہوں، حلال میں سے ہے، ایسے شخص کے یہاں کھانا جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جب وہ شخص ضیافت کے وقت کہتا ہے، کہ جو کھلاتا ہوں وہ حلال میں سے ہے، اور اس کا حلال پیشہ بھی ہے، تو اس کے یہاں کھانا جائز ہے فقہائے حنفیہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے، اشباہ والنظائر میں ہے۔ اذا کان غالب مال المهدی حلالا فلا باس بقبول هدیته واکل ماله ما لم یتبین انه من حرام وان کان غالب ماله الحرام لا یقبلها ولا یاکل الا اذا قال انه من حلال ورثه او استقرضه اور عالمگیری میں بھی ہے اهدی الی رجل شیئا او اضافه ان کان غالب ماله من الحلال فلا باس الا ان یعلم بانه حرام فان کان الغالب هو الحرام ینبغی ان لا یقبل الهدیة ولا یاکل الطعام الا ان یخبره انه حلال ورثه او استقرضه من رجل واللہ اعلم بالصواب

حررہ خلیل الرحمٰن عفی عنہ۔ ۲۳ محرم الحرام سنہ ۱۳۱۲ھ ہجری

سید محمد نذیر حسین

---

[1] اشباہ والنظائر اور عالمگیری میں، جب ہدیہ دینے والے کا اکثر مال حلال ہو، تو اس کا ہدیہ قبول کرنے اور کھانا کھا لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، جب تک کہ معلوم نہ ہو جائے، کہ یہ کھانا حرام ہے، اگر اس کا اکثر مال حرام ہو تو نہ ہدیہ قبول کرے نہ کھائے، ہاں اگر وہ کہہ دے کہ یہ حلال مال سے ہے، جو ورثہ میں ملا ہے، یا قرض لیا ہے، تو جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سوال: (۱) بعض اشخاص فرقہ اسلامیہ میں زبان اور دل سے فقط مدعی تسلیم اسلام ہیں، اور گاہ گاہ ادائے نماز وغیرہ ارکان فرائض و سنن میں شامل ہو جاتے ہیں، لیکن منہیات شرع مثلاً زنا و فسق و فجور سے بھی اکثر اوقات پرہیز نہیں کرتے، ان کے گھروں سے دعوت کا شرعاً کیا حکم ہے۔

(۲) ملک پنجاب میں قوم بھنگی یعنی چوہڑے کوئی ظاہر میں تو کام مشروع نہیں کرتے مگر زبانی کلمہ محمدی پڑھ لیتے ہیں، اپنے آپ کو بہت کاموں میں شامل کر لیتے ہیں، گویا کہ خود بخود مدعی اسلام ہیں اور منکر اسلام نہیں ہوتے، ان کے گھروں میں برائے نکاح خوانی وغیرہ کو جانا ممنوع ہے یا نہیں، مثل ہندوان یک لخت منکر اسلام نہیں ہیں، اور مردار کھا لیتے ہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: (۱) واضح ہو کہ اشخاص مذکورہ یعنی جو مدعی اسلام ہیں، اور ترک صلوۃ ان سے تہاوناً و تکاسلاً پایا جاتا ہے، اور منہیات شرع سے اکثر اوقات پرہیز نہیں کرتے عوام کو ان کی دعوت قبول کر لینا جائز ہے، اس لئے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذا دعی احدکم الی طعام فلیجب فان شاء طعم وان شاء ترک رواہ مسلم اور فرمایا من لم یجب الدعوۃ فقد عصی ابا القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ارشاد کیا کہ حق مسلم کے مسلم پر پانچ ہیں منجملہ ان کے اجابت دعوت کو بھی فرمایا، البتہ علمائے دیندار اور مقتدائے تقوی شعار کو ایسی دعوتوں سے اجتناب و احتراز چاہیئے، کیونکہ بیہقی میں عمران بن حصین سے مروی ہے، کہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اجابۃ طعام الفاسقین، پس بمقتضائے عموم حدیث عوام الناس کو اجابت دعوت اشخاص مذکورہ میں مضائقہ نہیں، اور خواص کو بفحوائے حدیث عمران بن حصین شریک ہونا زیبا نہیں ہے، واللہ اعلم

(۲) مخفی نہ رہے، کہ اگر سائل کے اس قول سے کہ قوم بھنگی یعنی چوہڑے کوئی ظاہر میں تو کام مشروع بجا نہیں لاتے، مگر زبانی کلمہ محمدی پڑھ لیتے ہیں، اور مردار کھا لیتے ہیں، یہ

۱؎ جب تم میں سے کسی کو کھانے کی طرف بلایا جائے تو اس دعوت کو قبول کرے، پھر چاہے تو کھائے چاہے تو نہ کھائے، اور فرمایا جس نے دعوت قبول نہ کی، اس نے ابو القاسم کی نافرمانی کی ۱۲

۲؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسقین کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے ۱۲

مراد ہے، کہ پابند صوم وصلوٰۃ و حج و زکوٰۃ نہیں، اور مستحل مردار ہیں اور کلمہ طیبہ عرف ورسم و رواج کے طور پر پڑھ لیتے ہیں، اور نیز دفن میت بھی بایں طور کرتے ہیں، تو ان کی نکاح خوانی مسلمانوں کو نہیں چاہیئے، اور اگر نفس الامر میں مؤمن باللہ والیوم الآخر ہیں، اور اللہ و رسول کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانتے ہیں، اور یہ افعال و حرکات بحرص و ہوائے نفسانی مثل فساق سرزد ہوتے ہیں، تو ان کی نکاح خوانی جائز ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ محمد حمایت اللہ عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

ھوالموفق:۔ جو مسلمانان کہ گاہ گاہ ادائے نماز وغیرہ فرائض و سنن میں شامل ہوتے ہوں، اور زنا و فسق و فجور سے اکثر اوقات پرہیز نہ کرتے ہوں، وہ بلا اشبہ فاسق و فاجر ہیں، میرے نزدیک ایسے فاسق لوگوں کی دعوت قبول کرنے سے ہر شخص کو احتراز چاہیئے، عوام اور خواص، علماء اور غیر علماء میں سے کسی کو بھی ایسے لوگوں کی دعوت قبول نہیں کرنی چاہیئے، کیونکہ عمران بن حصین کی حدیث نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اجابۃ طعام الفاسقین سے عموماً ہر شخص کے لئے ممانعت ثابت ہوتی ہے، اس حدیث کو صاحب مشکوٰۃ نے بیہقی کی کتاب شعب الایمان سے نقل کیا ہے، اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس حدیث کو ذکر کر کے لکھا ہے۔ اخرجہ[1] الطبرانی فی الاوسط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسق لوگوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔"

(۱) قولہ اخرجہ الطبرانی فی الاوسط الخ اقول عزاہ الھیثمی فی مجمع الزوائد الی الطبرانی فی الکبیر والاوسط ثم قال فی سندہ ابو مروان الواسطی ولم اجد من ترجمہ انتھی

ابوسعید محمد شرف الدین عفی عنہ

(ترجمہ) میں کہتا ہوں ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اس روایت کے متعلق کہا ہے، کہ طبرانی نے اوسط اور کبیر دونوں میں اسے بیان کیا ہے، اس کی سند میں ابو مروان واسطی ایک شخص ہے جس کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔

ابوسعید شرف الدین عفی عنہ

کتاب الطلاق والخلع

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خلع میں کس قدر عدت ہے، ایک حیض تک، یا تین حیض، ایک حیض کی عدت تو زید کہتا ہے، اور عمرو تین حیض کی عدت کہتا ہے، اب عوام الناس کس پر عمل کریں، اور میں نے ایک نکاح خلع والی عورت کا ایک حیض کے بعد پڑھا دیا ہے، اب کیا حکم ہے شرع میں، اس نے خلع بالعوض مہر کے کیا ہے، موافق قرآن وحدیث کے تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- واضح ہو کہ اس میں قول زید کا قرین صواب اور احادیث معتبرہ کے موافق ہے یعنی خلع کی عدت صرف ایک حیض ہے، کیونکہ خلع طلاق نہیں ہے بلکہ فسخ وتفریق کا نام ہے، اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے سورہ بقرہ میں خلع کو طلاق سے علیحدہ طور پر بیان فرمایا ہے، اول آخر طلاق کا ذکر کیا، اور درمیان میں خلع کو بیان فرمایا اس سے پایا گیا کہ طلاق کے حکم سے خلع کا حکم جدا ہے، طلاق کی عدت تین حیض ہے اور خلع کی عدت ایک حیض، جیسا کہ ترمذی اور ابوداؤد اور ابن ماجہ میں مذکور ہے ترمذی اور ابوداؤد کی یہ روایت یہ ہے۔ عن ابن عباس ان امراۃ ثابت بن قیس اختلعت من زوجها علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم فامرها النبی صلی الله علیه وسلم ان تعتد بحیضة[1] اور ترمذی اور ابن ماجہ میں ربیع بنت معوذ بن عفراء سے اسی کے موافق مروی ہے، اور نسائی میں بسند صحیح ایسا ہی ہے، اور حضرت عثمان بن عفان اور ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح منقول ہے، اور اکابر صحابہ میں سے کسی کا فتوی صحیح دفتوی طور پر اس کے خلاف نہیں پایا گیا، جیسا کہ زاد المعاد میں مذکور

---

[1] ثابت بن قیس کی عورت نے اپنے خاوند سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خلع کیا تو آپ نے اس کو ایک حیض عدت گذارنے کا حکم دیا۔

ہے، اور تفسیر ابن کثیر میں اس کے موافق روایتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، فقط، واللہ اعلم بالصواب۔ راقم عبدالجبار عمر پوری کان اللہ لہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بابت خرچ نفقہ اپنی زوجہ کے اقرارنامہ لکھدیا، اور یہ عبارت بھی لکھ دی، جو کہ ذیل میں نقل ہے، ایک ماہ تک روپیہ ماہواری ادا نہ کروں گا، تو موافق آئین خدا اور رسول کے میری طرف سے یہ اقرارنامہ بطور فارغ خطی سمجھا جاوے، اب سوال یہ ہے، کہ نفقہ سال بھر سے زید نے نہیں دیا، تو اس صورت میں طلاق ہو گئی یا نہیں، اور دیگر یہ اقرار تین مرتبہ دو مرد ایک عورت کے سامنے بھی زید نے کیا، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں جو زید نے زوجہ کی مفارقت کے لئے تعلیق ایک ماہ نفقہ نہ دینے کی کی ہے، اور اس کو ایک سال گذر گیا، کہ اس نے کچھ نہیں دیا، تو شرط تعلیق موجود ہو گئی، اور فارغ خطی بھی یہاں کے عرف میں طلاق ہے تو اس کی زوجہ پر طلاق واقع ہو کر عدت بھی گذر گئی، اب اس کو اختیار ہے، کہ جس سے چاہے یعنی اور مرد سے اپنا نکاح کر لے، واللہ اعلم بالصواب،

سید محمد نذیر حسین | یقال لہ ابراہیم | حررہ فقیر محمد حسین

سوال:۔ زید نے ہندہ سے نکاح کیا، اور قبل خلوت صحیحہ کے طلاق دے دی، اور قبل گذرنے عدت کے بکر نے ہندہ سے نکاح کر لیا، اس قسم کی طلاق میں عدت کی قید ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جب طلاق قبل خلوت صحیحہ کے دی جائے تو عدت نہیں ہوتی پس بکر کا نکاح صحیح ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید عبدالحفیظ عفی عنہ،

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کا زید کے ساتھ عقد ہوا، جب زید ہندہ کے پاس گیا، تو معلوم ہوا، کہ وہ نامرد ہے، مردوں کی طرح وہ جماع پر قادر نہ ہو سکا، بعض مرتبہ اگر دخول ہو گیا، تو عضو فوراً استرخی ہو کر بے کار ہو جاتا تھا اور پھر اس کی حالت نامردی کی اور ترقی کر گئی، زید نے بعد شادی علاج بھی کیا، لیکن

اس میں وہ کامیاب نہ ہوا، اور زید نے ہندہ اور اولیائے ہندہ سے یہ بھی کہا، کہ فیصلہ کر لو یعنی طلاق لے لو، اور مہر معاف کر دو، اولیائے زید نے زید کو سمجھایا، کہ گھبراؤ مت اپنا علاج کرو، پھر دیکھا جائے گا، لیکن زید ایسا گھبرایا، کہ اس نے نکل جانے کا ارادہ کیا، اور ہندہ سے کہا، کہ اچھا ہوں گا تو آؤں گا، ورنہ نہیں آؤں گا، ہندہ نے کہا میں کیا کروں گی، زید نے کہا، چند دنوں یعنی تین چار مہینے تک میرا انتظار کرنا، پھر کوئی کسی کے لئے بیٹھا تھوڑا ہی رہتا ہے، نہ میں خوبصورت ہوں، نہ مالدار جو مجھ سا تم کو کوئی اور نہ ملے گا، پھر بلا اطلاع چل دیا، اور پھر آج تک جس کو عرصہ ڈیڑھ برس کا ہوا، اس کا کہیں پتہ نہ چلا، باوجود تلاش کے اس کی کچھ خبر نہ ملی، اور نہ اپنی کچھ خبر ہندہ کو بھیجی، اب ہندہ ضروریات بشریہ کی وجہ سے متضرر ہے، اب وہ عقد ثانی کرنا چاہتی ہے، لہذا شرع شریف کا ہندہ کے لئے کیا حکم ہے، اور جہاں تک غور کیا جاتا ہے زید کی واپسی کی کوئی امید نہیں ہے، اور زید ایک مسافر غریب الوطن تھا۔

الجواب:- اس صورت میں شرع شریف کا حکم ہندہ کے لئے یہ ہے، کہ وہ عقد ثانی کر سکتی ہے، اگر عدت گذر چکی ہے، اور اگر عدت نہیں گذری ہے، تو عدت گذرنے کے بعد کر سکتی ہے، اس لئے کہ ہندہ پر طلاق کنائی واقع ہو چکی ہے، وہ عورت انقضائے عدت کے بعد عقد ثانی کر سکتی ہے، ہندہ پر اس لئے طلاق کنائی ہو چکی ہے، کہ زید نے ہندہ کے پوچھنے پر کہ تمہارے چلے جانے کے بعد میں کیا کروں گی کہا "چند دنوں یعنی تین چار مہینے تک میرا انتظار کرنا، پھر کوئی کسی کے لئے بیٹھا تھوڑا ہی رہتا ہے، نہ میں ایسا خوبصورت ہوں نہ مالدار جو مجھ سا تم کو کوئی اور نہ ملے گا" جس کا مطلب بہت صاف ہے، کہ زید نے ہندہ سے کہا کہ تم مدت مذکورہ یعنی تین چار مہینے تک میرا انتظار کرنا، پھر دوسرا عقد کر لینا، کیونکہ کوئی کسی کے لئے بیٹھا تھوڑا ہی رہتا ہے، تو تم بھی میرے لئے بیٹھی نہ رہنا، بلکہ دوسرا عقد کر لینا، پس زید کا یہ قول لفظ ابتغی الازواج[1] سے ایقاع طلاق میں زیادہ صاف ہے، بلکہ قریب بتصریح ہے، کیونکہ لفظ ابتغی الازواج میں جس قدر غیر طلاق کا احتمال ہے، اس قدر زید کے اس قول میں نہیں ہے، اور لفظ ابتغی الازواج طلاق کنائی ہے، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں مذکور ہے، تو زید کا قول مذکور

[1] کوئی خاوند تلاش کر لے ۱۲

بالا دونے طلاق کنائی ہے، ہدایہ صفحہ ۳۵۴ جلد ا کی عبارت یہ ہے۔ [1] وبقیۃ الکنایات اذا نوی بہا الطلاق کانت واحدۃ بائنۃ وان نوی ثلاثا کانت ثلاثا وان نوی ثنتین کانت واحدۃ بائنۃ ھذا مثل قولہ انت بائن وبتۃ وتبلۃ وحرام والی قولہ) وابتغی الازواج اور ایسا ہی کنز الدقائق میں ہے، اور فتاوی عالمگیری صفحہ ۵۲۹ جلد ا میں ہے۔ [2] ابتغی الازواج یقع واحدۃ بائنۃ ان نواھا او ثنتان وثلاث ان نواھا ھکذا فی شرح الوقایۃ اھ

باقی رہا یہ امر کہ زید کی نیت بھی اس قول سے طلاق کی تھی یا نہیں، سو واضح رہے کہ ضرور تھی، اور یہ بہت ظاہر ہے، اس سلئے کہ زید نے جو یہ بات کہی تھی، ہندہ کے پوچھنے پر کہی تھی، کہ تمہارے چلے جانے کے بعد میں کیا کروں گی، اور ایسی حالت میں ظاہر ہی ہے، کہ زید کی نیت طلاق ہی کی تھی، یہاں تک کہ اگر زید بالفرض اس نیت سے انکار بھی کرے، کہ میری نیت اس قول سے طلاق نہ تھی، تو اس کا یہ قول اخیر مسموع نہ ہوگا، ہدایہ صفحہ ۳۵۴ جلد ا میں ہے۔ [3] وفی حالۃ مذاکرۃ الطلاق لم یصدق فیما یصلح جوابا ولا یصلح ردا فی القضاء مثل قولہ خلیۃ بریۃ بائن بتۃ حرام اعتدی امرک بیدک اختاری لان الظاہر ان مرادہ الطلاق عند سوال الطلاق اھ اور ظاہر ہے، کہ زید کا قول مذکور ہندہ کے سوال کا جواب ہے، نہ ہندہ کے سوال کا رد، اور نہ وہ رد ہونے کا صالح ہے، الحاصل ہندہ پر طلاق کنائی واقع ہو چکی ہے، تو ہندہ کو شرعا اختیار ہے، کہ اگر عدت گذر چکی ہے، تو ابھی عقد ثانی کر سکتی ہے، ورنہ بعد انقضائے عدت واللہ تعالے اعلم بالصواب، اور اگر بالفرض زید کا قول مذکور طلاق قرار نہ دیا جاوے، تو

---

[1] طلاق کنائی میں اگر نیت ایک طلاق کی ہو، تو ایک طلاق واقع ہوگی، اور اگر تین کی نیت ہوگی، تو تین ہوں گی، اور ایک دو کی نیت ہوگی، تو ایک بائن ہوگی، جیسے کہے تو بائن ہے، تو بتہ ہے، تو تبلہ ہے، حرام ہے ۱۲

[2] اگر یہ لفظ کہے، کہ کوئی خاوند تلاش کرلے، تو اگر نیت ایک طلاق کی ہوگی، تو ایک ہوگی، دو کی ہوگی تو دو، اور تین کی ہوگی، تو تین ۱۲

[3] اگر طلاق کا تذکرہ ہو رہا ہو، اور مرد کوئی ایسی بات کہے، جو سوال کا جواب ہو سکے، تو وہ اگر طلاق کا انکار کرے، تو اس کو سچا نہ سمجھا جائے گا، جیسے تو خالی ہے، تو بری ہے، تو بائن ہے، تو بتہ ہے، تو حرام ہے، تجھے اختیار ہے، کیونکہ اس صورت میں ظاہر طلاق ہی مراد ہے، جب کہ وہ طلاق کا سوال کر رہی ہو ۱۲

اگر زید نے ہندہ کے لئے نفقہ نہیں چھوڑا ہے، جیسا کہ عبارت سوال سے اس کا اشعار ہوتا ہے، تو اگر ایسی حالت میں ہندہ فسخ نکاح کی طالب ہو، تو شرعاً اس کے نکاح کے فسخ کر دینے کا حکم ہے، اور جب نکاح فسخ کر دیا جاوے، تو انقضائے عدت کے بعد ہندہ عقد ثانی کر سکتی ہے، رد المحتار چھاپہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۵ میں فتاوے قاری الہدایہ سے منقول ہے۔ حیث سئل عمن غاب زوجها ولم يترك لها نفقة فاجاب اذا اقامت بينة على ذلك وطلبت فسخ النكاح من قاض يراه ففسخ نفذ وهو قضاء على الغائب وفي نفاذ القضاء على الغائب روايتان عندنا فعلى القول بنفاذه يسوغ للحنفي ان يزوجها من الغير بعد العدة واذا حضر الزوج الاول وبرهن على خلاف ما ادعت من تركها بلا نفقة لاتقبل بينته لان البينة الاولى ترجحت بالقضاء فلا تبطل بالثانية اھ ويؤيده ما في بلوغ المرام وهو ما اخرجه سعيد بن منصور عن سفيان عن ابي الزناد عن سعيد بن المسيب في الرجل لا يجد ما ينفق على اهله قال يفرق بينهما قال ابو الزناد وقلت لسعيد بن المسيب سنة قال سنة وهذا مرسل قوي اھ وفي شرحه سبل السلام صفحہ ۱۲۷ جلد ۳ ومراسيل سعيد معمول بها لما عرف من انه لا يرسل الا عن ثقة قال الشافعي والذي يشبه ان يكون قول سعيد سنة سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم اھ وفيه ايضا وقد اخرج الدارقطني والبيهقي من حديث ابي هريرة مرفوعا بلفظ قال قال رسول الله صلى الله عليه

لے اگر کوئی آدمی غائب ہو جائے، اور عورت کے لئے خرچ نہ چھوڑ جائے، اور عورت اس پر دلائل پیش کر کے ثابت کر دے، اور فسخ نکاح کا مطالبہ کرے، تو میرے خیال میں قاضی اگر فسخ کر دے تو یہ فیصلہ نافذ ہو گا، ہمارے نزدیک غائب کے خلاف فیصلہ دینے میں دو روایتیں ہیں، ایک قول کے مطابق اس کا فیصلہ نافذ ہو گا، حنفی کو جائز ہے، کہ عدت کے بعد اس عورت کا نکاح کسی اور سے کر دے، اگر اس کے بعد اس کا خاوند آ جائے، اور کہے کہ اس کے پاس خرچ موجود تھا، اور دلائل سے ثابت بھی کر دے تو بھی اس کی دلیل قبول نہ کی جائے گی، کیونکہ پہلی دلیل فیصلہ کی وجہ سے راجح ہو چکی ہے وہ دوسری سے باطل نہ ہو گی، اس کی تائید سعید بن مسیب کے قول سے بھی ہوتی ہے، کہ اگر کوئی آدمی بیوی کو خرچ نہ دے سکے، تو ان میں تفریق کر دی جائے، میں نے سعید سے پوچھا کیا یہ سنت ہے؟ کہا ہاں، اور یہ مرسل قوی ہے

وسلم فی الرجل لا یجد ما ینفق علی امرأتہ قال یفرق بینہما اھ وفی بلوغ المرام ایضا عن عمر رض انہ کتب الی امراء الاجناد فی رجال غابوا عن نسائھم ان یاخذوھم بان ینفقوا او یطلقوا الحدیث اخرجہ الشافعی ثم البیہقی باسناد حسن اھ وفی سبل السلام صفحہ ۱۲۸ جلد ۲ ھذا دلیل علی انہ یجب احد الامرین علی الازواج الانفاق او الطلاق اھ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ محمد عبداللہ عفی عنہ | مدرسہ احمدیہ | سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ایک عورت برس ڈیڑھ برس ایک شخص کے نکاح میں رہی، پھر وہ شخص دوسری جگہ سکونت کرنے کو جانے لگا، اس وقت اس کی عورت نے کہا مجھ کو بھی ہمراہ لیتے چلو، تب اس کے خاوند نے کہا، کہ میں پندرہ روز بعد بلوالوں گا، اگر میعاد مقررہ پر نہ بلوالوں، تو تجھ کو اختیار ہے، جو چاہے وہ کرنا، چنانچہ اس نے مدت مذکورہ پر نہیں بلوایا جس کو عرصہ دو ڈیڑھ سال کا ہوا، اور اسی اثناء میں وہ عورت بے نکاح کے دوسرے شخص کے پاس رہنے لگی، اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، جو اب چھ ماہ کا ہے، اب اس نے بھی چھوڑ دیا جس نے بے نکاح عورت کو رکھا تھا، مگر اب یہ ایک تیسرے سے نکاح کرنا چاہتی ہے، تو سوال یہ ہے، کہ اس شخص نے جس کے ساتھ نکاح ہوا تھا، یہ لفظ کہے تھے کہ میں بعد پندرہ روز کے تجھ کو نہ بلالوں، تو تجھ کو اختیار ہے جو چاہے سو کرنا، اس نے عرصہ تک نہ بلایا، اس کو طلاق ہوگی یا نہیں، اور جو وہ دوسرے سے نکاح کرنا چاہتی ہے، یہ نکاح جائز ہوگا یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ شوہر کا عورت کو یہ کہنا، کہ اگر فلاں امر نہ ہو، تو تجھ کو اختیار ہے، جو چاہے سو کرنا اور روئے قرآن وحدیث طلاق نہیں ہوسکتی، ہر چند کہ اس میں اختلاف

سعید بن مسیب کی مراسیل معمول بہا ہیں کیونکہ معلوم ہے، کہ وہ ثقہ ہی سے ارسال کرتے ہیں، امام شافعی نے کہا، کہ سعید کے قول کہ یہ سنت ہے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی بیوی کو خرچ نہ دے سکے اس کی عورت کو علیحدہ کر دیا جائے، حضرت عمرؓ نے لشکروں کے سپہ سالاروں کو لکھا تھا، کہ جو لوگ اپنی بیویاں چھوڑ کر باہر چلے گئے ہیں، ان سے مطالبہ کرو، یا وہ اپنی عورتوں کو خرچ دیں یا طلاق دیں الحدیث، امام شافعی نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے اسے روایت کیا ہے، اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے ۱۲

ہے، حنفیہ کہتے ہیں، کہ اختیار دینے کے بعد جب عورت خاوند کو اختیار نہ کرے، تو ایک طلاق بائنہ واقع ہو گی، اور امام شافعی بھی فرماتے ہیں، کہ اس صورت میں طلاق بائن واقع ہو جاوے گی، لیکن قرآن سے صراحۃً یہ معلوم ہوتا ہے، کہ اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی، بلکہ اختیار دینے کے بعد خاوند کو از سرِ نو طلاق دینے کی ضرورت ہو گی۔ قال اللہ تعالیٰ یا ایھا النبی قل لازواجك ان کنتن تردن الحیوٰۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا۔ مطلب یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا، کہ تم اپنے ازواج کو اختیار دو، چاہیں وہ دنیا حاصل کریں، چاہیں رضائے اللہ و رسول کو لیویں، اگر وہ دنیا چاہیں، تو ان کو بلاؤ، اور حق شرعی ادا کر کے طلاق دے دو، اگر صرف خاوند کا اختیار دینا، اور عورت کا اپنے نفس کو اختیار کرنا طلاق میں داخل ہوتا، تو پھر اس کے بعد بلانے اور طلاق دینے کی کیا ضرورت تھی اور صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ قالت خیرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخترناہ فلم یعدھا شیئا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اختیار دیا، ہم نے آپ کو اختیار کیا، اور اس اختیار کو آپ نے طلاق نہیں شمار کیا، فتح الباری میں مذکور ہے۔ الظاھر من الاٰیۃ[1] ان ذلك بمجردہ لا یکون طلاقا بل لابد من انشاء الزوج الطلاق لان فیھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا ای بعد الاختیار ودلالۃ المنطوق مقدمۃ علی دلالۃ المفھوم انتہی، عورت کو چاہیئے، کہ اگر وہ خاوند کے پاس رہنا نہیں چاہتی، تو اس سے طلاق طلب کرے، اور اگر وہ طلاق نہ دے، اور نہ کوئی حق ادا کرے، اور عورت تنگ اور پریشان ہو جاوے، تو ایسے موقع پر امام و قاضی یا سردار اس عورت کا نکاح فسخ کرا کر کسی مرد صالح سے کرا دے، لیکن یہ خیال کرنا نہایت ضروری ہے، کہ وہ عورت زنا و بدکاری میں مبتلا ہوئی ہے، اور بغیر نکاح اس کے بچہ پیدا ہوا، اور زنا کار عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ الزانی[2] لا ینکح الا زانیۃ او مشرکۃ والزانیۃ لا ینکحھا الا زان او مشرك وحرم ذلك

---

[1] ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے، کہ صرف اختیار بذات خود طلاق نہیں، بلکہ اس کے بعد خاوند کا طلاق دینا ضروری ہے، کیونکہ اسی آیت میں یہ بھی ہے، کہ آجاؤ میں تم کو سامان دوں اور چھوڑ دوں یعنی اختیار کے بعد، اور دلالۃ المنطوق دلالۃ المفھوم سے ہمیشہ مقدم ہوتی ہے ۱۲

[2] زانی نہیں نکاح کرتا مگر

علی المؤمنین، اگر اس نے صاف طور سے توبہ کی، اور اس کی پاکدامنی اور عفت ظاہر ہوئی، تو کوئی مضائقہ نہیں۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ ایسی حالت میں وہ ضرور نکاح کر لے، واللہ اعلم۔ راقم عبدالجبار عمر پوری خصہ اللہ بلطفہ المعنوی والصوری،
خاکسار نے جواب سوال کو غور سے دیکھا، جواب بہت ٹھیک ہے۔

الراقم العاجز محمد سعید عفا اللہ عنہ | سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زوجہ سے ناراض ہے، چونکہ کھانے کو نہیں دیتا، اور نہ طلاق دیتا ہے، اور وہ اپنے والدین کے گھر رہتی ہے، اور یہ کہتا ہے، کہ میرے پاس نہ آوے، میں نے دوسری شادی کر لی ہے، یہ حال عرصہ چار سال سے ہے، اور کہتا ہے، کہ وہ تا زندگی وہیں پڑی رہے، میرے پاس نہ آوے، اس سے مجھے کچھ سروکار نہیں، پس سوال یہ ہے، کہ اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ زید کا اپنی زوجہ کی نسبت یہ کلمہ کہنا، کہ اس سے مجھے کچھ سروکار نہیں ہے، طلاق کنائی ہے، کیونکہ اس کا یہ قول لا سبیل لی علیک کے قبیل سے ہے، اور طلاق کنائی میں نیت یا دلالت حال سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور صورت مسئولہ میں زید کا اپنی زوجہ سے ناراض ہونا، اور اس کو کھانے کو نہ دینا، اور خود دوسری شادی کر لینا، اور اس کا یہ کہنا، کہ وہ تا زندگی وہیں پڑے رہے میرے پاس نہ آوے صاف دلیل ہے اس کی نیت طلاق دینے اور اپنی زوجہ کو اپنی زوجیت سے خارج کرنے کی ہے، بنا بر علیہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہو گئی، اب زید کی اس عورت مطلقہ کو اختیار ہے، کہ اپنا نکاح کسی اور مرد سے کرے، اور اگر زید طلاق کنائی کے اس لفظ کو نہ بولتا، تب بھی اس کی زوجہ کو بوجہ نان و نفقہ نہ پانے کے تفریق قاضی یا حاکم وقت فسخ نکاح کا اختیار حاصل تھا، کیونکہ شوہر کو شریعت سے صرف دو ہی بات کا اختیار ہے، یا تو اس کو کھانا کپڑا دے، اور اچھی طرح پر رکھے، یا اس کو طلاق دے دے، رہی یہ بات کہ شوہر نہ اپنی زوجہ کو نان و نفقہ دے، اور نہ اس کو طلاق دے، سو اس

زانی یا مشرک عورت سے اور زنا کار نکاح نہیں کرتی مگر زانی مرد یا مشرک مرد سے، اور ایسا نکاح مومنوں پر حرام ہے" ۔ لے گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے، گویا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں"

بات کا شوہر کو ہرگز اختیار نہیں ہے، اگر ایسا کرے گا تو حاکم وقت یا قاضی اس کے قائم مقام ہو کر درمیان ان دونوں کے تفریق کر دے گا۔ قال اللہ تعالیٰ فامساک بمعروف او تسریح باحسان ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابدأ بمن تعول تقول المرأۃ اما ان تطعمنی واما ان تطلقنی الحدیث رواہ البخاری قال الحافظ فی الفتح واستدل بقولہ اما ان تطعمنی واما ان تطلقنی من قال یفرق بین الرجل وامرأتہ اذا اعسر بالنفقۃ واختارت فراقہ وھو قول جمہور العلماء وقال الکوفیون یلزمہا الصبر وتتعلق النفقۃ بذمتہ واستدل الجمہور بقولہ ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا واجاب المخالف بانہ لو کان الفراق واجبا لما جاز الابقاء اذا رضیت ورد علیہ بان الاجماع دل علی جواز الابقاء اذا رضیت فبقی ما عداہ علی عموم النہی انتہی بلوغ المرام میں ہے۔ وعن سعید بن المسیب رض فی الرجل لا یجد ما ینفق علی اھلہ قال یفرق بینہما اخرجہ سعید بن منصور عن سفیان عن ابی الزناد رضی اللہ عنہ قال قلت لسعید بن المسیب سنۃ قال سنۃ وھذا مرسل قوی۔ قال فی سبل السلام تحت ھذا الحدیث وقد اختلف العلماء فی ھذا الحکم وھو فسخ الزوجیۃ عند اعسار الزوج علی اقوال الاول ثبوت الفسخ

---

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یا ان کو اچھی طرح رکھو یا اچھی طرح چھوڑ دو۔ اور فرمایا ان پر زیادتی کر کے تکلیف دینے کے لئے نہ روک رکھو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن کی تم عیالداری کرتے ہو ان سے شروع کرو، ایسا نہ ہو کہ عورت کہے یا مجھے کھانے کو دے یا طلاق دے، حافظ ابن حجر نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اگر مرد تنگ دست ہو اور عورت جدا ہونا چاہے، تو ان میں تفریق کر دی جائے گی، جمہور کا یہی مذہب ہے، کوفی کہتے ہیں، اسے صبر کرنا چاہیئے، اور خرچ مرد کے ذمہ واجب الادا ہے، جمہور کی دلیل یہ ہے، کہ ان کو تکلیف دینے کے لئے نہ روک رکھو، مخالف کہتے ہیں اگر فراق واجب ہوتا، تو رضا کی صورت میں بھی اس کا رہنا جائز نہ ہوتا، اس کا جواب یہ ہے، کہ اجماع نے رضا کی صورت میں اس کا باقی رہنا جائز رکھا، تو جو اس کے علاوہ ہے، وہ نہی پر باقی رہے گا، سعید بن مسیب نے کہا جو آدمی بیوی کو خرچ نہ دے سکے، اس کی بیوی کو اس سے الگ کر دیا جائے، ابو الزناد نے پوچھا کیا یہ سنت ہے؟ سعید نے کہا ہاں، مرد کے تنگدست ہونے کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہونے میں

وھو مذھب علی وعمر وابی ھریرۃ وجماعۃ من التابعین ومن الفقہاء مالک والشافعی واحمد وبہ قال اھل الظاھر مستدلین بما ذکر ولحدیث لا ضرر ولا ضرار ونقد یہ تخریجہ وبان النفقۃ فی مقابل الاستمتاع بدلیل ان الناشزۃ لا نفقۃ لھا عند الجمہور فاذا لم تجد النفقۃ سقط الاستمتاع فوجب الخیار للزوجۃ وبانہم قد اوجبوا علی السید بیع مملوکہ اذا عجز عن انفاقہ فایجاب فراق الزوجۃ اولی لان کسبھا لیس مستحقا للزوج کاستحقاق السید لکسب عبدہ وبانہ قد نقل ابن المنذر الاجماع العلماء علی الفسخ بالعنۃ والضرر الواقع من العجز عن النفقۃ اعظم من الضرر الواقع بکون الزوج عنینا وبانہ تعالیٰ قال ولا تضاروھن وقال فامساک بمعروف او تسریح باحسان وای امساک بمعروف وای ضرر اشد من ترکھا بغیر نفقۃ انتہی واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد عبد الحق ملتانی عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خالد وزوجہ خالد مسماۃ ہندہ میں اکثر نااتفاقی رہتی تھی اور تین سال تک درمیان زن وزوج کے کچھ تعارف نہیں رہا، بعد و فہمائش چند صاحبان باہم رضامندی حسب شرائط ذیل ہو گئی، اور بر اسٹامپ ایک روپیہ کے کاغذ پر شرطیں تحریر ہو گئیں، شرط اول، اب کوئی امر مثل سابق کے

علماء کا اختلاف ہے، حضرت علی، عمر، ابوہریرہ اور تابعین کی ایک جماعت اور فقہاء میں سے امام مالک شافعی اور احمد بن حنبل اور اہل ظاہر اختیار فسخ کے قائل ہیں، اور کہتے ہیں، نفقہ فائدہ اٹھانے کے مقابل میں ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے، کہ جمہور کے نزدیک گھر سے نکل جانے والی عورت کا نفقہ نہیں ہے، تو جب وہ نفقہ نہ پاسکے گی، تو مرد اس سے فائدہ اٹھانے کا مجاز نہ ہو گا تو بیوی کا اختیار لازم آئے گا، اور دوسری دلیل یہ ہے، کہ جب مالک خرچ دینے سے عاجز آجائے، تو واجب ہے، کہ مالک اپنے غلام کو بیچ ڈالے، تو بیوی کو اگر خرچ نہ ملے، تو ان میں جدائی بالاولیٰ ہو سکے گی، اور ایک دلیل یہ بھی ہے، کہ اگر مرد نامرد ہو، تو بالاتفاق عورت کو اختیار فسخ ہے، کیونکہ اس طرح عورت کو تکلیف ہو گی اور یہ تکلیف بہ نسبت کھانے پینے کے بہت تھوڑی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یا اچھی طرح رکھو، یا اچھی طرح چھوڑ دو تو بغیر نفقہ کے بیوی کو چھوڑ دینے سے بڑھ کر اور کیا ضرر ہو سکتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور ان کو تکلیف دینے کے لئے نہ روک رکھو۔

جن امور سے زوجہ منکوحہ میری ناراض ہوگی، ہرگز ہرگز نہ کروں گا۔
شرط دوم۔ ہمیشہ اس کی خوشنودی و دلجوئی کرتا رہوں گا، اور حسب حیثیت خود نان و نفقہ سے اس کی خبر گیری کرتا رہوں گا۔
شرط سوم۔ اگر معاذ اللہ کوئی امر خلاف تحریر مجھ سے سرزد ہوا، اور زوجہ منکوحہ میری مجھ سے ناراض ہو، تو زوجہ منکوحہ کو میری جانب سے طلاق ثلاثہ بائنہ ہو جاوے گی، اور پھر باہم فریقین کوئی تعارف زن و زوجیت باقی نہیں رہے گا، اور بعد اس کے زوجہ منکوحہ میری کو اختیار ہوگا۔ کہ بعد ایام عدت خواہ دوسرا عقد کرے یا نہ کرے مجھ سے کچھ تعلق اور سروکار و دعوے باقی نہیں رہے گا۔
بعد چند یوم کے خالد اپنی کسی شرط پر قائم نہ رہا، اور خلاف شرطوں کے برتاؤ، اور بد مزاجی ظہور میں آکر نا اتفاقی کی صورت پھر پیش آئی، اب بموجب شرع شریف کے ہندہ پر خالد کی جانب سے طلاق عاید ہوگئی ہے یا نہیں، اور اگر ہوگئی ہے، تو کون سی عائد ہوئی ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ یہ جملہ شروط جو زوج نے اختیار کئے تعلیقات طلاق سے ہیں پس جب یہ شروط پائی گئیں، کہ جن پر طلاق معلق تھی، تو زوجہ خالد کی مطلقہ ہوگئی۔ فی مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر۔ التعلیق ھو ربط حصول مضمون جملۃ بحصول مضمون جملۃ اخری یعنی تعلیق کے معنی ہیں کسی مضمون جملہ کو کسی مضمون جملہ کے ساتھ ربط دینا، جیسا کہ ان تعلیقات میں ہے۔ وایضا فی الشرح المذکور فاذا وجد الشرط[1] فیہ ای فی الملک بان کان النکاح قائما انحلت الیمین ووقع الطلاق۔ پس یہ عورت مطلقہ ہوگئی بعد انقضائے عدت کسی اور مرد مسلمان سے اپنا نکاح کرلے، واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ فقیر محمد حسین

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بنت زید کا نکاح بکر کے ساتھ ہوا، اور حقوق زوجیت و شوہری جانبین سے ادا ہوتے رہے، بعد عرصہ دراز کے بکر نے نکاح ثانی اپنا بنت عمر سے کیا، اور حقوق ہر دو ازواج کے بکر ادا کرتا رہا، بعد ازاں بکر

[1] جب اس میں شرط پائی گئی، یعنی ملک میں اگر نکاح قائم تھا تو قسم حلال ہوگئی، اور طلاق واقع ہوگئی۔ (مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر)

نے ارادہ نکاح ثالث کا ہمراہ بنت خالد کیا قبل نکاح ثالث بکر کے ہندہ بنت زید بکر کی زوجہ اول نے چار شرطیں مفصلہ ذیل روبرو بکر شوہر خود کے بیان کیں۔

شرط اول۔ پندرہ روز میرے ہاں شب کو رہو اور سات یوم زوجہ ثانی کے ہاں، اور آٹھ یوم زوجہ ثالث کے ہاں جس کو اب تم نکاح میں لاؤ گے۔

شرط دوم۔ کھانا دونوں وقت میرے ہاں کھایا کرو۔

شرط سوم۔ پارچہ پوشیدنی وغیرہ اپنا تمام میرے پاس رکھو۔

شرط چہارم۔ تمام تنخواہ اپنی میری تحویل میں رکھو، اور جس جس کا جو ماہوار مقرر کیا جاوے وہ میں اپنے ہاتھوں سے دوں گی۔

اگر چاروں شرطوں میں سے ایک شرط بھی تمہاری طرف سے پوری نہ ہوگی، تو بغیر طلاق دیئے مجھے تمہاری طرف سے طلاق ہے، اس وقت بکر نے دو عادل گواہوں کے روبرو در جواب شرائط ہندہ بنت زید زوجہ اول اپنی کے بیان کیا، کہ اگر میں تمہاری شرائط مذکورہ کے خلاف کروں، تو بے شک تم کو طلاق ہے، بعد مقبولی شرائط مذکورہ بالا کے بکر نے نکاح ثالث کر لیا، من بعد ہندہ نے ایک بزرگ متقی پابند سنت محمدیہ کے روبرو بکر سے شرائط مذکورہ پھر بیان کیں، چنانچہ بکر نے ان بزرگ کے روبرو بھی مقبولی شرائط مذکورہ بالا کا اقبال کیا، اور بکر نے ایک عرصہ تک شرائط کا ایفا نہیں کیا، اور خلاف شرائط کر رہا ہے اس صورت میں ہندہ پر بموجب شرع شریف بکر کی طرف سے طلاق عائد ہوتی ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب۔ صورت سوال سائل میں ایسی اطاعت زوج کی زوجہ کے لئے آثار قیامت سے ہے، اور خلاف امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے کہ کالمیت فی ید الغسال زوجہ کے لئے ہوگیا، مگر چونکہ اس نے اقرار اپنے ضرر کا منظور کیا، اور جملہ شرائط مذکورہ کو قبول کیا، اور دو عادل گواہوں کے روبرو بیان کیا، کہ اگر میں شرائط مذکورہ کے خلاف کروں، تو تم کو طلاق ہے، تو اب اس کے شرائط مذکورہ کے خلاف کرنے کی وجہ سے اس کی عورت مطلقہ ہو گئی۔ فاذا وجد الشرط[1] فیہ ای فی الملک بان کان النکاح قائما انحلت الیمین ووقع الطلاق کذا فی مجمع الانہر شرح الملتقی۔ پس ہندہ کو بعد عدت

[1] جب اس میں شرط پائی گئی یعنی ملک میں اگر نکاح قائم تھا، تو قسم حلال ہو گئی، اور طلاق واقع ہوئی۔

کے بعد اختیار ہے، کہ اپنا نکاح کسی مرد مسلمان سے کرلے، واللہ اعلم بالصواب

فقیر محمد حسین — سید محمد نذیر حسین

سوال:- زید نے ہندہ سے خلوت صحیحہ کی اس کے چند روز بعد ایک خط بنام ایک عورت کے جو نکاح میں ساعی تھی لکھا، اور وہ عورت ہندہ کی رشتہ دار سے تھی، اور مضمون خط یہ ہے، کہ "بخدا اگر میں پہلے اس کے بھائی کو دیکھ لیتا، تو ہرگز اس سے نکاح نہ کرتا افسوس تو یہ ہے کہ نکاح ہو جانے کے بعد اس کو دیکھا، یہ میری بدقسمتی ہے، کہ اس قدر پریشانی اٹھائی روپیہ صرف کیا لوگوں کی باتیں سنی، مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا، ہم تو دل سے چھوڑ چکے، اگر آپ کے انصاف میں آئے، تو ہم کو ان سے زیور دلا دیجیئے، آپ کے انصاف میں نہ آئے تو نہ دلایئے، ہم دہلی میں آکر کیا کریں گے، آپ کے سب قبضہ میں ہے آپ اس کے کام کرنے سے انکار کریں، تو جو آپ کا مزاج چاہے فیصلہ کر دیجیئے ہم کو ہر طرح منظور ہے، ہم دہلی میں آکر کیا کریں، ہم کو ان سے مطلب رکھنا ہو، تو آویں بھی" اور ایک شخص نے زید کو سمجھایا تھا، اور گھر آباد کرنے کی طرف رغبت دلائی تھی، اور زید نے جواب میں یہ کہا کہ میں اپنے کو راغب کرتا ہوں، مگر دل رجوع نہیں ہوتا، اور زید نے بیان کیا تھا، کہ میں نے کانپور میں مسئلہ دریافت کیا تھا، کہ مہر نصف دینا ہوگا، اور زیور مجھ کو واپس مل جاوے گا، وہ شخص زید کے ہمراہ سنہری مسجد میں واسطے دریافت فتوی کے گیا تھا، اور مولوی صاحب سے استفسار کیا، کہ اس طرح پر زید کی شادی ہوئی، مولوی صاحب نے پوچھا کہ خلوت ہوئی یا نہیں، بیان کیا، کہ خلوت ہوئی تھی، اور اب یہ یعنی زید چھوڑنا چاہتے ہیں، اس صورت میں زیور واپس مل سکتا ہے، اور مہر دینا پڑے گا یا نہیں، تو مولوی صاحب نے کتاب دیکھ کر بیان کیا، کہ زیور ملکیت عورت کا ہو گیا، اور مہر کل دینا پڑے گا، وہ شخص کہتا ہے، کہ مجھ سے اور زید سے چند مرتبہ گفتگو ہوئی، کہ زیور میرا مجھ کو دلا دو، اور نصف مہر مجھ سے مساۃ کو دلا کر فیصلہ کرادو، اور اسی قسم کا بیان زید نے اور لوگوں سے کیا، پس سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:- صورت مرقومہ میں زید کے جملہ اقوال وافعال مذکورہ مشعر بطلاق ہیں، اگرچہ طلاق صریح لفظوں میں نہیں پائی جاتی لیکن طلاق بالکنایہ میں کوئی شبہ نہیں ہے کیونکہ زید کے خط کا یہ جملہ "ہم تو دل سے چھوڑ چکے" و نیز دیگر جملہ "ہم کو ان سے مطلب

رکھنا ہو، تو آدیں بھی، اور پھر زید کا مسئلہ دریافت کرنا، اور اپنے زیورات کا طالب ہونا، و نصف مہر ادا کرکے فیصلہ چاہنا یہ سب طلاق پر دال ہیں، فقہائے کرام کے نزدیک طلاق بالکنایہ کے تین احوال ہیں، حالت رضا، حالت غضب، یا حالت مذاکرہ طلاق، حالت رضا میں نیت شرط ہے، اور حالت غضب و مذاکرہ طلاق میں کل الفاظ میں نیت ملحوظ نہیں ہے، بلکہ بعض میں بدون نیت و قصد کے طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور صورت مسئولہ میں حالت مذاکرہ طلاق پائی جاتی ہے، اور یہ لکھنا زید کا "ہم دل سے چھوڑ چکے" ترجمہ سرحتک کا ہے، اور لفظ کے کہنے و لکھنے سے حالت مذاکرہ طلاق میں طلاق واقع ہوتی ہے، اگرچہ نیت طلاق کی نہ ہو، جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے، (وفی حال مذاکرۃ یتوقف الاول ای مایصلح ردا علی النیۃ واما الاخیران وھما مایصلح سبا ومالا یحتمل الرد والسب ومن جملتہا لفظ سرحتک) فیقع بھما الطلاق وان لم ینوا انتہی۔ پس صورت مسئولہ میں بلاشبہ طلاق واقع ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ سید ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق بائن دے دی اور بحالت قیام مذاکرہ و قرینہ طلاق یہ کہا کہ میں نے تجھ کو چھوڑا، میرا تیرا کچھ واسطہ نہیں، اب زید ہندہ کو اپنی مطلقہ بائنہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے اب یہ نکاح بعد عدت کے درست ہوگا، یا عدت کی اس میں ضرورت نہیں؟

الجواب:۔ اگر عدت نہیں گزری ہے، تو زید بلا نکاح کے رجوع کر سکتا ہے اور اگر عدت گذر گئی ہے، تو نکاح کی ضرورت ہے، یہ مسلک محدثین کا ہے، اور فقہائے حنفیہ کے نزدیک چونکہ یہ طلاق، طلاق بائنہ ہے، لہٰذا ان کے مسلک پر ہر دو صورت میں نکاح کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید عبدالحفیظ عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

[1] طلاق کے مذاکرہ کی حالت میں پہلا تو موقوف ہوگا یعنی جس میں نیت کا اعتبار ہے، اور دوسرے دو جواب یعنی جو گالی کے معنے میں ہو یا ایسا جواب جو سوال کا جواب بھی نہ ہو سکے، اور گالی بھی نہ بن سکے، ان میں سے ایک لفظ، سرحتک، (میں نے تجھ کو چھوڑ دیا) بھی ہے، ان دونوں جوابوں سے طلاق واقع ہو جائے گی، اگرچہ اس کی نیت نہ ہو۔

ھوالموفق:۔ واضح ہو کہ امام شافعی اور امام احمد وغیرہما کے نزدیک طلاق بائن واقع ہونے کی تین ہی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ عورت کو قبل دخول کے طلاق دی جائے، اور دوسری یہ کہ طلاق بالعوض دی جائے، تیسری یہ کہ تین طلاقیں شرعی طور پر دی جاویں ان تینوں صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت طلاق بائن واقع ہونے کی نہیں ہے، بلکہ ان کے علاوہ اور جو صورت ہے، وہ طلاق رجعی کی صورت ہے، مثلاً اگر کسی نے اپنی عورت کو یا یں لفظ طلاق دی، کہ انت طالق طلقة بائنة[1] تو بھی طلاق رجعی ہی ہوگی، اور بینونت کی قید لغو ہوگی، اور یہی مسلک حق ہے، اور جمہور اسی کے قائل ہیں، علامہ ابن القیم زاد المعاد صفحہ ۴۱۲ جلد ۲ میں لکھتے ہیں۔ وقد ذکر اللہ سبحانہ وتعالی اقسام الطلاق کلھا فی القران وذکر احکامھا فذکر الطلاق قبل الدخول وانہ لاعدة فیہ وذکر الطلقة الثالثة وانھا تحرم الزوجة علی المطلق حتی تنکح زوجا غیرہ وذکر طلاق الفداء الذی ھو الخلع وسماہ فدیة ولم یحسبہ من الثلث کما تقدم وذکر الطلاق الرجعی الذی المطلق احق فیہ بالرجعة وھو ماعدا ھذہ الاقسام الثلاثة وبھذا احتج احمد والشافعی وغیرھما علی انہ لیس فی الشرع طلقة واحدة بعد الدخول بغیر عوض بائنة وانہ اذا قال لھا انت طالق طلقة بائنة کانت رجعیة ویلغو وصفھا بالبینونة وانہ لا یملک ابانتھا الا بعوض واما ابوحنیفة وقال تبین بذلک لان الرجعة حق لہ وقد اسقطھا والجمھور یقولون وان کانت الرجعة حقا لہ لکن نفقة الرجعیة وکسوتھا حق علیہ فلا یملک اسقاط الا

[1] تجھے ایک بائنہ طلاق ہے [2] اللہ تعالیٰ نے طلاق کی تمام اقسام کا ذکر قرآن مجید میں کیا ہے، اور ان کے احکام بھی بیان کئے ہیں، طلاق قبل دخول کا ذکر کیا، اور کہا اس میں عدت نہیں ہے، اور تیسری طلاق کا ذکر کیا، اور اس سے عورت کو خاوند پر حرام کیا، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور آدمی سے نکاح کرے، اور فدیہ کی طلاق کا ذکر کیا یعنی خلع کا، اور اسے تین طلاقوں میں شمار نہ کیا، اور رجعی طلاق کا ذکر کیا، اور فرمایا طلاق دینے والا اس میں رجوع کا زیادہ حق دار ہے، اور وہ ان تینوں اقسام سے الگ ہے، اور یہی وجہ ہے، کہ احمد اور شافعی نے دلیل پکڑی ہے، کہ شریعت میں دخول کے بغیر عوض کے کوئی ایک طلاق بائن نہیں ہے، اگر اپنی عورت کو مرد ایک طلاق بائن دے، تو بھی وہ رجعی ہوگی، اور اس کے بائن ہونے کی صفت لغو ہوگی، اور عوض کے بغیر مرد اس کو بائن نہیں کر سکے گا ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ مرد کو رجوع کا حق تھا، اور اس نے اپنا حق ساقط کر دیا

باختیارہ فلو بذل لها العوض وسوالها ان تفتدی نفسها منه بغیر عوض فی احد القولین وهو جواز الخلع بغیر عوض واما اسقاط حقها من الکسوة والنفقة بغیر سوالها ولا بذل لها العوض فخلاف النص والقیاس الی قوله ونکتة المسئلة ان الله لم یجعل للامة طلاقا بائنا قط الا فی موضعین احدهما طلاق غیر المدخول بها والثانی الطلقة الثالثة وما عداه من الطلاق فقد جعل للزوج فیه الرجعة هذا مقتضی الکتاب کما تقدم تقریرہ وهذا قول الجمهور منهم الامام احمد والشافعی واهل الظاهر قالوا لا یملك ابانتها بدون الثلاث الا فی الخلع ولاصحاب مالك ثلاثة اقوال فیما اذا قال انت طالق طلقة لا رجعة فیها الی قوله الثالث انها واحدة رجعیة وهذا قول ابن وهب وهو الذی یقتضیه الکتاب والسنة والقیاس وعلیه الاکثرون انتهی۔ هذا ما عندی والله تعالی اعلم بالصواب

کتبه محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا الله عنه

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کو ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دیں، اور کاغذ پر ایک ہی وقت میں تین طلاقیں لکھ بھی دیں پس یہ تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی، اور اس کی بی بی اس سے مطلقہ بائنہ ہو جائے گی، یا اب تک اس سے رجعت ہو کر پھر یہ اس کی بی بی ہو سکتی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: علمائے حنفیہ کے نزدیک یہ ازاقسام طلاق بدعیہ ہے، اور باوجود

اور جمہور کہتے ہیں، کہ اگرچہ اس کو رجوع کا حق تھا، لیکن رجعیت کا خرچ اور کپڑا اس کے ذمہ تھا، وہ اس حق کو ساقط کرنے کا اختیار عورت کی رضامندی کے بغیر نہیں کر سکتا، اور عورت بغیر عوض خلع کا سوال کرے، اور اپنے خرچ اور لباس سے دستبردار ہو جائے، یہ نص کے خلاف ہے، حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کے لئے دو مقام کے علاوہ طلاق بائن نہیں رکھی، ایک غیر مدخولہ کی طلاق، اور دوسری تیسری طلاق، اور ان کے علاوہ جتنی طلاقیں ہیں، ان میں مرد کو رجوع کا حق ہے، اور یہی جمہور کا قول ہے، امام احمد و شافعی، اور اہل ظاہر کہتے ہیں، کہ تین طلاقوں کے سوا مرد عورت کو بائن نہیں کر سکتا، مالکیہ کے اس بارے میں تین قول ہیں کہ اگر مرد اپنی عورت سے کہے، کہ تجھے ایسی طلاق جس میں رجوع نہیں ہے، تیسرا قول یہ ہے، کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے، ابن وہب کا بھی یہی قول ہے، اور کتاب و سنت اور قیاس بھی اسی کی تائید کرتے ہیں اور اکثر کا یہی مذہب ہے ۱۲

اس کے بھی ان کے نزدیک متحقق الوقوع ہے، کما قال فی التفسیر المظہری جمع الطلقتین او ثلاث تطلیقات بلفظ واحد او بالفاظ مختلفۃ فی طھر واحد حرام وبدعۃ خلاف للشافعی رحمۃ اللہ علیہ فانہ یقول لا باس بہ لکنھم اجمعوا علی ان من قال لامرأتہ انت طالق ثلاثا یقع ثلاثا بالاجماع وقال فی القدوری طلاق البدعۃ ان یطلقھا ثلاثا بکلمۃ واحدۃ او یطلقھا ثلاثا بطھر واحد فاذا فعل ذلک وقع الطلاق وبانت منہ انتہی۔ وھکذا فی عامۃ کتب الاحناف لکن قال اللہ تعالی فی کتابہ المجید وکلامہ الحمید الطلاق مرتان والمرتان فی اللغۃ لما یاتی مرۃ بعد مرۃ کقولہ تعالی سنعذبھم مرتین۔ اولا یرون انھم یفتنون فی کل عام مرۃ او مرتین۔ یا ایھا الذین امنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلاث مرات ثم فسرھا بالاوقات الثلث ثم قال تعالی فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ فھذہ الثالثۃ ولم یشرع جمع تطلیقتین او ثلاث فکان المطلق فی زمن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وزمن ابی بکر وسنتین من خلافۃ عمر اذا طلق ثلاثا تحسب واحدۃ کما دل علیہ الحدیثان الصحیحان احدھما فی صحیح مسلم

لہ دو یا تین طلاقوں کا اکٹھا ایک ہی لفظ سے بیان کر دینا، یا مختلف الفاظ سے ایک ہی طہر میں طلاقیں دے دینا حرام اور بدعت ہے، امام شافعی اس کو بدعت یا حرام نہیں کہتے، پھر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر تین طلاقیں ایک ہی لفظ سے دے دے، یا تین طلاقیں ایک طہر میں دے دے لیکن اگر ایسا کرے تو تینوں واقع ہو جائیں گی، قدوری میں ہے، کہ بدعت طلاق یہ ہے، کہ ایک ہی کلمہ سے تین طلاقیں دے دے یا تین طلاقیں ایک ہی طہر میں دے دے، لیکن اگر ایسا کرے، تو تینوں واقع ہو جائیں گی احناف کی عام کتابوں میں ایسا ہی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے، طلاق دو مرتبہ ہے، اور دو مرتبہ لغت میں اس کو کہتے ہیں کہ ایک کے بعد دوسری دی جائے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہم ان کو دو مرتبہ سزا دیں گے، اور فرمایا، کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال میں ایک یا دو مرتبہ آزمائے جاتے ہیں، ایمان دارو تمہارے غلام تم سے تین اوقات میں اجازت لے کر آیا کریں، اور وہ بچے جو ابھی جوانی کو نہیں پہنچے، پھر ان تین اوقات کی تفسیر بیان کی، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اگر اس کو طلاق دے، تو اس کے لئے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے، اور یہ تیسری طلاق ہے، اور دو یا تین طلاقوں کا جمع کرنا مشروع

والآخر في سنن ابی داؤد ومسند احمد اما حدیث مسلم فمن طريق ابن طاؤس عن ابیه عن ابن عباس رضی اللہ عنه قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابی بکر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر رض ان الناس قد استعجلوا في امر كان لهم فيه اناة فلو امضيناه فامضاه وفي صحيحه ایضا عن طاؤس ان ابا الصهباء قال لابن عباس هات من هنيا تك الم يكن الثلاث على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابی بکر واحدة قال قد كان ذلك فلما كان في عهد عمر رض تتابع الناس في الطلاق فاجازه عليهم وقع في رواية لابی داؤد عن ابی الصهباء انه قال لابن عباس أما علمت ان الرجل اذا طلق امرأته ثلاثا قبل ان يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم الحدیث فاخذ اسحٰق بن راهويه وجماعة من السلف بهذه الرواية وجعلوا الثلاث واحدة في غير المدخول بها وسائر الروايات الصحيحة ليس فيها قبل الدخول ولهذا لم يذكر مسلم ذلك ورواية طاؤس نفسه عن ابن عباس رض ليس في شئ منها قبل الدخول وانما حكی ذلك طاؤس عن سوال ابی الصهباء فاجابه بما سئل عنه ولعله انما بلغه جعل الثلاث واحدة في حق مطلق قبل الدخول فسئل عن ذلك ابن

نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رض کے زمانہ میں اور حضرت عمر رض کی خلافت کے دو سال تک یہی دستور تھا، کہ اگر کوئی تین طلاقیں اکٹھی دے دیتا، تو اس کو ایک ہی طلاق شمار کیا جاتا تھا جیسا کہ مسلم اور ابوداؤد کی دو صحیح حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے، تو حضرت عمر رض نے کہا لوگ اس کام میں جلدی کر رہے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مہلت رکھی تھی، اگر ہم اس کو ان پر جاری کر دیں، تو اچھا ہو پھر آپ نے تین طلاقوں کو جاری کر دیا ابن عباس رض کہتے ہیں، کہ حضرت عمر رض کے زمانہ میں لوگ کثرت سے تین طلاقیں اکٹھی دینے لگے، تو حضرت عمر رض نے ان پر تین طلاقیں ہی جاری کر دیں، ابوصہباء نے ابن عباس رض سے کہا کیا یہ صحیح نہیں کہ جب کوئی آدمی اپنی عورت کو دخول سے پہلے تین طلاقیں دیا کرتا تھا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ہی شمار کی جاتی تھی؟ الحدیث (ابوداؤد) اسحاق بن راہویہ اور سلف کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے، کہ وہ اکٹھی تین طلاقوں کو ایک ہی سمجھتے تھے، اور دخول کی شرط عام روایات میں نہیں پائی جاتی، ابوصہباء نے چونکہ قبل دخول کی تین طلاقوں کا سوال کیا تھا، لہٰذا انہوں نے اس کا تذکرہ

عباس رضہ فقال کانوا یجعلونہا واحدۃ فقال ابن عباس نعم وھذا لا مفہوم لہ لان وقوع التقیید فی الجواب فی مقابلۃ تقیید السوال وھذا کما قال عن فارۃ وقعت فی سمن فقال اذا وقعت الفارۃ فی السمن فالقوھا وما حولھا وکلوہ لا یدل ذلک علی تقیید الحکم بالسمن خاصۃ واما الحدیث الاٰخر فقال ابوداؤد ثنا احمد بن صالح ثنا عبد الرزاق انا ابن جریج قال اخبرنی بعض بنی ابی رافع مولی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن عکرمۃ عن ابن عباس قال طلق عبد یزید ابو رکانۃ واخوتہ ام رکانۃ ونکح امرأۃ من مزینۃ فجاءت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت ما یغنی عنی الا کما یغنی ھذہ الشعرۃ لشعرۃ اخذتہا من راسہا ففرق بینی وبینہ فاخذت النبی صلی اللہ علیہ وسلم حمیۃ فدعا برکانۃ واخوتہ ثم قال لجلسائہ اترون فلانا یشبہ منہ کذا وکذا من عبد یزید وفلانا لابنہ الاٰخر یشبہ منہ کذا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم طلقہا ففعل فقال راجع امرأتک ام رکانۃ واخوتہ قال انی طلقتہا ثلاثا یا رسول اللہ قال قد علمت ارجعہا وتلی یا ایہا الذین اٰمنوا اذا طلقتم النساء الاٰیۃ فامرہ ان یراجعہا وقد طلقہا وتلا الاٰیۃ التی ھی وما بعدھا صریحۃ فی کون الطلاق الذی شرعہ اللہ لعبادہ ھو الطلاق الذی یکون للعدۃ فاذا شارفت انقضاءھا فاما ان یمسکہا بمعروف او یفارقہا بمعروف وانہ سبحانہ شرعہ علی وجہ التوسعۃ والتیسیر فلعل المطلق

کر دیا ابن عباس رضہ سے جب انہوں نے سوال کیا، تو انہوں نے جواب دیا ہاں ایک ہی طلاق شمار ہوتی تھی، اور جواب میں قید کا وقوع سوال کی قید کی وجہ سے ہے، اور یہ اسی طرح کی حدیث ہے، کہ جیسے سوال ہوا، کہ اگر چوہیا گھی میں گر پڑے، تو آپ نے فرمایا، اس کو پھینک دو، اور اس کے آس پاس کے گھی کو بھی پھینک دو، اور باقی کھالو اس سے صرف گھی کے متعلق ہی حکم خصوصاً معلوم نہیں ہوتا

ابن عباس رضہ نے کہا، ابو رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اور مزنیہ کی ایک عورت سے نکاح کر لیا، وہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اور کہنے لگی، کہ اس کے پاس تو اس بال جیسا ہے اس نے اپنے سر سے ایک بال توڑ کر بتایا، سو آپ مجھ میں اور اس میں تفریق کر دیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے غصہ آیا، آپ نے ابو رکانہ اور اس کے بھائیوں کو بلایا اور کہا، کیا تم ابو رکانہ کے فلاں فلاں بیٹیوں کی مشابہت ابو رکانہ سے نہیں دیکھتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کو طلاق دے دے، چنانچہ اس نے طلاق دے

ان یندم فیکون لہ سبیل الی الرجعۃ وھو قولہ تعالیٰ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا ھکذا فی اغاثۃ اللہفان للعلامۃ ابن القیم وقد الف شیخہ العلامۃ ابن تیمیۃ رسالۃ فی رد وقوع الطلاق البدعی کما قال فی نزل من اتقی بکشف احوال المنتقی لابی الفتح عبد الرشید الکشمیری، ثم یبانی رحمۃ اللہ علیہ۔ پس مطابق ان آیات و احادیث کے یہ تینوں طلاقیں ایک ہی طلاق ہوں گی، اور عدت کے اندر یہ شخص اپنی بی بی سے رجعت کر سکتا ہے یعنی اس کو اپنی بی بی بنا سکتا ہے۔ ھذا ما عندی وعلمہ احکم واتم۔ وانا العبد المذنب الراجی الی اللہ ابو محمد المدعو بعبد اللہ غفر لہ اللہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کو تین طلاق بیک جلسہ دیں، پس یہ طلاق بائن ہوئی یا رجعی، بینوا توجروا۔

الجواب: یہ طلاق رجعی ہوئی، اس واسطے کہ ایک جلسہ میں تین طلاق دینے سے صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے، صحیح مسلم میں ہے۔ عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و سنتین من خلافۃ عمر طلاق الثلاث واحدۃ فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لھم فیہ اناۃ فلو امضیناہ علیھم فامضاہ علیھم۔ اور مسند احمد بن حنبل میں ہے۔ عن ابن عباس قال طلق رکانۃ بن عبد یزید اخو بنی المطلب امرأتہ ثلاثا فی مجلس واحد فحزن علیہا حزنا شدیدا قال فسالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف طلقتہا قال طلقتہا ثلاثا قال فقال فی مجلس واحد قال نعم

دی، آپ نے فرمایا، اپنی پہلی بیوی ام رکانہ سے رجوع کر لے اس نے کہا میں نے اس کو تین طلاقیں دی تھیں، آپ نے فرمایا مجھے معلوم ہے، اس سے رجوع کر لے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی " ایماندارو جب تم عورتوں کو طلاق دو"

لے ابن عباس نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رض کی خلافت کے دو سال تک اگر کوئی بیک وقت تین طلاق دیتا، تو وہ ایک ہی شمار کی جاتی، پھر حضرت عمر رض نے کہا، کہ لوگ اس کام میں جلدی کرنے لگے جس میں ان کے لئے مہلت تھی، اگر ہم یہی ان پر جاری کر دیں، تو اچھا ہو، پھر انہوں نے تین طلاق نافذ کر دیں۔ ۲ے ابن عباس نے کہا، رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاق دی دیں، پھر اس کے بعد اس کو اس پر بڑا افسوس ہوا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا، تم نے کیسے

قال فانما تلك واحدة فارجعها ان شئت قال فراجعها فكان ابن عباس رضی یری انما الطلاق عند كل طهر قال ابن القيم في اعلام الموقعين وقد صحح الامام هذا الاسناد وحسنه وقال الحافظ في فتح الباري بعد ذكر هذا الحديث اخرجه احمد وابو يعلى وصححه من طريق محمد بن اسحق وهذا الحديث نص في المسئلة لا يقبل التاويل الذي في غيره من الروايات انتهى فان قلت قال الحافظ في الفتح ان ابا داؤد رجح ان ركانة انما طلق امرأته البتة كما اخرجه هو من طريق آل بيت ركانة وهو تعليل قوى لجواز ان يكون بعض رواته حمل البتة على الثلاث فقال طلقها ثلاثا فبهذه النكتة يقف الاستدلال بحديث ابن عباس انتهى قلت قال ابن القيم في الاغاثة ان ابا داؤد انما رجح حديث البتة على حديث ابن جريج لانه روى حديث ابن جريج من طريق فيها مجهول ولم يرو ابو داؤد الحديث الذي رواه احمد في مسنده من طريق محمد بن اسحاق ان ركانة طلق امرأته ثلاثا في مجلس واحد فلذا رجح ابو داؤد حديث البتة ولم يتعرض لهذا الحديث ولا رواه في سننه ولا ريب انه اصح من الحديثين وحديث ابن جريج شاهد له وعاضد فاذا انضم حديث ابی الصهباء الى حديث ابن اسحق والى حديث ابن جريج مع اختلاف مخارجها وتعدد طرقها افاد العلم بانها اقوى

طلاق دی، کہنے لگا میں نے تین طلاقیں دے دی ہیں، آپ نے فرمایا ایک ہی مجلس میں؟ کہا ہاں، آپ نے فرمایا تو یہ ایک طلاق ہے، اگر تو چاہے تو اس سے رجوع کرلے، چنانچہ اس نے رجوع کرلیا، ابن عباس ہر طہر میں ایک طلاق کے قائل تھے، امام ابن قیم اعلام الموقعین میں تحریر فرماتے ہیں، کہ حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو حسن صحیح کہا ہے، اور اس کو احمد اور ابو یعلی نے بھی روایت کیا ہے، یہ حدیث اس مسئلہ میں نص ہے جس کی تاویل نہیں ہو سکتی، اگر اس میں یہ شبہ پیدا کیا جائے، کہ رکانہ کے گھر والے کہتے ہیں، کہ رکانہ نے طلاق بتہ دی تھی، اور ہو سکتا ہے، کہ بتہ کو تین طلاق سمجھ لیا گیا ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ ابوداؤد نے بتہ طلاق والی حدیث کو ابن جریج کی حدیث پر ترجیح دی ہے، اس لئے کہ مؤخر الذکر کی سند میں چند ایک مجہول راوی ہیں، لیکن ابوداؤد نے مسند احمد میں روایت کردہ محمد بن اسحاق کی روایت کو ذکر نہ کیا، جس میں صاف لفظ ہیں، کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں، اور اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں، کہ محمد بن اسحاق کی روایت کی سند ان دونوں سے زیادہ بہتر ہے، اور ابن جریج کی حدیث اس کی

من البتة بلا شك ولا يمكن من شم روائح الحديث ولو على بعد ان يرتاب فى ذلك فكيف يقدم الحديث الضعيف الذى ضعفه الائمة ورواته مجاهيل على هذه الاحاديث انتهى كلام ابن القيم۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ ابو العلی محمد عبد الرحمن

سید محمد نذیر حسین ابو الطیب محمد شمس الحق

سوال: زید نے اپنی عورت ہندہ کو ایک ہی وقت ایک ہی جلسہ میں تین طلاق دیں، تو یہ تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوگی، یا تین طلاقیں مکمل ہو چکیں، ہندہ زید کے نکاح سے بالکل جدا ہو گئی، ایسی حالت میں زید اپنی زوجہ ہندہ سے رجوع کر سکتا ہے یا نہیں یعنے بغیر حلالہ کے ہندہ زید کے نکاح میں رہ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: ایسی حالت میں طلاق ایک واقع ہو گی، اور خاوند کو رجوع کرنے کی گنجائش ہے کہ مسند امام احمد بن حنبل میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے عن ركانة انه طلق امرأته ثلاثا فى مجلس واحد فحزن عليها حزنا شديدا فسأله النبى صلى الله عليه وسلم كيف طلقتها فقال ثلاثا فى مجلس واحد فقال له[1] صلى الله عليه وسلم انما تلك واحدة فارتجعها كذا فى نيل الاوطار۔ یہ قاعدہ ہے، کہ راوی کی روایت کا اعتبار کیا جاتا ہے، اس کے مقابلہ میں ان کی رائے واجتہاد کو قبول نہیں کیا جاتا حضرت ابن عباس کا اجتہاد جو اس بارہ میں نقل کیا جاتا ہے، وہ اگر صحیح منقول مان لیا جائے، تو ان کی روایت کے معارض نہیں ہو سکتا اس کے موافق زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور شروع زمانہ خلافت حضرت عمر فاروق میں عملدرآمد رہا، جیسا کہ صحیح مسلم میں مروی ہے، واللہ اعلم بالصواب

راقم عبد الجبار عمر پوری غفر اللہ لہ المعنوی والصوری سید محمد نذیر حسین

شاہد ہے، اور پھر اگر ابو صہبا کی حدیث کو بھی ان سے ملا دیا جائے، تو اس کی سند سب سے زیادہ قوی ہو جائے گی پھر دوسری روایت جس میں بتہ طلاق کا تذکرہ ہے۔ اس کو تین طلاق پر ہی محمول کرنا چاہیے۔

[1] رکانہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاق دے دیں، پھر اس کو اس پر بڑا افسوس ہوا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا تو نے کیسے طلاق دی کہنے لگا میں نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی ہیں، آپ نے فرمایا یہ تو ایک طلاق ہے، تو اگر چاہے، تو اس سے رجوع کر لے ۱۲

سوال :۔ چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے زوجہ خود را۔ طلاق داد پس این زوجہ بروے حرام مطلق وبائن شد یا ہنوز بدو رجعت ممکن وجائز است۔ بینوا توجروا۔

الجواب :۔ نزد حنفیہ این از اقسام طلاق بدعیہ است۔ وباوجود این ہم متحقق الوقوع است۔ کما قال فی التفسیر المظہری جمع الطلقتین او ثلاث تطلیقات بلفظ واحد او بالفاظ مختلفۃ فی طہر واحد حرام بدعۃ موثم خلافا للشافعی فانہ یقول لا بأس بہ لکنھم اجمعوا علی انہ من قال لامرأتہ انت طالق ثلاثا یقع ثلاثا بالاجماع وقال فی القدوری وطلاق البدعۃ وھو ان یطلق الرجل امرأتہ ثلاثا بکلمۃ واحدۃ او فی طہر واحد فاذا فعل ذلک وقع الطلاق وبانت منہ وکان عاصیا انتہی وھکذا فی عامۃ کتب الاحناف لکن روی عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ قال طلق ابو رکانۃ ام رکانۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راجع امرأتک فقال انی طلقتہا ثلاثا قال قد علمت راجعہا رواہ ابو داؤد وفی لفظ لاحمد طلق ابو رکانۃ امرأتہ فی مجلس واحد ثلاثا فحزن علیہا حزنا شدیدا فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راجعہا فانہا واحدۃ وعنہ رضی اللہ عنہ قال کان الطلاق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وسنتین من خلافۃ عمر

سوال :۔ ایک آدمی نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیں، اب یہ عورت اس پر حرام مطلق اور بائن ہوگئی ہے، یا ابھی رجوع ممکن ہے؟

الجواب :۔ حنفیہ کے نزدیک یہ بدعی طلاق ہے اور اس کے باوجود ان کے نزدیک ہوگئی ہے تفسیر مظہری میں لکھا ہے تین یا دو طلاقیں ایک ہی لفظ سے ایک ہی طہر میں مختلف اوقات میں دے دے تو حرام ہے، بدعت ہے اس سے گنہ گار ہوگا، شافعی اس کے خلاف ہیں اور پھران دونوں کا اتفاق ہے، کہ اگر کوئی اپنی عورت کو اکٹھی تین طلاقیں دیدے، تو تینوں ہوجائیں گی، قدوری میں ہے، بدعت طلاق یہ ہے، کہ آدمی اپنی عورت کو ایک ہی کلمہ سے تین طلاق یا ایک ہی طہر میں تین طلاق دے دے، اگر اس طرح کرے تو طلاق واقع ہوجائے گی عورت علیحدہ ہوجائے گی، اور وہ گنہ گار ہوگا، احناف کی عام کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہے لیکن ابن عباس نے روایت کیا، کہ ابو رکانہ نے ام رکانہ کو طلاق دے دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی عورت سے رجوع کرے، اس نے کہا میں نے اس کو تین طلاق دے دی ہیں، آپ نے فرمایا مجھے معلوم ہے

الثلاث واحدة فقال عمر ان الناس قد استعجلوا فی امر کان لهم فیه اناة فلو امضیناه علیهم فامضاه علیهم رواه مسلم وورد فی الباب غیر واحد من الاحادیث الصحاح وقال ابن القیم فی تخریج احادیث الباب والکلام علیها واثبته بالکتاب والسنة واللغة والعرف وعمل اکثر الصحابة ثم قال بعد ذلک فهذا کتاب الله تعالی وهذه سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم وهذه لغة العرب وهذا عرف التخاطب وهذا خلیفة رسول الله صلی الله علیه وسلم والصحابة کلهم معه فی عصره وثلاث سنین من عصر عمر رضی الله تعالی عنه علی هذا المذهب فلو عدهم العاد باسمائهم واحدا واحدا انهم کانوا یرون الثلث واحدة اما بفتوی واما باقرار علیها ولو فرض منهم من لم یکن یری ذلک فانه لم یکن منکرا بالفتوی به بل کانوا مابین مفت ومقر بفتیا وساکت غیر منکر وهذا حال کل صحابی من عهد الصدیق الی ثلاث سنین من خلافة عمر وهم یزیدون علی الالف قطعا کما ذکر یونس بن بکیر عن ابی اسحاق فکل صحابی کان علی ان الثلاث واحدة بفتوی او اقرار وسکوت ولقد ادعی بعض اهل العلم ان هذا اجماع قدیم ولم تجمع الامة ولله الحمد علی خلافه بل لم یزل فیهم من یفتی به

اس سے رجوع کرے، ایک روایت میں ہے، کہ ابورکانہ نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں، پھر اس کو بڑا غم ہوا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے رجوع کرلے، وہ ایک ہی طلاق ہے، ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے عہد میں اور حضرت عمر رضی کی خلافت کے دو سال تک اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار ہوتی تھی، حضرت عمر رضہ نے کہا، لوگوں کو اس میں مہلت تھی، لیکن وہ جلدی کرنے لگے ہیں، اگر ہم ان پر تینوں طلاقیں جاری کردیں تو اچھا ہو، تو انہوں نے تینوں طلاقیں نافذ کردیں، اس مضمون کی بہت حدیثیں ہیں، علامہ ابن قیم نے ان کو درج کیا ہے، اور ان پر کلام کیا ہے، اور طلاق ثلاثہ بیک وقت کو ایک طلاق کتاب وسنت، اور لغت اور عرف اور اکثر صحابہ کے عمل سے ثابت کیا ہے، پھر اس کے بعد کہا ہے یہ اللہ کی کتاب ہے، اور یہ رسول اللہ کی سنت ہے، یہ عرب کی لغت ہے، یہ عرف تخاطب ہے، اور یہ خلیفہ رسول ہے، اور ان کے زمانہ کے تمام صحابہ ان کے ساتھ ہیں، اور حضرت عمر رضہ کے عہد کے تین سال بھی اسی پر گذرے ہیں، اگر تم ان کو ایک ایک کر کے شمار کرو، تو فتوے دینے والے اور خاموش رہنے والے سب قائل نظر آتے ہیں، جیسا کہ یونس بن بکیر نے ابو اسحاق سے اس کی تصریح کی ہے، بعض اہل علم

قرناً بعد قرن الی یومنا هذا فافتی به حبر الامة و ترجمان القرآن عبد الله بن عباس رضی الله تعالی عنهما کما رواه حماد بن زید عن ایوب عن عکرمة عن ابن عباس اذا قال انت طالق ثلاثا بفم واحد فهی واحدة وافتی بانها واحدة الزبیر بن العوام وعبد الرحمن بن عوف حکاه عنهما ابن وضاح واما التابعون فافتی به عکرمة وطاؤس واما تابعوا التابعین فافتی به محمد بن اسحاق وخلاس بن عمرو والحارث العکلی واما اتباع تابعی التابعین فافتی به داؤد بن علی واکثر اصحابه وافتی به بعض اصحاب مالک وافتی به بعض الحنفیة وافتی به بعض اصحاب احمد والمقصود ان هذا القول قد دل علیه الکتاب والسنة والقیاس والاجماع القدیم ولم یات بعده اجماع یبطله ولکن رای امیر المؤمنین عمر رضی الله تعالی عنه ان الناس استهانوا بامر الطلاق وکثر منهم ایقاعه جملة واحدة فرای من مصلحة عقوبتهم بامضائه علیهم فرای عمر ان هذا مصلحة لهم فی زمانه والذی ندین الله تعالی به ولا یسعنا غیره وهو القصد فی هذا الباب ان الحدیث اذا صح عن رسول الله صلی الله علیه وسلم ولم یصح عنه حدیث اخر ینسخه ان الفرض علینا وعلی الامة الاخذ بحدیثه

نے دعوی کیا ہے، کہ یہ سب سے قدیمی اجماع تھا، اور اس کے بعد آج تک کسی زمانہ میں بھی امت تین طلاق یک وقت کو تین طلاق شمار کرنے میں متفق نہیں ہوئی والحمد للہ بلکہ ہر زمانہ میں قرناً بعد قرن تین طلاق بیک وقت کو ایک طلاق شمار کرنے والے رہے ہیں، عبد اللہ بن عباس نے کہا، اگر تو ایک ہی منہ سے عورت کو تین طلاق دے، تو یہ ایک طلاق ہوگی، اور یہی فتوی زبیر بن عوام اور عبد الرحمن بن عوف نے دیا، اور تابعین میں سے عکرمہ اور طاؤس اور تبع تابعین میں سے محمد بن اسحاق، خلاس بن عمرو اور تبع تبع تابعین میں سے داؤد بن علی اور اس کے اکثر ساتھیوں نے فتوی دیا، اور یہی فتوی امام مالک کے بعض اصحاب اور بعض احناف اور امام احمد بن حنبل کے بعض اصحاب نے فتوی دیا، غرض کتاب و سنت اور قیاس اور قدیم اجماع اسی کا مؤید ہے، اور اس کے بعد کوئی اجماع ایسا نہیں ہوا جو اس اجماع کو باطل کرے، اور حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ لوگوں نے طلاق کے معاملہ کو معمولی سمجھ رکھا ہے، اور کثرت سے تین طلاقیں دینے لگے ہیں تو انہوں نے ان کو سزا دینے کی مصلحت سے ان پر جاری کر دیا اور اس مصلحت کا تعلق آپ ہی کے زمانے سے تھا، ہم نے اللہ کا دین اختیار کیا ہے، اور وہی ہمارا مقصود ہے، جب کوئی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے، اور اس کے خلاف کوئی حدیث اس کو منسوخ کرنے کے لئے ثابت نہ ہو تو امت پر فرض ہے، کہ اس حدیث

وترک کل ما خالفہ ولا نترکہ لخلاف احد من الناس کائنا من کان ھکذا فی روضۃ الندیۃ شرح درر البھیۃ۔

وقال فی مسک الختام شرح بلوغ المرام بر عمر رض ابن الخطاب مخفی نبود کہ این سنت توسع است از جانب خدا بر عباد کہ طلاق را مرۃ بعد مرۃ گردانیدہ نہ یک بار دفعۃ و ہرچہ مرۃ بعد مرۃ باشد مکلف مالک ایقاعش در یک بار نیست مثل لعان کہ اگر گوید گواہی می دہم بخدا چہار گواہے کہ من از صادقین ام این یک گواہی باشد نہ چہار و ہم چنین اگر سوگند خورد در قسامت و گوید پنجاہ قسم است یک قسم باشد، و اگر مقر بزنا گوید کہ اقرار می کنم چہار بار یک اقرار باشد نزد معتبر اقرار چہار بارہ و فرمودہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر کہ گوید در روز سبحان اللہ وبحمدہ صد بار الخ و وے گفت سبحان اللہ وبحمدہ مائۃ مرۃ حاصل نہ شود او را ثواب موعود تا آنکہ مرۃ بعد مرۃ نہ گوید و نظائرش بسیار است و کذلک قولہ تعالے لیستاذنکم الذین الی قولہ ثلاث مرات پس اگر یکے بگوید طلب اذن می کنم سہ بار این یک اذن باشد تا آنکہ اذن خواہد مرۃ بعد مرۃ و این استعمال چنانکہ در اقوال است در افعال نیز ہست۔ کقولہ تعالی سنعذبھم مرتین مراد مرۃ بعد مرۃ است، و ہم چنین قول ابن عباس کہ دید رسول خدا رب خود را دو بار و قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزیدہ نمی شود مومن از یک سوراخ دو بار ازین منقول است

کو قبول کریں، اور جو اس کے مخالف ہو اس کو چھوڑ دیں، اور لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے اس کو نہ چھوڑیں۔

مسک الختام شرح بلوغ المرام ہے، کہ حضرت عمر رض اس سے ناواقف نہیں تھے، کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر تین طلاق میں وسعت رکھی ہے، کہ طلاق مرۃ بعد مرۃ ہو، نہ کہ ایک ہی بار، اور جو تین بار طلاق کا مکلف ہو وہ ایک ہی بار تین طلاق کہہ دینے سے تین نہیں سمجھے گا، مثلاً اگر کوئی لعان میں کہے، میں خدا کی قسم اٹھا کر چار گواہیاں دیتا ہوں، کہ میں سچا ہوں، تو یہ ایک گواہی ہوگی نہ چار، اور اگر قسامت میں کوئی آدمی کہے، میں خدا کی قسم کھا کر پچاس قسمیں اٹھاتا ہوں تو وہ پچاس نہ ہوں گی، بلکہ ایک قسم ہوگی، اگر زنا کا اقرار کرنے والا کہے، میں چار بار اقرار کرتا ہوں کہ میں نے زنا کیا ہے تو یہ ایک اقرار ہوگا نہ چار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سبحان اللہ وبحمدہ سو بار پڑھے تو اگر کوئی کہے سبحان اللہ وبحمدہ سو بار، تو وہ سو بار نہیں ہوگا، بلکہ ایک بار ہوگا، اور اس کی نظیریں کتاب وسنت میں بے شمار ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، غلام اور نابالغ بچے تین مرتبہ تم سے اجازت لے کر داخل ہوا کریں، اور ان کو تین مختلف اوقات پر تقسیم کیا ہے، اگر کوئی کہے، کہ میں تین بار اجازت لیتا ہوں، تو وہ ایک ہی اجازت ہوگی، اور یہ استعمال جیسا کہ اقوال میں ہے افعال میں بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہم ان کو

از لغت و عرف پس احادیث و نصوص مذکورہ و قولہ تعالیٰ الطلاق مرتان ہمہ از یک باب است و از یک مشکوٰۃ و احادیث مذکورہ مفسر مراد قولہ تعالیٰ است الطلاق مرتان چنانکہ حدیث لعان مفسر قولہ تعالیٰ است فشہادۃ احدھم اربع شہادات باللہ۔

قال فیہ ایضا امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی چون دید کہ مردم کار طلاق را سبک گرفتند و بسیار شد ایقاعش از ایشان دفعۃ واحدۃ لاجرم مصلحت در عقوبت ایشان بامضاء سہ طلاق دید تا بائن شدن زن و حرام گردیدن او بر خود شان بیک بارگی دریابند و دانند کہ وے حرام است، تا آنکہ نکاح دیگر کند برائے دوام نہ نکاح تحلیل زیرا کہ عمر رضی اللہ عنہ اشد الناس بود در نکاح تحلیل و بدریافت این معنی از طلاق باز مانند گویا مصلحت در زمان وے در ہمیں بود و لایق در زمان آنحضرت و عہد ابی بکر و صدر خلافت خودش ہمان ایقاع واحد بود در ثلاث زیرا کہ مردم دران زمان تتابع در طلاق نمی کردند و از خدا در طلاق دادن می ترسیدند و او تعالیٰ برائے ترسندگان از خود مخرجی نہادہ اما چون ایشان خوف خدا ترک دادہ تلاعب بکتاب او بدادن طلاق بر غیر وجہ مشروع مے شروع کردند عمر رضی اللہ عنہ عقوبت طلاق ثلاث بر ایشان لازم گردانید انتہی۔ وھکذا فی نیل الاوطار واغاثۃ اللھفان وغیرھا۔

کتبہ العبد المذنب الراجی الی رحمۃ اللہ عبدہ ابو محمد المدعو بعبد اللہ غفرلہ

دوم مرتبہ سزا دیں گے، ابن عباس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کو دوبارہ دیکھا ہے، اور آپ نے فرمایا، مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا، اور یہ دستور لغت و عرب میں مشہور ہے۔

امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا، کہ لوگوں نے طلاق کے معاملہ کو معمولی سمجھ لیا ہے اور دفعۃ واحدۃ اس کا وقوع عام ہونے لگا ہے، تو آپ نے تین طلاقیں بطور سزا شمار کیں، تاکہ لوگ تین طلاقیں اکٹھی دینے سے باز آجائیں، اور ان کو معلوم ہو جانے، کہ اس طرح عورت حرام ہو جائے گی، یہاں تک کہ دوسرا نکاح نہ کرے، ہمیشہ کا نکاح نہ کہ حلالہ کا نکاح، کیونکہ حلالہ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روش بڑی سخت تھی، مقصد یہ تھا کہ اس طرح لوگ تین طلاقیں اکٹھی دینے سے باز آجائیں، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کے زمانہ میں تو لوگ خدا سے طلاق کے معاملہ میں ڈرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آسانی رکھی ہوئی تھی، اور حضرت عمر رض کے زمانہ میں اللہ کی کتاب سے مذاق کیا جانے لگا، اکٹھی تین طلاقیں ہونے لگیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت عمر رض سے سزا دلوائی، کہ انہوں نے تین اکٹھی طلاقوں کو تین ہی شمار کر کے اس کی بیوی کو اس سے علیحدہ کر دیا ۱۲

اللہ ووفقہ بما یحب ویرضاہ۔ ۲۷ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۱۳ ہجری

الجواب صحیح والمجیب نجیح۔ محمد عبد الحق ملتانی۔ الجواب صحیح۔ ابو محمد عبد الحق اعظم گڈھی

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے چند شخصوں کے کہنے سننے سے حالت غصہ میں آکر اپنی بی بی کو یوں کہا کہ میں نے اپنے زوجہ کو تین طلاق دیں، اور میری مرضی نہیں تھی، اور نہ بی بی گھر میں تھی، بی بی اپنی والدہ کے گھر میں تھی، میں نے ایک پرچہ پر تین طلاقیں تحریر کر کے دے دیں، اور زبان سے نہیں کہا، اور نہ زبان سے لا کر لکھا، صرف ذہن کے خیال سے لکھ دیا، آیا اس صورت میں طلاق ہوئی ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: اس صورت میں طلاق واقع ہو گئی، مگر ایک طلاق رجعی واقع ہوئی صحیح بخاری میں ہے۔ عن[1] ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ تجاوز عن امتی ما حدثت بہ انفسھا ما لم تعمل او تکلم قال قتادۃ اذا طلق فی نفسہ فلیس بشیء حافظ ابن حجر اس حدیث کے تحت میں لکھتے ہیں۔ واستدل[2] بہ علی ان من کتب الطلاق طلقت امرأتہ لانہ عزم بقلبہ وعمل بکتابہ وھو قول الجمھور وشرط مالک فیہ الاشھاد علی ذلک انتہی۔

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ سید محمد نذیر حسین

سوال: طلاق بائن کس کو کہتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: طلاق بائن اس طلاق کو کہتے ہیں جس کے بعد رجعت جائز نہ ہو، اور طلاق بائن صرف تین صورتوں میں ہوتی ہے، ایک یہ کہ تین طلاقیں تین طہر میں دی جائیں پس تیسری طلاق کے بعد رجعت جائز نہیں، دوسری یہ کہ قبل دخول کے طلاق دی جائے اس صورت میں بھی رجعت جائز نہیں، تیسری یہ کہ عورت سے کچھ مال لے کر طلاق دی جائے

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اللہ نے میری امت سے خیالات کو معاف کر دیا، جب تک ان پر عمل نہ ہو، یا کلام نہ کرے (بخاری) قتادہ نے کہا، اگر دل میں طلاق دے، تو کوئی چیز نہیں ہے

[2] اس سے استدلال کیا گیا ہے، کہ جو اپنی عورت کو لکھ کر طلاق دے اس کی طلاق ہو جائے گی کیونکہ اس نے دل سے ارادہ کیا، اور لکھ کر عمل کیا جمہور کا یہی قول ہے، اور امام مالک اس پر شہادت کی شرط زیادہ کرتے ہیں،

جس کو خلع کہتے ہیں، اس صورت میں بھی رجعت جائز نہیں ہے، اور ہاں یہ یاد رکھنا چاہئیے، کہ ایک طلاق اور دو طلاق دخول کے بعد جس صورت سے دی جاوے گی رجعی ہی ہو گی، اگرچہ بقید بینونت دی جائے یعنی مثلاً یوں کہا جاوے، کہ انت طالق طلقۃ بائنۃ یا انت طالق طلاقا بائنا یا انت بائن تب بھی طلاق رجعی ہی ہوگی یہی مذہب ہے جمہور کا، اور یہی حق ہے، اور اسی طرح تین طلاقیں اگر ایک جلسہ میں دی جائیں تب بھی طلاق رجعی ہی واقع ہو گی یہی حق ہے، دیکھو زاد المعاد جلد ثانی صفحہ ۲۱۴ و ۲۱۵ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید جس کی عمر قریب ستر سال کے ہے، اور زوجہ زید بعمر پچپن سال ہے اور زید سالہا سال سے اپنی زوجہ کا خبر گیراں بھی نہ تھا عرصہ تخمیناً تیرہ ماہ کا ہوا، کہ زید نے مسمی شہاب الدین خسر پورہ اور سلطان اپنے داماد کو، اور اسمٰعیل اپنے کنبہ دار کو بخانہ زوجہ خود جمع کیا، اور ان ہر سہ گواہان کے روبرو تین بار بآواز بلند اپنی زوجہ کا نام لے کر طلاق دے دی، ایسی حالت میں زید کی زوجہ بموجب قانون محمدی اس کے نکاح سے باہر ہو گئی یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں زید کی زوجہ اس کے نکاح سے باہر ہو گئی، واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ ابو محمد عبد الحق اعظم گڈھی

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عرصہ نو سال کا ہوا، کہ ہندہ کا نکاح زید سے ہوا، شروع تین مہینے ہندہ زید کے ساتھ رہی اور بعد میں باہمی تنازعہ ہو گیا، اور زید نے ہندہ کو اس کی ماں کے یہاں بھیجدیا، اور بعد ازاں پونے چار سال کے عرصہ میں زید مذکور نے تقریباً چالیس روپے بطور علی الحساب واسطے نان و پارچہ زوجہ کے تبفاریق مختلف اوقات میں ہندہ کو ادا کئے، پھر عرصہ پانچ سال سے زید نے ہندہ کو ایک حبہ نہیں دیا، اور اپنا دوسرا نکاح بھی کر لیا، ہندہ بہ سبب تنگ دستی و امورات دنیوی ناچار ہے، زید مذکور ہندہ سے سختی و مغلظات ناقابل برداشت سے پیش آتا رہا، اور کلمات ایسے سخت اور ناگفتہ ہیں جن کا اعادہ نہیں ہو سکتا، ایسے کلمات سخت پر ہندہ کسی صورت سے صبر نہیں کر سکتی، اور ان پانچ سال سے قبل تین تین مرتبہ مصلحوں نے باہم صلح کرا دی، یعنی زید مذکور سے ملاپ کرا دیا، لیکن وہی نا اتفاقی اور وہی

کلمات سخت بلکہ روزافزوں زید کی جانب سے ہوتے رہے، دیگر یہ کہ اتنے عرصہ میں زید نے ہندہ کو مختلف خطوط بدیں مضمون بھیجے، اور ان خطوط کی عبارت یہ ہے۔

مضمون خط اول بابت پردہ کے اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں، ایک تو یہ کہ بکر کے سامنے ہوتی ہو، دوسرے یہ کہ میں ہزار کچھ کروں گا، مگر تم پردہ نہ کرو گی، پس اگر تم اس کے سامنے ہوگئیں (یعنی بکر کے) تو عمر بھر میرے سامنے ہونے کی امید نہ رکھنا، ضرور تم کو کچھ نہ کچھ لالچ ہے، جو کہنا نہ مانا، اور بکر کے سامنے ہوگئیں، مناسب تو یہ ہے، کہ اس یار اور یار باز دونوں کا سر کاٹتا، مگر مجبور ہوں، کہ اللہ جل شانہ نے قرآن شریف میں آدمی کے مارنے کو ہر جگہ منع فرمایا ہے، اب تمہارے واسطے یہ بہتر ہے، کہ مجھ کو بخش دو، اور فارغ خطی لو، اور یہ خیال نہ کرنا، کہ جب تک مہر نہ بخشوں گی، فارغ خطی نہ ہوگی، اگر تم نے قاعدہ کا جواب نہ لکھا، اور میری تسلی نہ ہوئی، تو خدا کی قسم صاف طلاق دوں گا، جب تم میرے کہنے کی نہیں، تو پھر میری کاہے کی جورو ہو۔

خط دوم مگر یہ تو فرمایئے، کہ یقین مجھ کو کیونکر آئے تم نے ایک جھوٹی قسم کھا کر ایسا بولا ہے، کہ اب اگر تم قرآن کا جامہ پہن کر آؤ، تو بھی یقین نہ ہو۔

خط سوم، خط آپ کا بطلب جواب مع طلب فارغ خطی وصول ہوا، کیا اس قدر لکھنے سے اثر نہیں ہوا، جو جواب اس کا مطلوب ہے، جیسا یہ خط ہے، ایسا ہی اس کا جواب تصور کرنا چاہیئے، بلکہ اس میں تمام جھوٹ باتیں لکھی ہوئی ہیں، اور میں اس کے جواب میں جو کچھ لکھوں گا، وہ سب سچ ہوگا، اور قاعدہ ہے، کہ سچ برا معلوم ہوتا ہے، سو تم کو جواب اور برا معلوم ہوگا، بمصداق الحق مر کے سوائے اس کے جس حالت میں ملا ایک امر کا قطع تعلق پر ٹھہرا، تو اور باتیں شکوہ شکایت کی لکھ کر جواب طلب کرنا فضول اور کھسیانی کرنا ناحق، اس لئے جواب میں نے نہیں لکھا، یہ عقل کی خوبی مضمون بنانے والے اور کہنے والے دونوں کی ہے، کہ درخواست فارغ خطی کے ساتھ اور باتیں جواب طلب لکھیں، درخواست منظور ہے۔

خط چہارم:۔ ایک مرتبہ ہندہ کی نانی نے زید سے یہ بھی کہا تھا، کہ آج تک تمہاری بیوی کو ہم نے رکھا، اور حفاظت کی گئی، اب ہم سے حفاظت نہیں ہوسکتی، کیونکہ تم دیکھتے ہو، کہ زمانہ کیسا نازک گذر رہا ہے، ہم نے اب تک انتظار کیا، کہ تم اب بھی راہِ

راست پر آجاؤ۔ اور تمہاری امانت تم کو سونپ دی جائے، مگر تم کو ذرا خیال نہیں سے (؟)
اس پر زید نے ہندہ کی نانی کو یہ جواب دیا، کہ مجھ کو غرض اور مطلب نہیں (یعنی اپنی بیوی سے)
انہیں اور تمہیں اختیار ہے، جو چاہو سو کرو۔

خط پنجم :۔ اس روپیہ کے عوض یہ زیور میں نے رکھ چھوڑا ہے، تم کو چاہیئے، کہ اپنے
آدمی کے ہاتھ میرا روپیہ اور وہ جوڑا زنانہ شادی کا یہاں روانہ کر دو میں بھی تمہارے آدمی کے
ہاتھ تمہارا زیور اور اسباب بھیجدوں گا، اس کے بعد تمہاری طرف سے میں مرگیا، اور
میری طرف سے تم۔

خط ششم :۔ اور اصل تو تمہارے رشتہ کے سبب وہاں خط لکھا کرتا تھا، جب
میں نے اپنے دل میں یہ سمجھ لیا، کہ یہ عورت اپنے کہنے کی نہیں، تو گویا اپنے دل کی روح
سے اس رشتہ کو قطع کر دیا پس جب سے رشتہ قطع کر دیا، تو پھر اس کے عزیزوں سے
تعلق رکھنا فضول ہے،

بابت پردہ مذکور تحریر بالا کے جو زید نے ہندہ کو منع کیا تھا، بعد لکھنے زید کے ہندہ
بکر کے سامنے برابر ہوتی رہی یعنی پردہ نہیں کیا، خلاصہ یہ کہ علمائے دین و مفتیان شرع
متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، کہ ہندہ زید کے نکاح میں رہی یا نہ رہی، اور اگر طلاق
ہوئی، تو کیونکر ہوئی، بینوا توجروا۔

الجواب :۔ ھوالموفق للصواب۔ صورت مرقومہ سے یہ امر بالتحقیق ثابت و متحقق
ہے، کہ زید و ہندہ میں باہم سخت نزاع و خصومت اور از حد مخالفت اور مباینت رہتی ہے
کہ جس سے حسن معاشرت بکسر مفقود و معدوم ہو گئی، اور فریقین کے دلی قصد اور ارادے
طلاق دینے لینے کے بات بات پر ہوتے ہیں، پس اگر زید ان خطوط مرسلہ کا اقرار کرتا ہے
کہ یہ میرے بھیجے ہوئے ہیں، تو البتہ یہ خطوط شرعاً معتبر اور ان کی تحریر کا ہندہ پر ضرور اثر پڑیگا
کیونکہ المرء یوخذ باقرارہ[1] کما فی کتب الفقہ قاعدہ مقررہ مسلمہ ہے، اور جو زید ان
خطوط کے بھیجنے کا منکر ہے، تو یہ خطوط معتبر نہیں، اور ہندہ پر ان خطوط کا کچھ اثر نہیں کان الخط
یشبہ الخط[2] ھکذا فی کتب الفقہ جب یہ بات محقق و منقح ہو چکی، تو اب خطوط زید کے
فقرات کا جواب بہ توضیح و تنقیح معلوم کرنا چاہیئے۔ اول خط میں زید کا یہ فقرہ (کہ جب تم

[1] آدمی اپنے اقرار سے پکڑا جاتا ہے ۱۲ [2] تحریر تحریر سے مشابہ ہو جاتی ہے ۱۲

میرے کہنے کی نہیں، تو پھر میری کا ہے کی جورو ہو) اس کلمہ زید سے ہندہ پر ایک طلاق بائنہ ہوئی، کیونکہ یہ کلمہ استفہام انکاری ہے، اس کے یہ معنی ہیں، کہ جب تم میرے کہنے کی نہیں ہو تو تم میری زوجہ نہیں ہو، پس معنوں میں یہ کلمہ خلیۃ و بریۃ و بائن کے ہے، لہذا اس سے ایک طلاق بائنہ پڑ گئی، کیونکہ یہ الفاظ کنایہ میں سے ہیں، اور کنایہ میں سوائے تین الفاظ کے سب میں بائنہ طلاق ہوتی ہے۔ قولہ خلیۃ ای خالیۃ اما عن النکاح او عن الخیر ردالمحتار و قولہ بریۃ ای منفصلۃ اما عن قید النکاح او حسن الخلق علامہ شامی وقولہ بائن ای منفصلۃ من وصلۃ النکاح او عن الخیر شامی۔ مگر یاد رہے کہ اگر زید یہ کہے، کہ میری نیت اس کلمہ کے کہنے سے طلاق کی نہ تھی، تو زید اپنی اس نیت پر شرعاً سچا قرار دیا جاوے گا، اگر حلف شرعی کرے گا، والا نہیں کیونکہ حالت غضب و غصہ کی خطوں سے ثابت ہے، مذاکرہ طلاق کا خط میں کچھ ذکر نہیں ہے، لہذا زید کی تصدیق عدم نیت طلاق میں کی جاوے گی۔ وفی الغضب توقف اولا کان ان نوی وقع والا لا تنوجہ الا بصار و الدر المختار۔

اور خط دوم میں کسی قسم کی طلاق کا کوئی لفظ و کلمہ نہیں ہے، مگر قرآن صحیفۃ الرحمن کو نعوذ باللہ جامہ کہنا خالی بے ادبی و بے باکی سے نہیں ہے۔

اور خط سوم کا یہ فقرہ کہ (جس حالت میں مدار ایک امر کا قطع تعلق پر ٹھہرا) اس سے بھی ہندہ پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے، کیونکہ یہ لفظ بتۃ اور بتلۃ کے معنوں میں ہے، اور اس سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے لیکن اس جگہ زید اگر یہ کہے گا کہ میری نیت اس کلمہ کے کہنے سے طلاق نہ تھی، تو اس کا یہ کہنا معتبر نہ ہوگا، اگرچہ حلف ہی سے کیوں نہ کہے، کیونکہ اس خط میں مذاکرہ طلاق اور حالت غضب دونوں ہیں، اس لئے اس کی نیت کی تصدیق نہیں کی جاوے گی۔ وفی مذاکرۃ الطلاق یتوقف الاول

ل خلیۃ کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، تو نکاح سے خالی ہے یا بھلائی سے خالی ہے اور بریۃ کے بھی دو معنی ہیں یعنی تو نکاح کی قید سے آزاد ہے، یا حسن خلق سے عاری ہے، اور اسی طرح بائن کا بھی کہ تو نکاح کے وصل سے الگ ہے، یا بھلائی سے الگ ہے ۱۲ سے اور غصہ کی حالت میں توقف ہوگا، اگر اس نے طلاق کی نیت کی ہے، تو طلاق ہوگی، ورنہ نہیں ۱۲

سے اور طلاق کے مذاکرہ میں پہلے جواب پر توقف ہوگا ۱۲

فقط تنویر الابصار۔ قال[1] الشامی ای ما یصلح للرد والجواب لان حالۃ المذاکرۃ تصلح للرد والتبعید کما تصلح للطلاق دون الشتم والفاظ الاول کذلک فاذا نوی الرد لا الطلاق فقد نوی محتمل کلامہ بلا مخالفۃ للظاہر فتوقف الوقوع علی النیۃ بخلاف الفاظ الاخیرین فانہا وان احتملت الطلاق لکنہا لا یحتمل ما تحتملہ المذاکرۃ من الرد والتبعید فترجح جانب الطلاق ظاہرا فلا یصدق فی الصرف عنہ فلذا وقع بہا قضاء نیۃ والحاصل ان الاول یتوقف علی النیۃ فی حالۃ الرضی والغضب والمذاکرۃ والثانی فی حالۃ الرضی والغضب فقط ویقع فی حالۃ المذاکرۃ بلا نیۃ والثالث یتوقف علیہا فی حالۃ الرضا ویقع فی حالۃ الغضب والمذاکرۃ بلا نیۃ رد المحتار حاشیۃ در المختار۔ اور جو اس خط میں ہے، کہ ہندہ کے درجواب درخواست فارغ خطی کے زید نے یہ لکھا ہے، کہ (درخواست مذکور منظور ہے) اس سے طلاق بائنہ واقع نہیں ہوئی اس سے صرف یہ ثابت ہے، کہ ہندہ کی درخواست فارغ خطی زید نے منظور وقبول کی ہے، ابھی اس درخواست پر حکم طلاق دینے کا یا نہ دینے کا نہیں کیا، اس لئے اس کے منظور کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ طلاق عورت کی جانب سے نہیں ہو سکتی، جو زید کا صرف درخواست فارغ خطی کا منظور کرنا طلاق کا ہونا سمجھا جاتا۔

خط چہارم میں جو زید نے اپنی زوجہ ہندہ کی بابت لکھا ہے، کہ (مجھ کو کچھ غرض و مطلب نہیں) یعنی اپنی بیوی سے (نہیں اور تمہیں اختیار ہے جو چاہو سو کرو) سو اس کلمہ زید سے

---

[1] شامی نے کہا، جو رد اور جواب کی صلاحیت رکھتا ہو کیونکہ مذاکرہ کی حالت جواب اور تبعید دونوں کی صلاحیت رکھتی ہے، جیسا کہ طلاق کی صلاحیت رکھتی ہے گالی کے سوا اور پہلے الفاظ اسی طرح کے ہیں جب وہ جواب دینے کی نیت کرے گا نہ طلاق کی، تو اس کی نیت کا اعتبار کیا جاوے گا، برخلاف آخری دو الفاظ کے اگرچہ ان میں طلاق کا احتمال ہے لیکن وہ مذاکرہ کا سا احتمال نہیں رکھتے تو اس میں طلاق کی جانب راجح ہو گی، اگر اس سے انکار کرے گا تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی، اسی لئے اس میں نیت کا اعتبار کئے بغیر فیصلہ کیا جائے گا، حاصل کلام یہ ہے، کہ پہلے الفاظ رضا، غضب اور مذاکرہ کی حالت میں نیت پر موقوف ہوں گے اور دوسرے الفاظ صرف رضا اور غضب کی حالت پر اور مذاکرہ کی حالت میں بغیر نیت کے واقع ہو جائے گی، اور تیسرے میں صرف حالت رضا پر اور حالت غضب اور مذاکرہ کی حالت میں بغیر نیت کے واقع ہو جائے گی ۱۲

کہ مجھ کو کچھ غرض و مطلب نہیں، ایک طلاق بائنہ ہندہ پر پڑی، اگر زید کی نیت ہیں اس سے طلاق ہی والا نہیں۔ ولو قال لم یبق بینی و بینک عمل و نوی الطلاق یقع کذا فی العنایۃ فتاوی عالمگیریہ۔ اور زید کے یہ کہنے سے کہ (انہیں اور تمہیں اختیار ہے) طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ لفظ تفویض طلاق کا ہے، کہ زید اپنی زوجہ کو اختیار طلاق لینے کا دیتا ہے، پس اگر ہندہ اسی مجلس میں کہ جس میں ہندہ نے خط زید کا پڑھا یا سنا تھا، اس لفظ کو پڑھ کر یا سنکر کہہ دیتی کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا، اور طلاق لے لی تو واقع ہوتی، اب نہیں ہو سکتی کیونکہ تبدیل مجلس سے مفوضہ کا اختیار باطل ہو جاتا ہے، سو ہو گیا۔ واذا قال لامرأتہ اختاری ینوی بذلک الطلاق او قال لہا طلقی نفسک فلہا ان تطلق نفسہا مادامت فی مجلسہا ذلک فان قامت منہ او اخذت فی عمل اٰخر خرج الامر من یدہا لان المخیرۃ لہا المجلس باجماع الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم الخ ھدایۃ۔ اور ان الفاظ طلاق کے علاوہ اور بھی کئی لفظ طلاق کے زید کی تحریر خط میں ہیں لیکن جب تین طلاق بائنہ ہندہ پر زید کے الفاظ مذکورہ سے ہو چکیں تو اور الفاظ باقی سے طلاق ہندہ پر نہیں پڑ سکتی کیونکہ بعد طلاق ثلاث کے عورت بائنہ مغلظہ ہو گئی اور حرمت غلیظہ ثابت ہو چکی، اب ہندہ محل طلاق باقی نہیں رہی، پس اتہام طلاق کی بھی ہو گئی اور اب زید سے ہندہ بغیر حلالہ کے عقد نکاح بھی نہیں کر سکتی۔ وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرۃ او ثنتین فی الامۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحا صحیحا و یدخل بہا ثم یطلقہا او یموت عنہا والاصل فیہ قولہ تعالی فان طلقہا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ والمراد الطلقۃ الثالثۃ ھدایۃ۔ و ینکح مبانتہ فی العدۃ

لہ اگر کہے میرے اور تیرے درمیان کوئی عمل مشترک نہیں رہا اور ان الفاظ سے طلاق کی نیت ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی

ؔ اگر مرد اپنی عورت کو کہے، تو مختار ہے، اور اس کی نیت طلاق کی ہو، یا کہے اپنے آپ کو طلاق دے، تو جب تک وہ اس مجلس میں رہے گی، وہ اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے، اور اگر اٹھ کر کسی اور کام میں مشغول ہو جائے تو پھر اس کا اختیار نہیں رہے گا، کیونکہ اختیار صرف اسی مجلس میں ہوتا ہے اور اس کا صحابہ کا اجماع ہے ۱۲

ؔ اگر آزاد عورت کو تین طلاقیں ہو جائیں، یا لونڈی کو دو ہو جائیں تو پھر وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہو گی، تا وقتیکہ وہ کسی اور مرد سے نکاح کرے، اور وہ اس سے صحبت کرے پھر اس کو طلاق دے یا مر جائے اور اس میں اصل اللہ تعالی کا یہ قول ہے۔ اگر اس کو طلاق دیدے

وبعدها الا المبانة بالثلاث لو حرة وبالثنتين لو امة حتى يطأها غيرة ولو مراهقا بنكاح صحيح وتمضى عدته كنز الدقائق والله اعلم بالصواب

اجابه وکتبہ الفقیر محمد یعقوب عفا اللہ عنہ الذنوب

الجواب:۔ برتقدیر صدق سوال کے صورت مذکورہ فی السوال میں جو خطوط زید نے لکھے ہیں، اگر زید ان خطوط کے لکھنے کا اقرار کرتا ہے تو ہندہ کو طلاق بائنہ واقع ہوگئی اس واسطے خط اول میں لفظ (تم میری کا ہے کو جورو ہو) اور خط سوم میں بطلب فارغ خطی یہ لفظ (در خواست مذکور منظور ہے) اور خط چہارم میں لفظ (نہیں اور تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو) علی ہذا القیاس دیگر خطوط میں بھی ایسے ہی بعض الفاظ ہیں، جو کہ کنایات طلاق سے ہیں، اور مذاکرہ طلاق یا غصہ میں یہ الفاظ زید نے تحریر کئے ہیں، لہٰذا طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی، کنایات طلاق میں صاحب ہدایہ نے لفظ "فاختاری خلیۃ بریۃ" کو الفاظ کنایات طلاق سے شمار کیا ہے، لہٰذا صورت مذکورہ میں طلاق بائنہ واقع ہوگئی، فقط

المجیب محمد وصیت علی مدرس مدرسہ حسین بخش

الجواب صحیح۔ ابو محمد عبد الحق | فقیر محمد حسین | یقال لہ ابراہیم

سید محمد نذیر حسین | سید محمد عبد السلام غفر لہ | سید محمد ابو الحسن

ان کان کذا فکذا۔ فقیر محمد عبد القادر

سوال:۔ زید کی زوجہ فاطمہ بنت خالد موجود ہے، اب اس نے ایک اور نکاح مریم سے کرنا چاہا، عقد کے وقت مریم کے والد نے زید سے کہا، کہ میں اپنی لڑکی کا نکاح تم سے اس وقت کروں گا، جب تم اپنی پہلی زوجہ کو طلاق دے دو، زید نے اپنی زوجہ فاطمہ کو طلاق نہیں دی، اور نہ اس کی طلاق دینے کی نیت تھی، حیلہ کے طور پر بجائے اس کے ہندہ بنت بکر کو طلاق دے کر مریم سے نکاح کر لیا، اب موافق مذہب حنفی کے طلاق واقع ہوگی یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ واضح ہو کہ صورت مذکورہ میں موافق مذہب حنفیہ کے طلاق واقع نہ ہوگی، جیسا کہ قاضیخان میں ہے ؎ رجل قال لامرأته عمرة بنت صبيح طالق وامرأته

تو اس کے لئے اس وقت تک حلال نہ ہوگی، جب تک کہ کسی اور آدمی سے نکاح نہ کرے، اور اس سے مراد تین طلاقیں ہیں ۱۲

؎ ایک آدمی نے اپنی بیوی عمرہ بنت صبیح کو طلاق دی، اور اس کی عورت عمرہ بنت حفص ہے

عمرۃ بنت حفص ولا نیۃ لہ لا تطلق امرأتہ وکذا فی العالمگیریۃ اور بھی عالمگیری میں ہے لو قال فاطمۃ الطہ ہذا انیۃ ادا لعمواۃ طالق وامراتہ لیست بھذا انیۃ ولا عوا ذا لا تطلق۔ عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ زید کی زوجہ فاطمہ بنت خالد مطلقہ نہ ہوگی کیونکہ زید نے نہ تو اس کو طلاق دی، اور نہ اس کے طلاق دینے کی نیت تھی بلکہ اس نے ایک اجنبی عورت کو طلاق دی، جس سے اس کو کوئی تعلق نہیں تھا

حررہ خلیل الرحمٰن غفرلہ المنان، ۷ر شوال ۱۳۱۷ھ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی عفیفہ صالحہ کا نکاح اس کی والدہ اور ماموں نے بحالت عدم موجودگی والد کے ایک ایسے شخص سے کر دیا، جو کہ آزاد اور فاسق تھا، اس عفیفہ کے والد کو جب خبر نکاح کی پہنچی تو اس وقت متامل ہو کر چپ رہا، لیکن بعد چند مدت کے اس نے اپنی ناراضگی ظاہر کی، چونکہ یہ نکاح اس عفیفہ کی والدہ اور ماموں کی عدم واقفیت کی وجہ سے ہوا تھا، لہذا جب ان کو اس کی بدمعاشی اور فسق کا علم ہوا، تو انہوں نے اس فاسق کو خود بھی وعظ اور نصیحت کی، اور اور دل کے ذریعے سے بھی وعظ اور نصیحت کرائی، الغرض سب طرح سے سمجھایا، لیکن باین ہمہ وہ اپنی آزادی اور فسق سے باز نہیں آیا۔ آخر الامر لڑکی کے ماموں نے اس فاسق سے ایک وثیقہ تحریر کرایا، وہ وثیقہ اس کے ہاتھ کا اب تک موجود ہے، بدین مضمون کہ میں اس تحریر کے بعد صوم و صلوٰۃ پر قائم اور شریعت کا پابند اور فساق و فجار کی صحبت سے محترز رہونگا اور پانچوں وقت مسجد میں حاضر رہوں گا، اگر میں نے اس تحریر کے بعد اپنی اس تحریر سے مخالفت کی، تو میرے نکاح کے فسخ کا اختیار لڑکی کے والدین کو ہوگا، اور میرا کچھ اختیار نہ ہوگا، تو اب جس صورت میں اس نے اپنی تحریر سے مخالفت کی اور اپنی اس بیباکانہ حرکات سے دست بردار نہ ہوا، اور ویسا ہی اپنی آزادی میں سرگرم رہا، اور اپنی تحریر کی پابندی نہ کی، تو کیا والدین کو از روئے شریعت حق پہنچ سکتا ہے، کہ اس لڑکی کا نکاح فسخ کرا کر اس کا نکاح کسی اور مرد صالح سے کرادیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ واضح ہو کہ شخص مذکور نے اپنی تحریر میں فسخ کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن ظاہر یہ ہے، کہ اس لفظ سے اس کی مراد طلاق ہے، دنیز یہ فرقت شوہر کی جانب سے ہو رہی ہے، اور جو فرقت شوہر کی جانب سے ہو وہ طلاق ہوتی ہے، عالمگیری میں

ہے۔ والضابطۃ ان کل فرقۃ جاءت من قبل المرأۃ لا بسبب الزوج فھی فسخ کخیار العتق والبلوغ وکل فرقۃ جاءت من قبل الزوج فھی طلاق کالایلاء والجب واللعنۃ کذا فی النھر الفائق۔ خلاصہ یہ کہ شخص مذکور کی تحریر میں فسخ سے مراد طلاق ہونا متعین ہے، تو اس کی تحریر کا حاصل یہ ہوا، کہ اگر میں اپنی تحریر سے مخالفت کروں، تو لڑکی کے والدین کو میرے نکاح کے فسخ کا اختیار ہوگا، یعنی لڑکی کے والدین کو میری طرف سے وکالۃً طلاق دینے کا اختیار ہوگا پس جب کہ شخص مذکور نے اپنی اس تحریر کی مخالفت کی، تو بلا شبہ صورت مسئولہ میں لڑکی کے والدین کو شخص مذکور کی طرف سے وکالۃً طلاق دینے کا اختیار حاصل ہوگیا، کیونکہ توکیل بایقاع الطلاق صحیح وجائز ہے، روضۃ الندیہ میں ہے اذا جعلہ الزوج الی غیرہ وقع منہ لانہ توکیل بالایقاع وقد تقرر جواز التوکیل من غیر فرق بین الطلاق وغیرہ فلا یخرج من ذلک الا ماخصہ بدلیل وقد سئل ابو ھریرۃ وابن عباس وعمرو بن ابی العاص عن رجل جعل امر امرأتہ بید ابیہا فقال ابوھا قد قبلتہا طلقت کذا فی المحیط۔ پس صورت مسئولہ میں لڑکی کے والدین کو اختیار ہے، کہ لڑکی کو شخص مذکور کی طرف سے وکالۃً طلاق دے کر اس کا نکاح کسی اور مرد صالح سے کردیں، واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ حررہ عبدالحق اعظم گڈھی عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمر و سے کہا کہ میں اپنی بی بی کو طلاق دوں گا تم ایک طلاق نامہ لکھو جس سے خارجی طلاق ہو، عمرو

لہ اس میں قانون یہ ہے، کہ ہر وہ علیحدگی جو عورت کی طرف سے ہو، نہ خاوند کی طرف سے تو وہ فسخ ہے، جیسے خیار عتق یا بلوغ یا ہر وہ علیحدگی جو مرد کی طرف سے ہے، وہ طلاق ہے جیسے ایلاء یا الت کا کٹا ہونا یا نامرد ہونا ۱۲

۵۲ جب خاوند اپنے علاوہ کسی کو اختیار دے دے تو اس کے طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ وہ طلاق دینے میں وکیل ہے، اور طلاق وغیرہ میں توکیل جائز ہے، حضرت ابوہریرہ، ابن عباس، عمرو بن ابو العاص سے سوال کیا گیا، کہ ایک آدمی نے اپنا معاملہ اپنے باپ کے ہاتھ میں دے دیا، تو انہوں نے اس کو نافذ کردیا ۱۲

۵۳ ایک آدمی نے اپنی عورت کا معاملہ اپنے خسر کے ہاتھ میں دے دیا اس نے قبول کر دیا، تو اس کو طلاق ہو جائے گی ۱۲

نے جواب دیا، کہ خارجی طلاق مغلظہ ثلاثہ ہوتی ہے، اور گناہ کبیرہ ہوتا ہے، میں ہرگز نہیں لکھوں گا، پس مذہب حنفیہ کی رو سے زید کی بی بی مطلقہ ہوئی یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں ایقاع طلاق نہ بالتلفظ پایا گیا، اور نہ بالکتابت لہذا زید کی بی بی مطلقہ نہیں ہوئی، نہ مذہب حنفیہ کی رو سے، اور نہ حدیث کی رو سے اور زید کا یہ لفظ کہ (طلاق دوں گا) سو اس سے طلاق واقع نہیں ہوسکتی، کیونکہ یہ لفظ زمانہ آئندہ میں طلاق دینے کی خبر پر دلالت کرتا ہے، اور ایقاع وانشاء طلاق پر دلالت نہیں کرتا، حررہ عبد الحفیظ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین احمدی و واقفان شرع محمدی اس مسئلہ میں کہ ایک شخص خواندہ نے اپنی عورت کو اسٹامپ کاغذ پر طلاق معلق بدو امر لکھ دی، بایں لفظ کہ بشرط بخشیدن حق مہر وعقد کفو یک طلاق، اور پھر وہ شخص عدالت میں طلب کیا گیا، اور عدالت میں اظہار دیا، کہ میں نے بشرط عقد کفو وبخشیدن مہر طلاق معلق بدو امر ہر دو امر کے وجود پر موقوف ہوگی، یا ایک کے وجود سے طلاق واقع ہو جاوے گی، بینوا توجروا۔

الجواب: جمہور فقہاء لکھتے ہیں۔ المعلق بالشرط عدم قبل وجود الشرط کذا فی فتاوی قاضی خان والاشباہ والنظائر قدوری میں لکھا ہے۔ واذا اضافہ (ای الطلاق) الی شرط وقع عقیب الشرط پس جب تک ہر دو امر موجود نہ ہوں، طلاق واقع نہ ہوگی، فقہ میں یہ مسئلہ اظہر من الشمس ہے، واللہ اعلم بالصواب

عورت مذکورہ اگر موافق شرط کے مہر بخش دے گی، تو بلا شبہ ایک طلاق بائن ہو جائے گی، اور دوسری شرط لغو ہے، کما لا یخفی علی الماہر بالشرع۔

حررہ السید عبد السلام عفی عنہ

سید محمد عبد السلام غفرلہ

سید محمد نذیر حسین

سید محمد ابو الحسن

ھو الموفق: فی الواقع شخص مذکور خواندہ نے جو دو امر مذکور پر طلاق کو معلق کیا ہے سو ان میں سے دوسرا امر یعنی عقد کفو لغو ہے، پس وہ کالعدم ہے، بناء علیہ پہلا امر یعنی بخشیدن حق مہر اگر عورت کی جانب سے پایا گیا، تو طلاق واقع ہو جاوے گی، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بی بی ہندہ کو بعوض مہر کے خلع کے طور پر طلاق دی پھر کوئی دو برس کے بعد ہندہ کو اس نے اپنے پاس رکھ لیا اور اس کے ساتھ اوقات بسر کرنے لگا۔ اب زید چاہتا ہے۔ کہ اس سے نکاح جدید کر کے اس کو اپنی زوجیت میں لاوے۔ تو اب سوال یہ ہے۔ کہ زید ہندہ کو بغیر حلالہ کے نکاح جدید کے ساتھ اپنی زوجیت میں لا سکتا ہے یا نہیں۔ و نیز اس اوقات بسری کے زمانہ میں جو زید نے ہندہ کے ساتھ صحبت کی ہے۔ جس کا وہ خود مقر بھی ہے۔ اب اس پر کفارہ شرعًا اس کا آئے گا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ زید اپنی بی بی ہندہ کو نکاح جدید کے ساتھ اپنی زوجیت میں لا سکتا ہے اور حلالہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اس نے خلع کے وقت لفظ خلع کا استعمال کیا ہے۔ اور طلاق نہیں دی ہے۔ اور نہ طلاق کی نیت کی ہے۔ تو یہ خلع یا تو ایک طلاق بائن ہے۔ جیسا کہ بعض اہل علم کا مذہب ہے۔ یا فسخ بلا طلاق ہے۔ جیسا کہ بعض دیگر اہل علم کا مذہب ہے۔ اور ہر تقدیر پر حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ نکاح جدید سے زید اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں لا سکتا ہے۔ اور اگر اس نے بلفظ طلاق خلع کیا ہے یعنی خلع کے وقت اس نے اپنی بی بی کو طلاق دی ہے۔ تو یہ خلع بالاتفاق طلاق ہے۔ اور اس تقدیر پر بھی نکاح جدید سے اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں لا سکتا ہے۔ اور زید نے اس اوقات بسری کے زمانہ میں ہندہ سے جو صحبت کی ہے۔ سو اس گناہ عظیم کا اس پر شرعًا کوئی مالی کفارہ نہیں ہے۔ ہاں اس کو لازم ہے۔ کہ اس گناہ سے توبہ نصوح کرے۔ واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم

کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال ۔ عورت اور مرد زانیہ کا نکاح بعد توبہ کے صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب ۔ جائز ہے نکاح مرد اور عورت زانیہ کا بعد توبہ کے کیونکہ مرد اور عورت کو حکم ہے۔ کہ پارسا بی بی اور پارسا مرد سے نکاح کریں۔ اور بعد توبہ کے حکم الزانی لا ینکح الا زانیۃ او مشرکۃ سے خارج ہو کر پارساؤں میں داخل ہو گئے اس واسطے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان العبد اذا اعترف ثم تاب تاب اللہ علیہ اور فرمایا

لے زانی مرد نہ نکاح کرے مگر زانی عورت یا مشرک عورت سے ۱۲ ۔ ۲ے جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کی توبہ قبول کرتے ہیں ۔

التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ[1] اور قاعدہ اصول کا ہے، کہ جو حکم کسی شرط پر لگا ہوتا ہے، وہ شرط کے نہ ہونے پر جاتا رہتا ہے، چونکہ اس آیت میں حکم نکاح زانی کا زانیہ سے بر تقدیر تحقق حالت زنا تھا، اور وہ شرط بہ سبب توبہ مفقود ہوگئی، تو نکاح بھی جائز ہوگیا شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے فائدہ کے اخیر میں فرماتے ہیں، مرد کو عورت بدکار نہیں درست جب تک بدکاری کرتی ہے، اور اگر توبہ کرے تو درست ہے، اور تفسیر اکلیل میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال اس آیت سے جواز عقد نکاح بعد توبہ کے نقل کیا ہے، استدل بہ احمد علی ان العفیف لا یصح نکاحہ الزانیۃ حتی تستتاب فان تابت صح العقد والا فلا۔[2] واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد حمایت اللہ عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ زید نے اپنی بی بی ہندہ کو ماہ شوال کی گیارہ تاریخ کو حالت طہر میں ایک طلاق دی، پھر ذی قعدہ کی بارہ تاریخ کو ایک اور طلاق دی، پھر ذی الحجہ کی چودہ تاریخ کو ایک اور طلاق دی، اب سوال یہ ہے، کہ یہ طلاق سنی ہوگی یا بدعی بینوا توجروا۔

الجواب:۔ زید نے جو یہ تین طلاقیں تین ماہ میں دی ہیں، اگر حالت حمل میں دی ہیں، یا ایسے تین طہر میں دی ہیں، جن میں جماع نہیں کیا ہے، تو یہ طلاق سنی ہوگی ورنہ بدعی منتقی میں ہے عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انہ طلق امرأتہ وھی حائض فذکر ذلک عمر للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال مرہ فلیراجعھا ثم لیطلقھا طاھرا او حاملا رواہ الجماعۃ الا البخاری[3] وعن عکرمۃ قال قال ابن عباس الطلاق علی اربعۃ اوجہ وجھان حلال ووجھان حرام فاما اللذان ھما حلال فان یطلق الرجل امرأتہ طاھرا من غیر

---

[1] گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا اس نے کوئی گناہ نہیں کیا ۱۲ [2] امام احمد نے اس سے استدلال کیا ہے، کہ پاک دامن مرد کا نکاح زانیہ عورت سے صحیح نہیں ہے، اسے توبہ کرائی جائے گی، اگر وہ توبہ کر جائے، تو نکاح صحیح ہو جائے گا ورنہ نہیں ۱۲

[3] حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حیض کی حالت میں اپنی بی بی کو طلاق دے دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا اس کو حکم دو، کہ رجوع کرے پھر طہر یا حمل کی حالت میں طلاق دے بخاری کے علاوہ ایک جماعت نے اسے روایت کیا ہے، ابن عباس نے کہا طلاق چار طرح کی ہے، جن میں دو حرام ہیں، اور دو حلال، حلال یہ ہے کہ آدمی اپنی عورت کو طہر کی حالت میں جس میں صحبت نہ کی ہو طلاق دے، یا

جماع او یطلقها حاملا مستبینا حملها واما اللذان هما حرام فان یطلقها حائضا او یطلقها عند الجماع لا یدری اشتمل الرحم علی ولد ام لا رواه الدارقطنی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عبد الکریم نامی ایک شخص نے اپنی عورت فاطمہ بی بی کو ۲۷۔ ماہ صفر ۱۳۱۷ھ ہجری کو طلاق دی بعد ماہ دو ماہ کے جماعت سے طلب کیا، کہ میری عورت کو میرے سپرد کردو، جماعت سے جواب دیا گیا کہ بغیر عدت کے اور بغیر نکاح دوسرے شخص کے تیرے سپرد نہیں ہوسکتی یہ بات سنکر وہ شخص چلا گیا، اور من بعد اسی عورت کو بلا کر اور کسی قریہ میں جاکر ہندی رسالہ پڑھنے والے ملا کو رشوت دے کر محمد بدھن صاحب غیر آدمی سے جمادی الثانی کی پہلی تاریخ کو نکاح پڑھا دیا، اور اس عورت دم دین گفتگو نہ ہونے کے خیال سے عورت کو دو روز چھپا رکھا تیسرے دن بدھن صاحب کو پکڑ کر ظلم و زبردستی سے طلاق دلوا کے اول مرد عبد الکریم سے اسی روز نکاح کر دیا، پس از روئے قرآن و حدیث کے یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ سے واضح ہوتا ہے، کہ عبد الکریم نے اپنی عورت فاطمہ بی بی کو ایک طلاق دی تھی، پس جماعت والوں کا یہ کہنا کہ بغیر عدت کے اور بغیر نکاح دوسرے شخص کے تیرے سپرد نہیں ہوسکتی بالکل غلط ہے، اور ہر دو نکاح لغو و باطل ہیں، کیونکہ جب اس نے اپنی عورت کو طلب کیا، اور اس کو اپنی طرف منسوب کیا تو رجعت ثابت ہو گئی کیونکہ یہ انتساب من جملہ کنایات رجعت سے ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے والکنایات انت عندی کما کنت وانت امرأتی فلا یصیر بهما مراجعا الا بالنیة اھ اور ظاہر ہے کہ اس کا مطالبہ اس امر پر دال ہے، کہ اس کی نیت رجوع کی تھی پس جب رجعت ثابت ہو گئی، تو یہ دونوں نکاح باطل و لغو ہیں، اور وہ عورت عبد الکریم کی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، حررہ محمد عبد الحق ملتانی۔ ۱۹ ر شعبان ۱۳۱۷ھ ہجری۔

ھو الموفق:۔ اگر عبد الکریم نے اپنی عورت فاطمہ بی بی کو تین طلاقیں ایک مجلس میں

پھر حمل کی حالت میں طلاق دے، جبکہ حمل ظاہر ہو چکا ہو اور حرام یہ ہے کہ آدمی حیض کی حالت میں طلاق دے یا صحبت کرنے کے بعد طلاق دے کہ پتہ نہ چل سکے کہ اس کو حمل ہوا ہے یا نہیں (دار قطنی) لے اور رجوع با لکنایہ یہ ہے، کہ مثلاً کہے تو میرے لئے ویسی ہی ہے جیسے پہلے تھی، اور تو میری بیوی ہے، اس میں اگر نیت ہوگی تو رجوع ہوگا، ورنہ نہیں

دی تھیں، تب بھی وہی حکم ہے، جو مجیب نے لکھا ہے، کیونکہ تین طلاقیں ایک مجلس میں موافق حدیث صحیح کے ایک طلاق رجعی ہوتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بعد طہر از حیض طلاق دی، بعد پندرہ بیس روز کے اپنی بیوی کو اس کے اقارب سے کہلا بھیجا، کہ اگر بیوی راضی و خوش ہو تو میں رجوع کرتا ہوں، بیوی اس کی راضی ہو گئی، مگر والدین اس کے راضی نہ ہوئے، قریب دو برس کے بیوی اپنے والدین کے گھر رہی بہت جگہ سے پیغام خطبہ کا آیا، مگر بیوی راضی نہ ہوئی، اور کہتی رہی، کہ اگر مجھ کو نکاح کرنا ہوگا تو اس پہلے شوہر سے کروں گی اول خاوند سے اس کے والدین خوش نہیں ہوئے تھے آخر مجبوراً اپنے والدین کے گھر سے نکل کر اپنے شوہر سے ایک ولی مقرر کر کے نکاح کر لیا، آیا یہ نکاح درست ہے، یا نہ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں جب کہ شخص مذکور نے عدت کے اندر اپنی بیوی کو اس اقارب سے کہلا بھیجا، کہ اگر بیوی راضی ہو تو میں رجوع کرتا ہوں، اور اس کی بیوی راضی ہو گئی، تو بلا شبہ اس کا رجوع کرنا صحیح و درست ہے، پس اس نکاح جدید کی کوئی ضرورت نہیں تھی، اور بیوی کے والدین کا راضی نہ ہونا کچھ مضر نہیں ہے بلکہ اگر شخص مذکور رجوع کرتا، اور اس کی بیوی راضی نہ ہوتی، تب بھی اس کا رجوع صحیح و درست ہوتا فتح الباری میں ہے۔ وقد اجمعوا على ان الحر اذا طلق الحرة بعد الدخول بها تطليقة او تطليقتين فهو احق برجعتها ولو كرهت المرأة ذلك فان لم يراجع حتى نقضت العدة فتصير اجنبية فلا تحل له الا بنكاح مستانف انتهى[1]

حررہ علی محمد عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر کا نکاح ہمراہ بکر کے اس اقرار سے کیا کہ جب تک میرے گھر رہے گا، تب تک میری لڑکی

[1] اس پر اجماع ہے، کہ آزاد جب آزاد عورت کو صحبت کے بعد ایک یا دو طلاقیں دے دے، تو وہ رجوع کر سکتا ہے اگرچہ عورت کو ناپسند ہو، اور اگر عدت گذر نے تک رجوع نہ کرے تو وہ عورت اجنبی ہو جائے گی، پھر نئے نکاح ہی سے اس کے لئے حلال ہو سکتی ہے۔

نکاح میں رہے گی، اور جب کہیں چھوڑ کر دوسری جگہ بود و باش اختیار کرے گا یہی طلاق بائنہ ہے، سو بکر نے یہ اقرار منظور کر لیا، اور قبل نکاح کے اسٹامپ پر اقرار نامہ مع ان شرائط کے بکر نے لکھ دیا، اور نکاح کر لیا، عرصہ دس بارہ یوم تک بکر زید کے گھر رہا، پھر اپنی خوشی سے دوسری جگہ جا کر سکونت پذیر ہوا، جس کو ایک سال کا عرصہ گذرا، اور بی بی کے لینے کا تقاضا کرتا ہے، آیا وہ لڑکی نزدیک شرع شریف کے اس کے نکاح میں رہی یا نہیں، اور اگر نہیں رہی، تو مہر اس دختر کا پہنچتا ہے یا نہیں، اور یہ بھی واضح ہو، کہ بکر شیعہ مذہب ہے، بینوا توجروا۔

الجواب۔ صورت مسئولہ میں عند الحنفیہ دختر مذکورہ مطلقہ بائنہ ہوگئی، اور بکر کے نکاح میں نہیں رہی، اور بکر کو مہر ادا کرنا ضروری ہے، مگر حدیث کی رو سے دختر مذکورہ مطلقہ نہیں ہوئی، بلکہ بکر کے نکاح میں باقی ہے، اس واسطے کہ نکاح کے قبل جو طلاق دی جائے، منجز ہو یا کسی شرط پر معلق ہو، وہ واقع نہیں ہوتی، نہ فی الحال واقع ہوتی ہے، اور نہ شرط کے پائے جانے کے بعد اور صورت مسئولہ میں قبل نکاح کے بعد شرط کے پائے جانے سے واقع نہیں ہوتی، بلوغ المرام میں ہے، عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا طلاق الا بعد نکاح ولا عتق الا بعد ملك رواہ ابو یعلی وصححہ الحاکم وهو معلول واخرجہ ابن ماجہ عن المسور بن مخرمۃ مثلہ واسنادہ حسن لکنہ معلول ایضا قال فی سبل السلام حدیث الباب وان کان فیہ مقال من قبل الاسناد فهو متأید بکثرۃ الطرق انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا تھا، کچھ روز کے بعد زید میں کوڑھی کی علامت ظاہر ہوئی، دوا وغیرہ سے اچھا ہوا، مگر ہنوز اس کا جسم و بدن اصلی صورت میں آیا نہیں، اور علامت بھی باقی ہے، لہٰذا ہندہ اس کے گھر قریب چار برس کے ہوئے نہیں گئی، اور ہندہ خلع کرنا چاہتی ہے، اور زید انکار کرتا ہے اب اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نکاح سے پہلے طلاق نہیں، اور ملک سے پہلے آزادی نہیں، علامہ ابن حجر نے کہا، اگرچہ یہ حدیث معلول ہے، لیکن کثرت طرق سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

الجواب:۔ صورت مذکورہ میں واضح ہو کہ جب ہندہ خلع کرنا چاہتی ہے، تو زید کو مناسب ہے، کہ خلع پر راضی ہو اور ہندہ کو اپنی زوجیت سے رہائی دیوے، اس لئے کہ صورت مذکورہ میں ہندہ کو زوجیت میں کر کے رکھنا مؤدی الی کفر نعمۃ الزوج ہے، اور جو شے مؤدی الی کفر نعمۃ الزوج ہے، اس کو دفع کرنا مناسب ہے، جیسا کہ قصہ عورت ثابت بن قیس سے مستفاد ہے، بخاری شریف میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان[1] امراۃ ثابت بن قیس اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت ما اعتب فی خلق ولا دین ولکن اکرہ الکفر فی الاسلام فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتردین علیہ حدیقتہ قالت نعم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل الحدیقۃ وطلقہا تطلیقۃ۔ انتہی

العبد العاجز محمد عبد العزیز | سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک غریب آدمی ہے، مگر غلقی آتشی مزاج ہے یعنی غصہ ور ہے ایک روز باہر سے گھر پر محنت مزدوری کر کے آیا، ہنوز کچھ اطمینان سے نہ ٹھہرا تھا کہ اس کی زوجہ ہندہ نے کوئی ایسی بات کہی جس سے اس کو یکایک ایسا غصہ آگیا، کہ اس کی سر کی چوٹی پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹ کر گرادیا، اور مارنے لگا، اس پر اس عورت نے اور کچھ کہا جس پر اس کا غصہ اور بھی بھڑک اٹھا، اور بے خود ہو کر اپنے کو بھی ناخونوں سے خراش کر دیا، اور اس کو مارتا گیا، اور اسی غصہ کی حالت میں بلا ارادہ یہ کہا کہ طلاق دیئے دیتا ہوں، طلاق طلاق طلاق یہ لفظ اس نے غصہ و بے خودی میں کئی مرتبہ کہا، اب جب کہ اس کا غصہ لوگوں نے چھڑا لے اور الگ کر دینے سے فرو ہوا اور حالت اعتدال میں آیا، تو اس بات سے بہت پشیمان ہوا، اور ارادہ دلی اس کا یا اس کی زوجہ کا ہرگز جدا ہونے کا نہیں ہے، کیونکہ یہ محض غریب ہیں ان میں سے کسی ایک کا بلا دوسرے کے گذر ہونا مشکل ہے، مگر چونکہ حالت مذکورہ میں لفظ طلاق مکرر سہ کرر کہہ چکا ہے، اور حکم شرع شریف سے کوئی چارہ نہیں، لہذا آپ لوگ نائبان

---

[1] ثابت بن قیس کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا، میں ثابت کے دین اور اخلاق میں کوئی عیب نہیں پاتی، لیکن مسلمان ہونے کے بعد ناشکری کو ناپسند کرتی ہوں، تو آپ نے فرمایا کیا تو اس کا باغ واپس کر دے گی، کہنے لگی ہاں، آپ نے ثابت سے کہا اپنا باغ واپس لے لو اور اس کو طلاق دے دو (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض ہے، کہ زید اپنی زوجہ ہندہ سے رجوع کر سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب۔ صورت مرقومہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی، اور عدم وقوع طلاق کی دو وجہ ہیں، ایک یہ عبارت سوال سے ظاہر ہوتا ہے، کہ زید اپنے غیظ وغضب میں ایسا مدہوش اور مسلوب العقل ہوا، کہ اس کو اپنے تن وبدن کی بالکل خبر نہیں رہی جیسا کہ سوال کے اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے (اور بے خود ہو کر اپنے کو بھی ناخونوں سے خراش کر دیا) اور اسی حالت مدہوشی میں اس نے طلاق دے دی، اور ظاہر ہے، کہ ایسی مدہوشی وبے خودی کی حالت جنون کی قسم سے ہے، اور جنون میں طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، وسئل نظمائی من طلق زوجته ثلاثا فی مجلس القاضی وھو مغتاظ مدھوش فاجاب نظما ایضا بان الدھش من اقسام الجنون فلا یقع واذا کان یعتادہ بان عرف منه الدھش غیر مرة یصدق بلا برھان انتھی مختصرا کذا فی الشامی[1] دوسری وجہ یہ ہے، کہ عبارت سوال سے ظاہر ہے، کہ اس نے صرف لفظ طلاق کہا، اور طلاق کی اضافت اپنی زوجہ کی طرف نہیں کی، اور صرف لفظ طلاق سے بدون اضافت کے طلاق واقع نہیں ہوتی، در مختار میں ہے۔ کطلقتك وانت طالق ومطلقة بالتشدید قید بخطابھا لانه لو قال ان خرجت یقع الطلاق او لا تخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لم یقع لترکه الاضافة الیھا انتھی[2] پس جب ان دونوں وجہوں سے طلاق واقع نہیں ہوئی، تو زید کا نکاح بحال وبرقرار رہا، زوجین باخود ملا جاویں، واللہ اعلم بالصواب

حررہ السید عبد الحفیظ

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ ایک شخص ذی ہوش نے غصہ کی حالت میں اپنی زوجہ کو طلاق بائن

---

[1] اگر قاضی کی مجلس میں کسی نے غصہ اور مدہوشی کی حالت میں طلاق دے دی، تو طلاق ہو گی یا نہیں، جواب یہ ہے، کہ مدہوشی دیوانگی کی قسم سے ہے، اور اگر مرد کو اکثر مدہوشی کے دورے ہوتے ہوں تو اس کی تصدیق کی جائے گی، اگرچہ دلیل نہ ہو۔

[2] جیسے میں نے تجھے طلاق دی، اور تجھے طلاق ہے، یعنی عورت کو مخاطب کر کے کہے، تو اگر باہر نکلی، تو طلاق ہے، یا یوں کہے گھر سے باہر نہ نکلنا میں نے قسم کھائی ہے طلاق کی پھر وہ باہر نکل جائے تو طلاق نہ ہوگی، کیونکہ اس میں عورت کی طرف اضافت نہیں ہے۔

دی، وہ طلاق درست ہے یا نہیں، اور جو درست ہے تو پھر اس پر دعوے دخل ہو سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اگر شوہر نے اپنی زوجہ کو حالت غصہ میں طلاق دی، تو عند الحنفیہ بلاشک وہ طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور زوجہ اس کے نکاح سے باہر ہو جاتی ہے اور پھر دعوے شوہر کا بعد طلاق بائن کے نہیں پہنچتا، نہ حالت عدت میں اور نہ بعد عدت کے، اور جو دونوں کو موافقت ہو، تو پھر سے نکاح کر لیں۔ ھکذا فی کتب الفقہ من الھدایۃ والدر المختار۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا بیان ہے کہ میرے شوہر نے مجھ کو تین طلاقیں دی ہیں، اور گیارہ کس معتبر گواہوں نے وقوع طلاق کی شہادت دی ہے، اور زوج منکر ہے، اور زوج نے سات نفر گواہ نفی کے بیان کئے، جنہوں نے طلاق کی نسبت صرف یہ لکھایا ہے، کہ ان کو خبر نہیں ہوئی، اب سوال یہ ہے، کہ شرعاً زوجہ زید مطلقہ ہوئی یا نہیں، گواہان اثبات جو تعداد میں گیارہ ہیں نفی کے سات گواہوں سے جو زوج کے رشتہ دار بھی ہیں مرجح ہیں یا کہ نہیں، گواہان نفی کے پیش ہو جانے سے جو گواہان اثبات سے کم بھی ہیں، اور جنہوں نے صرف لاعلمی لکھائی ہے، کچھ شبہ پیدا ہوتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جب کہ ہندہ کا یہ بیان ہے، کہ میرے شوہر نے مجھ کو تین طلاقیں دی ہیں، اور گیارہ معتبر گواہوں نے وقوع طلاق کی شہادت دی، تو بلاشبہ ہندہ مطلقہ ہو گئی، رہے زوج کے سات نفر گواہ سو انہوں نے صرف اپنی لاعلمی اور بے خبری لکھائی ہے، پس ان کی لاعلمی اور بے خبری سے کچھ نہیں ہو سکتا، اگر ان کو زوج کے طلاق دینے کا علم نہ ہوا، اور ان کو اس سے بے خبری رہی، تو اس سے ہندہ کے مطلقہ ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہو سکتا، جب کہ گیارہ معتبر گواہوں کو زوج کے طلاق دینے، اور ہندہ کے مطلقہ ہونے کا علم ہوا، اور انہوں نے اس کی شہادت دی، پس زوج کے ساتوں گواہ کالعدم ہیں، اور زوج کا محض انکار ہے، اور ہندہ کے پاس گیارہ معتبر گواہ ہیں، لہذا ہندہ شرعاً مطلقہ ہو گئی، اور زوج کا انکار غیر مسموع ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

بالصواب ۔ حررہ عبد الرحیم عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مسماۃ ہندہ اپنی منکوحہ عورت کو کسی وجہ سے گھر سے نکال دیا، اور برادری کے روبرو زید نے مسماۃ ہندہ سے کہدیا، کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا، اور نان و پارچہ ہندہ کا زید نے بالکل قطع کر دیا مسماۃ ہندہ خالد کے گھر جا بیٹھی اور بغیر نکاح کے مسماۃ ہندہ سے نطفہ خالد سے دختر پیدا ہوئی اہل برادری خالد سے کہتے ہیں، کہ مسماۃ ہندہ سے نکاح پڑھا لے، خالد کہتا ہے، کہ زید سے طلاق دلوا دیجئے۔ زید کلمہ طلاق یعنی کلمہ "طلقتک" نہیں کہتا ہے، حالانکہ سابق میں زید نسبت مسماۃ ہندہ کے کلمہ "چھوڑ دیا" کہہ چکا ہے، اس صورت میں مسماۃ ہندہ زید کے نکاح سے باہر ہوئی یا نہیں، اگر نکاح سے باہر نہیں ہوئی تو مسمی خالد کس صورت سے اس سے نکاح کر سکتا ہے اور زید ہندہ سے راضی نہیں ہے، اور نہ ہندہ زید سے رضامند ہے، تو زنا علانیہ طور پر ہوگا، اس باب میں جو کچھ حکم شریعت کا ہووے، وہ بحوالہ کتب معتبرہ مشرح و مفصل مرحمت فرمایا جاوے۔

الجواب:۔ صورت مرقومہ میں واضح ہو کہ زید کا برادری کے روبرو یہ کلمہ کہنا کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا، طلاق بالکنایہ ہے، کیونکہ یہ ترجمہ ہے "سرحتک" کے لفظ کا اور لفظ "سرحتک" طلاق بالکنایہ کا لفظ ہے، اور طلاق بالکنایہ میں نیت طلاق یا دلالت حال کا پایا جانا ضروری ہے، اور جب زید نے اپنی منکوحہ کو کلمہ مذکورہ کہہ کر گھر سے نکال دیا اور نان و پارچہ بالکل قطع کر دیا تو صاف ظاہر ہے، کہ اس کلمہ کے کہنے سے زید کی نیت طلاق کی تھی، پس مسماۃ ہندہ زید کے نکاح سے بلا شبہ باہر ہو گئی، اب ہندہ جس مرد سے چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے، اور اب زید سے کلمہ طلاق کہلانے کی کچھ ضرورت نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ زید کے نکاح میں تھی، چند روز کے بعد زید نے عدم موافقت کی وجہ سے ہندہ سے کچھ روپیہ لے کر خلع کرنا چاہا، بوقت خلع بمقابلہ چند اشخاص گواہوں کے ہندہ کے چچا وغیرہ سے یوں کہا کہ میں طلاق دیتا ہوں، بشرطیکہ میری بہن وغیرہ کو جو کہ تم لوگوں کے نکاح میں ہے کسی طرح تکلیف

نہ دینا، اور جب کسی وقت میرے ہاں جانا چاہیں تو منع نہ کرنا، وہ لوگ بھی مجبوراً کسی طرح راضی ہو گئے، اور زید نے ہندہ کو طلاق دے دی، اب سوال یہ ہے کہ زید کا یہ سب شرطیں کرنا کیسا ہے، اور بوقت عدم ایفائے شرائط مذکورہ کے زید کا ہندہ پر کسی طرح کا دعوی صحیح ہے یا نہیں، اور ہندہ زید کے نکاح سے خارج ہو گئی یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ زید کا یہ سب شرطیں کرنا باطل اور لغو ہے، کیونکہ ان سب شرطوں کی کوئی اصل نہ کتاب اللہ سے ثابت ہے، نہ حدیث رسول اللہ سے، قال[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اشترط شرطا لیس فی کتاب اللہ فھو باطل شرط اللہ احق واوثق۔ قال النووی فی شرح صحیح مسلم قولہ صلی اللہ علیہ وسلم کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل وان کان مائۃ شرط صریح فی ابطال کل شرط لیس لہ اصل فی کتاب اللہ تعالی۔ اور جب زید کا یہ سب شرطیں کرنا باطل ہے تو بوقت عدم ایفاء ان شروط مذکورہ کے زید کا ہندہ پر کسی طرح کا دعوی صحیح نہیں، اور ہندہ زید کے نکاح سے خارج ہو گئی زید کے ساتھ کوئی تعلق باقی نہیں رہا، روضۃ الندیہ میں ہے، و اتفق[2] اھل العلم علی ان ان طلقھا علی مال فقبلت فھو طلاق بائن۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔ حررہ خلیل الرحمن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نابالغ نے اپنی عورت نابالغہ کو ایک مجلس میں ایک طلاق دی، اور نصف مہر اور جو کچھ جہیز وغیرہ تھا کل اس کو دے دیا، اب وہ شخص بھی لائق ہوا، اور وہ عورت بھی لائق ہوئی، اور وہ شخص کہتا ہے کہ ہم رجوع کریں گے، تو کیا وہ رجوع کر سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ باتفاق محدثین و فقہاء نابالغ کی طلاق واقع نہیں ہوتی، کیونکہ شرائط وقوع طلاق سے طالق کا مکلف ہونا ہے، علامہ شوکانی درر البہیہ میں فرماتے ہیں الطلاق[3] جائز

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ایسی شرط کرے، جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے تو وہ شرط باطل ہے، اللہ کی شرط زیادہ پختہ ہے اور آپ نے فرمایا ہر وہ شرط جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے، وہ باطل ہے اگرچہ سو دفعہ کی گئی ہو، یہ حدیث صاف بیان کر رہی ہے کہ جس شرط کا اصل اللہ کی کتاب میں نہ ہو وہ باطل ہے (قال النووی فی شرح صحیح مسلم) ۱۲

[2] اہل علم کا اتفاق ہے کہ اگر مال پر عورت کو طلاق دے، اور وہ قبول کر لے، تو وہ بائن طلاق ہو گی ۱۲

[3] طلاق ہر مکلف مختار سے جائز ہے ۱۲

من مکلف مختارا ہ عالمگیریہ میں ہے۔ یقع طلاق کل زوج اذا کان بالغا عاقلا اہ و نیز اس میں ہے ولا یقع طلاق صبی وان کان یعقل اھ ونیز حدیث شریف سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے، بلوغ المرام میں ہے۔ عن عائشۃ رض عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم رفع القلم عن ثلاثۃ عن النائم حتی یستیقظ وعن الصغیر حتی یکبر وعن المجنون حتی یعقل او یفیق رواہ احمد والاربعۃ الا الترمذی وصححہ الحاکم واخرجہ ابن حبان۔ ظاہر ہی ہے کہ اس حدیث میں کبر سے مراد بلوغ ہے گو اس میں اختلاف ہے پس جب ثابت ہوا کہ نابالغ کی طلاق واقع نہیں ہوتی، تو صورت مسئولہ میں جس شخص نابالغ نے اپنی عورت نابالغہ کو طلاق دی ہے یہ طلاق واقع نہیں ہوئی، بلکہ وہ عورت اس شخص کے نکاح میں علی حالہا باقی ہے، اور اب اس شخص کو نہ رجوع کی ضرورت ہے، اور نہ نکاح جدید کی، اور اس کا نصف مہر اور جہیز وغیرہ عورت کو دینا نامعتبر و بے کار ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ محمد عبدالحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ طلاق لڑکے نابالغ کی واقع ہوتی ہے یا نہیں، اور اس کی طرف سے اس کے ولی کی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ لڑکے نابالغ کی طلاق کے وقوع و عدم وقوع میں اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک لڑکے نابالغ کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، دلیل ان کی جامع ترمذی کی یہ حدیث ہے۔ کل طلاق جائز الا طلاق المعتوہ المغلوب علی عقلہ، یہ حدیث بظاہر صبی کو بھی شامل ہے، اور جمہور کی دلیل یہ حدیث بھی ہے۔ رفع القلم عن ثلاثۃ عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یبلغ وعن المعتوہ حتی یعقل رواہ الترمذی وابوداؤد اور بعض علماء کے نزدیک صبی ممیز عاقل کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور یہ لوگ پہلی حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں، کہ یہ حدیث ضعیف ہے، جیسا کہ ترمذی نے اس کی تصریح کی ہے

لے جب مرد عاقل اور بالغ ہو تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی ۱۲ لے بچہ اگر سمجھدار بھی ہو تو بھی اس کی طلاق واقع نہ ہوگی ۱۲ لے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں سے قلم اٹھائی گئی ہے، سوبا ہوا جب تک جاگ نہ اٹھے اور بچہ جب تک بڑا نہ ہو جائے، اور دیوانے کو جب تک افاقہ نہ ہو جائے احمد اور اصحاب سنن نے اسے روایت کیا ہے، اور حاکم نے صحیح کہا ہے ۱۲ لے ہر ایک کی طلاق جائز ہے ماسوائے کے مغلوب العقل کے ۱۲

اور دوسری حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں، کہ اس حدیث میں بلوغ بالاحتلام کی تصریح نہیں ہے، اور لفظ بلغ سے مراد کبر و عقل ہے، اور صبی ممیز میں یہ بات حاصل ہوتی ہے واما حدیث ابی داؤد وغیرہ رفع القلم عن ثلاثۃ عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یبلغ الخ فلیس بنص فی البلوغ بالاحتلام بل الحد فیہ الکبر والعقل وھما یحصلان للطفل العاقل الممیز ولذا قال ابن المسیب وابن عمر واحمد وغیرھم بوقوع طلاق الطفل العاقل الممیز العارف للطلاق او القادر علی الصوم والصلوٰۃ کما فی شرح بلوغ المرام وشرح القسطلانی رح دوسرا مسئلہ یعنی یہ کہ لڑکے کی طرف سے اس کے ولی کی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں، سو اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے جمہور کے نزدیک نہیں واقع ہوتی ہے، اور بعضے[1] کہتے ہیں واقع ہوتی ہے، مگر حق بجانب جمہور ہے، ابن ماجہ کی حدیث مرفوع "الطلاق لمن اخذ بالساق" جمہور کے قول پر واضح دلیل ہے، اور اس کے خلاف میں کوئی دلیل نہیں معلوم ہوئی، واللہ اعلم بالصواب

حررہ السید شریف حسین عفی عنہ۔ الامر کذلک۔ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق: بے شک حق بجانب جمہور ہے، حدیث الطلاق لمن اخذ بالساق کے متعلق علامہ شوکانی لکھتے ہیں وطرقہ یقوی بعضہا بعضا وقال ابن القیم ان حدیث ابن عباس (ای الطلاق لمن اخذ بالساق) وان کان فی اسنادہ ما فیہ فالقرآن یعضدہ وعلیہ عمل الناس واراد بقولہ القرآن یعضدہ نحو قولہ تعالی

ل تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے، سوتے ہوئے سے جب تک جاگ نہ اٹھے، اور بچے سے جب تک بالغ نہ ہوجائے (الحدیث) یہ حدیث بلوغ بالاحتلام کے لئے نص نہیں ہے، بلکہ اس میں حد بڑا ہونے اور سمجھدار ہونے کی ہے، اور یہ دونوں چیزیں ایک تمیز والے بچے کو حاصل ہوجاتی ہیں، یہی وجہ ہے، کہ ابن مسیب، ابن عمر، احمد وغیرہم نے کہا کہ تمیز والے عقلمند بچے کی طلاق جو طلاق کے مفہوم کو سمجھ سکتا ہو طلاق واقع ہوجاتی ہے، یا اس بچہ کی جو نماز روزہ کی طاقت رکھتا ہو۔[2] سے اس کے بعض طرق بعض کو تقویت دیتے ہیں، ابن قیم نے کہا کہ ابن عباس کی حدیث کی سند میں اگرچہ کچھ گفتگو ہے، لیکن قرآن اور لوگوں کا عمل اس کو تقویت دیتے ہیں، اور قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر ان کو طلاق دو، اذا جب تم عورتوں کو طلاق دو الخ

٢٩٥

(١) قولہ بعضے کہتے ہیں الخ وھو مذھب شمس الائمۃ الحلوانی من الاحناف نقلہ الاصولیون منہم صاحب التلویح

اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن وقولہ تعالیٰ اذا طلقتم النساء الآیۃ انتھی کلامہ پس یہ حدیث جمہور کے قول کے لئے کافی دلیل ہے، اور پہلے مسئلہ میں بھی حق بجانب جمہور ہی ہے، اس واسطے کہ جامع ترمذی کی حدیث "کل طلاق جائز الخ" اگرچہ ضعیف ہے، مگر دوسری حدیث یعنی رفع القلم عن ثلاثۃ الخ ضعیف نہیں ہے، بلکہ حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے (دیکھو بلوغ المرام باب الطلاق) اور ابوداؤد اور منذری نے اس پر سکوت کیا ہے، اور اس حدیث کی بعض روایات میں بلوغ بالاحتلام کی تصریح آگئی ہے (دیکھو سنن ابی داؤد کتاب الحدود باب فی المجنون یسرق اور یصیب حدا) عون المعبود صفحہ ۲۴۳ جلد ۴ میں ہے۔ قال السبکی لیس فیھا ای فی لفظۃ حتی یکبر من البیان ولا فی قولہ حتی یبلغ ما فی الروایۃ الثالثۃ حتی یحتلم فالتمسک بھا اولی لبیانھا وصحۃ سندھا وقولہ حتی یبلغ مطلق والاحتلام مقید فیحمل علیہ فان الاحتلام بلوغ قطعا وعدم بلوغ خمسۃ عشر لیس ببلوغ قطعا قال وشرط ھذا الحمل ثبوت اللفظین عنہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہی۔ ھذا ما عندی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری، عفا اللہ عنہ۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے حقیقی بھائی خالد کو روبرو چند آدمیوں کے لکھدیا، کہ بلا جبر و اکراہ اقرار کرتا ہوں، اور لکھ دیتا ہوں کہ اپنے حقیقی بھائی خالد کو مبلغ بارہ روپے ماہواری برائے خورد و نوش بلا عذر دیا کروں گا، اگر ایک مہینہ بھی نہ دوں، تو تیسرے مہینہ میں اپنی بی بی منکوحہ مسماۃ حلیمہ بنت عمرو کے اوپر طلاق، بعد چند روز کے اس تحریر و اقرار اور ایفائے وعدہ پر اپنے زید قائم نہ رہا بلکہ منحرف ہو گیا، تو اس صورت میں زید کی زوجہ منکوحہ مسماۃ موصوفہ پر طلاق لازم ہو گی یا نہیں، بینوا توجروا۔

لے سبکی نے کہا، اس لفظ "یہاں تک کہ بڑا ہو جائے" میں بیان نہیں ہے، نہ ہی دوسری روایت کے الفاظ "یہاں تک کہ بالغ ہو جائے" میں بیان ہے، اور تیسری روایت میں الفاظ یہ ہیں "یہاں تک کہ اسے احتلام ہو جائے" ان آخری الفاظ سے تمسک زیادہ اچھا ہے، اور اس کی سند بھی اچھی ہے، اور "یہاں تک کہ بڑا ہو جائے" یہ عام اور احتلام والی روایت خاص ہے، تو پہلی کو اس روایت پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ احتلام سے بلوغت قطعی ہے اور پندرہ سال تک نہ پہنچنا، بلوغ قطعی نہیں ہے، اور کہا، کہ اس حمل کی شرط دونوں لفظوں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونا ہے ۱۲

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں زید کی زوجہ پر طلاق واقع ہو گئی، ہدایہ صفحہ ۲۶۵ میں ہے۔ ولو اضافہ الی شرط وقع عقیب الشرط اتفاقا مثل ان یقول ان دخلت الدار فانت طالق۔ فقط واللہ اعلم

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ ایک شخص مسمی کا کا ولد خیراتی نے اپنی زوجہ مسماۃ ہبن کو یہ کہا، کہ میں تجھ کو اپنے گھر میں نہیں رکھنا، تو چاہے کسی ہو جا یا خاکروب یا چمار سے شادی کرلے، میرا تیرے پر کچھ دعوی نہیں، مگر برادری میں سے کسی سے نکاح نہ کریو، اس پر سات سال تک وہ عورت منتظر رہی کہ مجھ کو بسا دے، اور پھر عرضی دے کر عورت اپنے خاوند کے گھر گئی، پھر بھی اس نے اس کو نکال دیا، اب بھی ایک سال سے بیٹھی ہے، سو بموجب شریعت اس عورت پر طلاق عاید ہو چکی ہے یا نہیں، اور اس عورت کو اب دوسری جگہ اجازت نکاح کرنے کی ہے یا نہیں، آیا یہ اپنی برادری میں جس سے چاہے نکاح کرے یا نہیں، جواب ارشاد فرمایئے۔

الجواب:۔ ہو الملہم للصواب۔ صورت مسئولہ میں طلاق کنائی واقع ہو چکی، اور اب حاجت عدت کی بھی نہیں ہے، اب وہ عورت مذکورہ اپنی برادری میں جس شخص سے چاہے نکاح کر سکتی ہے، بخاری شریف میں ہے[2] اذا قال فارقتك او سرحتك او الخلية او البرية او ما عنی به الطلاق فهو علی نيته اور شخص مذکور کی نیت سوال مذکور سے ظاہر ہے، واللہ اعلم

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو روبرو گواہوں کے ایک مجلس میں تین طلاق دیں، اور زید نے اپنی بیوی سے کاغذ مہر کا اور جوڑا جو شادی کے وقت دیا گیا تھا، واپس کر لیا، اور عرصہ تین ماہ کا گذر گیا، اب زید بعد گذر جانے تین ماہ کے کہتا ہے، کہ میں اپنی بیوی کو اپنے گھر لے آؤں گا، اور بیوی زید کی زید سے راضی نہیں ہے، جیسا کہ مولویوں کے سامنے انکار کیا تھا، لہذا یہ عورت از روئے شرع شریف کسی غیر سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

---

[1] جب طلاق کسی شرط کی طرف مضاف کرے تو اس شرط کے بعد طلاق بالاتفاق واقع ہو جائے گی، مثلاً اپنی عورت کو کہے، اگر تو گھر میں داخل ہو، تو تجھ کو طلاق ہے۔ [2] جب کہے میں تجھ سے علیحدہ ہو گیا، یا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا، یا اسے خالی، اسے بری یا جس لفظ سے بھی طلاق کی نیت کرے تو اس کی نیت پر معاملہ ہو گا۔

الجواب: ھوالموفق للصواب: صورت مرقومہ میں وہ عورت جس شخص سے چاہے نکاح کر سکتی ہے، اور چونکہ یہ صورت صورت خلع کی ہے، اور تین ماہ کا عرصہ بھی گذر چکا ہے، اس لئے زید کو حق رجوع نہیں ہے، نہ حدیث کی رو سے، اور نہ مذہب حنفی کی رو سے، زید اگر اس کو اپنے گھر لانا چاہے، تو پہلے اس کو راضی کرے، پھر اس سے دوبارہ نکاح کر کے گھر میں لا دے، بدون نکاح کئے گھر نہیں لا سکتا، حدیث کی رو سے اس صورت میں حلالہ کی ضرورت نہیں ہے، اور بموجب مذہب حنفی کے جب تک درمیان میں حلالہ نہ ہوگا، نکاح نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

الراقم عبد الحکیم مدرس مدرسہ حقانی چھاؤنی نصیر آباد، ضلع اجمیر، راجپوتانہ،

سید محمد نذیر حسین — بتاریخ ۸ ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ ہجری

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زن وشوہر میں بوجہ کسی امر نا ملائم کے اتفاق وملاپ نہیں ہے، مرد چاہتا ہے، کہ اپنی بی بی کو اپنے مکان میں لے جاوے، مگر عورت شوہر کے گھر نہیں جاتی، اگر کوئی کہتا ہے، کہ تم اپنے سسرال جاؤ، تو خفا ہوتی ہے، اور کہتی ہے، کہ اگر والدین میرے مجھے بزور سسرال روانہ کریں گے تو میں اپنے کو ہلاک کر دوں گی، ظاہرا اتفاق درمیان زن وشوہر کے ہوتا ہوا نظر نہیں آتا تو ایسی صورت میں فیصلہ الٰہی کیا ہے، ارشاد فرمایا جائے۔

الجواب: صورت مسئولہ میں فیصلہ الٰہی یہ ہے، کہ عورت خلع کرے یعنی کچھ مال دے کر اپنے شوہر سے طلاق لیوے۔ قال اللہ تعالیٰ فان خفتم ان لا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ[1] ہدایہ میں ہے۔ واذا تشاق الزوجان وخافا ان لا یقیما حدود اللہ فلا باس بان تفتدی نفسہا منہ بمال یخلعہا بہ لقولہ تعالیٰ فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ[2] اور شوہر کو بھی ایسی صورت میں طلاق دینا ضروری ہے، اگر یوں طلاق نہ دے، تو عورت سے کچھ مال لے کر طلاق دیوے،

---

[1] اگر تمہیں خطرہ ہو، کہ وہ اللہ کی حدیں قائم نہیں رکھ سکیں گے، تو ان پر کوئی گناہ نہیں اگر عورت کچھ فدیہ دے دے۔

[2] جب عورت مرد ایک دوسرے کے مخالف ہوں، اور خوف ہو، کہ اللہ تعالیٰ کی حدیں قائم نہ رہ سکیں گی، تو کوئی حرج نہیں، اگر عورت کچھ مال دے کر خلع کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، عورت کے فدیہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کیونکہ ایسی صورت میں اگر خلع نہ ہوگا، تو زن و شوہر دونوں حدود اللہ پر قائم نہ رہنے کی وجہ سے گنہگار و مرتکب معاصی ہوں گے، بنائً علیہ شوہر کو ضروری ہے، کہ عورت سے کچھ مال لے کر اپنے نکاح سے اسے رہا کرے، اور طلاق دے دے، اور اگر یونہی بلا مال کے طلاق دے دے، تو اور بہتر ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ السید عبد الحفیظ عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ تقریباً پانچ چھ سال کا ہوتا ہے، کہ ایک شخص مسمی فقیری حجام کا عقد مسماۃ امامن کے ساتھ حسب شرع شریف ہوا، لیکن ابتدائے وقت سے اس وقت تک بوجوہ چند در چند درمیان زوجین مذکورین کے اتفاق نہیں ہوا، برابر نا اتفاقی رہا کرتی ہے، اور نہ آیندہ کوئی امید اتفاق کی پائی جاتی ہے، پس بوجوہ بالا مسمی فقیری مذکور اپنی زوجہ مذکورہ کو طلاق دیتا ہے، اور مسماۃ امامن مذکور خوشی سے بوجہ شرارت طلاق زبانی منظور نہیں کرتی، اور جیسا کہ آج تک اسے ہر طرح سے تنگ کیا، اسی طرح اب بھی تنگ کرتی ہے، پس ایسی حالت میں اگر فقیری مذکور اپنی زوجہ کو تحریری طلاق دیدے، تو جائز ہے یا نہیں، اور اگر تحریری طلاق جائز ہے، تو اس کا کیا مضمون ہونا چاہیئے۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں مسمی فقیری مذکور اپنی زوجہ کو تحریری طلاق دے دیوے، تو جائز ہے، اور اس کا مضمون یہ ہونا چاہیئے، کہ میں مسمی فقیری نے اپنی زوجہ مسماۃ امامن کو طلاق دے دی، اور مسمی فقیری کو چاہیئے، کہ جب اس کی زوجہ مسماۃ امامن حیض سے پاک ہو، تو اس وقت دو گواہوں کے روبرو اسی مضمون سے اس کو طلاق دے دے، پھر طلاق دے کر اسی مضمون کو لکھ دے، اور ان دونوں گواہوں کی گواہی بھی لکھ دے، اور واضح ہو کہ جب شوہر شریعت کے مطابق اپنی زوجہ کو طلاق دے گا زبانی دے یا تحریری، تو طلاق خواہ مخواہ پڑ جاوے، چاہے اس کی زوجہ اس کو منظور کرے یا نہ کرے، طلاق کا واقع ہونا زوجہ کی منظوری پر موقوف نہیں ہے، پس صورت مسئولہ میں مسمی فقیری اگر مسماۃ امامن کو شریعت کے مطابق زبانی طلاق دے چکا ہے، اور مسماۃ امامن کو اس سے انکار نہیں ہے، تو طلاق واقع ہوگئی، مسماۃ امامن منظور کرے یا نہ کرے، اور اس صورت میں اب طلاق تحریری کی کچھ ضرورت نہیں ہے، اور اگر مسماۃ امامن کو طلاق دے چکا ہے، مگر اس کو اس کا

اقبال نہیں ہے، بلکہ انکار کرتی ہے، اور کہتی ہے، کہ تجھے طلاق نہیں دی ہے، تو اس صورت میں طلاق تحریری کی البتہ ضرورت ہے، واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

حررہ عبدالحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ھوالموفق: جیسے زبانی طلاق جائز ہے، اسی طرح تحریری طلاق بھی جائز ہے، صحیح بخاری میں ہے عن[1] ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تجاوز عن امتی ما حدثت بہ انفسہا مالم تعمل او تکلم حافظ ابن حجر فتح الباری کے صفحہ ۱ جزو ۲۲ پر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ واستدل[2] بہ علی ان من کتب الطلاق طلقت امرأتہ لانہ عزم بقلبہ وعمل بکتابتہ وھو قول الجمہور وشرط مالک فیہ الاشہاد علی ذلک انتہی۔ واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم۔

کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زوجہ ہندہ نے بوجہ نہ پانے نان ونفقہ ضروری کے سخت تکلیف اٹھائی ہے، خواہ کسی اور وجہ سے اپنے شوہر زید سے سخت رنجیدہ اور کارہ ہے، لہذا اس سے مفارقت چاہتی ہے، ہرچند جانبین کے حکم ہندہ کو سمجھاتے ہیں، مگر وہ معیت زید کی اختیار نہیں کرتی ہے، زید اس کو یوں طلاق نہیں دیتا، البتہ کچھ مال ہندہ دے، تو خلع پر راضی ہو، اب اس صورت خلع جائز ہے یا نہیں، اور شرع میں خلع کس کو کہتے ہیں، آیا صرف بدلے کابین کے عورت اپنے نفس کو شوہر سے خرید سے، تو خلع ہوگا، یا بدلے کابین مع زیادت کے خریدنے سے خلع صحیح ہوگا، اگر پہلی صورت سے خلع صحیح ہوتا ہے، تو عورت کو زیادہ مہر دینے کی کیا حاجت ہے، اور اگر پہلی صورت سے خلع صحیح نہیں ہوتا ہے، بلکہ دوسری صورت سے خلع صحیح ہوتا ہے تو خلع زوجہ ثابت بن قیس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے، بلکہ آپ کے حکم سے کیونکہ صحیح ہوا، اور اس زمانہ میں کیوں نہ صحیح ہوگا، اور بر تقدیر صحیح نہ ہونے کے ہرگاہ بجز مہر واپس کرنے خواہ معاف

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالی نے میری امت سے دل کے خیالات کا محاسبہ معاف کر دیا ہے جب تک ان پر عمل نہ کرے، یا بول کر بیان نہ کرے ۱۲

[2] اس حدیث سے دلیل لی گئی ہے، کہ جو آدمی اپنی عورت کو لکھ کر طلاق دے، تو وہ طلاق ہو جائے گی، کیونکہ اس نے دل سے ارادہ کیا اور لکھنے کا عمل کیا جمہور کا یہی مذہب ہے، امام مالک گواہی کی شرط بھی لگاتے ہیں ۱۲

کرنے کے بعد ہندہ کے پاس کسی قسم کا مال واسباب نہیں ہے، تو زید کو کیا دے، اور کہاں سے لادے، آیا جانبین کے حکم کو ہے اس کے باپ خواہ بھائی سے جبرا و قہرا زید کو دلوا دیں، اور اگر باپ خواہ بھائی کو مسلمانوں کی جماعت سے برتقدیر نہ دینے کے خارج کردیں، اور زید کے ساتھ کوئی کاروائی نہ کریں، اس کو اپنی جماعت میں شامل رکھیں، تو یہ فیصلہ موافق حکم خدا اور رسول کے ہوگا یا نہیں، اور مہر سے زیادہ خلع میں زوجہ سے خواہ اس کے ولی سے مال طلب کرنا شوہر کا کس آیت اور حدیث سے ثابت ہے، اور ہندہ کئی سال کے نان ونفقہ لینے کے لئے زید پر عدالت میں نالش کرسکتی ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں خلع جائز ہے۔ قال اللہ تعالیٰ فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ۔[1] اور عورت کا شوہر کو مال دے کر اپنے کو اس کی قید نکاح سے آزاد و رہا کرنا ہی خلع ہے، رہی یہ بات کہ شوہر کو خلع میں صرف بقدر مہر کے مال لینا چاہیئے، یا قدر مہر سے زیادہ بھی لینا درست ہے، سو واضح ہو کہ جمہور علماء کے نزدیک قدر مہر سے زیادہ بھی لینا جائز ہے، اس واسطے کہ آیت مذکور مطلق ہے، اس میں اس بات کی قید نہیں ہے، کہ خلع میں صرف بقدر مہر کے مال لینا چاہیئے زیادہ لینا ناجائز ہے، اور امام ابو حنیفہ وامام احمد وغیرہما کے نزدیک قدر مہر سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے، ان لوگوں کی دلیل یہ ہے، کہ بعض روایات میں زیادہ لینے کی ممانعت آگئی ہے، علامہ شوکانی فرماتے ہیں، کہ یہ بعض روایتیں آیت مذکورہ کے عموم واطلاق کی مخصص ہیں پس صورت مسئولہ میں جب کہ ہندہ کے پاس کسی قسم کا مال واسباب نہیں ہے، تو زید کو صرف بقدر مہر ہی کے لینا متعین ہے، اور اگر ہندہ کے پاس مال واسباب ہوتا تو بھی موافق ان بعض روایات کے زید کو قدر مہر سے زیادہ لینا نہیں چاہیئے، اور ہندہ کے باپ یا بھائی کو بدل خلع سے کوئی تعلق نہیں ہے، جانبین کے حکم اگر ہندہ کے باپ یا بھائی سے جبرا و قہرا کل بدل خلع یا اس کا کچھ حصہ دلوائیں، اور برتقدیر نہ دینے کے اس کو مسلمانوں کی جماعت سے خارج کریں تو ان کا یہ صریح ظلم ہے، جانبین کے حکم کو ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، جن لوگوں کے نزدیک خلع میں قدر مہر سے زیادہ لینا جائز ہے، ان کی دلیل آیت مذکورہ

---

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، کہ اگر تم کو خوف ہو، کہ وہ اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے، تو ان پر گناہ نہیں ہے اگر عورت کچھ فدیہ دے دے ۱۲

بالا ہے اور استدلال کی تقریر مذکور ہو چکی، اور بیہقی کی ایک یہ روایت بھی ان کی دلیل ہے عن ابی سعید الخدری قال کانت اختی تحت رجل من الانصار فارتفعا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہا اتردین حدیقتہ قالت وازید فخلعہا فردت علیہ حدیقتہ وزادتہ[1]، مگر یہ روایت ضعیف اور ناقابل حجت ہے، کما صرح بہ الشوکانی فی النیل صفحہ ۱۰۸ جلد ۶۔ اور حضرت عثمان رض کا یہ فتوی بھی ان کی دلیل ہے۔ اخرج ابن سعد عن الربیع قالت کان بینی وبین ابن عمی کلام وکان زوجہا قالت فقلت لہ لک کل شیء وفارقنی قال قد فعلت فاخذ واللہ کل فراشی فجئت عثمان رض و ہو محصور فقال الشرط املک خذ کل شیء حتی عقاص راسہا[2] وفی البخاری عن عثمان انہ اجاز الخلع دون عقاص راسہا ذکرہ الشوکانی۔ اور جو لوگ قدر مہر سے زیادہ لینا جائز نہیں سمجھتے ان کی دلیل دارقطنی کی یہ حدیث ہے، عن ابی الزبیر ان ثابت بن قیس بن شماس کانت عندہ بنت عبد اللہ بن ابی بن سلول وکان اصدقہا حدیقۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتردین علیہ حدیقتہ التی اعطاک قالت نعم وزیادۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اما الزیادۃ فلا ولکن حدیقتہ قالت نعم فاخذہا لہ وخلی سبیلہا فلما بلغ ذلک ثابت بن قیس قال قد قبلت قضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[3] رواہ الدارقطنی باسناد صحیح وقال سمعہ ابو الزبیر من غیر

---

[1] حضرت ابو سعید خدری نے کہا کہ میری ہمشیرہ ایک انصاری کے گھر تھی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ لے کر آئے، آپ نے میری بہن سے کہا، کیا تو اس کا باغ واپس کر دے گی، کہنے لگی میں زیادہ بھی دے دوں گی، چنانچہ اس نے خلع کیا، تو میری ہمشیرہ نے باغ بھی واپس کیا، اور کچھ زیادہ بھی دیا۔

[2] ربیع نے کہا میں اپنے چچا زاد کے گھر تھی، ہمارا جھگڑا ہو گیا، میں نے کہا میری ہر چیز لے لے اور مجھ کو طلاق دے دے، اس نے منظور کر لیا، اور خدا کی قسم اس نے میری ہر چیز لے لی، میں حضرت عثمان کے پاس آئی، وہ ان دنوں محصور تھے، آپ نے فرمایا، شرط پورا کرنے کا حق ہے، اور اس کو کہا، اس کے سر کا پراندہ بھی لے لے (شوکانی فی النیل)

[3] ثابت بن قیس کے گھر عبد اللہ بن ابی بن سلول کی بیٹی تھی، اس نے حق مہر میں اس کو ایک باغ دیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تو اس کا باغ واپس کر دے گی، کہنے لگی ہاں کچھ زیادہ بھی دے دوں گی، آپ نے فرمایا زیادہ کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اس کا باغ دے دینا، کہنے لگی ہاں، چنانچہ وہ باغ آپ نے لے لیا اور اسے آزاد کر دیا، جب ثابت قیس کو اس کی اطلاع ملی، تو انہوں نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو منظور کیا۔

واحد کذا فی المنتقی قال الشوکانی قوله[1] اما الزیادۃ فلا استدل بذلک من قال ان العوض من الزوجۃ لا یکون الا بمقدار ما دفع الیہا الزوج لا باکثر منہ ولؤید ذلک ما عند ابن ماجہ والبیہقی من حدیث ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرہ ان یاخذ منہا ولا یزداد وفی روایۃ عبد الوھاب عن سعید قال ایوب لا احفظ فیہ ولا یزداد وفی روایۃ الثوری وکرہ ان یاخذ منہا اکثر مما اعطی ذکر ذلک کلہ البیہقی قال ووصلہ الولید بن مسلم عن ابن جریج عن ابن عباس رضی اللہ عنہما وقال ابو الشیخ ھو غیر محفوظ یعنی الصواب ارسالہ بما ذکرنا لا یعتضد مرسل ابی الزبیر ولا سیما وقد قال الدارقطنی انہ سمعہ ابو الزبیر من غیر واحد کما ذکرہ المصنف قال الحافظ فان کان فیہم صحابی فھو صحیح والا فیعتضد بما ورد فی معناہ واخرج عبد الرزاق عن علی انہ قال لا یاخذ منہا فوق ما اعطاھا وعن عطاء وطاؤس والزھری مثلہ وھو قول ابی حنیفۃ واحمد واسحق وقال بعد ذکر روایۃ البیہقی عن ابی سعید الخدری المذکورۃ وفتوی عثمان رض المذکورۃ ما لفظہ لا یخفی ان الروایات المتضمنۃ للنہی عن الزیادۃ مخصصۃ لہذا العموم ای لعموم قولہ تعالی فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ ومرجحۃ علی تلک الروایات المتضمنۃ للتقریر بکثرۃ طرقہا وکونہا مقتضیۃ للحصر وھو ارجح من الاباحۃ عند التعارض علی ما ذھب الیہ جماعۃ من ائمۃ الاصول انتہی۔ اور چونکہ صورت مسئولہ میں ہندہ کی جانب سے نشوز ہے، جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے اس لئے وہ نان ونفقہ گذشتہ کے لئے زید پر عدالت میں نالش نہیں کر سکتی۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب والیہ المرجع

---

[1] اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے، کہ خلع حق مہر سے زیادہ لینا حق ہے اور اس کی تائید ابن عباس کی حدیث سے بھی ہوتی ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا، کہ اپنا دیا ہوا لے لو اور زیادہ نہ لو (ابن ماجہ، بیہقی) ثوری کی روایت میں ہے کہ اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا مکروہ ہے یہ حدیث مرسل ہے لیکن اس کی تائید ابو الزبیر کی حدیث بھی کرتی ہے، حضرت علی نے فرمایا دیئے ہوئے سے زیادہ نہ لے عطاء، طاؤس، زہری، ابو حنیفہ، احمد، اسحاق کا یہی فتوے ہے ابو سعید خدری اور حضرت عثمان کے فتوی کے بعد بیہقی نے لکھا ہے کہ جن روایتوں سے دیئے ہوئے سے زیادہ لینے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، یہ اس عموم کی مخصص ہیں، جو قرآن مجید میں ہے، اور یہ روایات اس مضمون کو مرجح ثابت کر رہی ہیں، اور یہ اباحت سے زیادہ راجح ہے جبکہ ان میں تعارض ہو جائے، ائمہ اصول کی ایک جماعت کا یہی قول ہے

والمآب۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زوجہ ہندہ کو بلا قصور زدوکوب کرتا تھا، اور انواع انواع کی خرابیوں سے تکلیف دیتا تھا اسی اثنا میں ہندہ بلا رضامندی زید کے اپنے میکے چلی گئی، جب زید بلانے کے لئے گیا، تو ثالثوں نے اس وعدہ پر لے جانے پر راضی کیا، کہ زید اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچا دے، اور زدوکوب نہ کرے، زید نے وعدہ کیا، کہ اب ہم کسی قسم کی تکلیف نہیں دیں گے، اور زدوکوب نہیں کریں گے، اور اسی وعدہ پر اپنی زوجہ کو لے گیا، بعد چند روز کے پھر زدوکوب و انواع و انواع کی خرابیوں سے تکلیف دینے لگا، بعد تکلیف کشی کے پھر میکے چلی آئی، اور اپنے شوہر کے ہاں جانے سے انکار کرتی ہے، زید بھی نان ونفقہ سے خبر نہیں لیتا، ہندہ طلاق مانگتی ہے، اور جانے پر کسی طرح راضی نہیں ہے، آیا ہندہ کے لئے از روئے شرع طلاق یا خلع یا فسخ سے خلاصی ہو سکتی ہے یا نہیں، کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے ارقام فرمایا جاوے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ہندہ کو طلاق سے خلاصی ہو سکتی ہے پس جب صورت مسئولہ میں زید اور ہندہ کے درمیان موافقت و اتفاق نہیں ہے، اور ہندہ زید کے یہاں جانے پر کسی طرح بھی راضی نہیں ہے، اور طلاق مانگتی ہے، اور زید زدوکوب کرتا ہے، اور انواع انواع کی خرابیوں سے تکلیف دیتا ہے، تو زید کو چاہیئے، کہ طلاق دے کر ہندہ کی گلو خلاصی کر دیوے، اور اگر یوں طلاق دینے میں اس کو تامل ہو، تو اس کو خلع کرنا لازم ہے یعنی ہندہ سے کچھ مال لے کر اس کو طلاق دے دیوے۔ قال اللہ تعالیٰ الطلاق[1] مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئا الا ان یخافا الا یقیما حدود اللہ فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظالمون صحیح بخاری میں ہے۔ عن ابن عباس قال جاءت امراۃ ثابت بن قیس بن شماس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا، طلاق دو مرتبہ ہے، پھر یا تو اچھی طرح سے رکھو یا اچھی طرح سے چھوڑ دو، اور تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ ان کو دیا ہوا حق مہر واپس لے لو، مگر یہ کہ عورت مرد ڈریں، کہ اللہ کی حدیں قائم نہیں رہ سکیں گی تو کوئی گناہ نہیں کہ عورت کچھ فدیہ دے دے، یہ اللہ کی حدیں ہیں، ان سے نہ گذرو، اور جو اللہ کی حدوں سے گذریں گے یہی لوگ ظالم ہیں۔ ثابت بن قیس کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور کہا میں اس کے

فقالت یارسول اللہ انی ما اعتب علیہ فی خلق ولا دین ولکنی اکرہ الکفر فی الاسلام فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتردین علیہ حدیقتہ قالت نعم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل الحدیقۃ وطلقہا تطلیقۃ۔ پس صورت مسئولہ میں کتاب اللہ وسنت رسول اللہ سے یہی ثابت ہے، کہ زید کو چاہیئے کہ اپنی بی بی ہندہ کو طلاق دے کر یا خلع کر کے اپنی زوجیت سے رہا کر دے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ ایک شخص نے اپنی ولایت سے ایک عورت کا نکاح ایک شخص سے کر دیا، بعد ایک سال کے وہ عورت بباعث ظلم اور تعدی خاوند اپنے کے بھاگ گئی، تو اس کے خاوند نے دعوے جس نے نکاح اپنی ولایت سے کیا، اس پر کیا، کہ دو سو سرسٹھ (۲۶۷) روپے اور زیور لے کر کے بھاگ گئی، وہ روپیہ مذکورہ دے دو، تو میں فارغ خطی دے دوں، بعد دو ماہ کے چھ، سات آدمیوں کے سامنے بطور پنچایت کے جمع کر کے سب کے روبرو غائبانہ فارغ خطی لکھ دی بطور رسم اپنی قوم کے کہ مجھ کو اس عورت سے تعلق نہیں رہا، اور نہ میں کہیں دعوے عدالت وغیرہ میں کر دں، اور جہاں اس کا دل چاہے وہاں رہے، قطعی فیصلہ کر دیا، رجعی وغیرہ کا کچھ ذکر درمیان میں نہیں آیا، مگر زبان سے ایک مرتبہ طلاق دی، اور یہ بھی اس شخص نے سب کے سامنے کہا، کہ جو روپے لے گئی ہے وہ اور زیور اور برتن جو اس کے پاس اپنے باپ کی ملکیت سے تھا، وہ دلایا جائے اور جو کچھ خرچ شادی میں صرف ہوا ہے اور کپڑا دلایا جاوے تو میں فارغ خطی تحریر کر دیا ہوں تو وہ سب اس کے کہنے کے موافق سب پنچوں نے دلوا دیا ہے، اور مہر کے روپے بھی ولی سے جمع کرلیے، کہ وہ عورت اگر مہر معاف کر دے تو ولی کو واپس دیا جاوے اور جو نہ معاف کیا تو عورت کو دلایا جاوے گا، بعد ایک ماہ کے وہ چار آدمیوں کے سامنے کہا، کہ جس طرح میں نے غائبانہ طلاق دی ہے، اسی طرح غائبانہ رجوع کر لی ہے، اور فارغ خطی کے دینے کے وقت رجعی کا ذکر مطلق نہ تھا قطعی فیصلہ پنچوں کے سامنے کر دیا اور فارغ خطی پر دستخط کر دیئے، کہ میں نے برضا و رغبت فارغ خطی دے دی، اب اس عورت کو اختیار ہے

دین اور خلق میں کوئی عیب نہیں پاتی لیکن اسلام میں ناشکری کو ناپسند کرتی ہوں تو آپ نے فرمایا کیا تو اس کا باغ واپس کر دے گی، کہنے لگی کہ ہاں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو باغ قبول کو لے اور اس کو طلاق دیدے (بخاری)

جہاں چاہے رہے، مجھ کو اس سے کچھ تعرض و دعوی نہیں ہے، اب اس پر فتوی دیا جاوے
کہ رجوع صحیح ہوا یا طلاق صحیح ہوئی شرعاً بینوا توجروا۔

الجواب:۔ واضح رہے کہ فارغ خطی ہمارے عرف کے مطابق ایک طلاق بائن ہوتی ہے، لہذا اب زوج کو کسی صورت میں رجوع کا حق حاصل نہیں ہے، اور عورت کو بعد گذر جانے عدت کے اختیار ہوگا، کہ جس سے چاہے اپنا نکاح کرلے، واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

هو الموفق:۔ صورت مسئولہ میں چونکہ شخص مذکور نے بعوض مال کے طلاق دی ہے اس لئے یہ طلاق خلع ہے، اور خلع میں طلاق بائن واقع ہوتی ہے، اور رجوع کا حق باقی نہیں رہتا ہے، پس صورت مسئولہ میں طلاق صحیح ہوئی، اور اس شخص کا رجوع کرنا صحیح نہیں ہوا، اس کے رجوع کرنے سے اس کی عورت مطلقہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، واللہ تعالٰی اعلم۔

کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ زوجہ زید بلا اجازت والدین زید کے اپنے والدین کے ہاں چلی گئی، زید نے بدین وجہ غیر مرضیہ بحالت غیظ و غضب بغیبت مسماۃ مذکورہ بنظر تادیب وبخیال تنبیہ ایک مرتبہ اپنے والدین کے مواجہ میں کہا کہ میں نے اپنی زوجہ مسماۃ ہندہ کو مطابق حکم خداوند و موافق شریعت رسول مقبول چھوڑ دیا، تھوڑے عرصہ کے بعد اسی حالت غیظ و غضب میں ہانڈی و برتن توڑ ڈالنے شروع کئے، اور پھر مکرر بدفعات غیر متعددہ و نا محصورہ کہا کہ مسماۃ مذکورہ کو بموجب احکام الٰہی آزاد کیا، یا طلاق دی، اندریں صورت متذکرہ بالا آیا مسماۃ مذکورہ پر طلاق عاید ہو گئی یا نہیں، اگر ہو گئی تو بموجب احکام رب العالمین کس صورت سے ممکن و متصور ہو سکتی ہے، بیان فرمایئے، عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہو جئے، اور اس آیت شریفہ والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلثة قروء[1] کی تفسیر بھی ساتھ بسط و تفصیل کے عام فہم ارقام فرما کر ممنون فرمایئے گا۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں زید کے اس طرح کہنے سے ایک طلاق رجعی واقع ہو گی کیونکہ حکم خدا و حکم رسول کے طریق مسنون طلاق کا یہی ہے، کہ اس طہر میں جس میں مجامعت نہ کی گئی ہو، ایک طلاق دی جاوے، پس اگر زید کی زوجہ اس وقت حائضہ نہیں تھی، بلکہ اس طہر میں تھی، کہ

---

[1] اور طلاق والی عورتیں اپنی جانوں سے تین حیض انتظار کریں ۱۲

اس سے مجامعت واقع نہیں ہوئی تھی، تو فی الحال اس پر ایک طلاق واقع ہو گئی، اور اگر حائضہ تھی یا اس طہر میں تھی جس میں مجامعت واقع ہو چکی تھی، تو اس صورت میں فی الحال طلاق واقع نہیں ہوئی، بلکہ بعد حیض کے جب دوسرا طہر آوے گا، تب ایک طلاق رجعی واقع ہو جاوے گی، عالمگیریہ میں ہے۔ اذا قال لامرأته المدخولة وهي من ذوات الاقراء انت طالق السنة وقع تطليقة للحال ان كانت طاهرة من غير جماع وان كانت حائضا او كانت في طهر جامعها فيه لم يقع للحال شئ حتى ياتي وقت السنة.[1] باقی کرات، مرات کہنا لغو ہے بہر صورت طلاق ایک واقع ہو گی، کیونکہ دین حکم اللہ و رسول کا یہی ہے، کہ طلقات متعددہ وقت واحد بلکہ طہر واحد میں حکم میں ایک طلاق ہی ہے، پس اگر عدت نہیں گذری ہے تو رجوع کرنا ہو گا اور اگر عدت گذر چکی ہے، تو پھر سے نکاح کرنا ہو گا، حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

آیت والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلثة قروء[2] میں لفظ یتربصن مشتق ہے تربص سے، اور تربص کے معنی انتظار کرنے کے ہیں، اور لفظ قروء جمع ہے قرء کی، اور قرء کے معنے میں علماء کو اختلاف ہے، بعض علماء اس کے معنے حیض کے لیتے ہیں اور بعض علماء اس کے معنی طہر کے لیتے ہیں لیکن بعض احادیث سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے، کہ اس آیت میں قرء سے مراد حیض ہے اور یہی مذہب ہے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم مثل ابوبکر و عمر و عثمان و علی و ابن مسعود و ابو موسیٰ و عبادہ بن صامت و ابو الدرداء و معاذ بن جبل و ابن عباس رضی اللہ عنہم اور اکابر تابعین مثل علقمہ و اسود و ابراہیم و شریح و شعبی و حسن و قتادہ وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کا، امام احمد رحمہ اللہ کا پہلے مذہب یہ تھا، کہ قرء سے مراد طہر ہے، پھر بعد کو اس سے رجوع کیا اور قائل ہوئے کہ قرء سے مراد حیض ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ قد كنت اقول الاطهار ثم وقفت بقول الاكابر ثم جزمت انها الحيض.[3] ثمرہ اختلاف کا یہ ہے، کہ جن لوگوں کے نزدیک قرء سے مراد طہر ہے، ان کے نزدیک دو حیض کے بعد شروع طہر ثالث میں عورت عدت سے باہر ہو جاوے گی اس وقت شوہر مراجعت

---

[1] جب آدمی اپنی مدخولہ بیوی کو کہے، جس کو حیض آتا ہو کہ تجھے سنت کے مطابق طلاق ہے، تو اگر وہ طہر کی حالت میں ہو جس میں اس نے صحبت نہ کی ہو، تو اسی وقت طلاق ہو جائے گی، اور اگر حیض کی حالت میں ہو یا اس نے اس طہر میں جماع کیا ہو تو اس وقت طلاق واقع نہ ہو گی جب سنت کا وقت آئے گا، تو طلاق واقع ہو گی۔

[2] اور طلاق والی عورتیں اپنی جانوں سے تین حیض انتظار کریں۔

[3] میں پہلے کہا کرتا تھا، کہ قرء کا معنی طہر ہے، پھر مجھے اکابرین کے قول کی اطلاع ہوئی تو میں نے فیصلہ کیا، کہ اس کا معنے حیض ہے۔

کا مجاز نہ ہوگا اور جن کے نزدیک قرء سے حیض مراد ہے، ان کے نزدیک تین حیض کامل کے بعد جو طہر ہو چکا اس میں عدت سے باہر ہوگی قبل اس کے شوہر مراجعت کا مستحق ہے، پس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ وہ عورتیں جن کو طلاق دی گئی ہے، وہ اپنے نفس کے ساتھ تین حیض تک انتظار کریں یعنی ان کی عدت تین حیض ہے، اس عدت میں ان کو نکاح کرنا، یا نکاح کی بات چیت کرنا جائز نہیں ہے تین حیض تک شوہر کا حق اس کے ساتھ متعلق رہتا ہے، پس جب تک تین حیض پورے نہ ہوں، تب تک وہ مطلقہ عورتیں کسی اور سے نکاح یا نکاح کی بات چیت نہیں کر سکتی ہیں، اور اس آیت میں مطلقات سے وہی عورتیں مراد ہیں جن کو حیض آتا ہو، اور ممنوع الحیض نہ ہوں، خواہ ممنوع الحیض ہونا بوجہ عدم بلوغ کے ہو یا بوجہ کبر سن کے کیونکہ ممنوع الحیض کی عدت تین مہینے ہیں، و نیز اس آیت میں مطلقات سے غیر حاملہ مراد ہیں، کیونکہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتہن ثلثۃ اشہر واللائی لم یحضن واولات الاحمال اجلہن ان یضعن حملہن[1] و نیز اس آیت میں مطلقات سے مدخولہ بہا مراد ہیں، کیونکہ غیر مدخولہ کی کچھ عدت نہیں ہے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے وان لم تکونوا دخلتم بہن فما لکم علیہن من عدۃ تعتدونہا[2] و نیز اس آیت میں مطلقات سے مراد حرائر ہیں، چنانچہ سیاق آیات اس پر دال ہے۔ قال[3] فی زاد المعاد واذا تاملت سیاق الایات التی فیہا ذکر الغدد جدتہا لا تتناول الاماء وانما تتناول الحرائر الخ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ محمد عبد الحق ملتانی عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ مدخولہ کو ایک طہر میں لفظ انت طالق ایک بار کہہ کر طلاق دی پھر طہر دوم میں ایک بار لفظ انت بائن سے طلاق دی، یہ دونوں طلاقیں رجعی ہیں یا اول فقط رجعی ہے، دوسری بائن۔ افیدونا بالجواب توجروا یوم الحساب۔

---

[1] تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں، اگر تم کو شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی بھی جو ابھی حائضہ نہیں ہوئیں، اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل ہے ۱۲ [2] اگر عورت سے صحبت نہ ہوئی ہو تو ان پر کچھ عدت نہیں ہے ۱۲ [3] اگر تم سیاق آیات کو غور سے دیکھو گے، تو تم کو معلوم ہوگا، کہ جن آیات میں طلاق کی تعداد کا ذکر ہے، وہ آیات لونڈیوں کے متعلق نہیں، بلکہ آزاد عورتوں کے متعلق ہیں ۱۲

الجواب۔ یہ دونوں طلاقیں رجعی ہیں، کیونکہ مدخولہ کو جب دو طہروں میں دو طلاقیں دی جاویں گی تو طلاق رجعی ہوں گی، اگرچہ بلفظ انت بائن طلاق دی جاوے، یہی مذہب جمہور کا ہے زاد المعاد میں ہے۔ ومما یدل[1] علی ان اللہ لم یشرع الثلاث جملۃ انہ قال تعالیٰ والمطلقات یتربصن بانفسہن ثلاثۃ قروء الی ان قال وبعولتہن احق بردہن فی ذلک فھذا یدل علی ان کل طلاق بعد الدخول فالمطلق احق فیہ فی الرجعۃ سوی الثالثۃ المذکورۃ بعد ھذا وکذلک قولہ تعالیٰ یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتہن (الی قولہ) فاذا بلغن اجلہن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف فھذا ھو الطلاق المشروع وقد ذکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اقسام الطلاق کلہا فی القرآن وذکر احکامہا فذکر الطلاق قبل الدخول وانہ لا عدۃ فیہ وذکر الطلقۃ الثالثۃ وانہا تحرم الزوجۃ علی المطلق حتی تنکح زوجا غیرہ وذکر طلاق الفداء الذی ھو الخلع وسماہ فدیۃ ولم یحسبہ من الثلاث کما تقدم وذکر الطلاق الرجعی الذی المطلق احق فیہ بالرجعۃ وھو ما عدا ھذہ الاقسام الثلاثۃ وبھذا احتج احمد والشافعی وغیرھما علی انہ لیس فی الشرع طلقۃ واحدۃ بعد الدخول بغیر عوض بائنۃ وانہ

---

[1] جو دلائل ثابت کرتے ہیں کہ تین طلاقیں ایک ہی وقت میں مشروع نہیں ہیں ان میں سے یہ آیت بھی ہے کہ طلاق والی عورتیں اپنی جانوں سے تین حیض انتظار کریں، یہاں تک کہ فرمایا، اور ان کے خاوند اس عرصہ میں ان کے رجوع کر لینے کے زیادہ حقدار ہیں، یہ آیت دلالت کرتی ہے، کہ ہر وہ طلاق جو دخول کے بعد ہو تو اس میں طلاق دینے والا رجوع کا زیادہ حق رکھتا ہے سوائے تیسری طلاق کے جس کا ذکر اس کے بعد ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو تو طلاق وقت پر دو، یہاں تک کہ فرمایا، جب وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو پھر ان کو یا تو بھلے طریقہ سے رکھو، یا بھلے طریقہ سے علیحدہ کر دو، یہ شرعی طلاق ہے، اللہ تعالیٰ نے طلاق کی تمام اقسام کو قرآن مجید میں بیان فرما دیا ہے اور ان کے احکام بھی ذکر کئے ہیں، قبل دخول طلاق کا ذکر کیا، اور فرمایا اس میں کوئی عدت نہیں ہے اور تیسری طلاق کا ذکر فرمایا، اور کہا، اس سے عورت مرد پر حرام ہو جائے گی، تاوقتیکہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کر لے، اور خلع کا ذکر کیا، اور اس کا نام فدیہ رکھا، اور اسے تین طلاقوں میں شمار نہیں کیا، اور رجعی طلاق کا ذکر کیا، اور کہا اس میں خاوند رجوع کا زیادہ حقدار ہے، اور وہ ان تینوں سے علیحدہ ہے، یہی وجہ ہے کہ امام احمد اور شافعی وغیرہما نے کہا ہے کہ شریعت میں ایسی طلاق کا وجود نہیں ہے، جو دخول کے بعد ایک طلاق بغیر عوض کے بائن ہو اگر مرد عورت کو کہے تجھے ایک طلاق بائن ہے، تو وہ رجعی ہو گی، اور بائن کی صفت لغو ہو گی اور وہ عوض کے بغیر اس کو ایک طلاق سے بائن نہیں کر سکتا ۱۲۔

اذا قال لها انت طالق طلقة بائنة كانت رجعية ويلغو وصفها بالبينونة وانه لا يملك ابانتها الا بعوض الخ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبدالرحمٰن فند هاری عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کہتی ہے، کہ میرے خاوند نے میرے روبرو اپنی دختر ہفت سالہ سے یہ بات کہی ہے، کہ میں نے تیری والدہ کو طلاق دی اور شوہر کو اس کلمہ سے بالکل انکار ہے، اور نہ اس بات پر کوئی گواہ ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے، کہ اس صورت میں شرعاً طلاق کا ثبوت ہوا یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: برتقدیر صدق سوال کے صورت مذکورہ فی السوال میں بوجہ انکار شوہر اور نہ ہونے گواہوں کے طلاق کا ثبوت شرعاً نہیں ہے، ہدایہ میں ہے۔ وان انكر سال المدعى البينة فقط۔ وصیت علی مدرس مدرسہ مولوی عبدالرب۔

الجواب صحیح۔ عبدالرحیم مدرس مدرسہ حسین بخش۔

اگر زوج انکاری ہے، اور عورت کے پاس گواہ نہیں ہیں تو زوج کا انکار قسم کے ساتھ قضاً[1] معتبر ہوگا پس یہ طلاق عند الشرع معتبر نہ ہوگی، فقط۔ محمد ابراهیم عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے وکالتاً اپنے موکل کی ملازمہ سرفدیہ کا نکاح عمرو کے ساتھ تجویز کیا، اور عمرو سے کہا، کہ ایک شرط ہے اگر قبول کرے تب تیرے سے نکاح اس کا کردوں وہ یہ کہ اگر تو اپنی زوجہ کو نان ونفقہ نہیں دے گا اور حقوق زوجیت ادا نہیں کرے گا تو اس صورت میں تیری زوجہ کو طلاق ہو جائے گی، اور تیری زوجہ تیرے نکاح سے باہر ہو جاوے گی، عمرو یہ سنکر راضی ہوا، اور قبول کیا، بعد اس کے وکیل نے ملازمہ مذکورہ کا عمرو کے ہمراہ نکاح کر دیا، پھر ایک روز بعد اقرار نامہ بگواہی گواہان حاشیہ عمرو سے لکھوا لیا، کہ اگر میں اپنی زوجہ کو نان ونفقہ نہ دوں اور حقوق زوجیت ادا نہ کروں، تو اس صورت میں میری زوجہ کو طلاق ہو جاوے گی اور میری زوجہ میرے نکاح سے باہر ہو جاوے گی، چند مدت کے بعد تعلیق کا وجود ثابت ہوا، یعنی عمرو نے اپنی زوجہ کا نان ونفقہ یک قلم بند کر دیا، کچھ نہیں دیتا ہے اور کوئی حق زوجیت ادا نہیں کرتا، تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں، اور اقرار نامہ لکھ دینا عمرو کا بابت تعلیق

---

[1] اگر انکار کرے، تو مدعی سے دلیل مانگی جائے گی۔"

بعد عقد نکاح عند الشرع معتبر ہے یا نہیں اور وہ واسطے ثبوت دعوے کے عند المنازعت حجت ہے یا نہیں، جواب اس کا کتب احادیث اور فقہ سے ارقام فرمادیں۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ تعلیق کرنا طلاق کا بعد عقد نکاح کے باجماع صحابہؓ و مجتہدین و محدثین اعلام صحیح و معتبر ہے، چنانچہ ہدایہ و صحیح بخاری وغیرہ سے صاف واضح ہوتا ہے اور علمائے ماہرین شریعت غرا پر مخفی نہیں، اس صورت میں اقرار نامہ لکھ دینا عمرو کا بابت تعلیق طلاق کے بعد انعقاد نکاح عند الشرع بالاتفاق صحیح اور معتبر ہوگا لعموم آیت کریمہ یا ایہا الذین امنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن[1] سے وقوع طلاق کا خواہ معلق ہو یا غیر معلق بعد ثبوت نکاح کے ہوتا ہے۔ التعلیق فی الاصطلاح ربط حصول مضمون جملۃ ھی الجزاء لحصول مضمون جملۃ اخری ھی الشرط[2] کما فی الدر المختار والطحطاوی وغیرھما من کتب الشریعۃ واذا اضافہ الی شرط وقع عقیب الشرط وھذا بالاتفاق[3] لان ملک النکاح قائم فی الحال والظاہر بقاءہ الی وقت وجود الشرط انتہی ما فی الہدایۃ وغیرھا من کتب الشریعۃ۔ پس اقرار نامہ عمرو مذکور کا واسطے ثبوت دعوے طلاق معلق کے عند المنازعت حجت شرعی اور دلیل محکم ہے، اس صورت میں بعد وجود شرط کے ایک طلاق واقع ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا لڑکا بعمر سترہ سال اور محمود کی لڑکی بعمر گیارہ سال تھی، کل موجودگی برادران میں زید اور محمود نے دونوں کا نکاح کر دیا، اور مہر پانچ ہزار روپے کا قرار دیا گیا، محمود نے بعد نکاح کے یہ اقرار کیا، کہ بعد دو سال کے لڑکی کو وداع کر دوں گا، بعد تین سال کے محمود نے اپنے فرزند کی شادی کی، اور زید سے کہا، کہ اپنی لڑکی کو بھی رخصت کر دونگا فرزند زید کا اس وقت کلکتہ میں تھا، زید نے محمود سے واسطے بلانے فرزند اپنے کے پندرہ روز کی مہلت مانگی، محمود نے مہلت نہ دی، اور یہ کہا، کہ اگر لڑکا ہوتا، تو میں ابھی رخصت کر دیتا، اب برس چھ مہینہ کے بعد رخصت کروں گا، غرض اسی حیلہ حوالہ میں پانچ سال نکاح کو ہو چکے، محمود لڑکی کو

---

[1] اے ایماندارو جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو۔

[2] تعلیق اصطلاح میں جزا کے جملہ کے مضمون کا حصول ہے، جب کہ شرط کے جملہ کے مضمون کا حصول ہو۔

[3] جب کسی شرط کی طرف اضافت کرے، تو وہ شرط کے بعد واقع ہوگی اور اس پر اتفاق ہے، کیونکہ ملک نکاح فی الحال قائم ہے، اور ظاہر ہے کہ وجود شرط کے وقت تک وہ باقی رہے۔

رخصت نہیں کرتا، زید متقاضی ہوتا ہے، تو محمود حیلہ حوالہ کرکے ٹال دیتا ہے، ایسی باتوں سے پایا جاتا ہے، کہ محمود کی مرضی یہ ہے کہ پسر زید سے اپنی لڑکی کو علیحدہ کرا کر دوسری جگہ نکاح کردوں اور پسر زید اپنی زوجہ کو چھوڑنا نہیں چاہتا، اور زید نے اس شادی میں اور خرچ عیدی اور بقر عیدی وغیرہ میں ایک ہزار روپیہ تخمیناً صرف کئے، اب جو ایسے خرچوں سے زید غریب و مفلس ہوگیا، تو محمود نیت بدل کر چاہتا ہے، کہ بلطائف الحیل نکاح فسخ کرکے دوسری جگہ لڑکی کو بیاہ دوں، نزدیک شرع شریف کے محمود ایسے حیلوں سے نکاح پھیر سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب :۔ صورت مرقومہ میں واضح ہو، کہ حیلہ حوالہ کرنا محمود کا لغو و باطل ہے کسی وجہ سے نکاح فسخ نہیں ہوسکتا، جب تک شوہر طلاق نہ دے، حکم شرع کا ایسا ہی ہے جیسا کہ واقفان شریعت پر مخفی نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب، حررہ العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ،

سید محمد نذیر حسین

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا، اور نکاح کے بعد ساس کے گھر میں رہنے لگا، پھر ایک عرصہ کے بعد زید نے اپنے وطن کو جانا چاہا، پس اس کی ساس مانع ہوئی اس کے جانے سے اپنے وطن میں اور کہا، کہ اگر تو جاتا ہے تو میری بیٹی کو جو تیری جورو ہے طلاق دے کر جا، کہ پھر تجھ سے واسطہ نہ رہے اور زید نے اس کو نہ مانا، پھر جب ساس اس کی مصر ہوئی، کہ اگر بدون طلاق دینے کے جاوے گا، تو میں تجھ کو بہت ذلیل کروں گی، تب زید نے کہا کہ پہلے تیرہ روپے میرے جو تیرے پاس ہیں مجھ کو دے، تب کہوں گا، چنانچہ اس کی ساس نے وہ روپیہ اس کو دے دیا، جب زید نے کہا، کتاب میں کیا کہوں تب اس کی ساس نے کہا، تو یہ کہہ کہ میں نے طلاق دی، زید نے کہا، کہ دی، پھر اس کی ساس نے کہا، کہ دی، زید نے کہا کہ دی، پھر اس کی ساس نے کہا کہ دی، زید نے کہا دی، یہ کہہ کر زید چلا گیا، اب بعد ڈیڑھ برس کے جو آیا، تو اپنی جورو سے موافقت چاہتا ہے، اور عذر یہ کرتا ہے کہ میں نے یہ الفاظ بہ نیت چھوڑنے کے نہیں کہے تھے، بسبب ناموافقی ساس کے یہ الفاظ کہے تھے، پس اس صورت میں مذہب حنفی کی رو سے زید کی جورو پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں، اگر واقع ہوئی تو کے طلاق واقع ہوئیں، بینوا توجروا۔

الجواب :۔ اس صورت میں زید کی جورو پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں، اور عذر زید کا، کہ میں نے یہ الفاظ بہ نیت چھوڑنے کے نہیں کہے تھے، مقبول نہیں، کیونکہ جب اس کی ساس نے

کہا کہ اگر تو جاتا ہے، تو میری بیٹی کو جو تیری جورو ہے طلاق دے کر جا، کہ پھر تجھ سے کچھ واسطہ نہ رہے، اور پھر آخر جب زید نے پوچھا، کہ میں کیا کہوں، تو اس کی ساس نے کہا کہ تو یہ کہہ کہ میں نے طلاق دی، یعنی اپنی جورو کو جو سائلہ کی بیٹی ہے، اور ذکر مفعول نہیں کیا بقرینہ قاطعہ کہ قائم ہے، اور تقدیر مفعول سے اور مقدر در حکم مذکور ہے، خصوصاً ایسے مقام میں کہ ساس زید کی اس تصریح و تعریف و تعیین و تشخیص کے ساتھ پہلے کہہ چکی، کہ اگر تو جاتا ہے، تو میری بیٹی کو جو تیری جورو ہے طلاق دے کر جا، اہل اصول اور اہل معانی اور نحاۃ کو اتفاق ہے، اس پر کہ اگر قرینہ قائم ہو اور تقدیر مفعول کے علی التعیین تو واجب ہے تقدیر اس کی، اور یہ مقدر مثل ملفوظ ہے، فی شرح المختصر اذا ظہرت قرینۃ دالۃ علی تقدیر المفعول بہ بعینہ تعین التقدیر انتہی وفی المطول ان قصد تعلقہ بمفعول غیر مذکور وجب التقدیر بحسب القرائن الدالۃ علی تعیین المفعول ان عاما فعام وان خاصا فخاص انتہی، پس اس صورت زید کا یہ کہنا اس کے جواب میں کہ دی بمنزلہ اس کلام کے ہے، کہ میں نے طلاق دی اپنی جورو کو جو تیری بیٹی ہے، کیونکہ کلام اس کا خارج ہوا ہے مخرج جواب سے، اور جواب متضمن ہے اعادہ اس چیز کو کہ مذکور ہے سوال میں، اور اس پر اتفاق ہے جمیع اہل اصول و فقہاء کو فی التحقیق شرح الحسامی الکلام لما خرج مخرج الجواب لما تقدمہ غیر زائد علی قدر الجواب یتقید بما سبق وصار ما ذکر فی السوال کالمعاد فی الجواب لانہ بناء علیہ انتہی۔ اللفظ الذی ورد بعد سوال یعنی یکون لہ تعلق بذلک السوال ان خرج مخرج الجواب فی الظاہر یحمل علی الجواب ھکذا فی التوضیح والتلویح فی غایۃ البیان ان کلامہ خرج مخرج

۱؎ شرح مختصر میں ہے، جب کوئی قرینہ مفعول کے مقدر ہونے پر ہو، تو اس کو مقدر کرنا ضروری ہوگا، اور مطول میں ہے کہ اگر اس کے تعلق کا ارادہ مفعول غیر مذکور سے ہو، تو قرائن دالہ کی بنا پر مفعول مقدر کی تعیین کی جائے گی، اگر عام ہے تو عام، اور اگر خاص ہے، تو خاص ۱۲ ۲؎ کلام جب جواب کے طور پر صادر ہو جو کہ پہلے سوال ہو چکا ہے اور سوال کے جواب سے وہ جواب زائد نہ ہو، تو وہ جواب پہلے سوال سے مقید ہوگا، اور سوال کی عبارت گویا دہرا دی جائے گی، کیونکہ اس کے جواب کی بنا اسی سوال پر ہے، وہ الفاظ جو سوال کے بعد وارد ہوں گے، ان کا تعلق سوال سے ہوگا، اگر وہ جواب کے طور پر صادر ہوئے ہیں، اگر اس کی کلام جواب کے طور پر صادر ہو اور جواب بن سکتی ہو، تو جواب میں وہی مراد ہوگی، جو سوال میں مراد ہے، کیونکہ جواب سوال کو متضمن ہوتا ہے ۱۲

الجواب وامکن جعلہ جوابا فیکون المراد فی الجواب ماھو المراد فی السوال کان الجواب یتضمن ربیا من فی الاصل) فی الفتاوی النسفیۃ واذا قالت دست باز داشتی مرا فقال بداشتم فھذا بمنزلۃ مالو قال دست باز داشتم لان کلامہ خرج جوابا فیتضمن اعادۃ مافی السوال انتہی۔ اور جب زید نے مکرر سہ کرر ہر سوال کے بعد یہی کہا، کہ دی دی دی تو طلاق سہ گانہ اس کی جورو پر جو سائلہ کی بیٹی ہے واقع ہو گئی، اور عذر زید کا، کہ میں نے یہ الفاظ بہ نیت چھوڑنے کے نہیں کہے تھے مقبول نہیں ہے، فی الخانیۃ لو اخذ تہ ام امرأتہ وقالت لا ادعک ان تخرج الی السفر حتی تطلق بنتی فقال دختر راسہ طلاق وقال لم انو امرأتی طلقت امرأتہ قضاء انتہی۔ فی الخلاصۃ امرأۃ طلبت الطلاق من زوجھا فقال وادم بیکے دو وسہ یقع الثلاث بدون النیۃ انتہی۔ اور اضافت طرف زوجہ کے یعنی اضافت منویہ کہ وہ شرط وقوع طلاق ہے، اس مقام میں موجود ہے کیونکہ وہ عام ہے، خواہ بخطاب ہو یعنی کاف یا ضمیر منفصل کے ساتھ نحو طلقتک وانت طالق وزینب طالق کما فی الطحطاوی حاشیۃ رد المختار۔ اس لئے کہ جب زید نے اس کلام کے جواب میں کہ تو یہ کہہ کہ میں نے اپنی جورو کو جو سائلہ کی بیٹی ہے طلاق دی یہ کہا کہ دی، تو وہ بمنزلہ اس کلام کے ہے، کہ میں نے طلاق دی اپنی جورو کو جو تیری بیٹی ہے، پھر اب اس سے بڑھ کر اور کیا تصریح ہو گی، اور بعد متحقق ہونے اس اضافت وقصد کے پھر اب یہ عذر زید کا کہ میں نے یہ الفاظ بہ نیت چھوڑنے کے نہیں کہے تھے قضاءً مسموع نہ ہوں گے فی کنز الدقائق قالت مرا طلاق دہ فقال دادہ گیر و کردہ گیر اودادہ باد و کردہ باد لایقع کان بنوی

۱؎ اگر عورت کہے، تو نے مجھے آزاد کر دیا (مرد نے کہا کر دیا) تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے کہا، میں نے تجھ کو آزاد کر دیا" اس لئے کہ اس کا کلام جواب کے طور پر صادر ہوا ہے، لہٰذا سوال کے مضمون کے اعادہ کا متضمن نہ ہوگا ۱۲ ۲؎ اگر بیوی کی ماں داماد کو کہے، کہ تو سفر پر جانا ہے تو میں تجھ کو اس وقت تک نہ چھوڑوں گی جب تک تو میری بیٹی کو طلاق نہ دے دے، اس نے کہا "بیٹی کو تین طلاق" اور پھر کہے میں نے اپنی عورت مراد نہیں لی تھی، تو اس کی عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے کہے "مجھے طلاق دے دے" اس نے کہا میں نے دی ایک، دو، تین، تو تینوں طلاقیں ہو جائیں گی، اگرچہ نیت نہ ہو ۱۲ ۳؎ عورت نے کہا مجھ کو طلاق دے دے، مرد نے کہا دیدی سمجھ، کر دی سمجھ تو طلاق نیت سے واقع ہو گی، اور اگر کہے دیدی ہے ہو گی ہے، تو بغیر نیت کے طلاق واقع ہو جائے گی ۱۲

ولو قال زادہ است وکردہ است یقع نوی او لا انتہی اور فتوے روایت متون پر ہے جو موضوع ہیں واسطے نقل مذہب کے خصوصاً ایسا متن جیسا کہ کنز ہے، اور باین ہمہ ضوابط اصول وفقہ اور روایات جزئیہ فقہیہ کتب معتبرہ شروح اور فتاوے معتمدہ مؤید اس کے ہیں، واللہ اعلم بالصواب، حررہ العبد المسکین محمد صدر الدین۔

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ:۔ زید نے اگر اس طرح پر طلاق دی کہ طلاق طلاق طلاق اور لفظ تجھ کو یا اس کو نہ ملایا تو اس صورت میں کوئی طلاق نہ پڑی فقط طلاق طلاق طلاق کہنا لغو ہوا اور نکاح بدستور باقی رہا اور جو یوں کہا کہ تجھ کو طلاق دی تین بار اس طرح پر کہا تو اس صورت میں صرف ایک طلاق پڑی، زید اپنی زوجہ سے مل جاوے، لہٰذا اس کا ہاتھ پکڑ لے یا گلے سے مل جاوے یا اس سے صحبت کرے کہ رجوع ثابت ہو جاوے، اور زید اب سے دو طلاق کا مالک رہے گا جیسا حدیث صحیح مسلم وغیرہ سے ثابت ہے، اور تفصیل اس کی اغاثۃ اللہفان میں ہے، واللہ اعلم

سید محمد نذیر حسین

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک روز باہم زن وشوہر کی کسی امر میں تکرار وتنازع ہوئی، اور شوہر نے کسی بات کے جواب میں کہا، کہ جو عورتیں ایسا کرتی ہیں وہ لائق طلاق کے ہوتی ہیں اور اس نے بھی فلاں کام کیا ہے، تو میں نے اس کو طلاق دی، پس شوہر مذکور نے ایک دفعہ یہ کہا، مگر اس وقت کا کوئی گواہ نہیں، لیکن شوہر کو اقرار ہے پھر لڑائی کی نوبت ہونے لگی، اور ساس نے داماد سے لڑائی کی اور کہتی رہی، کہ یہ اپنی بی بی طلاق دے چکا ہے، پھر اس کے جواب میں کئی آدمیوں کے روبرو کئی مرتبہ بطور اخبار بیان کرتا رہا کہ میں طلاق دے چکا ہوں، اور ان آدمیوں پر کیا موقوف ہے، لو سو آدمیوں کے روبرو کہلوا لے کہ میں طلاق دے چکا ہوں یا دوں گا، اور یہی لفظ شوہر مذکور نے گھر میں بہت دفعہ کہا، اور گھر سے باہر گلی میں بھی کہا، اور بازار میں بھی، اور جس نے پوچھا اس سے یہی کہتا رہا، کہ میں طلاق دے چکا ہوں یعنی تخمیناً قریباً سو مرتبہ کے کہا ہوگا، پس اس صورت میں حنفی مذہب میں کے طلاق واقع ہونگی، ایک یا زیادہ، اور اگر ایک واقع ہوگی، تو رجعی یا بائن؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ در صورت مرقومہ ایک طلاق رجعی ہوگی، اور باقی اخبار میں محسوب ہوں گی، ولو قال لامرأتہ انت طالق فقال لہ رجل ما قلت فقال طلقتہا او قال قلت ہی طالق

ہ اگر مرد نے اپنی عورت سے کہا، تجھے طلاق ہے، اور کسی آدمی نے پوچھا تو نے کیا کہا ہے، اس نے کہا، میں نے

فهي واحدة في القضاء كذا في البدائع هكذا في الفتاوى العالمگيرية. غرض ایک طلاق بطور انشاء کے واقع ہوگی اور باقی تمام اخبار وحکایت میں شمار ہوں گی پس شوہر مذکور کو اندر عدت کے رجعت کرنا درست ہے، اور بعد گذر جانے عدت کے تجدید نکاح کی ضرورت ہوگی واللہ اعلم۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہم چار کس گواہان بابت طلاق اظہار اپنا مفصلہ ذیل عرض کرتے ہیں، سو اول گواہ کا یہ بیان ہے، کہ مسمی احمد نے میرے روبرو طلاق اپنی زوجہ کو اس طرح دی، کہ اس کو طلاق دی دی دی، دوسرے کا بیان ہے کہ میرے روبرو مسمی مذکور نے اس طرح پر کہا کہ میں نے اس کو طلاق دی، تیسرے کا یہ بیان ہے، کہ میرے روبرو مسمی مذکور نے لفظ طلاق کا اس طرح پر کہا کہ طلاق دی دی دی، چوتھے کا یہ بیان ہے، کہ مسمی مذکور نے ایک دفعہ لفظ طلاق کا اس طرح پر کہا، کہ میں نے اس کو طلاق دی، اور پھر دی دی دی، اظہار؛ لہذا استفسار یہ ہے، کہ از روئے گواہی گواہان مذکورین طلاق رجعی ثابت ہوئی یا مغلظہ جواب نقہ سے عنایت ہو، بینوا توجروا۔

الجواب: حسب مطابقت اظہار چاروں گواہوں کے ایک طلاق رجعی واقع ہوئی کیونکہ قاعدہ یہ ہے، کہ جب لفظ طلاق کا مکرر ہو، تو طلاق متعدد واقع ہوگی، والا نہیں اور صورت سوال سے تکرار لفظ طلاق کا پایا نہیں جاتا۔ تو طلاق متعدد اور تکرار تین واقع نہ ہوں گی سو متی کرر لفظ الطلاق بحرف الواو او بغير حرف الواو يتعدد الطلاق وان عنى بالثاني الاول لم يصدق في القضاء كذا في الفتاوى العالمگيرية والطحطاوي وغيرهما والله اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو یہ کہا، کہ تجھ طلاق دے دوں، اس نے کہا دے دو، پھر کہا کہ دے دوں، پھر اس نے کہا دے دو، پھر کہا، کہ دے دوں، پھر اس نے اسی طور سے کہا، آیا یہ طلاق ہوئی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی اس واسطے کہ یہ کلمہ استفسار

عورت کو طلاق دی ہے، یا کہا اسے طلاق ہوگئی ہے، تو یہ فیصلہ میں ایک طلاق شمار ہوگی ۱۲ ؎ اور جب طلاق کے لفظ کو واو (اور) کے ساتھ یا اس کے بغیر تکرار کرے گا، تو طلاقیں متعدد ہو جائیں گی، اگرچہ دوسرے لفظ کے ساتھ پہلے کی تعیین کرے تو فیصلہ میں اس کی تصدیق نہ ہوگی ۱۲

زوج رضا سے زوجہ کا ہے، اور استفسار رضا سے طلاق واقع نہیں ہوتی جیسا کہ کتب فقہ سے ظاہر ہے، ولو قال[1] انت طالق ان شئت فقالت شئت ان شئت فقال شئت وان نوى الطلاق شرح وقایہ وھکذا فی الھدایۃ والکنز پس ایسی صورت میں ایک بار پوچھے یا دو بار پوچھے یا تین بار طلاق ثابت نہیں ہوتی، واللہ اعلم

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: ایک شخص کو جبراً رشتہ داران عورت نے اپنے مکان میں بند کر کے بطور خود طلاق نامہ لکھوالیا، اور وہ مجبور ناراض رہا، جب رشتہ داران عورت نے چھوڑا، اسی وقت شخص مذکور نے حاکم کے روبرو جاکر فریاد کی، کہ جبراً مجھ سے طلاق نامہ لکھوالیا ہے سو یہ طلاق نامہ عند الشرع جائز ہے یا ناجائز، بینوا توجروا۔

الجواب: درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے، کہ مذہب حنفی میں مکرہ سے جبراً طلاق نامہ لکھوا لینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، ہاں اگر مکرہ طلاق زبان سے دے، تو واقع ہوتی ہے، اور صورت مسئولہ سے طلاق نامہ کا لکھوانا ظاہر ہوتا ہے، نہ زبان سے کہلانا پس اس صورت میں طلاق نامہ کے فقط لکھوا لینے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ ولو مکرھا کذا فی کنز الدقائق ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبدا او مکرھا فان طلاقہ صحیح لا اقرارہ بالطلاق کذا فی تنویر الابصار والدر المختار[2] فلو اکرہ علی ان یکتب طلاق امرأتہ فکتب لا تطلق لان الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولا حاجۃ ھنا کذا فی الخانیۃ ھکذا فی الطحطاوی وغیرہ من کتب الفقہ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

---

[1] اگر کوئی کہے، اگر تو چاہے تو تجھے طلاق ہے، عورت کہے، اگر تو چاہے، تو میں بھی چاہتی ہوں، اور وہ کہے، کہ میں تو چاہتا ہوں تو اس صورت میں طلاق نہ ہوگی، خواہ اس کی نیت طلاق کی ہو ۱۲

[2] طلاق ہر ایک عاقل بالغ خاوند کی جائز ہے اگرچہ وہ مجبور ہو، ہر عاقل، بالغ خاوند کی طلاق واقع ہوگی، اگرچہ وہ غلام یا مجبور ہو اس کی طلاق صحیح ہے، طلاق کا اقرار صحیح نہیں، اگر کسی کو اپنی عورت کی طلاق لکھنے پر مجبور کیا جائے، اور وہ لکھ دے، تو طلاق نہیں ہوگی، کیونکہ کتابت عبارت کے قائم مقام ہے، ضرورت کی وجہ سے اور یہاں کوئی ضرورت نہیں ۱۲

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ہندہ نے گواہی گواہان بیان کیا، کہ مجھ کو زید نے فلاں تاریخ میں طلاق دی ہے، مگر زید کا بیان ہے کہ میں اس تاریخ میں مقام خورجہ میں اپنی نوکری پر موجود تھا اور میری موجودگی کے گواہ مقام مذکور میں ایک انبوہ کثیر وجم غفیر ہے، اب از روئے شرع شریف یہ گواہ زید کے معتبر ہیں یا نہیں اور انکی شہادت لائق اعتبار ہے یا نہیں، فقط۔

الجواب:- درصورت مرقومہ واضح ہو کہ گواہان اثبات کے معتبر ہوتے ہیں اور گواہان نفی کے مسموع نہیں ہوتے مگر جس صورت میں کہ ایک انبوہ کثیر وجم غفیر ہوں، تو مسموع اور مقبول ہوں گے، چنانچہ فتاوے عالمگیری اور اشباہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ اذا اقامت المرأۃ رجلین ان فلانا طلق امرأتہ یوم النحر بالکوفۃ واقام فلان البینۃ انہ کان فی ذلک الیوم حاجا بمنی فالبینۃ بینۃ المدعی ولا یلتفت الی بینۃ المدعی علیہ الا ان تاتی العامۃ ویشہدون لہ فیوخذ بشہادتہم کذا فی الذخیرۃ ہکذا فی العالمگیریۃ وتقبل بینۃ النفی المتواتر کما فی الظہیریۃ والبزازیۃ کذا فی الاشباہ والنظائر وذکر اطنب البزازی فیہ فی نوع فی الشہادۃ علی النفی انتہی ما فی الحموی پس صورت مسئولہ میں گواہان زید کے معتبر ہیں اور ان کی شہادت لائق اعتبار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ السید شریف حسین عفی عنہ　　[زشرف ... ید کونین شد شریف حسین]

[سید محمد نذیر حسین]

سوال:- زنے مطلقہ بالثلاث لبسہ اطہار گشت، بعد طلاق اخیر بران مطلقہ مسطورہ عدت سہ حیض لازم است یا نہ، دفاطمہ بنت قیس مطلقہ بالثلاث لبسہ اطہار شدہ بود یا بیک طہر برتقدیر اول قول صلی اللہ علیہ وسلم فاعتدی عند ابن ام مکتوم از کدام عدت

لہ اگر عورت دو گواہ پیش کرے، کہ فلاں آدمی نے قربانی کے دن اپنی عورت کو کوفہ میں طلاق دی ہے، اور وہ آدمی دلیل پیش کرے کہ وہ یوم النحر کو منی میں حج کرنے کے لئے گیا ہوا تھا تو اس عورت کا بیان معتبر ہوگا، اور مدعی علیہ کی دلیل پر غور نہ کیا جائے گا، ہاں اگر عام حاجی آکر شہادت دیں، کہ واقعی وہ منی میں تھا، تو پھر مدعی علیہ کا بیان تسلیم کیا جائے گا عالمگیری میں ہے نفی متواتر کی شہادت قبول کی جائے گی۔

سوال:- ایک عورت کو تین طہر میں تین طلاقیں ہوئیں تو آخری طلاق کے بعد یہ عورت تین حیض گذارے گی یا نہیں؟ اور فاطمہ بنت قیس کو تین طہر میں تین طلاقیں ہوئی تھیں یا ایک ہی طہر میں؟ پہلی صورت میں حضرت آنحضرت

است، عدت مابقی یا عدت سہ حیض، بینوا توجروا۔

الجواب ــ بران عورت کہ بر سر ہر طہر مطلقہ شدہ بود بعد طلاق اخیر یک حیض لازم است در ابن ماجہ از عبداللہ بن مسعودؓ مروی است۔ قال[1] طلاق السنۃ ان یطلقہا عند کل طہر تطلیقۃ فاذا طہرت الثالثۃ طلقہا وعلیہا بعد ذلک حیضۃ ونیز مقتضاء قول

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا تھا، کہ "ابن ام مکتوم کے پاس عدت گزار لے" یہ عدت کون سی تھی، بقایا عدت تھی یا تین حیض کی عدت؟

الجواب :- جس عورت کو تین طہر میں تین طلاقیں ہوئی ہوں، اس پر آخری طلاق کے بعد صرف ایک حیض عدت ہے، چنانچہ ابن ماجہ میں عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے، کہ آپ نے کہا، سنت طلاق یہ ہے کہ ہر طہر پر اس کو ایک طلاق دی جائے، جب تیسرے حیض سے پاک ہو اور اس کو طلاق دے، تو اس کے بعد

---

(۱) قولہ قال طلاق السنۃ ان یطلقہا عند کل طہر الخ سندہ کما فی سنن ابن ماجہ فی باب طلاق السنۃ هکذا حدثنا علی بن میمون الرقی ثنا حفص بن غیاث عن الاعمش عن ابی اسحاق عن ابی الاحوص عن عبد اللہ قال فی طلاق السنۃ ان یطلقہا الخ ابن ماجہ مصری جلد ۱ صفحہ ۳۱۹ واخرجہ ایضا النسائی فی باب طلاق السنۃ اخبرنا احمد بن یحیی بن ایوب قال ثنا حفص بن غیاث قال ثنا الاعمش عن ابی اسحاق عن ابی الاحوص عن عبد اللہ انہ قال طلاق السنۃ تطلیقۃ وھی طاھر فی غیر جماع فاذا حاضت وطہرت طلقہا اخری فاذا حاضت وطہرت طلقہا اخری ثم تعتد بعد ذلک بحیضۃ قال الاعمش سألت ابراھیم فقال مثل ذلک، نسائی مطبوعہ نظامی صفحہ ۵۲۷ وقال الدارقطنی نا الحسین والقاسم ابنا اسماعیل المحاملی قالا نا ابو السائب سلم بن جنادۃ نا حفص بن غیاث عن الاعمش عن ابی اسحاق عن الاحوص عن عبد اللہ قال طلاق السنۃ ان یطلقہا

(ترجمہ) (۱) قال طلاق السنۃ ان یطلقہا عند کل طہر الخ اس کی سند ابن ماجہ نے باب "طلاق السنۃ" میں اس طرح ذکر کی ہے، حدثنا علی بن میمون الرقی ثنا حفص بن غیاث عن الاعمش عن ابی اسحاق عن ابی الاحوص عن عبد اللہ قال فی طلاق السنۃ ان یطلقہا الخ ابن ماجہ طبع مصر جلد ا صفحہ ۳۱۹، نسائی نے باب طلاق السنۃ کے ذیل میں اس حدیث کی سند اس طرح بیان کی ہے۔ اخبرنا احمد بن یحیی بن ایوب قال ثنا حفص بن غیاث قال ثنا الاعمش عن ابی اسحاق عن ابی الاحوص عن عبد اللہ انہ قال طلاق السنۃ الخ، نسائی طبع نظامی صفحہ ۵۲۷، دارقطنی حسین اور قاسم کے واسطہ سے یہ حدیث اس طرح روایت کرتے ہیں۔ طلاق السنۃ ان یطلقہا فی کل طہر تطلیقۃ۔ طلاق سنت یہ ہے کہ ہر طہر میں عورت کو ایک طلاق دی جائے "سنن دارقطنی جلد ۲ صفحہ ۴۲۷"

. . . .

فی کل طہر تطلیقۃ فاذا کان اخر ذلک فتلک العدۃ التی امر اللہ بہا انتہی سنن الدارقطنی ج۲ صفحہ ۴۲۴
قال فی التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی قولہ عن عبد اللہ قال الحدیث اسنادہ صحیح انتہی وقیل
ان معنی قولہ ثم تعتد بعد ذلک بحیضۃ المراد بالحیضۃ العدۃ فلم ار ھذا المعنی فی غریب الحدیث و
شروحہ المعتبرۃ وغیر ذلک من کتب اللغۃ واللہ اعلم وقال الزیلعی قولہ روی عن علی وابن مسعود و
ابن عباس ان ابتداء العدۃ فی الطلاق عقیب الطلاق وفی الوفاۃ عقیب الوفاۃ قلت اما حدیث
علی فاخرجہ البیہقی عنہ قال العدۃ من یوم یموت او یطلق انتہی واما حدیث ابن مسعود فرواہ
ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ حدثنا وکیع ویحیی بن آدم عن شریک عن ابی اسحاق عن عبد الرحمن بن
یزید عن عبد اللہ بن مسعود قال العدۃ من یوم یموت او یطلق انتہی ورواہ الطبرانی فی معجمہ
حدثنا محمد بن عمرو بن خالد الحرانی ثنا ابی انبأنا زہیر عن ابی اسحاق عن الاسود عن مسروق وعبیدۃ
عن عبد اللہ فذکرہ واما حدیث ابن عباس فغریب وذکر اثرہ فی کتاب ابن المنذر وروی ابن ابی
شیبۃ حدثنا ابن علیۃ عن ایوب عن عمرو بن دینار عن جابر بن زید عن ابن عباس قال
العدۃ من یوم یموت انتہی اثر اخر رواہ ابن ابی شیبۃ حدثنا ابو معاویۃ عن عبید اللہ عن نافع
عن ابن عمر قال عدتہا من یوم طلقہا ومن یوم یموت انتہی وھذا سند صحیح واخرج نحوہ عن عطاء
ومجاہد وابن المسیب وسعید بن جبیر وابن سیرین وعکرمۃ ونافع وابی قلابۃ وابی العالیۃ
والشعبی والنخعی والزہری وعبد الرحمن بن یزید ومکحول باسانید جیدۃ انتہی نصب الرایہ ص۲۵۸ ج۲

التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی میں ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اس حدیث کے آخر میں جو یہ الفاظ ہیں کہ تیسری طلاق کے بعد عورت ایک حیض عدت گذارے، شروح مشہورہ اور کتب لغت نیز غریب الحدیث کی کتب میں یہ معنی میری نظر سے نہیں گذرے، زیلعی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ طلاق کی صورت میں عدت کی ابتدا طلاق کے بعد سے متصور ہوگی، نیز وفات کی صورت میں عدت کا شمار وفات کے بعد سے ہوگا، ابن مسعود کی اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں وکیع اور یحیی بن آدم سے روایت کیا ہے وہ شریک سے عن ابی اسحاق عن عبد الرحمن بن یزید عن عبد اللہ بن مسعود قال العدۃ من یوم یموت او یطلق انتہی کہ عدت کا شمار وفات کے روز سے اور طلاق کی صورت میں طلاق کے بعد سے شروع ہوگا، طبرانی نے اپنی معجم میں بھی اسے ذکر کیا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث غریب ہے، ابن المنذر اور ابن ابی شیبہ نے ابن علیہ عن ایوب عن عمرو بن دینار عن جابر بن زید کے سلسلہ سند کے ساتھ ابن عباس سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں العدۃ من یوم یموت انتہی عدت کی

جل وعلا فطلقوھن(۱) لعدتھن ہمیں است، کہ طلاق بدین طور دادہ شود، کہ بر وتقضاء عدت آسان گردد پس اگر بعد طلقہ ثالثہ تمام عدت لازم باشد مشقتے عظیمہ بر وعاید گرددندا۔ و فاطمہ بنت قیس بقول راجح مطلقہ بسہ طلاق متفرقات گشتہ چنانچہ در بعض روایات مسلم صراحۃ موجود است وطلقھا اخر ثلث تطلیقات ونیز طلقھا طلقۃ کانت بقیت من طلاقھا۔ پس

اس پر صرف ایک حیض عدت ہے، اللہ تعالیٰ کے قول کہ ان کو ان کی عدت پر طلاق دو، کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس طریقہ سے طلاق دی جائے کہ اس پر عدت گذارنا آسان ہو جائے، اگر تیسری طلاق کے بعد بھی اس کو تین حیض عدت گذارنا پڑے، تو اس پر بڑی مشقت ہو گی، اور راجح قول کے مطابق فاطمہ بنت قیس کو متفرق طور پر تین طلاقیں ہوئی تھیں چنانچہ مسلم میں صراحت ہے، کہ اس کو تین طلاقوں میں سے آخری طلاق دی، اور یہ لفظ بھی ہیں کہ اس نے اس کو وہ طلاق دی

ومقتضی ھذہ الاٰثار ایضاً ان تلک المرأۃ تعتد بعد ذلک بحیضۃ لانہ اذا کان ابتداء العدۃ من حین الطلاق الاول ففی ھذہ المسئلۃ لا یخفی انہ بعد الطلقۃ الثالثۃ قد مضت حیضتان فلا یبقی بعدھما الا واحدۃ۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم ابو سعید محمد شرف الدین

(۱) قولہ فطلقوھن لعدتھن ای وقتھا وھو الطہر ای لطہرھن الذی یحیضنہ من عدتھن قولہ واحصوا العدۃ اضبطوھا ابتداءھا وانتھاءھا لتعلموا بقاءھا من الرجعۃ ولغیر ذلک کذا فی جامع البیان فی تفسیر القراٰن وقال فی الجلالین تحت قولہ تعالیٰ والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء تمضی من حین الطلاق انتہیٰ وھذا ایضاً یدل علی ما قال المجیب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ

ابتدا طلاق کے دن سے ہو گی اس سلسلہ سند کی صحت پر بہت سے علماء جرح و تعدیل متفق ہیں، عطاء، مجاہد، ابن المسیب، سعید بن جبیر، ابن سیرین، عکرمہ، نافع، ابو قلابہ، ابو العالیہ، شعبی، نخعی، زہری، عبد الرحمٰن بن زید اور مکحول جیسے اعاظم سے بھی اسانید جیدہ کے ساتھ اس قسم کے الفاظ ثابت ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نصب الرایہ جلد ۲ ص ۲۴۸۔ ان تمام آثار کا خلاصہ یہ ہے، کہ جب عدت کا شمار روز طلاق سے ہے، تو دو طلاقوں میں دو حیض پورے ہو چکے ہوں گے، اور تیسری طلاق کے بعد ایک ہی حیض گذرنے کے بعد مطلقہ کی عدت پوری ہو جائے گی، واللہ اعلم۔"

(۲) قولہ طلقوھن لعدتھن الخ تفسیر جامع البیان میں اس آیت کے ذیل میں مرقوم ہے، کہ اس سے عدت کا وقت مراد ہے، تاکہ عدت کی ابتدا اور انتہا کا پتہ چل سکے، جلالین میں والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء کے تحت ہے، کہ تمضی من حین الطلاق، یعنی تین حیض طلاق کے دن سے شمار ہوں گے، واللہ اعلم

(ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ)

بعد ثبوت این کہ این سہ طلاق متفرق طور است وحدیث قصہ فاطمہ بنت قیس از ذکر عدت طلاق اخیر ساکت است پس لابد کہ این حدیث مجمل را بر حدیث مفصل محمول کردہ حکم مفصل مثبین کردہ آید، وآن این کہ فاطمہ بنت قیس فقط برائے قضاء حیضہ واحدہ کہ از عدت وے باقی است، در بیت ابن ام مکتوم توقف ساختہ بود واللہ اعلم

حررہ محمد عبد الحق ملتانی ۲۳ محرم ۱۳۱۸ھ

سید محمد نذیر حسین

جو اس کی باقی رہ گئی تھی، اور آخری طلاق کے بعد فاطمہ کے قصہ میں عدت کے متعلق حدیث خاموش ہے، پس ضروری ہے کہ اس حدیث مجمل کو حدیث مفصل پر محمول کیا جائے، اور وہ یہ ہے، کہ فاطمہ بنت قیس نے ایک حیض کی عدت جو اس کی باقی تھی گذارنے کے لئے ابن ام مکتوم کے گھر میں رہائش کی، واللہ اعلم ۱۲

کتاب الظہار

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص اپنی عورت کو ماں بہن یا بیٹی کہے بغیر تشبیہ دینے اس بات کے کہ تو مثل میری ماں یا بہن یا بیٹی کے ہے، تو ظہار ثابت ہوا یا نہیں، ایک شخص نے اپنی عورت کو اتنے ہی لفظ ماں یا بہن مطلق کہنے پر بغیر تشبیہ کے جن لوگوں نے تعزیر لگا دی ہے، وہ تعزیر شرع ہے یا نہیں اور ان لوگوں کو یہ اختیار تھا یا نہیں یا برائے قاضی فقط۔

الجواب: اپنی عورت کو ماں یا بیٹی یا بہن کہنے سے بغیر تشبیہ کے ظہار ثابت نہیں ہوتا، اور شرعاً اس لفظ کہنے والے پر کچھ تعزیر بھی نہیں ہے، ہاں ایسا لفظ کہنا نہیں چاہیے پس صورت مسئولہ میں ظہار ثابت نہیں ہوا، اور جن لوگوں نے اس شخص پر صرف اتنا کہنے سے تعزیر لگائی ہے، وہ خلاف شرع ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے۔ لو قال لها انت امی لا یکون مظاهرا وینبغی ان یکون مکروها ومثله ان یقول یا بنتی ویا اختی انتهی

واللہ تعالی اعلم۔ حررہ عبد الحفیظ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک کام سے اپنی زوجہ کو منع کیا، اور کہا، کہ تو یہ کام مت کر، ورنہ طلاق دوں گا، مگر اس نے نہ مانا پس زید نے اس کو کہا، کہ تو میری بہن ہے، اور میں نے تجھ کو طلاق دی، اور زید سے اس بارہ میں جس نے دریافت کیا، زید نے جواب دیا، کہ میں نے طلاق دے دی اب سوال یہ ہے، کہ صورت مذکورہ میں زید کا اپنی زوجہ کو یہ کہنا، کہ تو میری بہن ہے، ظہار ہوا یا نہیں، اور زید رجوع کر سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مذکورہ میں زید کا اپنی زوجہ کو یہ کہنا کہ تو میری بہن ہے، ظہار

۱؎ اگر عورت کو کہے تو میری ماں ہے، تو اس سے ظہار نہیں ہوگا لیکن یہ بات بہت بری ہے اور اسی طرح اگر بیوی کو بیٹی یا بہن کہہ کر بلائے، تو یہ بھی برا ہے لیکن ظہار نہیں ہے۔

نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنی زوجہ کو بہن کہتے ہوئے سنا تو آپ نے اسے برا جانا، اور اس شخص کو اس بات سے منع کیا لیکن اس پر ظہار کا حکم نہیں لگایا، چنانچہ ابوداؤد میں ہے۔ عن ابی تمیمۃ الجہمی ان رجلا قال لامرأتہ یا اخیۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختک ھی فکرہ ذلک ونھی عنہ اور حنفی فقہ میں بھی یوں ہی ہے، چنانچہ درمختار میں ہے، ویکرہ قولہ انت امی ویا ابنتی ویا اختی ونحوہ اور شامی میں ہے۔ قولہ ویکرہ اہ جزم بالکراھۃ تبعا للبحر والنھر والذی فی الفتح وفی انت امی لایکون مظاھرا وینبغی ان یکون مکروھا فقد صرحوا بان قولہ لزوجتہ یا اخیۃ مکروہ انتھی۔ اور صورت مذکورہ میں زید رجوع کر سکتا ہے کیونکہ زید نے ایک ہی طلاق دی ہے اور طلاق ایک سے دو تک رجعی ہوتی ہے۔ قال اللہ تعالی الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان۔ ہاں البتہ رجوع کرنے کے لئے عدت کا باقی رہنا ضروری ہے، اور اگر عدت گذر گئی ہے، تو پھر نکاح کرنا ضروری ہے، واللہ اعلم بالصواب، حررہ عبدالحق اعظم گڈھی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ: جو شخص اپنی منکوحہ کو والدہ یا بہن یا نانی وغیرہ کہے تو یہ کہنا اس کا لغو ہے، اس کا نام ظہار نہیں ہے، اس پر احکام ظہار کے مرتب نہیں ہونگے، ہاں اس کا یہ کہنا خالی کراہت سے نہیں ہے اور ظہار شرعاً اس کا نام ہے، کہ مرد اپنی بی بی کو یوں کہے، تو میرے اوپر مثل پشت ماں میری کے ہے اس صورت میں بی بی اس کی اس پر حرام ہو جاتی ہے، اور اس سے وطی کرنا اور اس کا بوسہ لینا، اور اس کا چھونا حرام ہو جاتا ہے جب تک کہ وہ مرد کفارہ ظہار کا ادا نہ کرے، اور کفارہ اس کا یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو لگاتار دو مہینے روزے رکھے اور اگر اس کی بھی طاقت

لہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا، اے بہن، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا یہ تیری بہن ہے، گویا آپ نے اس لفظ کو برا سمجھا اور اس سے روک دیا ۱۲ ٭ لہ اور مکروہ ہے اپنی عورت کو کہنا کہ تو میری ماں ہے یا اے بیٹی یا اے بہن مگر کوئی آدمی اپنی عورت کو کہے، تو میری ماں ہے، تو وہ مظاہر ظہار کرنے والا نہیں ہوگا، اور یہ کلمہ مکروہ ہے، اور اس کی صراحت کی ہے، کہ مرد اپنی عورت کو کہنے اے بہن، تو یہ مکروہ ہے ۱۲

سہ طلاق دو دفعہ ہے، پھر یا تو اچھے طریقے سے رکھے، یا اچھے طریقے سے چھوڑ دے ۱۲

نہ ہو، تو ساٹھ مساکین کو کھانا دیوے۔ اذا[1] قال الرجل لامرأته انت علی کظہر امی فقد حرمت علیہ ولا یحل لہ وطیہا ولا مسہا ولا تقبیلہا حتی یکفر عن ظہارہ وکفارۃ الظہار عتق رقبۃ فان لم یجد فصیام شہرین فان لم یستطع فاطعام ستین مسکینا للنص الوارد فیہ فانہ یفید الکفارۃ علی ہذا الترتیب کذا فی الہدایۃ وغیرہا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ سید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

---

[1] جب مرد اپنی عورت سے کہے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی، اس سے وطی کرنا، چھونا، بوسہ لینا حرام ہوگا تاوقتیکہ اپنے ظہار کا کفارہ نہ دے، اور ظہار کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے، اگر وہ نہ مل سکے، تو ساٹھ روزے ہیں، اگر اس کی طاقت نہ ہو، تو ساٹھ مسکین کا کھانا ہے، اس میں نص وارد ہے، اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ کفارہ اسی ترتیب سے واجب ہے ۱۲

کتاب النفقات

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی لڑکی کی شادی کو عرصہ پونے دو برس کا گذرا، اول ابتدائے شادی میں اس کا شوہر موافق دستور اپنے مکان پر بیاہ کرکے لے گیا، بعد ازاں لڑکی کے ماں باپ چوتھی کے روز واپس لے آئے، اور اس کا شوہر لڑکی والوں کے مکان پر بھی آتا جاتا رہا، کچھ عرصہ کے بعد اس کے شوہر سے کہا گیا، کہ اپنی بیوی کو لے جاؤ، تو کہتا رہا، کہ ہاں لے جاؤں گا، غرض کہ یوں ہی ٹالتا رہا، اور لڑکی والے ہمیشہ کہتے رہے، کہ اپنی بیوی کو لے جاؤ اسی پونے دو برس کے عرصہ میں اس کے شوہر نے دوسری شادی بھی کر لی، اور اس لڑکی کے نان ونفقہ کی کچھ خبر بھی نہ لی تو لڑکی والوں نے نان ونفقہ کی سرکار میں نالش کی، خدا کے فضل سے وہاں سے مقدمہ جیت گئے مگر اس لڑکی کے شوہر نے چند مولویوں سے دریافت کرکے، اور سب کو اکٹھا کرکے یہ فتوے لیا، کہ جب لڑکی اپنے ماں باپ کے مکان پر ہو تو نان ونفقہ واجب نہیں ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے، کہ نان ونفقہ بذمہ شوہر اتنے عرصہ کا واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب: زمانہ گذشتہ کے نفقہ کے سقوط وعدم سقوط میں علماء کا اختلاف ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے، کہ جتنے دنوں تک شوہر نے اپنی زوجہ کو روک رکھا ہے، اتنے دنوں تک کا نان ونفقہ بذمہ شوہر واجب ہے، اور یہی قول ظاہر ہے اور یہی قول ظاہر حدیث مسلم ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف[1] کے موافق ہے اور اسی قول پر صحابہ کرام کا اجماع نقل کیا ہے، بناءً علیہ صورت مسئولہ میں اتنے عرصہ کا نان ونفقہ بذمہ شوہر واجب ہے، سبل السلام میں ہے اعلوا للعلماء

[1] اور دستور کے موافق ان کا روٹی کپڑا تم پر فرض ہے ۱۲

خلافاً فی سقوط نفقۃ الماضی فقیل تسقط للزوجۃ والاقارب وقیل لا یسقطان و قیل یسقط نفقۃ القریب دون الزوجۃ وعللوا ھذا التفصیل بان نفقۃ القریب انما شرعت للمواساۃ لا لاجل احیاء النفس وھذا قد انتفی بانظر الی الماضی واما نفقۃ الزوجۃ فھی واجبۃ لا لاجل المواساۃ ولذا یجب مع غناء الزوجۃ ولاجماع الصحابۃ علی عدم سقوطھا فان تم اجماع فلا التفات الی خلاف من خالف بعدہ وقد قال صلی اللہ علیہ وسلم ولھن علیکم رزقھن وکسوتھن بالمعروف فمھما کانت زوجۃ مطیعۃ فھذا الحق الذی لھا ثابت واخرج الشافعی باسناد جید عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کتب الی امراء الاجناد فی رجال غابوا عن نسائھم فامرھم ان یامروھم بان ینفقوا او یطلقوا فان طلقوا بعثوا بنفقۃ ما حبسوا وصححہ الحافظ ابو حاتم الرازی وذکرہ ابن کثیر فی الارشاد انتہی۔

یعنی زمانہ ماضی کے نفقہ کے سقوط میں علماء کا اختلاف ہے پس بعض علماء کا قول ہے کہ زوجہ اور اقارب کا نفقہ ساقط ہوجاتا ہے اور بعض کا قول ہے کہ نہ زوجہ کا نفقہ ساقط ہوتا ہے اور نہ اقارب کا، اور بعض کا قول ہے کہ اقارب کا نفقہ ساقط ہوجاتا ہے اور زوجہ کا ساقط نہیں ہوتا ہے، اور اس تفصیل وتفریق کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اقارب کا نفقہ مواساۃ کے لئے اور احیاء نفس کے لئے مشروع ہوا ہے اور یہ زمانہ گذشتہ کے لحاظ سے منتفی ہوگیا، اور لیکن زوجہ کا نفقہ سو وہ مواسات کی غرض سے واجب نہیں ہے اسی وجہ سے زوجہ کے غنی ہونے کے ساتھ بھی واجب ہوتا ہے اور نفقہ زوجہ کے عدم سقوط پر صحابہ کا اجماع ہے، پس اگر اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم ثابت ہے تو اس اجماع کے بعد کسی مخالف کا خلاف قابل التفات نہیں ہے، اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق تم لوگوں پر واجب ہے، پس جب تک زوجہ فرمانبردار رہے گی، اس کا حق ثابت رہے گا، اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے باسناد جید حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہ انہوں نے امیران لشکر کو لکھا، کہ جو لوگ اپنی عورتوں سے غائب ہیں ان کو حکم کریں، کہ یا تو وہ اپنی عورتوں کو خرچ بھیجیں یا ان کو طلاق دیں، اور اگر طلاق دیں، تو جتنے دنوں تک ان کو روک رکھا ہے، اتنے دنوں تک کا خرچ ان کے پاس بھیجدیں، صحیح کہا اس اثر کو حافظ ابو حاتم رازی نے، اور ذکر کیا اس کو ابن کثیر نے ارشاد میں

رہی یہ بات کہ اگر زوجہ اپنے والدین کے گھر ہو تو اس صورت میں زوج پر نان ونفقہ واجب ہے یا نہیں، سو واضح ہو کہ اس صورت میں زوج پر نان ونفقہ واجب ہے والدین کے گھر میں زوجہ کے ہونے سے نان ونفقہ ساقط نہیں ہوتا بشرطیکہ ناشزہ نہ ہو، فقہائے حنفیہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے، ہاں صغیرہ کے نفقہ کے وجوب کے لئے اتنی قید لگائی ہے، کہ وہ وطی کے قابل ہو، شرح وقایہ میں ہے۔ تجب هی والکسوة والسکنی علی الزوج للعرس مسلمة کانت او کافرة کبیرة او صغیرة توطأ ولو هی فی بیت ابیها انتهی ملخصا اور عالمگیری میں ہے المرأة اذا کانت صغیرة ومثلها توطأ ولا تصلح للجماع فلا نفقة لها عند نا حتی تصیر الی الحالة التی تطیق الجماع سواء کانت فی بیت الزوج او فی بیت الاب انتهی۔ اور جن لوگوں نے یہ فتوے دیا ہے، کہ لڑکی جب اپنے ماں باپ کے مکان پر ہو تو نان ونفقہ واجب نہیں ان کا یہ فتوے غلط ہے پس خلاصہ جواب صورت مسئولہ کا یہ ہے، کہ زید کی لڑکی کا نان ونفقہ بذمہ شوہر واجب ہے، واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد علی فیروز پوری عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین درصورتے کہ زوجہ زید فوت شد وزید آنچہ کہ بنفقہ وبیماری زوجہ خود خرچ کرد، از وارثان او طلب می کند پس زید را دعوئے خرچہ بیماری از وارثان زوجہ متوفات میرسد یا در نفقہ کہ بر زوج واجب است محسوب خواہد بود، ودیگر ماجرا این است کہ روبرو دو چہار مرداں زید زوجہ خود گفتہ، کہ آنچہ حقوق من بر شما بود حلالش ابراء کردم وآن را بخشیدم پس بریں تقدیر دعوئے زوج آنچہ در تیمارداری

---

۱ نان ونفقہ، لباس، رہائش بیوی کا مرد کے ذمہ ہے، خواہ بیوی کافر ہو یا مومن، بڑی ہو یا چھوٹی، بشرطیکہ وطی کے قابل ہو اگرچہ وہ اپنے باپ کے گھر میں رہے۔ عورت جب چھوٹی ہو اور اس جیسی لڑکیوں سے وطی نہ ہو سکتی ہو، اور وہ ابھی جماع کے قابل نہ ہو تو ہمارے نزدیک اس کا خرچ مرد کے ذمہ نہیں ہے، یہاں تک کہ وہ اس حالت تک پہنچ جائے، کہ جماع کی متحمل ہو سکے، پھر خواہ وہ باپ کے گھر رہے ہو یا خاوند کے گھر میں اس کو خرچ ملے گا

سوال:۔ زید کی بیوی فوت ہو گئی، اس کی بیماری پر جو خرچ آیا، زید اس کا مطالبہ بیوی کے لواحقین سے کرتا ہے، بتایا جائے، کہ بیوی کی بیماری کا خرچ خاوند کے ذمہ ہوتا ہے، یا اس کے لواحقین کے ذمہ اور علاج معالجہ کا خرچ نفقہ میں شمار ہوتا ہے یا نہیں، علاوہ ازیں زید نے بیوی کو آخری لمحات میں یہ بھی کہا، کہ میرے جتنے بھی حقوق تمہارے ذمے تھے، وہ سب میں نے تجھ کو معاف کئے، اس اقرار سے بھی بیماری کے اخراجات

زوجہ صرف کردہ ازاں ابراء و ہبہ از زوج صادر گردیدہ است ساقط شدن می تواند یا نہ دہم ہبہ مہر مسماۃ مرحومہ در حالت بیماری کہ بہ سبب ولادت حالت بے قراری و بدحواسی بروطاری بود شرعاً جائز خواہد بود یا نہ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ نفقہ زوجہ کہ عبارت از طعام ولباس و سکنی است شرعاً بر زوج واجب است بشرط عدم نشوز آن النفقۃ ھی شرعا الطعام والکسوۃ والسکنی للزوجۃ علی الزوج ولو صغیرا کذا فی تنویر الا بصار والدر المختار وھکذا فی الفتاوے العالمگیریۃ والھدایۃ وغیرھا من کتب الفقہ وآنچہ در بیماری زوجہ از طرف خود خرچ کردہ اند وے احسان و تبرع وراں رجوع نمیرسد زوج را شرعاً۔ المتبرع لا یرجع کذا فی العینی شرح الکنز والھدایۃ والمتبرع لا یرجع فیما یتبرع کذا فی العنایۃ۔ آرے اگر زوج بوقت خرچ کردن این چنیں گفتے کہ این قدر مال بطریق استدانت و قرض از طرف شما گرفتہ در بیماری شما صرف می کنم بر شما واجب الاداء خواہد بود و زوجہ باستدانت ہم راضی بود سے درصورت البتہ این چنین دین بر ذمہ زوجہ واجب شدے و از اموال زوجہ بعد وفات او زوج را گرفتن لازم آمدے و بدون وجود این شرط مذکور ہرگز زوج را از وارثان زوجہ دعوی دین عوض صرف بیماری او نخواہد رسید۔ ولو کفل بامرہ رجع الیہ وان بغیرہ لا یرجع لتبرعہ کذا فی الدر المختار والھدایۃ وغیرھما من کتب الفقہ۔ و بر تقدیر ثبوت دعوے دین بابت خرچہ بیماری زوجہ بزعم زوج دریں حالت درصورت ابراء زوج بروجہ عموم کہ تبری کردہ تمام حق او ساقط شد۔ مگر دوام حادث شود کہ بعد ازیں باشد۔ لا تسمع الدعوی بعد الابراء العام

متوفیہ سے ساقط ہوتے ہیں یا نہیں؟ نیز زید کی بیوی نے اپنی بیماری میں زید کو اپنا حق مہر معاف کیا کیا وہ معاف ہو گیا یا نہیں؟ بیوی اس وقت ولادت کی تکلیف میں بدحواس اور بے قرار تھی۔

الجواب:۔ خاوند کے ذمہ عورت کے اخراجات میں سے روٹی کپڑا اور مکان واجب ہے بشرطیکہ عورت خاوند کی نافرمان نہ ہو، ہدایہ، عالمگیری میں ایسا ہی لکھا ہے، اور بیماری کے اخراجات زید نے تبرع و احسان سے کئے ہیں، اور اس کا مطالبہ نہ بیوی سے کر سکتا ہے، نہ اس کے وارثوں سے کر سکتا ہے، کیونکہ احسان میں رجوع نہیں ہوتا، عینی، ہدایہ، عنایہ میں اسی طرح ہے۔ اگر زید بیوی سے شرط کر لیتا کہ جو کچھ تیرے علاج پر خرچ کروں گا، وہ تجھ سے وصول کروں گا، اور وہ اقرار کر لیتی تو زید اس کے ترکہ سے وہ قرضہ وصول کر سکتا تھا، درمختار اور ہدایہ میں اسی طرح ہے لیکن موجودہ صورت میں تو وہ کسی حال میں بھی مطالبہ نہیں کر سکتا، کیونکہ اس نے اپنی بیوی کے تمام حقوق معاف

الا بحق حادث بعدہ والدین یسقط والساقط لا یعود کذا فی الاشباہ والنظائر والدین
لا یسقط الا بالاداء ولو حکما الی اخر ما فی تنویر الابصار والدر المختار وغیرھما من کتب
الفقہ۔ وہبہ کردن در مرض الموت کہ خوف غالب ہلاکت در باشد در آن ہوشیاری در
ثلث مال واہب مریض جائز وصحیح خواہد بود، کہ در حکم وصیت است و وصیت در ثلث جاری
میشود در غیر وارث ہبۃ ای ہبۃ الرجل فی مرضہ ای مرض الموت وصیۃ لحکمہا الوصیۃ
حتی یعتبر من الثلث کذا فی الکنز والعینی والہدایۃ والدر المختار۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

فیصلہ ارباب فطانت پر واضح ہو کہ در باب تنازع بابو محمد و مساۃ احمدی خانم
زوجہ بابو محمد کے منصفوں نے اظہار دعوے تفصیلی زوجین سے نہ لیا، کہ حکم شرعی مطابق دعوے
کے نافذ ہو، اور کسی مسئلہ متنازعہ میں بحوالہ کتاب حکم نہ لگایا کہ ناظرین فیصلہ نامہ پر حسن و قبح
اس کا ظاہر ہو، من جملہ ازاں بابت دعوے نفقہ چودہ ماہ مدعیہ کے نہ معلوم کہ منصفوں نے
کون سی وجہ شرعی سے گیارہ ماہ کا نفقہ ساقط و باطل کیا، اور تین ماہ کا نفقہ مدعیہ کو دلوایا، اور
نیز عذر مدعی علیہ کا اصغا نہ فرمایا یعنے مدعی علیہ زوج اپنا عذر عدم وجوب نفقہ تین ماہ کا بیان
کرتا ہے کہ نفقہ بابت تین ماہ کے کہ جب میری زوجہ برضا مندی خود بخانہ والدین اپنے
کے رہی ہر رقم کسی عنوان سے بذمہ میرے واجب الادا نہیں ہو سکتی، اور وجہ ثبوت صریح
میرے پاس واسطے نہ دینے نفقہ کے موجود تھی، علماء منصفان نے نہ لی، تمام ہوا اظہار
مدعی علیہ زوج کا۔ اب منصفان صاحبان سے استفسار طلب ہے، کہ تم منصفوں نے
کس وجہ شرعی سے عذر مدعی علیہ زوج کا نہ سنا، اور کون سی وجہ شرعی سے ساٹھ روپے
نفقہ کے اس سے دلوائے، کہ مدعی علیہ پر حجت قائم ہو۔ لان[1] الحجج الشرعیۃ ثلاثۃ
البینۃ او الاقرار او النکول کذا فی کتب الشریعۃ۔ نفقہ زوجہ کا واجب ہے زوج پر

کر دیئے تھے، ہاں اگر معافی کے بعد کچھ خرچ کیا ہے، اور متوفیہ کی اجازت سے خرچ کیا ہے تو اس کا مطالبہ کر سکتا ہے
تنویر الابصار، در مختار، اور اشباہ والنظائر میں ایسا ہی ہے ۔ بیوی نے اگر بیماری کی حالت میں نقاہت ہوش
وحواس حق مہر معاف کیا ہے اور اس وقت موت کا غالب گمان تھا تو وہ وصیت کے حکم میں ہے اور وصیت
ثلث مال میں جاری ہوتی ہے، کنز، عینی، ہدایہ، در مختار وغیرہ میں اسی طرح ہے ۱۲

[1] کیونکہ حجت شرعیہ صرف تین چیزیں ہیں، دلیل یا مدعی علیہ کا اقرار یا قسم ۱۲

جب زوجہ گھر میں زوج کے سکونت پذیر ہو، اور رہے، ورالا واجب نہیں ہے النفقة واجبة للزوجة على الزوج مسلمة كانت اوكافرة اذا اسلمت نفسها الى منزله فعليه نفقتها وكسوتها والاصل في ذلك قوله تعالىٰ لينفق ذوسعة من سعته ولان النفقة جزاء الاحتباس وكل من كان محبوسا بحق مقصود لغيره كانت نفقته عليه الى اخرما في الهداية وان نشزت فلا نفقة لها حتى تعود الى منزله لان فوات الاحتباس منها كذا في كتب الفقه۔ اور جو زوجہ بیمار ہوئی زوج کے گھر میں پھر آئی اپنے باپ کے گھر میں پھر شوہر نے بلایا اپنے گھر تو اگر ایسی بیمار ہو کہ ممکن نہ ہو اس کا آنا ڈولی وغیرہ کی سواری میں تو وہ مستحق نفقہ کی ہوگی، اور جو ڈولی وغیرہ میں آسکتی ہو، اور نہ آوے تو اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں۔ وفي الخانية مرضت عند الزوج فانتقلت الى دار ابيها ان لم يمكن نقلها بمحفة ونحوها فلها النفقة والا لا انتهى ما في الدر المختار وغيره اب منصفان حسب دلائل مذکورہ بالا دعوی مدعیہ پر کار فرما ہوں۔

اور بابت دعوے نمبر ۲۔ اشیاء ذیل ظروف چینی وجوڑی پایہ وغیرہ ملکیت بابو محمد میں بھی منصفوں نے مطابق شرع شریف کے تصفیہ نہ فرمایا، کیونکہ درصورت دعوے بابو محمد مدعی کے اولاً مدعی سے بینہ طلب ہونے، پس اگر مدعی بینہ عادلہ پیش کرتا، تو بیان بینہ سنکر زوجہ مدعی پر اشیاء مذکورہ کے دے دینے کا حکم لگایا ہوتا، ودرصورت عدم بینہ مدعی کے زوجہ مدعی علیہا سے حلف لیا ہوتا، اگر مدعا علیہا حلف کرتی اپنے انکار پر تو دعوے مدعی کا ساقط ہو جاتا ہے، اور جو حلف سے انکار کرتی، تو دعوے مدعی کا ثابت ہوتا، اور حق مدعی مدعی علیہا سے دلوایا ہوتا اور صورت حلف دینے کی مدعی علیہا پر اس طرح سے ہوتی کہ منصف

۱؎ عورت کا خرچ خاوند کے ذمہ فرض ہے، خواہ عورت کافر ہو یا مسلمان، جب کہ وہ اپنے آپ کو مرد کے گھر میں لے آئے، تو مرد کے ذمہ اس کی روٹی اور کپڑے کا خرچ ہے، اور اصل اس کا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، کہ دولت مند اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے، اور اس کی وجہ یہ ہے، کہ خرچ اپنے گھر میں مقید رکھنے کا بدلہ ہے، اور جو آدمی کسی کے کام کے لیے رکا ہوا ہو اس کے بدلہ میں اس کو خرچ دینا پڑے گا، اور اگر عورت مرد کی نافرمان ہو اور میکے چلی جائے تو اس کو خرچ نہیں ملے گا، کیونکہ احتباس رمقید ہونا اس کی طرف سے ختم ہوا۔

۲؎ اگر عورت خاوند کے گھر بیمار ہو اور بیماری ہی میں باپ کے گھر چلی جائے بعد میں خاوند اس کو واپس لانا چاہے تو اگر وہ ڈولی وغیرہ کے ذریعہ سے بھی نہ آسکتی ہو تو اس کو خرچ ملے گا، اگر آسکتی ہو اور پھر بھی نہ آئے تو اس کو خرچہ نہیں ملے گا ۱۲

لوگ تین شخص کو واسطے حلف لینے مدعی علیہا سے مقرر کرتے ایک شخص ان میں سے مدعی علیہا سے حلف لیتا، اور دو شخص گواہ زوجہ کے حلف کرنے پر ہوتے، پس اگر زوجہ بابو محمد کی حلف کرتی، کہ میں نے ظروف وغیرہ مدعی زوج اپنے کے نہیں لئے، تو اس صورت میں دعوے مدعی کا ساقط ہو جاتا، اور جو حلف سے منکر ہوتی، تو دعوے مدعی کا ثابت ہوتا تو اشیا مذکورہ مدعی علیہا سے لے کر مدعی کو دلوادی ہوتیں، یہ ترجمہ بعینہ فتاوی عالمگیری کا ہے۔ فمن شاء فلیراجع الیہا، اور والد مختار مدعی علیہا کا حلفاً وعدہ کرنا کہ اگر اسباب مسماۃ کے پاس ہوگا، تو طلب کر کے حوالہ مدعی کروں گا، یہ عند التصفیہ قابل سماعت کے نہیں کیونکہ یہ بات مخل ومانع فیصلہ وتصفیہ ہے کیونکہ تقریر مختار مذکور سے بسبب تعلیق بالشرط اشیا مذکورہ مطلوبہ کے ہونے نہ ہونے میں ہنوز ثبوت مدعا نہ ہوا، اور تصفیہ نا تمام رہا، متخاصمین نے منصفوں کو حسب شرع محمدی کے فیصلہ کرنے کو مقرر کیا تھا، نہ اپنی اپنی رائے لگانے کو، جیسا کہ ثالث نامہ سے واضح ہوتا ہے، اب منصفوں پر واضح ہے کہ مدعی ظروف وغیرہ سے بینہ طلب کریں، اگر مدعی نے بینہ قائم کئے، تو مدعی علیہا سے ظروف وغیرہ لے کر مدعی کو دلوا دیں، اور جو مدعی کے پاس بینہ نہ ہوں، تو مدعی علیہا یعنی زوجہ بابو محمد سے حلف لے کر مقدمہ مرجوعہ کو فیصلہ کر دیں، کہ مقدمہ مذکورہ ایک طرف ہو جائے اور ادھورا چھوڑنا منصفوں کی شان سے بعید ہے۔ علیٰ ہذا القیاس تشخیص وتنقیح قیمت جوڑے کی بھی نہ ہوئی لازم تھا، کہ جوڑا وغیرہ طلب کر کے سارے منصف اپنے روبرو تشخیص کرا کر اس کا بھی فیصلہ کرا دیتے مجلس خاص میں یہ بھی نا تمام رہا، اور بابت دعوے مہر چار سو روپے کے بھی کچھ حکم نہ لگایا کہ مطالبہ اس کا بالفعل پہنچتا ہے یا بعد طلاق یا بعد موت احد الزوجین کے، واضح ہو کہ مہر مؤجل چار سو روپے کا دعوے بعد طلاق یا موت احد الزوجین کے پہنچتا ہے، نہ فی الحال۔ کذا فی العالمگیریۃ وغیرہا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

العبد سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کو اس کے خاوند نے اپنی خوشی سے ماں باپ کے بلانے کے واسطے ماں باپ کے گھر پہنچا دیا، اور خاوند اپنے وطن کو جو ہزار کوس کے فاصلہ پر تھا چلا گیا، ایک دو ماہ کے بعد خاوند نے عورت کے والد کی طرف لکھ بھیجا، کہ لڑکی فلاں شخص کے ساتھ رخصت کر دو، کہ یہاں پہنچا

دیوے، وہ شخص محرم بھی نہ تھا، عورت کے والد نے جواب میں لکھا کہ میں سفر میں ہوں، آج تک میں لڑکی سے ملا بھی نہیں چند روز کے بعد رخصت لے کر گھر جا کر لڑکی سے مل کر رخصت کروں گا فقط۔ اتنی بات پر عورت کے خاوند کو ایک مولوی صاحب نے فتوے دیا، کہ اس عورت اور اس کے بال بچہ کے نفقہ سے آپ بری الذمہ ہو گئے، کیونکہ یہ عورت ناشزہ ہے، باوجودیکہ عورت اس بارے میں کوئی کلمہ زبان پر نہیں لائی اب دریافت طلب تین امر ہیں، اول یہ کہ یہ عورت ناشزہ ہے یا نہیں، دوم یہ کہ غیر محرم کے ساتھ اس قدر سفر دور دراز پر رخصت کرنا جائز تھا یا نہیں، سوم یہ کہ اگر یہ عورت ناشزہ ہے، تو اس کے نشوز سے اس کی اولاد کے نفقہ سے بھی کیا اس عورت کا خاوند بری الذمہ ہو گیا ہے بینوا توجروا۔

الجواب: یہ عورت ناشزہ نہیں ہے، کیونکہ ناشزہ عند الشرع خارجۃ من بیتہ بغیر حق ہے۔ کذا فی الدر المختار۔ انکار والد زوجہ، انکار زوجہ نہیں ہو سکتا صورت مسطورہ میں بالفرض اگر انکار منجانب زوجہ بھی ہو تو بھی ناشزہ عند الشرع نہیں ہوتی، کیونکہ سفر کرنا عورت کا ہمراہ مرد غیر محرم حرام ہے، پس وہ مانعہ بحق ہوئی نہ بغیر حق در مختار میں ہے اومع اجنبی بعثہ لینقلہا فلہا النفقۃ انتہی۔ نشوز ام سے نفقہ اولاد ساقط نہیں ہوتا۔ کیونکہ علت نفقہ اولاد ولدیت ہے، اور وہ حالت نشوز ام میں بھی موجود ہے۔ ھکذا یفہم من الغایۃ۔ فقط۔ خادم شرع متین محمد نظام الدین عفا اللہ عنہ مفتی ریاست مالیر کوٹلہ ۲ جولائی ۱۹ء

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح ساتھ ہندہ کے ہوا عرصہ تخمیناً تیرہ برس کا گذرا بدستور موافق آپس میں رہے، اب عرصہ دو سال کا گذرا ہے کہ زید نے ہندہ مذکورہ کو مع تین بچے خورد سال کے ہندہ کے والدین کے ہاں بھیج دیا ہے ہنوز ہندہ کے اور بچوں کے نان ونفقہ و پارچہ وغیرہ سے کچھ خبر نہیں لی، والدین ہندہ کے ہندہ کو اور تینوں بچوں اس کے کو پرورش کر رہے ہیں اور بہر صورت خبر گیراں ہیں اب ہندہ مذکورہ دعوے نان ونفقہ و پرورش بچوں خرد سالہ کا زید پر کرتی ہے، اور حق حقوق

لہ شریعت میں ناشزہ وہ عورت ہے، جو اپنے خاوند کے گھر سے بغیر حق کے نکل جاوے ۱۲ ۔ ملہ یا اجنبی کے ساتھ جس کو باپ اپنی بیٹی کو لانے کے لئے بھیجدے تو اس کو بھی خرچ ملے گا ۱۲

اپنا اور ان بچوں خرد سالہ کا زید سے طلب کرتی ہے، زید مذکور عرصہ دو برس سے غیر کے ہاں کھاتا پیتا ہے، اور ہندہ اور بچوں کا کچھ خبر گیران نہیں ہے، پس سوال یہ ہے کہ ہندہ مذکورہ کا، اور ان بچوں خرد سالہ کا نان ونفقہ و پارچہ اور پرورش زید پر عند الشرع فرض وواجب ہے یا نہیں، کتاب اللہ وحدیث رسول اللہ سے جواب اس کا تحریر فرما دیں، اور عند اللہ اجر عظیم پا دیں، بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مذکورہ میں ہندہ مذکورہ کا نان ونفقہ اور خرد سال بچوں کا نان ونفقہ وپرورش زید پر بلاشبہ فرض وواجب ہے، ہندہ اپنے اور اپنے بچوں کے تمام حقوق واجبہ کا زید پر دعوےٰ کر کے شرعاً لے سکتی ہے، اور زید بوجہ نہ ادا کرنے ان کے حقوق کے بہت بڑا ظالم اور گنہگار ہے، ہدایہ میں ہے۔ النفقة واجبة للزوجة علی زوجها مسلمة کانت او کافرة اذا سلمت نفسها الی منزله فعلیه نفقتها وکسوتها وسکناها والاصل فی ذلک قوله تعالی لینفق ذو سعة من سعته وقوله تعالی وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف وقوله علیه السلام فی حدیث حجة الوداع ولهن علیکم رزقهن وکسوتهن بالمعروف انتهی ونیز ہدایہ میں ہے ونفقة الاولاد الصغار علی الاب لا یشارکه فیها احد کما لا یشارکه فی نفقة الزوجة لقوله تعالی وعلی المولود له رزقهن والمولود له هو الاب وفیه ایضا ونفقة الصغیر واجبة علی ابیه وان خالفه فی دینه کما تجب نفقة الزوجة علی الزوج وان خالفته فی دینه انتهی بلوغ المرام[1] میں ہے، عن حکیم بن معاویة عن ابیه قال قلت یا رسول اللہ ما حق زوج احدنا علیه قال تطعمها[1] اذا

---

[1] عورت کا خرچ مرد کے ذمہ واجب ہے، خواہ عورت مسلمان ہو یا کافر جب کہ وہ مرد کے گھر میں رہے اور اصل اس میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے، کہ طاقت والا اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرے، اور فرمایا، دستور کے مطابق باپ کے ذمہ عورت کا روٹی اور کپڑا ہے، اور آنحضرت نے فرمایا ان کا روٹی کپڑا دستور کے مطابق تمہارے ذمہ ہے، ہدایہ میں ہے، چھوٹے بچوں کا خرچ باپ کے ذمہ ہے اس میں اور کوئی بھی شریک نہ ہوگا، جیسے کہ بیوی کے نفقہ میں، اور کوئی شریک نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور باپ کے ذمہ ہے ان کا خرچ، چھوٹے بچے کا خرچ باپ کے ذمہ رہے گا، اگرچہ وہ دین میں اس کے مخالف ہو، جیسے کہ بیوی کا خرچہ واجب ہوتا ہے

---

(۱) قوله تطعمها اذا اکلت الخ صححه ابن حبان والحاکم، سبل السلام ج ۲ ص ۔ ابو سعید

اکلت وتکسوھا اذا اکتسیت الحدیث رواہ احمد والنسائی وابوداؤد وابن ماجہ
وفی بلوغ المرام میں ہے۔ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت رواہ النسائی[1]
وھو عند مسلم بلفظ ان یحبس عمن یملک قوتہ۔ خلاصہ یہ کہ زید پر اس کی زوجہ
ہندہ کا نان ونفقہ اور اس کے خورد سال بچوں کا نان ونفقہ فرض وواجب ہے، اور ہندہ
کو دعوے کرنے اور طلب کرنے کا استحقاق حاصل ہے، ہندہ اس صورت میں اگر بقدر
کفایت اپنے اور اپنے بچوں کے بلا اطلاع زید کے اس کے مال سے چپکے سے لے
لیوے تو جائز ہے۔ عن عائشۃ قالت دخلت ھند بنت عتبۃ امرأۃ ابی سفیان
علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ان ابا سفیان رجل
شحیح لا یعطینی من النفقۃ ما یکفینی ویکفی بنی الا ما اخذت من مالہ بغیر
علمہ فھل علی فی ذلک من جناح فقال خذی من مالہ بالمعروف ما
یکفیک ویکفی بنیک متفق علیہ کذا فی بلوغ المرام واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ | سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فوت ہوا اس
کی زوجہ نے بعد وفات کے اپنا مہر معاف کر دیا، مگر وہ زیور کہ زوج نے اس کو علاوہ مہر کے

اگرچہ وہ دین میں اس کے مخالف ہو حکیم بن معاویہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق
ہے، آپ نے فرمایا جب تو کھائے تو اس کو بھی کھلا، اور جب تو پہنے تو اس کو بھی پہنا، اور آپ نے فرمایا
کہ آدمی کو اتنا ہی گناہ کافی ہے، کہ جن کی روزی ان کے ذمہ ہے، ان کو ضائع کر دے ۱۲

سلہ ہندہ بنت عتبہ ابو سفیان کی بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اور کہنے لگی، اے اللہ کے
رسول ابو سفیان ایک بخیل آدمی ہے، مجھے اتنا خرچہ نہیں دیتا، جو میری اولاد کو اور مجھے کافی ہو، میں اس کے
مال میں سے چوری لیتی ہوں، مجھے کوئی گناہ تو نہیں؟ آپ نے فرمایا اس کے مال میں سے دستور کے مطابق
بقدر کفایت لے لیا کر (متفق علیہ، کذا فی بلوغ المرام ۱۲

---

[1] قولہ کفی بالمرء اثما الخ اخرجہ ایضا ابوداؤد والحاکم الا انہ قال من یعول وقال صحیح الاسناد، انتہی
الترغیب والترہیب مطبوعہ نظامی دھلی ص۳۲۵ (ترجمہ) نسائی کے علاوہ ابوداؤد اور حاکم نے بھی اسے ذکر کیا
ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے ۱۲ (ابو سعید شرف الدین عفی عنہ)

بوقت نکاح کے دیا تھا اس کو معاف نہیں کیا، اور اولیا نے زوج اس زیور کا مطالبہ کرتے ہیں، آیا یہ مطالبہ ان کا صحیح ہے یا نہیں، اور عورت دعوے نفقہ ایام عدت کا کرتی ہے، آیا یہ دعوی اس کا صحیح ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب۔ اولیا نے زوج کا یہ مطالبہ صحیح نہیں ہے، اس واسطے کہ زوج نے اپنی زوجہ کو علاوہ مہر کے جو زیور وقت نکاح کے دیا ہے، وہ ملک زوجہ ہے، وہ زیور ترکہ میں شمار نہیں کیا جاوے گا، اور جب کہ زوجہ نے اس زیور کو معاف نہیں کیا تو وہ زیور اسی کی ملک میں باقی ہے اور اس کی وہی مستحق ہے، اولیا نے زوج کو اس زیور کا مطالبہ صحیح و جائز نہیں ہے، اور زوجہ جو دعوے نفقہ ایام عدت کا کرتی ہے سو اس کا یہ دعوے صحیح نہیں ہے، اس واسطے کہ زوجہ متوفی عنہا زوجہا ایام عدت وفات کے نفقہ کی مستحق نہیں ہے، امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں۔ واما المتوفی عنہا زوجہا فلا نفقۃ لہا بالاجماع انتہی۔ واللہ اعلم۔ حررہ محمد عبد الحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اور مفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بلا اجازت اپنے شوہر کے گھر سے نکل گئی اور اپنی والدہ کے گھر چلی گئی، اور اس کو بلایا تو اپنے شوہر کے گھر آنے سے بالکل انکار کرتی ہے اب وہ مطالبہ اپنے مہر کا اور نیز نان ونفقہ کا کرنا چاہتی ہے، پس اس صورت میں اس کو مہر اور نان ونفقہ بموجب حکم شرع شریف کے پہنچتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب۔ صورت مسئولہ میں جب کہ عورت بلا اجازت اپنے شوہر کے گھر سے نکل گئی ہے اور بلانے پر شوہر کے گھر آنے سے بالکل انکار کرتی ہے تو وہ عورت بلا شبہ ناشزہ ہے، پس نشوز کی وجہ سے اس کو نان ونفقہ نہیں پہنچتا، فرمایا اللہ تعالیٰ نے غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم[1] الآیۃ جامع البیان میں ہے۔ وھذا یدل علی انہا کانت مخیرۃ بین الملازمۃ واخذ النفقۃ وبین الخروج وترکہا انتہی۔ باقی رہا اس عورت کا مہر تو وہ نشوز کی وجہ سے ساقط نہیں ہوسکتا، پس وہ عورت اپنے مہر کی مستحق ہے

---

[1] ان کو نکالو نہیں، اگر وہ خود بخود نکل جائیں، تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ عورت کو اختیار ہے کہ یا تو مرد کے پاس رہے اور خرچ لے، اور پھر اگر علیحدہ رہے تو خرچ چھوڑ دے ۱۲۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ العاجز ابو محمد عبد الوھاب الملتانی نزیل الدھلی تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والجلی سنہ ۱۳۱۶ھ

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ: جو عورت کہ ناشزہ ہو یعنی بلا اجازت شوہر کے گھر سے باہر نکلے، وہ شوہر کی نافرمان اور گنہ گار ہے، جب تک شوہر کے گھر میں نہ آوے، نان و نفقہ اس کا شوہر پر واجب نہیں ہے، النفقة تجب للزوجة علی زوجها لانها جزاء الاحتباس لا لخارجة من بیته بغیر حق وهی ناشزة حتی تعود ولو بعد سفر ولا تخرج بغیر اذنه کذا فی کتب الفقه من الدر المختار وغیره۔ اور زوجہ پر شوہر کی اطاعت واجب ہے مگر گناہ کے کام میں اس کی اطاعت نہیں ہے اور عورت پر واجب ہے کہ اپنے شوہر کو راضی اور خوش رکھے جس عورت کا شوہر اس سے ناخوش ہو، اس عورت کی نماز مقبول نہیں ہوتی جب تک کہ شوہر کو راضی نہ کرے۔ عن[2] جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثة لا تقبل لهم صلوة ولا تصعد لهم حسنة العبد الآبق حتی یرجع الی موالیه فیضع یده فی ایدیهم والمرأة الساخط علیها زوجها والسکران حتی یصحو رواه البیهقی فی شعب الایمان کذا فی المشکوة۔ اور واضح رہے کہ عورت ناشزہ کا بوجہ اس کے نشوز کے مہر ساقط نہیں ہوتا ہے، بلکہ شوہر کے ذمہ واجب الادا رہتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ زوجہ اپنی کو ماں باپ کے ساتھ ایک مکان میں لاکر رکھا ہے اور ہندہ کو باعث ناموافقت کے ساس سے تکلیف اور ایذا رہتی ہے، اور زید کی دوسری زوجہ علیحدہ مکان میں رہتی ہے ساس سے

لہ بیوی کا خرچ خاوند کے ذمہ فرض ہے، کیونکہ وہ اسے پابند رکھنے کا معاوضہ ہے بغیر حق کے اگر عورت اپنے مرد کے گھر سے باہر چلی جائے، تو اس کا خرچ مرد کے ذمہ نہیں ہے، یہاں تک کہ واپس آجائے، اگرچہ وہ سفر میں ہو، اور عورت کو مرد کی اجازت کے بغیر گھر سے نہیں نکلنا چاہیے۔

ے۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی ہیں جن کی نہ نماز قبول ہوتی ہے نہ کوئی نیکی اوپر جاتی ہے بھاگا ہوا غلام جب تک کہ ان کے پاس واپس نہ آئے، اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں نہ دیدے، اور وہ عورت جس پر اس کا خاوند ناراض ہو اور شراب سے مدہوش آدمی جب تک کہ ہوش میں نہ آجائے، بیہقی نے شعب الایمان میں اسے روایت کیا ہے، کذا فی المشکوۃ ۱۲

اس صورت میں ہندہ، شوہر اور ساس سسر سے کہتی ہے کہ مکان علیحدہ میں لے جا کر رکھو نیک ہمسایہ میں کہ دونوں کے احوال پر ہمسایہ مطلع ہوں لیکن زید ہندہ دوسرے مکان میں علیحدہ رکھتا ہے ہندہ کو، اور نہ بذات خود ہندہ کے پاس آتا جاتا ہے، ساس دونوں وقت روٹی ہندہ کو دے دیتی ہے، الغرض ہندہ ساس کے ساتھ رہنے میں نہایت گھبراتی اور وحشت ناک و غمناک رہتی ہے، اس صورت میں جو کچھ حکم شرع شریف کا دونوں کے حق میں ہو، بیان فرمادیں، ثواب ہوگا۔

الجواب:۔ در صورت مذکورہ معلوم کرنا چاہیئے کہ حکم شرع شریف کا یہ ہے، کہ جس طرح کھانا کپڑا زوجہ کا زوج پر واجب و فرض ہے، اسی طرح مکان سکنی علیحدہ بھی واجب ہے، یعنی جو خالی ہو زوج کے لوگوں سے، یعنی اس میں زوج کی ماں بہن یا بھائی نہ رہتے ہوں اور ویسے ہی زوجہ کے لوگوں سے بھی وہ مکان خالی ہو، اور شرط مکان علیحدہ کی یہ ہے، کہ اس گھر میں کوئی زوج کے اقرباء نہ رہتے ہوں کہ زوجہ کو ان سے ایذا و رنج اور تکلیف پہنچتی ہو، اور مکان علیحدہ دینا زوجہ کا زوج پر واجب ہے، بقدر حال زوجین کے مانند طعام اور لباس کے اس واسطے کہ مکان مالدار کا برابر نہیں ہوتا محتاج کے مکان سے ہے۔[1] هکذا تجب لها السكنى فى بيت خال عن اهله واهلها بقدر حالهما فى البحرين عن الخانية بشرط ان لا يكون فى الدار احد من احماد الزوج يوذيها كذا فى تنوير الابصار والدر المختار وغيرهما من كتب الفقه۔ شیخ رملی نے کہا، کہ پاخانہ زوجہ کا علیحدہ لازم ہے، اس واسطے کہ پاخانہ مشترک اگرچہ اجنبی مرد اس میں نہ جاتے ہوں، تاہم خالی مضرت سے نہیں ہے، کذا فی حاشیۃ المدنی، اور اس سے لازم آتا ہے کہ پاخانہ اور باورچی خانہ علیحدہ ہونا چاہیئے، اور اسی پر فتوے دینا لائق ہوا۔ کذا فی البحر الرائق هكذا فی غاية الاوطار۔ اور زوج پر دار القضا لینے حاکم اور قاضی کی طرف سے حکم کیا جاوے کہ زوجہ کو رکھے نیک بخت ہمسایہ میں ایسی جگہ کہ جہاں وہ عورت نہ گھبرائے، اور اس کو وحشت نہ ہو، یعنی ہمسایہ نیک بخت منصف مزاج ہوں، کہ کسی کی خاطر نہ کریں، اس جگہ لے جا کر رکھے، کہ ظلم و تعدی و زیادتی جس کسی کی ہو زوج یا زوجہ میں بلا رعایت راست راست

---

[1] عورت کے لئے اپنی حیثیت کے مطابق علیحدہ مکان رہائش کے لئے مہیا کرنا مرد کے ذمہ واجب ہے خانیہ میں ہے شرط یہ ہے کہ اس مکان میں مرد کے رشتہ داروں میں سے کوئی نہ ہو جس سے عورت کو تکلیف ہو۔

بیان کر دیں، اور جو ہمسایہ رو رعایت حق کی نہ کریں، تو اور محلہ میں لے جا کر رکھنا شوہر پر واجب ہے، کہ زیادتی مار دھاڑ زوج کی بیان کر دیں، اور خاطر داری کسی کی نہ کریں در یئومر الزوج باسکانھا بین جیران الصالحین بحیث لا تستوحش سراجیۃ کذا فی الدر المختار و منح الغفار شیخ رحمتی محشی نے کہا کہ پڑوسیوں کے ایسے گھر قریب ہوں، کہ اگر عورت کو کوئی مصیبت پیش آوے، تو ان کو پکار سکے، یا تنہائی کے وقت ہمسائی عورتوں سے کلام کر سکے، تو ایسے مکانات بلند کے پاس رہنا، جہاں پکارنے سے آواز نہ جا سکے کافی نہیں، کذا فی حاشیۃ المدنی ومفادہ ان البیت بلا جیران لیس مسکنا شرعیا کذا فی الدر المختار بحر، اور سراجیہ کے کلام سے مستفاد ہوا، کہ ایسا مکان جس کے گرد و پیش پڑوسی منصف لوگ نہ ہوں، تو وہ مکان سکن شرعی نہیں، اس واسطے کہ اس میں عورت کو امن نہیں کذا فی البحر الرائق، جیسا کہ غایۃ الاوطار میں مذکور ہے، اور ظاہر آیت کا یہ ہے کہ فرض ہے عدل کرنا، یعنے جور و ظلم نہ کرنا قسم یعنی نوبت و باری میں اس طرح کہ برابر رکھنا چاہیئے منکوحات کو شب باشی میں اور لباس اور کھانے اور موانست اور دل جوئی میں، نہ جماع میں، اور نہ چھوڑ رکھنا جماع کا ایلاء کی مدت تک یعنی حرہ کے حق میں چار مہینے اور لونڈی کے حق میں دو مہینے تک ترک کی نوبت نہ پہنچے، مگر عورت کی خوشی سے ولا یبلغ مدۃ الایلاء الا برضاھا، چنانچہ تنویر الابصار اور در مختار وغیرہ میں مفصلا مذکور ہے، اور ابوہریرہ رض سے روایت ہے، کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کی دو زوجہ ہوں، اور ان کے درمیان عدل نہ کرے، تو آوے گا دن قیامت کے اس حال میں کہ آدھا دھڑ اس کا ساقط ہوگا، یعنے آدھا دھڑ ندارد، یہ صورت عذاب کی ہوگی، چنانچہ روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد و نسائی اور ابن ماجہ اور دارمی نے، اور یہ مشکوٰۃ میں بھی موجود ہے، حاصل کلام کا اس مسئلہ مستفسرہ میں یہ ہے، کہ شوہر حسن معاشرت اور خاطر داری سے ہندہ کو رکھے اور نوبت باری مقرر کرے، تو فھو المراد، اور ایذا دہی کے واسطے رکھنا سراسر ظلم اور ستم اور فساد عظیم ہے، خدا تعالیٰ فرماتا ہے فامساک بمعروف او تسریح باحسان اور فرماتا ہے

۱؎ مرد کو حکم دیا جائے گا، کہ عورت کو نیک ہمسایوں میں لا کر رکھے تا کہ اسے وحشت نہ ہو ۱۲

۲؎ عورت کی مرضی کے ترک صحبت ایلاء کی مدت تک نہ پہنچے ۱۲

۳؎ یا اچھی طرح سے رکھنا ہے، یا اچھی طرح سے چھوڑ دینا ہے ۱۲

وعاشروھن بالمعروف الآیۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

زشرف سید گردید شد شریف حسین	سید محمد نذیر حسین

خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ نکاح مسماۃ ہندہ کا زید کے ساتھ ہوا تھا، بعدازاں ہندہ کے باپ نے ایک قطعہ مکان واسطے سکونت کے تیار کرا کر بیٹی اپنی کو دے دیا اور ہبہ کیا، چنانچہ ہندہ اور شوہر اس کا اس مکان میں نو دس برس تک بخوبی قیام پذیر رہے، اب چند مدت سے زید نے ہندہ سے کہا، کہ ہم اپنے اقرباء کے پاس جا رہیں گے، ہندہ نے کہا، کہ اس مکان مسکونہ سے تمہیں کیا تکلیف پہنچی کہ جو تم اس مکان سے اٹھ کر اپنے محلہ میں قیام کا ارادہ کرتے ہو، ہم کو وہاں کے جانے میں کچھ عذر نہیں لیکن وہ مکان جس میں رہنا چاہتے ہو، نہایت مختصر اور تنگ ہے، کہ اس میں دو تین صندوق اور دیگر اسباب ہمارے جہیز کے رکھنے کی گنجائش نہیں، کیونکہ مکان سکونت عبارت ہے اس سے کہ اس میں مع اسباب رہنے کے قابل ہو کہ ہم مع اسباب جہیز اس میں گذارا کریں، حالانکہ اس مکان میں بجز دو چارپائی اندر اور دو تین چارپائی صحن کے بچھنے میں زیادہ گنجائش نہیں، تو ہم تمہارے کہنے سے اس مکان تنگ میں قیام کریں تمہارے ساتھ اور تمام اسباب جہیز مع چند صندوق اور پلنگ وغیرہ کو گلی یا سڑک پر ڈال دیں یا اور مکان تین چار روپے کرایہ کا لے کر مع ایک چوکیدار اس میں تمام اسباب اپنا رکھیں، اور اس بات کو کوئی عقل مند پسند نہیں کرنے کا، کہ ہم بسبب عدم گنجائش اس مکان مختصر اور تنگ کے اس میں جا نہیں سکتے، پس درصورت اختلاف ہمارے تمہارے چند اشخاص فہمیدہ منصف مزاج مکان مسکونہ مملوکہ سابق، اور اس مکان مختصر کو ملاحظہ فرما کر جیسا حکم دیں، کہ لائق بود و باش مع تمام اسباب جہیز فلاں مکان ہے، تو ان اشخاص کی تجویز پر ہم تم کاربند ہوں، اب علمائے شرع حسب بیان وجوہات مذکورہ بالا کے فرماویں کہ ہندہ حق پر ہے یا زید شوہر اس کا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ قول ہندہ کا برحق ہے اور قول زید کا حق نہیں کیونکہ جب زید کے مکان مختصر اور تنگ میں رہنا سہنا ہندہ کا مع اسباب و آلات جہیز وغیرہ

---

[1] ان سے بہتر طریقہ سے معاشرت رکھو ۱۲

سے متصور نہیں ہو سکتا، پھر زید باوجود تنگ مکان کے ضد کرکے از روئے عناد اس مکان مذکور میں ہندہ کو لے جانا چاہتا ہے، تو یہ منشاء سراسر تکلیف دہی اور تنگی میں ڈالنے کا نہیں ہے، تو اور کیا ہے، اور خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورت طلاق میں ایذا رسانی اور تنگ کرنے سے زوجہ کے منع فرماتا ہے۔ ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن (ترجمہ) اور مت ایذا دو ان کو تاکہ تنگی کرو تم ان کے اوپر بیٹھے سکتے ہیں، کذا فی البیضاوی، پس زید پر واجب ہے کہ یا اس مکان مسکونہ سابق میں کہ جس میں ہندہ کے ساتھ برسوں قیام کیا، مع زوجہ رہا کرے، کہ وہ مکان مذکور مع اسباب والآت قابل قیام وسکونت کے ہے، یا کوئی مکان دوسرا موافق مقدور اپنے اور مقدور ہندہ زوجہ کے کہ بیٹی ذی مقدور ہے حسب گنجائش قیام مع اسباب کے تجویز کرے، کیونکہ شوہر پر مکان لائق رہنے زوجہ کے مع اسباب فرض ہے شرعاً کہ اس میں عیش وعشرت سے بلا تنگی وتکلیف اوقات بسر ہو، چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا وعاشروھن بالمعروف الآیۃ اور کتب فقہ میں مذکور ہے، تجب لھا السکنی فی بیت خال عن اھلہ واھلھا بقدر حالھما کطعام وکسوۃ۔ انتھی ما فی الدر المختار مختصراً۔ قولہ بقدر حالھما فی الیسار والاعسار فلیس مسکن الاغنیاء کمسکن الفقراء کذا فی الشامی یعنی مکان دینا زوجہ کو زوج پر واجب ہے، بقدر حال زوجین کے مانند طعام ولباس کے، پس مکان مالدار کا برابر نہیں ہوتا محتاج کے مکان سے یعنی زوجہ مالدار کی بیٹی ہے، تو اس کے حسب حال بھی من وجہ رعایت چاہیئے اور جب زوج اور زوجہ برابر مالدار ہوں، تو بہر حال رعایت طعام لذیذ ولباس فاخرہ ومکان فراخ موافق گنجائش قیام زوجہ کے مع اسباب اس کے ضرور ہے آیت علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ صریح دلالت کرتی ہے، وذکر الخصاف ان لھا ان تقول لا اسکن مع والدیک واقربائک فی الدار فافرد لی دارا قال صاحب الملتقط ھذہ الروایۃ محمولۃ علی الموسرۃ الشریفۃ وما ذکرنا قبلہ ان المراد بیت فی الدار کاف انما ھو فی المراۃ الوسط اعتبارا فی السکنی بالمعروف قولہ اعتبارا فی السکنی

۱؎ عورت کا حق یہ ہے، کہ مرد سے کہہ دے، کہ میں تیرے ماں باپ اور تیرے رشتہ داروں کے ساتھ ایک مکان میں نہیں رہوں گی، میرے لئے علیحدہ مکان کا بندوبست کر، یہ دولت مند کے متعلق ہے، اور اوسط درجہ کے مرد کی بیوی کے لئے اتنا ہی حق ہے، کہ وہ مکان میں سے ایک علیحدہ کمرہ کا مطالبہ کرے، اور یہ جو مستقل

بالمعروف اذ لاشک ان المعروف یختلف باختلاف الزمان والمکان علی المفتی ان ینظر الی حال اھل زمانہ وبلدہ اذ بدون ذلک لاتحصل المعاشرۃ بالمعروف وقد قال تعالیٰ ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن الآیۃ کذا فی الشامی حاشیۃ الدر المختار پس بموجب دلائل شرعیہ محررہ ونیز مطابق عرف وحال زوجہ کے قول ہندہ کا حق ہے نہ زید کا۔ فماذا بعد الحق الا الضلال۔ کما لا یخفی علی العلماء اولی الالباب

قد حررہ الراجی رحمۃ اللہ المنان محمد عبد الرحمن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

کے مطابق کہا ہے، یہ تو ظاہر ہے، کہ ہر جگہ کا ایک ہی دستور نہیں ہوتا، وہ علاقہ اور زمانہ کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے، اور مفتی کو چاہیے کہ تمام حالات کا لحاظ رکھے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ان کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف نہ دو ۱۲

کتاب الحضانۃ والنسب

سوال: ولد الزنا اپنے والد زانی کا وارث ہو سکتا ہے یا نہیں، اور اس سے اس کا نسب قائم ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: ولد الزنا اپنے والد زانی کا نہ وارث ہو سکتا ہے، اور نہ اس سے اس کا نسب قائم ہو سکتا ہے۔ قال الله صلى الله عليه وسلم من الزنا لا يثبت نسبه ولا يرث منه کذا في الفتاوى العالمگيرية۔ وقال في زاد المعاد اما اذا كان من امة لم يملكها او من حرة عاهر بها فانه لا يلحق ولا يرث وان ادعاه الواطي وهو ولد زنية من امة كان او من حرة۔ والله اعلم بالصواب۔ حررہ عین الدین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا، اور دو لڑکے اور ایک لڑکی صغیر سن چھوڑی، اس میں سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ماں کی حضانت و پرورش میں رہی، اب اس لڑکے کی عمر دس سال کی ہے، اور لڑکی کی عمر تیرہ سال کی ہے، مگر بالغہ ہو گئی ہے، علاوہ اس کے اب ماں کا حال و اطوار قابل اطمینان بھی نہیں رہا، آیا ایسی صورت میں از روئے شرع شریف چچا کو جو ولی ہے، استحقاق و مجاز حاصل ہے، کہ ان دونوں کو ماں سے علیحدہ کر کے اپنی حفاظت میں رکھ سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

لے اگر آدمی کہے، کہ یہ زنا سے میرا لڑکا ہے، تو اس سے اس کا نسب ثابت نہ ہوگا، اور نہ وہ اس کا وارث ہوگا ۱۲

لے اگر کسی ایسی لونڈی سے ہو جس کا وہ مالک نہیں ہے یا کسی آزاد عورت سے جس سے اس نے زنا کیا تھا، تو نہ یہ بچہ اس کو مل سکے گا اور نہ اس کا وارث ہوگا، اگرچہ زانی اس کا اقرار کرے وہ حرامزادہ ہے، خواہ لونڈی سے ہو یا آزاد عورت سے ۱۲

الجواب۔ صورت مرقومہ میں معلوم ہو کہ مدت حضانت کی پوری ہوگئی ہے یعنی موافق قول مفتی بہ کے کہ لڑکے کی مدت سات سال ہیں، اگرچہ بعض کے نزدیک نو سال ہیں، اور لڑکی کی مدت تا حیض ہے، فی العالمگیریۃ والام والجدۃ احق بالغلام حتی یستغنی وقدر بسبع سنین وقال القدوری حتی یاکل وحدہ ویشرب وحدہ ویستنجی وحدہ وقدرہ بکر الرازی سبع سنین والفتوی علی الاول والام والجدۃ احق بالجاریۃ حتی تحیض انتہی ما فی الفتاوی العالمگیریۃ چونکہ مدت حضانت پوری ہوگئی ہے، اور ماں کا حال بھی قابل اطمینان نہیں، لہذا چچا کو اپنی حفاظت میں رکھنے کا شرعاً استحقاق حاصل ہے، خاص کر ایسی حالت میں کہ لڑکی نوجوان اور حدیثۃ السن ہے۔ فی العالمگیریۃ[2] وان کانت البالغۃ بکرا فللاولیاء حق الضم وان کان لا یخاف علیہا الفساد اذا کانت حدیثۃ السن۔ انتہی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ ابوالحسن عفی عنہ

محمد بشیر

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ نو برس کا ہوا کہ میرا لڑکا انتقال کر گیا اور اس نے ایک زوجہ اور چار بچے نابالغ، دو لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں، جب لڑکیاں دونوں بالغ ہوگئیں، تو میں نے اپنے روپیہ سے دونوں کا نکاح کر دیا، اور دونوں لڑکے جو ابھی تک نابالغ ہیں، اور میرے پاس ہیں، ان کے واسطے جائداد اپنے روپیہ سے خرید کر دی جس کا کرایہ آٹھ روپے ماہوار آتا ہے، اور میں نے عرصہ تک ان کی ماں کو اپنے پاس رکھ کر نان و نفقہ دیا، اور ہمیشہ کہتا رہا، کہ کسی نیک صالح آدمی سے نکاح کر لے لیکن اب اس نے عرصہ چھ ماہ کا ہوا، کہ ایک شخص غیر کفو سے نکاح کر کے مجھ سے چھپایا، جب مجھ کو معلوم ہوا، تو میں نے اپنے گھر سے اس کو علیحدہ کر دیا، اب وہ دونوں لڑکے شرعاً کس کو پہنچتے ہیں دادا کے پاس رہیں یا اپنی ماں کے پاس رہیں۔

---

[1] ماں اور دادی یا نانی بچے کی زیادہ حقدار ہیں، جب تک کہ وہ ان سے بے نیاز نہ ہو جائے، یعنی اکیلا کھا پی سکے اور استنجا وغیرہ کر سکے، رازی نے اس کا تخمینہ سات سال مقرر کیا ہے اور فتوی پہلے قول پر ہے اور لڑکی جب تک حائضہ نہ ہو جائے، ماں یا دادی یا نانی کے پاس رہے گی ۱۲

[2] اگر لڑکی جوان کنواری ہو تو وارثوں کو اسے اپنے پاس رکھنے کا حق ہے، اگرچہ فساد کا خطرہ نہ ہو، جب کہ وہ نوعمر ہو۔ ۱۲

الجواب :۔ واللہ الموفق للصواب، صورت مرقومہ میں دونوں لڑکے نابالغ داوا
کو پہنچتے ہیں، دو وجہ سے اول تو ماں نے نکاح کر لیا ہے پس حق حضانت ساقط ہوگیا
عن عمرو[1] بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عبد اللہ بن عمرو ان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قال انت احق بہ مالم تنکحی رواہ احمد وابوداؤد۔ دوم مدت حضانت
کی پوری ہو چکی ہے، کیونکہ موافق قول مفتی بہ کے لڑکے کی مدت حضانت سات سال ہیں
اور صورت مرقومہ میں دونوں لڑکوں نابالغ کی عمر سات سال سے زاید ہو چکی ہے، جیسا کہ
سوال سے ظاہر ہے الام احق بالغلام حتی یاکل وحدہ ویشرب وحدہ ویلبس
وحدہ ویستنجی وحدہ وفی الجامع الصغیر حتی یستنجی فیاکل وحدہ ویشرب
وحدہ ویلبس وحدہ والمعنی واحد لان تمام الاستغناء بالقدرۃ علی الاستنجاء
ووجہ انہ اذا استغنی یحتاج الی التادب والتخلق باداب الرجال واخلاقہم
والاب اقدر علی التادیب، والخصاف قدر الاستغناء بسبع سنین اعتبارا
للغالب انتہی۔ قال العینی وعلیہ الفتوی کذا فی الکافی وغیرہ انتہی۔
یہ جواب موافق فقہ حنفی کے ہے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس
صورت میں تین روایات ہیں، روایت صحیحہ مشہورہ یہ ہے، کہ لڑکے کو اختیار دیا جاویگا
اور امام شافعی کے نزدیک بھی تخییر ہے، اور امام مالک کے نزدیک جب تک بالغ نہ ہو،
احق ہے۔ ہکذا فی زاد المعاد، اور غلام میں قول راجح تخییر ہے، زاد المعاد میں ہے، قد ثبت[2]
التخییر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الغلام من حدیث ابی ہریرۃ وثبت
عن خلفائہ الراشدین وابی ہریرۃ ولا یعرف لہم مخالف فی الصحابۃ البتۃ و
لا انکرہ منکر قالوا وھذا غایۃ العدل والممکن انتہی۔ کتبہ محمد بشیر عفی عنہ

الجواب صحیح۔ عبد الرحمٰن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

[1] ماں بیٹے کی اس وقت تک زیادہ حقدار ہے، جب تک کہ وہ کھاپی اور پہن نہ سکے یا استنجا نہ کر سکے، کیونکہ جب وہ اتنا کر سکے گا، تو اب اسے مردوں کے اخلاق اور آداب کی ضرورت ہوگی، اور وہ بہ نسبت ماں کے باپ زیادہ اچھا سکھلا سکے گا۔ خصاف نے کہا اس کی اکثر مدت سات برس تک ہے ۱۲

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑکے کے متعلق اختیار ثابت ہے اور خلفائے راشدین اور ابوہریرہ سے یہی فتوی منقول ہے، اور صحابہ میں اس کا کوئی انکار کرنے والا نہیں ہے، اور یہ انتہائی ممکن انصاف ہے ۱۲

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو لڑکا صغیر سن ڈھائی یا تین برس کا ہو اور اس کا باپ و دادا فوت ہو گیا ہو، اور ماں و دادی و نانی و نانا اور دادا کا بھائی موجود ہو، تو ایسی صورت میں ولایت پرورش کا حق کس کو ہے، اور ولایت مال کی کس کو ہے، اور ولایت نکاح کی کس کو ہے۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ حق پرورش لڑکے صغیر سن کا ماں کو ہے اگر ماں قبول نہ کرے تو نانی کو ہے، اور نانی قبول نہ کرے تو دادی کو ہے، اور اس کے مال کی ولایت حاکم کو ہے، چاہے اپنے پاس اس کے مال کو رکھے، اور بقدر اس کے خرچ کے دیا کرے، یا کسی دیانتدار کے پاس رکھوا دے، کہ امانت وار بقدر ضرورت کے اس کی ماں کو دے دیا کرے، اور ولایت نکاح دادا کے بھائی کو پہنچتی ہے شرعاً چنانچہ کتب شریعت میں اسی طرح مذکور ہے، واللہ اعلم الراقم سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور اس کی زوجہ ہندہ میں تنازع واقع ہے، ہندہ اپنی خالہ کے گھر چلی گئی، زید نے دودھ پیتی لڑکی کو چھین لیا، اور کہتا ہے کہ لڑکی شرعاً مجھ کو پہنچتی ہے، حالانکہ ابھی لڑکی دو برس کی بھی نہیں ہوئی، اب حکم شرع شریف کا کیا ہے، وہ تحریر فرمایئے۔

الجواب:۔ صورت مرقومہ میں معلوم ہو کہ زید کو اس وقت لڑکی کے چھین لینے کا شرعاً کوئی حق نہیں ہے، اس واسطے کہ اس لڑکی کی پرورش کا حق اس کے بالغ ہونے تک ہندہ کو ہے،[1] ہاں اس لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد زید کو اختیار رہوگا، فتاوی عالمگیری میں ہے احق الناس بحضانۃ الصغیر حال قیام النکاح وبعد الفرقۃ الام الا ان تکون مرتدۃ او فاجرۃ غیر مامونۃ کذا فی الکافی انتہی، اور ہدایہ میں ہے والام والجدۃ[2] احق بالجاریۃ حتی تحیض انتہی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید محمد ابو الحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین | سید محمد ابو الحسن

---

[1] چھوٹے بچہ کی پرورش کا سب سے زیادہ حق ماں کو ہے، خواہ نکاح کے اندر ہو یا ان میں جدائی ہو چکی ہو، ہاں سوائے اس صورت کے کہ ماں مرتدہ یا فاجرہ ہو، جس پر اطمینان نہ ہو ۱۲۔

[2] حائضہ ہونے تک لڑکی کی پرورش کا حق سب سے زیادہ ماں، یا نانی، دادی کو ہے ۱۲

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کا ایک لڑکا بعمر پانچ سال ہے، اور درمیان شوہر و مسماۃ ہندہ کے ساڑھے پانچ سال سے نااتفاقی ہے، کسی قسم سے خبرگیران خورد و نوش وغیرہ سے نہیں ہوتا، اب دعوے دار اس امر کا ہے کہ لڑکا مجھے مل جاوے، آیا از روئے شرع شریف لڑکا شوہر ہندہ کو مل سکتا ہے یا نہیں، اور حضانت کا حق ماں اور باپ میں سے کس کو ہے، اور پانچ برس کی خوراک اور لباس وغیرہ کس کے ذمہ ہوگا، بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مرقومہ میں معلوم ہو کہ حق پرورش لڑکے کا ماں کو ہے سات برس تک، بعد اس کے باپ کو اختیار ہے، عالمگیریہ میں ہے۔ الام والجدۃ احق بالغلام حتی یستغنی وقدر بسبع سنین[1]، اور اس مدت تک کی خوراک وغیرہ کا خرچہ والد کے ذمہ ہے، بدلیل قولہ تعالے وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف[2]، واللہ تعالی اعلم بالصواب۔ حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ فوت ہوئی اس کے وارث تین بچے خورد سال ہیں، اور خاوند ہے، اور مال متروکہ متوفیہ ہندہ کا بحیثیت ولایت خاوند کے قبضہ میں ہے، چونکہ خاوند مذکور مفرض وبدنیت ہے، مال متروکہ اس کے پاس محفوظ نہیں رہے گا، لہذا دوسرے رشتہ دار یعنی ماموں بچوں کے چاہتے ہیں، کہ مال جو بچوں کے آوے، کسی امین کے پاس رکھ دیا جاوے تاکہ وقت بلوغ ان بچوں کو مل جاوے میراں دیگر رشتہ داروں کو اس ولی سے تفہیم حساب کا حق ہے یا نہیں، اور ولی نے دوسری شادی بھی کرلی ہے، اس سے بھی اولاد ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مرقومہ میں معلوم ہو، کہ مقصود اور غرض ولایت سے شفقت وخیر خواہی ونگہبانی جان ومال صغیرین ہے، پس جب کہ خاوند مذکور مفرض وبدنیت ہے، اور مال متروکہ ہندہ اس کے پاس محفوظ نہیں رہے گا تو اس صورت میں وہ ہندہ کے خردسال بچوں کا ولی نہیں رہا، بوجہ بدنیتی کے اس کی ولایت جاتی رہی، الاب[3] ولی اشفق مالم یکن مفسدا

---

[1] ماں یا نانی بچے کی پرورش کی زیادہ حقدار ہے، جب تک کہ وہ ان کی تربیت سے بے نیاز نہ ہو جائے اور اس کا اندازہ سات سال ہے ۱۲ [2] اور باپ کے ذمہ ان کا خرچ اور لباس ہے دستور کے مطابق ۱۲

[3] باپ سب سے زیادہ شفیق ولی ہے، اگر وہ مفسد خیانت کار اور فاجر نہ ہو ۱۲

وخانتنا وعمتهما كذا فى الفتاوى العيانية. پس ان بچوں کے مال کی حفاظت ونگہبانی کی یہ صورت ہے، کہ وہ مال حفاظت میں اس شخص کے پاس تا بلوغ رکھا جاوے، جس کو حاکم وقت یا وہاں کے پنچ امین ومحافظ تجویز کریں، اور حاکم وقت یا پنچ کے ذریعہ سے حساب فہمی کا بھی حق ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ ابو الحسن عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ زید اور اس کی منکوحہ میں بارہ برس ہوئے، کہ نا اتفاقی واقع ہوئی، اور زید کی اہل خانہ ناراض ہو کر اپنے باپ کے گھر آ بیٹھی اور زید نے نان ونفقہ کی حیثیت نہ رکھنے کے باعث ایک اقرار نامہ مع گواہی لکھ کر منکوحہ کو اس مضمون کا دیا، کہ میں کبھی تمہارے والدین کے گھر سے تم کو نہ لے جاؤں گا، اور اسی شرط پر خود بھی اپنے خسر کے مکان میں آ رہا، مگر کبھی کبھی بغرض تلاش روزگار باہر نکل جاتا تھا، اور پھر آ جاتا تھا، اس اثنار میں فریب دہی سے زوجہ کا زیور اور پارچہ وظروف سب خفیہ طور پر بیچ کر برباد کر دیئے، اور جب خبر ہوئی، تو پھر اپنے باپ کے گھر بھاگ گیا، اور چند سال ہوئے کہ اس کے باپ کا بھی انتقال ہو گیا ہے، زید کے باپ نے دس روپے ماہوار اپنی تنخواہ میں سے لکھ دیئے تھے، وہ بھی زید کی اہلیہ کو کبھی وصول نہ ہوئے، زید کی دو لڑکیاں ایک بارہ برس کی اور دوسری چھ برس کی اور ایک لڑکا برس بھر کا موجود ہے، اور اس کی اہلیہ کا اب انتقال ہو گیا ہے، اور اہلیہ کی زندگی میں بعد سر نہ مال کے وہ نکل گیا، تو اس کی بیماری کی حالت میں جو چھ ماہ کے زیادہ عرصہ تک تپ کہنہ میں مبتلا رہی کبھی خبر گیران نہ ہوا، اور اب بعد انتقال کے بھی جس کو قریب دو ماہ کے ہوتے ہیں بر سم تعزیت بھی اس مکان پر نہ آیا، اور اب دعوے کرتا ہے، کہ اولاد مجھ کو دے دو، جن کی پرورش اس کے ہاتھوں دشوار نظر آتی ہے، اور بچپن سے نانا، نانی نے ان کو پرورش کیا ہے، کیا عوض تھریہ اولاد اس کے نانا، نانی کے پاس رہ سکتی ہے، زید ہرگز دھر کا شمہ بھی یعنی پچاس ہزار روپیہ میں سے ہزار روپیہ بھی نہیں دے سکتا، شاید لڑکیوں پر کچھ روپیہ لے کر ان کو کسی کے حوالہ کر دے تو تعجب نہیں ہے، اس باب میں شرع شریف کیا حکم دیتی ہے۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں اولاد کی پرورش کا حق نانی کو ہے[1]، ہدایہ میں ہے۔ فان لم تكن ام فام الام اولى من ام الاب وان بعدت لان هذه الولاية تستفاد

---

[1] اگر ماں نہ ہو تو ماں کی ماں (نانی)، باپ کی ماں (دادی)، سے زیادہ مقدم ہے، اگرچہ سلسلہ دور تک چلا جائے۔

من قبل الامھات الخ اور حاشیہ ہدایہ میں ہے۔ قولہ فان لم تکن ام بان ماتت او تزوجت باجنبی فانھا کالمعدومۃ لڑکی کی حضانت اور پرورش کا حق نانی کو اس کے بالغ ہونے تک ہے، اور لڑکے کی پرورش کا حق سات برس تک ہے اور اگرچہ بعد پوری ہونے مدت حضانت کے حق پرورش ساقط ہو جاتا ہے۔ مگر چونکہ صورت مسئولہ میں ان اولاد کا باپ کے حوالے کرنا ان کے حق میں ہرگز مصلحت نہیں ہے جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے، اس لئے بعد پوری ہونے مدت حضانت کے بھی نانا، نانی ہی کے یہاں اور انہیں کی تربیت و حفاظت میں یہ اولاد رہے گی، اور باپ کے حوالہ نہیں کی جائے گی۔ علامہ ابن القیم زاد المعاد میں لکھتے ہیں۔ التخییر والقرعۃ لا یکونان الا اذا حصلت بہ مصلحۃ الولد فلو کانت الام اصون من الاب واغیر منہ قدمت علیہ ولا التفات الی القرعۃ ولا الی اختیار الصبی فی ھذہ الحالۃ فانہ ضعیف العقل یوثر البطالۃ والجھل قال والعلماء متفقون علی انہ لا یتعین احدھما مطلقا بل لا یقدم ذوالعدوان والتفریط علی البر العادل المحسن اھ اور نانی کو جو یہ حق پرورش حاصل ہے، سو یہ مہر کے معاوضہ میں نہیں ہے، بلکہ یہ الگ حق ہے اور وہ الگ حق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

المجیب محمد عبد الحق ملتانی | سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و ہندہ زوج و زوجہ ہیں باہم تنازعہ کے سبب سے ہندہ اپنے والدین کے گھر میں ہے، اور عمر و جو ولدان کا ہے جس کی عمر چھ سال سے زاید ہے، اس کو ہندہ زید سے ملنے اور اس کو دیکھنے نہیں دیتی آیا زید کو اس سے ملنے اور اس کو گھنٹہ دو گھنٹہ اپنے پاس رکھنے کا شرعاً حق ثابت ہے۔

کیونکہ یہ ولایت ماں کی چلتی ہے، اگر ماں نہ ہو مثلاً مر گئی ہو یا اس نے اور نکاح کر لیا ہو، تو گویا کہ وہ معدوم ہو گئی ہے ۱۲ لے اختیار دینا اور قرعہ اندازی اس وقت ہوگی، جب اس میں بچے کی کوئی مصلحت ہو، اگر ماں باپ سے زیادہ حفاظت کر سکتی ہو، یا غیرت مند ہو تو وہ مقدم ہوگی، اور قرعہ اور اختیار کی طرف توجہ نہ کی جائے گی، اس لئے کہ بچہ تو ضعیف العقل ہے، اس میں ناواقفی اور غلط روش اثر کرے گی، اور علماء کا اتفاق ہے کہ ماں باپ میں سے ایک کو متعین نہیں کیا جائے گا، بلکہ سرکش اور زیادتی والے کو کسی صورت بھی آگے نہ آنے دیا جائے گا کہ عادل اور محسن پیچھے رہ جائے ۱۲

یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب، بلا شبہ زید کو اپنے چھ سالہ ولد سے ملنے اور اس کو گھنٹہ دو گھنٹہ تک اپنے پاس رکھنے کا شرعاً حق ثابت ہے، اور ہندہ کو ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا ہے، کہ اس سے زید کو روکے۔ قال اللہ تعالیٰ لاتضار والدۃ بولدھا ولا مولود لہ بولدہ[1] ہاں اس میں کوئی شبہ نہیں، کہ اس ولد کی پرورش کا حق ماں ہی کو ہے، ماں ہی اسے اپنے پاس رکھے گی، اور اس کی ہر طرح پرورش کرے گی، مگر ساتھ اس کے زید اس سے مل سکتا ہے اور گھنٹہ دو گھنٹہ اپنے پاس رکھ سکتا ہے، بلکہ سات برس کے بعد برابر اپنے پاس رکھ سکتا ہے کیونکہ ماں کو لڑکے کی پرورش کا حق صرف سات ہی برس تک رہتا ہے، درمختار میں ہے، والحاضنۃ اما او غیرھا احق بہ ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبہ یفتی لانہ الغالب ولو اختلفا فی سنہ فان اکل وشرب ولبس واستنجی وحدہ دفع الیہ ولو جبرا۔ انتہی۔[2] واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید عبدالحفیظ عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

فیصلہ، فیصلہ شرع محمدی حسب تجویز مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب مورخہ ۳۰ راگست بموجب طلب کمیشن عدالت دیوانی ۱۸۷۱ء

حسین خاں ساکن سبزی منڈی، مدعی بنام مسماۃ رمضانی خانم، مدعی علیہا

واضح ہو کہ مقدمہ مسطورہ میں تحقیقات کما حقہ جیسے چاہیے تھی کی گئی لیکن اس اثناء میں مدعی اور مدعی علیہا دونوں اپنی خوشی سے خلع پر راضی ہو گئے، من بعد مدعی نے ۱۹ راگست سنہ مذکور کو میرے مواجہ میں تین طلاق اپنی زوجہ کو بمقابلہ عفو مہر کے دیں، اور تحریر طلاق نامہ کی گواہی گواہان لکھ دی، اب اس کو واسطہ زوجیت نسبت رمضانی خانم کے باقی نہ رہا پھر رمضانی خانم نے مہر اپنا معاف کر دیا، اور تحریر عفو مہر کی لکھ دی، اس کو بھی دعوے اب اپنے مہر کا باقی نہیں، آیندہ اگر مدعی دعوے دلا پانے زوجیت کا کرے، تو عند الشرع باطل

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا، نہ تو بچے کی وجہ سے ماں کو تکلیف ہو نہ باپ کو ۱۲۔

[2] پرورش کرنے والی ماں ہو یا کوئی اور بچے کے عورتوں سے بے نیاز ہونے تک اس کی زیادہ حق دار ہے، اور اس کا اندازہ سات سال تک ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، کیونکہ اغلبا ایسا ہی ہوتا ہے، اور اگر اس کی عمر میں اختلاف ہو تو اگر اکیلا کھا پی سکتا ہو اور لباس پہن سکتا ہو استنجا کر سکتا ہو تو اس کو باپ کے سپرد کر دیا جائے گا، خواہ وہ اسے جبراً لے ۱۲

دنا جائز ہے، ایسا ہی اگر رمضانی خانم دعوے لے تھرانے کا مدعی مذکور پر کرے، تو وہ بھی قابل سماعت کے شرعاً نہیں ہے، لڑکا ہنوز صغر سن ہے، سات برس تک ماں کے پاس رہے گا، اور اس اثناء میں باپ اس کا جب اپنے فرزند کو دیکھنے کے لئے جاوے، تو ماں یا نانی گھڑی دو گھڑی دینے جانے اور پیار کرنے سے مانع و مزاحم نہ ہووے، اور ماں جو دوسرا نکاح کرے، یا کہیں جانے کا ارادہ کرے، تو سات برس تک نانی کے پاس پرورش پاوے، بعد سات برس کے باپ کو لے لینے کا اختیار ہے، جو حکم شرع محمدی کا تھا وہ گذارش کیا گیا، آیندہ اختیار ہے دار، فقط۔ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکا یا لڑکی ہو، اس کو دودھ پلانا، پرورش کرنا ماں پر فرض ہے یا نہیں، لڑکے کا باپ موجود ہے، اس حالت میں کس کو پرورش کرنا چاہیے، اگر اس کی ماں دودھ نہ پلاوے، یا پرورش نہ کرے تو گنہ گار ہوگی یا نہیں، خدا اور رسول کے موافق کیا حکم ہے۔

الجواب: لڑکے کی پرورش ماں پر فرض نہیں ہے، مگر پرورش کا زیادہ حق ماں ہی کو ہے، یعنی باپ اگر آپ خود پرورش کرنا چاہے، اور ماں آپ پرورش کرنا چاہے، تو ماں ہی پرورش کرے گی، اور اگر ماں پرورش کرنے سے انکار کرے، تو ماں خواہ مخواہ پرورش کرنے پر مجبور نہیں کی جاوے گی، اور گنہ گار بھی نہیں ہوگی، ہاں اگر باپ سے لڑکے کی پرورش نہیں ہو سکتی، اور کوئی دوسرا پرورش کرنے والا نہیں ہے، تو اس صورت میں ماں پرورش کرنے پر مجبور کی جاوے گی، اور اس صورت میں اگر پرورش سے انکار کرے گی، تو گنہ گار ہوگی، شرح وقایہ میں ہے۔ والحضانۃ[1] للام بلا جبرها طلقت اولا اور حاشیہ شرح وقایہ میں ہے قولہ بلا جبرها ای لا تجبر الام علی الحضانۃ ان ابت منها لانها عست ان تكون عاجزة عنها فان اذا لم يكن للولد حاضنة سواها تجبر عليها لئلا يفوت حق الولد كذا في النهاية انتهى۔ اور روضۃ الندیہ صفحہ ۲۳۷ میں ہے

---

[1] پرورش ماں کے ذمہ ہوگی لیکن مجبور کر کے نہیں، خواہ اسے طلاق ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو ۱۲

[2] ماں اگر پرورش سے انکار کر دے تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ عاجز ہو، ہاں اگر اس کی پرورش کرنے والی عورت نہ ملے تو اس کو مجبور کیا جائے گا، تاکہ بچے کے حقوق ضائع نہ ہوں ۱۲

اولٰی[1] بالطفل امہ مالم تنکح لحدیث عبد اللہ بن عمرو ان امرأۃ قالت یارسول اللہ ان ابنی ھذا کان بطنی لہ وعاء وحجری لہ حواء وثدیی لہ سقاء وزعم ابوہ انہ ینزعہ منی فقال انت احق بہ مالم تنکحی اخرجہ احمد وابو داؤد والبیھقی والحاکم وصححہ وقد[2] وقع الاجماع علی ان الام اولی بالطفل من الاب انتہی، اور دودھ پلانا بھی ماں پر فرض نہیں ہے، مگر جب کہ کوئی دودھ پلانے والی نہ ملے، یا لڑکا بجز ماں کے کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پیوے تو اس صورت میں ماں پر دودھ پلانا فرض ہے، اس صورت میں اگر دودھ نہ پلاوے گی، تو گنہ گار ہوگی، شرح وقایہ میں ہے۔ ولیس[3] علی امہ ارضاعہ الا اذا تعینت بان لا یوجد من ترضعہ او لا یشرب لبن غیرھا واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ حررہ احمد عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دی، اور ایک لڑکی بعمر نو سال کی ہے، اب وہ کس کو پہنچتی ہے، باپ کو یا ماں کو، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ دختر جب تک نابالغ ہے پاس ماں کے رہے گی، بعد اس کے باپ کے پاس، بعد بالغ ہونے کے ماں روک نہیں سکتی۔ کذا فی کتب الفقہ، واللہ تعالٰی اعلم۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ فدوی عبد الکریم وعبد الرحیم بیچ خدمت علمائے دین کے عرض کرتے ہیں، کہ منشی محمد حسینی مرحوم والد ہمارے تھے، اور جناب والد مغفور نے اقرار کیا، کہ یہ عبد الرحیم اور عبد الکریم دونوں بیٹے ہمارے ہیں، اور ان کے اس اقرار کے صدہا آدمی ثقہ واقف اور مطلع ہیں، اور تا عین حیات اپنی پرورش ہماری مثل اور فرزند محل ادائے کرتے رہے اب والد مرحوم کا انتقال ہو گیا، تو ان کی زوجہ اولے کے پسران میراث پدری سے ہم کو خارج

---

[1] جب تک نکاح نہ کرلے بچے کی زیادہ حقدار ماں ہے، ایک عورت نے کہا تھا اے اللہ کے رسول یہ میرا بیٹا ہے، میرا پیٹ اس کا برتن رہا میری گود اس کا بچھونا تھی، میری چھاتیاں اس کی مشک تھیں اور اب اس کا باپ اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے آپ نے فرمایا جب تو نکاح نہ کرے، تیرا زیادہ حق ہے، احمد ابوداؤد، ترمذی اور حاکم نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے ۱۲ [2] اس پر اجماع ہے کہ ماں باپ کی نسبت بچے کی زیادہ حقدار ہے ۱۲ [3] ماں پر بچے کو دودھ پلانا فرض نہیں ہے، مگر اس صورت میں کہ کوئی اور دودھ پلانے والی نہ مل سکے یا بچہ کسی اور کا دودھ نہ پیئے ۱۲

کرتے ہیں، پس دریں صورت حکم شرع شریف کا جو کچھ کہ ہو ارشاد فرماویں موجب اجر عظیم کا ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت کہ منشی محمد حسینی مرحوم نے برملا اقرار کیا، کہ یہ دونوں ہمارے بیٹے ہیں، تو اقرار ان کا مقبول ہوگا شرعاً خواہ بیماری میں اقرار کیا ہو خواہ صحت میں، اور یہ دونوں پسر منشی مقر مرحوم کے مثل اور اولاد کے مستحق اور مشارک میراث پدری کے بلا ریب ہوں گے۔ وان[1] اقر رجل بغلام مجهول النسب يولد مثله اى مثل هذا الغلام لمثله اى مثل هذا المريض انه ابنه وصدقه اى المقر الغلام قيد به لان المسئلة فى الغلام المعبر عن نفسه يثبت نسبه لانه من الحوائج الاصلية ولا تهمة فيه ولو كان المقر فى حال اقراره مريضا ديشارك اى الغلام الورثة فى الميراث لانه من ضرورات ثبوت النسب انتهى ما فى الكنز والعينى۔ وان اقر لغلام مجهول النسب يولد مثله لمثله انه ابنه وصدقه الغلام لو مميزا ثبت نسبه ولو كان المقر مريضا و اذا ثبت شارك الغلام الورثة انتهى ما فى تنوير الابصار والدر المختار والهداية۔ انه اذا اقر بالدين مثلا فالابن المقر له يرث مع سائر ورثة المقر وان جحد سائر الورثة نسبه ويرث ايضا من اب المقر وهو جد المقر له وان جحد الجد نسبه كذا فى الفتاوى العالمگيرية۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ الراقم سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ زید ایک پسر صغیر ہشت سالہ اور ایک پسر بالغ چھوڑ کر مر گیا، اور زوجہ زید حیات ہے، اب درحق ولایت نکاح و حضانت اس کی کے کیا حکم ہے، اور کون مستحق ولایت و حضانت اس کا ہو سکتا ہے، پسر ہشت سالہ کا بڑا بھائی یا اس کی ماں، اور ترکہ پسر مذکور کا کس کے پاس امانت رکھا جاوے۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے کہ ولایت نکاح پسر صغیر کی اس کے

---

[1] اگر کوئی آدمی کسی مجہول النسب لڑکے کے متعلق اقرار کرے کہ یہ میرا لڑکا ہے، اور ان کی عمروں میں واقعی اتنا فرق ہو کہ وہ اس کا لڑکا بن سکتا ہو، اور وہ لڑکا بھی اس کی تصدیق کرے، اور اقرار کرنے والا اقرار کے وقت بیمار ہو تو اس کی موت کی صورت میں لڑکا بھی اس کا وارث ہوگا، کیونکہ یہ ثبوت نسب کا لازمی نتیجہ ہے، کنز، عینی، تنویر الابصار، درمختار، ہدایہ، عالمگیری میں اسی طرح ہے ۱۲

بڑے بھائی کو ہے، اور چونکہ وہ پسر صغیر ہشت سالہ ہے، اس لئے حد حضانت ماں سے خارج ہو گیا، ماں اس کی اب پرورش کی مستحق نہیں ہے، اب اس کی تعلیم و تربیت کا مستحق اس کا بڑا بھائی ہے۔ واذا استغنى الولد عن واحدة منهن فالاولى اقربهم تعصيبا فالاب ثم الجد ثم الاخ فالاقرب كما في الاختيار هكذا في الفهنانى د الهندية والدر المختار وغيرها من كتب الفقه۔ اور ترکہ پسر صغیر کا کسی امین معتبر کے پاس سپرد کر دینا چاہیئے پس اگر بھائی اور ماں امین و دیندار ہوشیار ہوں تو احق ہیں غیروں سے شرعاً، اصل ولایت مال صغیر کی باپ کو پھر وصی اس کے کو پھر دادا کو پھر وصی دادا کو، پھر والی و حاکم کو، پھر قاضی کو پہنچتی ہے، اور اس دیار میں قاضی وغیرہ پائے نہیں جاتے، تو نزدیک کسی شخص دیانت دار امانت کے رکھنا چاہیئے اگر ماں اور بھائی ثقہ اور امین ہوں تو غیروں سے اولیٰ ہیں، باعتبار حفاظت مال صبی کے جیسا کہ کتب فقہ سے مستفاد ہوتا ہے، واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب، حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بچہ ہے عمر تین سال کا اور اس بچہ کی ماں فوت ہو گئی ہے اور بچہ کا باپ، دادا، اور دادی اور نانا نانی یہ سب حیات ہیں اور بچہ دادا، دادی سے ایسا ہلا ہوا ہے، کہ اگر ان سے جدا کیا جاوے، اور اس بچہ کو نانا اور نانی کے پاس بھیج دیں، تو اغلب یقین ہے، کہ مفارقت دادا و دادی سے وہ بچہ بیمار ہو جاوے یہاں تک کہ جان کا بھی خوف ہے، اب علمائے دین سے گذارش ہے کہ اس حالت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے، کہ وہ لڑکا کس کے پاس رہ سکتا ہے، کون پرورش کا مستحق ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح ہو کہ بچے کی پرورش میں جب تک کہ وہ بہت چھوٹا ہے یعنی دودھ پیتا ہو یا دودھ کے زمانہ کے لگ بھگ تخمیناً دو تین برس تک تو سب سے زیادہ اور مقدم ماں کا حق ہے جیسا کہ آیت والوالدات یرضعن اولادھن (سورہ بقرہ رکوع ۳۰) اور آیت وان[3] تعاسرتم فسترضع له اخرى (سورہ طلاق رکوع ۱)

---

[1] جب بچہ ماں کی تربیت سے بے نیاز ہو جائے، تو اس کا سب سے زیادہ حق دار سب سے قریبی عصبہ ہوگا پہلے باپ پھر دادا پھر بھائی یعنی الاقرب فالاقرب ۱۲ [2] اور مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں ۱۲ [3] اگر تم اس میں تنگی محسوس کرو، تو کوئی اور عورت دودھ پلائے گی

سے ثابت ہوتا ہے، اور ابوداؤد و بیہقی اور حاکم وغیرہ میں روایت کیا ہے، کہ ایک عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دی، اور چاہا کہ بچہ کو اس سے جدا کر لے، جب اس کا مقدمہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا، تو آپ نے عورت سے فرمایا کہ جب تک تو دوسری جگہ نکاح نہ کرے، تب تک اس کی پرورش میں تیرا حق مقدم ہے، اور اس حدیث کو حاکم نے صحیح کہا ہے، اور ائمہ حدیث و فقہ نے اس حدیث کو قبول کیا ہے، دیکھو نیل الاوطار جلد ششم صفحہ ۲۶۷ و ۲۶۸۔ ہاں اگر ماں اپنے بچے کو رکھنا نہ چاہے، تو بچے کے باپ کو اختیار ہے، کہ جس کے پاس چاہے، بچے کو پرورش کرا دے، جیسا کہ دونوں آیتوں اور اس حدیث سے پایا جاتا ہے، یہ مسئلہ تو اولویت کا ہے یعنی اولٰے و افضل بات تو یوں ہے، کہ اس طور پر عمل کیا جاوے، اور جواز کا مسئلہ یوں ہے، کہ باپ مختار ہے، ماں کی مرضی نہ بھی ہو تا ہم وہ اپنے بچے کو اس سے جدا کر لے، اور کسی سے پرورش کرا دے، جیسا کہ آیت وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم الخ سورہ بقرہ رکوع ۳۰ سے پایا جاتا ہے، اور حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں ہے، کہ ایک باپ اور ماں کا ایک بچہ کے بارے میں جھگڑا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ قرعہ ڈالو جس کے نام پر آوے، یہ بچہ اس کے ساتھ ہو رہے، اور ایک روایت میں آیا ہے، کہ آپ نے بچے سے فرمایا، کہ یہ تیرا باپ ہے، اور یہ تیری ماں ہے، تو جس کے پاس رہنا چاہے، اس کا ہاتھ پکڑ لے، بچہ نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا، آپ نے اسی کو دلا دیا، نیل الاوطار جلد ششم صفحہ ۲۷ وغیرہ، اور یہ سب حدیثیں بھی صحیح ہیں۔ ان سب روایتوں اور آیتوں میں اختلاف یا ناسخ منسوخ نہیں ہے، بلکہ مطابقت اس طور سے ہے، کہ اولٰے یوں ہے کہ ماں کی پرورش میں دیا جاوے، اور جائز یوں بھی ہے، کہ باپ اپنے اختیار اور مرضی سے جس سے چاہے پرورش کرا لے، اور پچھلی حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہے، کہ وہ بچہ جس جگہ رہنے میں راضی رہے، اس کو دیا جاوے، سو یہ بحث تو اس صورت میں ہے، کہ جب ماں اور باپ موجود ہوں، اور دونوں میں جھگڑا ہو، اور سوال ہذا میں یہ صورت نہیں، بلکہ یہ صورت ہے، کہ بچہ کی ماں موجود نہیں ہے، باپ اور دادا، اور دادی، اور نانا اور نانی موجود ہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ میں یہ جواب ہے کہ ماں کے بعد سب سے زائد حق باپ کا اولٰے اور مقدم ہے، باپ کے ہوتے ہوئے کسی کو یہ منصب نہیں، کہ اپنا حق پیش کرے، پس اس بچے کا باپ جس کے

لے اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلانا چاہو الآیۃ ۱۲

پاس چلا ہے پرورش کراوے، مگر حسب حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے باپ کو مناسب ہے کہ بچے کو دادی کے پاس رکھے کیونکہ بچہ اپنی دادی سے ہلا ہوا ہے، یہ اس کی رضا اور خوشی ہے اور بچہ کی رضا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدم کیا ہے، واللہ تعالےٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ حررہ حمید اللہ عفی عنہ، ساکن قصبہ سراوہ، ضلع میرٹھ، ۶ ذیقعدہ ۱۳۱۶ھ

بعد ماں کے گو نانی کا حق ہے، مگر صورت مسئولہ میں دادی کی پرورش انسب ہے۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ہندہ زوجہ خالد متوفی نے بعد وفات اپنے شوہر یعنے خالد کے اول عمر کے نکاح کیا، اور پھر اس سے خلع کرا کر ایک اجنبی شخص مسمی ولید سے نکاح کیا، اور خالد سے جو اولاد صغار باقی رہی، وہ ابھی ہندہ کے پاس رہتی ہے اور ان بچوں کا ایک بھائی یعنے جو بسبب بالغ ہونے کے اپنی ماں سے جدا رہتا ہے اور دوسرا بھائی علاتی موجود ہے، اس صورت میں ہندہ اپنے بچوں کی ولایت کا استحقاق رکھتی ہے یا نہیں اور در صورت لینے کہ اس کو ان کی ولایت کا استحقاق نہ ہو ان دونوں بھائیوں میں سے کسی کو ان کی حضانت کا استحقاق پہنچتا ہے، یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ در صورت مرقومہ مسماۃ ہندہ بہ سبب نکاح کرنے ساتھ شخص غیر محرم صغیر کے از روئے شریعت مصطفویہ کے ان صغیر بچوں کی ولایت کا استحقاق نہیں رکھتی یعنی جب ہندہ نے شخص اجنبی سے نکاح اپنا کر لیا، تو ولایت حضانت اور پرورش کی اس سے ساقط ہو گئی شرعاً، بعد ازاں نانی، پھر دادی مستحق حضانت کی ہیں، اور جو نانی، دادی و بہن وغیرہ نہ ہو، تو ولایت حضانت عصبہ کی طرف ثابت ہو گی پس عصبہ میں در صورت سوال برادر حقیقی ولایت ان صغیر بچوں کی رکھتا ہے اور جو برادر حقیقی نہ ہو تو برادر علاتی یعنی بھائی سوتیلا مستحق ولایت صغیر کا ہو گا۔ فالام احق بالولد لما روی ان امراۃ قالت یا رسول اللہ ان ابنی ھذا کان بطنی له وعاء وحجری له حواء وثدیی له سقاء وزعم ابوه انه ینزعه منی فقال علیه السلام انت احق به ما لم تتزوجی وکل من تزوجت من ھؤلاء

لہ تو ماں بچے کی زیادہ حقدار ہوگی، کیونکہ روایت کیا گیا ہے، کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ یہ میرا بیٹا ہے، میرا پیٹ اس کا برتن تھا، میری گود اس کا گھونسلا تھی، میری چھاتیاں اس کی مشک تھیں اور اب اس کا باپ مجھ سے اس کو چھیننا چاہتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تک تو نکاح نہ کرے تو اس کی زیادہ حقدار ہے، اور جو مائیں

سقط حقہا لما روینا ولان زوج الام اذا کان اجنبیا یعطیہ نزرا وینظر الیہ شزرا فلا نظر فان لم یکن للصبی امرأۃ من اہلہ واختصم فیہ الرجال فاولٰہم اقربہم تعصیبا لان الولایۃ للاقرب وقد عرف الترتیب فی موضعہ کذا فی الہدایۃ وغیرہا من کتب الفقہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ ۲۱ ربیع الاول ۱۲۸۸ھ

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ:۔ حد بلوغت جاریہ کی نزدیک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے سترہ برس ہیں اور دیگر ائمہ کے نزدیک پندرہ برس ہیں لیکن فتوے اوپر پندرہ برس کے ہے اور یہی صحیح ہے۔ فقط حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق:۔ بالغ ہونا لڑکے کا احتلام اور انزال سے اور بالغ ہونا لڑکی کا احتلام او حیض سے ثابت ہوتا ہے اور اگر یہ علامتیں نہ پائی جائیں تو حد بلوغت لڑکے اور لڑکی دونوں کی پندرہ برس ہے اسی پر فتوے ہے مذہب حنفی میں اور یہی بات حدیث سے ثابت ہے، اور یہی مذہب ہے امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد وغیرہم کا اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حد بلوغت لڑکے کی در صورت نہ پائے جانے کسی علامت کے اٹھارہ برس ہے اور لڑکی کی سترہ برس مگر یہ بات صحیح نہیں ہے اسی وجہ سے فقہائے حنفیہ نے بھی اس کو اختیار نہیں کیا مشکوۃ شریف میں ہے۔ عن ابن عمر قال عرضت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام احد وانا ابن اربع عشرۃ سنۃ فردنی ثم عرضت علیہ یوم الخندق وانا ابن خمس عشرۃ سنۃ فاجازنی فقال عمر بن عبد العزیز ھذا الفرق بین المقاتلۃ والذریۃ متفق علیہ۔ بلوغ المرام میں ہے۔ بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والجاریۃ بالاحتلام والحیض والحبل فان لم یوجد فیہما شیئ فحتی

بیرے نکاح کرے گی اس کا حق ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس کا خاوند تو اس بچے کو ترچھی نگاہوں سے دیکھے گا اگر بچے کے خاندان میں کوئی ایسی عورت نہ ہو اور مردوں کا اس میں جھگڑا ہو تو سب سے زیادہ قریبی عصبہ اس کا وارث ہوگا کیونکہ ولایت کا حق قریبی کو پہنچتا ہے اور ترتیب اپنے مقام میں معلوم ہو چکی ہے ۱۲ ؎ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ جنگ احد کے دن میری عمر چودہ برس کی تھی مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے جنگ میں مجھے نہ لیا پھر خندق کی جنگ میں میری عمر پندرہ برس تھی آپ نے مجھ کو جنگ میں شامل ہونے کی اجازت دے دی عمر بن عبدالعزیز نے کہا، بچے اور جنگی سپاہی میں یہ حد فاصل ہے (مشکوۃ) ؎۲ بچہ کا بالغ ہونا احتلام، انزال، اور

يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى وادنى مدته له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنين لقصر اعمار اهل زماننا ردالمحتار صفحہ ۸۴۴ جلد ۵ میں ہے قوله به يفتى هذا عندهما وهو رواية عن الامام وبه قالت الائمة الثلاثة وعند الامام حتى يتم له ثماني عشرة سنة ولها سبع عشرة سنة۔ قوله لقصر اعمار اهل زماننا وكان ابن عمر رضي الله عنه عرض على النبي صلى الله عليه وسلم يوم احد وسنه اربع عشرة فرده ثم يوم الخندق وسنه خمس عشرة فقبله انتهى۔ والله اعلم۔ كتبه محمد عبد الرحمن المباركفوري عفا الله عنه

حمل کرنے سے معلوم ہوگا، اور لڑکا احتلام، حیض اور حمل ہونے سے، اگر ان میں سے کوئی چیز نہ ہو تو دونوں کی پندرہ سال کی مدت ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے اور بلوغ کی ادنیٰ مدت لڑکے کے لئے بارہ سال اور لڑکی کے لئے نو سال ہے کیونکہ ہمارے زمانے میں عمریں بہت کم ہیں ۱۲

لہ اسی پر فتویٰ ہے یہ صاحبین کے نزدیک ہے اور امام ابوحنیفہ کی ایک روایت اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب بھی یہی ہے، اور امام مالک کے نزدیک لڑکے کے لئے بارہ سال، اور لڑکی کے لئے سات سال، کیونکہ ہمارے زمانے میں عمریں کم ہیں، اس پر ابن عمر کی حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ آپ کو جنگ احد میں چودہ سال کی عمر میں نہ لیا گیا، اور جنگ خندق میں پندرہ سال کی عمر میں لے لیا گیا ۱۲

کتاب الرضاع

سوال:۔ دو عورتیں جو آپس میں حقیقی بہنیں ہیں، ایک بہن نے اپنے ایک حقیقی بھائی کو دودھ پلایا، اور دوسری بہن نے کسی اجنبی کو دودھ پلایا، اب دونوں میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:۔ سوال کے دیکھنے سے ہر دو لڑکا لڑکی میں دو قسم کی قرابت اور دو رشتے معلوم ہوتے ہیں، مثلاً لڑکے نے جو اپنی بہن کا دودھ پیا، تو دودھ پلانے والی عورت کی دوسری بہن لڑکے کی خالہ ہو گئی، اور بہن ثانی کا جس لڑکی نے دودھ پیا، اس لڑکے کی خلیری بہن ہوئی، اور اگر یوں کہا جائے، کہ بہن ثانی بہن ہی قرار دی جائے، اور وہ رضیعہ (لڑکی) اس کی بیٹی کہی جاوے، تو وہ لڑکی اس لڑکے کی بھانجی قرار پاوے گی، تو ایک رشتہ سے خالہ زاد بہن بھائی ہوئے، اور دوسرے رشتہ سے ماموں بھانجی کا رشتہ ہوا، صورت اولیٰ میں تو ان دونوں میں نکاح بلا شبہ ہو سکتا ہے، اور اس میں کسی کا خلاف نہیں ہے، رہی صورت دوم تو سارے محققین و جمہور صحابہ و تابعین اور اکثر مجتہدین کا یہی مسلک ہے کہ اس لڑکی و لڑکے میں عقد مناکحت خلاف احادیث صحیحہ و براہین قاطعہ و حجج ساطعہ ہوگا، یعنی ان دونوں میں نکاح کا کچھ واسطہ نہ ہوگا، تفاسیر و شروح اقوال رسول بشیر و نذیر کے اوپر نظر غائر ڈالنے سے صاف صاف مذہب جماہیر کا ثابت و مدلل معلوم ہوتا ہے، اور اکثر کتابیں، بلکہ ساری کتابوں کے باری باری دیکھنے سے اس مسئلہ میں کسی کا خلاف اور کچھ اختلاف معلوم نہیں ہوتا ہے، مگر شارح مسلم امام نووی علیہ الرحمۃ نے مسلم کی شرح میں اہل ظواہر اور جماہیر علماء میں اختلاف اور خلاف نقل کیا ہے، اور ان کے دلائل انہوں نے درج کتاب کئے ہیں جن کو عنقریب تحریر کرتا ہوں ابھی چند تفسیروں کی اور حدیثوں کی عبارات دلیل میں دعوئے جمہور کے نقل کئے دیتا ہوں مسلم

کتاب بلاشک وریب مفاتیح الغیب صفحہ ۱۷۲ جلد ۳ میں امام محمد فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ بذیل آیت امھاتکم اللتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ یوں تحریر فرماتے ہیں (المسئلۃ الثانیۃ) انہ تعالی نص فی ھذہ الحالۃ علی حرمۃ الامھات والاخوات من جھۃ الرضاعۃ الا ان الحرمۃ غیر مقصورۃ علیھن لانہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب انتہی۔ ترجمہ اس آیت میں باری تعالیٰ نے ماں بہن رضاعی کی حرمت نصی (حکم) بیان فرمایا لیکن (مخفی نہ رہے) کہ حرمت فقط رضاعی ماں بہن پر ہی موقوف نہیں (بلکہ ان کی اولاد میں بھی یہی حکم ہے) کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو (عورت) نسب کی رو سے حرام ہے، وہ (عورت) رضاعت کی جہت سے بھی حرام ہے، انتہی، اور راس الاحناف قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ الباری نے اپنی کتاب تفسیر مظہری میں اسی آیت کے تحت میں یوں فرمایا ہے۔ کذا العمات والخالات وبنات الاخ وبنات الاخت من الرضاعۃ اجماعا لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔ انتہی، ترجمہ۔ جو حکم ماں بہن رضاعی کا ہے، وہی حکم پھوپھی خالہ بھتیجی بھانجی رضاعی کا ہے اجماعا بحسب قول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ جو (عورت) حرام ہوتی ہے نسب کے رو سے وہ (عورت) رضاعت کی جہت سے بھی حرام ہے۔ اور امام احمد بن محمد بن خطیب قسطلانی صفحہ ۴۴۲ میں بذیل لفظ حدیث یوں فرمایا ہے۔ تحرم من الرضاعۃ ما تحرم من الولادۃ من تحریم النکاح ابتداء ودواما وانتشار الحرمۃ بین الرضیع واولاد المرضعۃ فیحرم علیھا ھو ویحرم علیھا فرعہ من النسب والرضاع انتہی۔ ترجمہ جو عورت بہ سبب نسب کے حرام ہوتی ہے، وہ عورت بہ سبب رضاع کے بھی حرام ہوتی ہے بہ سبب تحریم نکاح ابدی ودوامی کے اور بوجہ پھیل جانے حرمت کے مابین رضیع (دودھ پینے والا) اور اولاد مرضعہ (دودھ پلانے والی) کے تو خود وہ لڑکا بھی اس پر حرام ہو جاوے گا، اور اس کی اولاد بھی جو من جہۃ الرضاعت والنسب ہو وہ بھی حرام ہو جاوے گی، ان سب کتابوں کی عبارتوں سے دعوے ومسلک مجوز کا ثابت ہے، اب امام نووی کی محررہ عبارت صفحہ ۴۶۶ نقل کرتا ہوں۔ اجمعت الامۃ علی ثبوتھا بین الرضیع والمرضعۃ وانہ یصیر ابنھا یحرم علیہ نکاحھا ابدا واجمعوا ایضا علی انتشار الحرمۃ

بین المرضعة واولاد الرضیع وبین الرضیع واولاد المرضعة فانہ فی ذلك کولد ھا من النسب انتہی۔ ترجمہ۔ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ درمیان رضیع اور مرضعہ کے نکاح حرام ہے، اور یہ کہ وہ لڑکا مرضعہ کا بیٹا ہو جاتا ہے اس سے نکاح ابدا حرام ہے، اور نیز اجماع ہوا ہے اس پر کہ اس کی حرمت پھیل جاتی ہے درمیان مرضعہ واولاد رضیع کے، اور درمیان رضیع واولاد مرضعہ کے کیونکہ وہ رضیع گویا نسب کی جہت سے اس کا بیٹا ہے، اس کے بعد یوں فرماتے ہیں صفحہ ۴۶۶ ولم یخالف فی ھذا الا اھل الظاھر وابن علیة فقالوا لا تثبت حرمة الرضاعة بین الرجل والرضیع ونقله المازری عن ابن عمر وعائشة واحتجوا بقوله تعالی وامھاتکم اللتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة ولم یذکر البنت ولا العمة کما ذکرھما فی النسب یعنی اس مسئلہ میں بجز اہل ظاہر وابن علیہ کے اور کوئی مخالف نہیں ہوا اور انہوں نے کہا کہ رضاعت کی حرمت مرد اور رضیع کے درمیان ثابت نہیں ہے، اور اس کو مازری نے ابن عمر وعائشہؓ سے نقل کیا ہے، ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے قول وامّھاتکم اللتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بنت اور عمہ کا ذکر نہیں کیا، جیسا کہ ان دونوں کو نسب میں ذکر کیا ہے، الحاصل جمہور فقہاء واکثر علماء مجتہدین ومحدثین محققین کے نزدیک ان دونوں میں نکاح صحیح نہیں ہوگا، اور بعض علماء کے نزدیک مثل اہل ظواہر کے نکاح مابین دونوں کے صحیح ہوگا، واللہ اعلم وعلمہ اتم وحکمہ اکرم۔ حررہ عبد اللہ گیلانوی، بتاریخ ۹ ماہ ربیع الثانی روز چہار شنبہ ۱۳۰۲ھ

میں نے سائل کے سوال کو بغور وفکر صاف صاف سنا، اور مولانا شیخ محمد عبد اللہ صاحب دامت فیوضہ کے جواب باصواب کو بغور وفکر دیکھا مولانا نے ماشاء اللہ اس مسئلہ کی تصریح کماینبغی برائے تفہیم ہر ذکی وغبی اس تھوڑی سی تحریر بے نظیر میں کر دی ہے، اب اس کے بعد کسی کی یہ طاقت نہیں ہے، کہ مولانا المجیب کے خلاف میں کچھ تقریر بے توقیر لکھ سکے، بجز اس کے کہ حضرت مجیب فیض وبرکت کے قول کی تصدیق کرے کوئی چارہ نہیں ہے، کیونکہ مفتی نے مستفتی کے سوال کا جواب بطور انصاف بدون خلاف واختلاف صاف صاف تحریر فرمایا ہے، عینی بھانجی کا نکاح میں لانا نص قرآنی ودبنات

۱؎ اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے، اور تمہاری دودھ کی بہنیں ۱۲

الاخت) حرام ہے رہی رضاعی بھانجی، تو ایک اہل ظواہر کے نزدیک اس سے نکاح حلال ہے، ہاں امام نووی نے اہل ظواہر و ابن علیہ کا مسئلہ ہذا میں جمہور سے خلاف ہونا نقل کیا ہے اور اس میں کل مخالفین محققین صحابہ و تابعین کا ذکر نہیں کیا ہے، اس لئے میں ان کا ذکر کئے دیتا ہوں۔ قال[1] الشیخ شمس الحق المجتهد المطلق بعون الرب الودود فی شرح سنن ابی داؤد المسمی بعون المعبود وقد خالف فی ذلک ابن عمر و ابن الزبیر و رافع بن خدیج و عائشة و جماعة من التابعین و ابن المنذر و داؤد و اتباعه یہ تو سب کچھ ہوا، مگر یہ ہم نے نہیں لکھا، کہ اگر مسائل ظاہریہ و الصحابہ و الصحابیہ حضرت عائشہ کے فتوے پر خیال کر کے نکاح کر لیا جاوے، تو گنہ گار ہوگا یا نہیں تو یہ امر بحث طلب ہے، اگر ظاہریہ پر یہ اعتراض کیا جاوے، کہ یہاں احادیث صحیحہ دربارہ حرمت رضاعت کے موجود ہیں، اور تم اس کے خلاف میں قرآن کی آیت سے دلیل پکڑتے ہو، تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو نہ سمجھا تھا، تو ہم اس کا یوں جواب دیں گے، کہ عیاذاً باللہ حدیث حرمت رضاعت کی جس طرح عام نہیں ہے، اسی طور سے آیت عموم پر دلالت نہیں کرتی اور ہم کہتے ہیں، کہ حدیث یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب کا مطلب یہ ہے کہ جو عورت نسب سے حرام ہوتی ہے، وہ عورت رضاعت سے بھی حرام ہو جاتی ہے اور اہل ظواہر کا دعوے اس سے ثابت ہے، کیونکہ وہ لفظ "ما" کو عام نہیں بلکہ دو چیزوں میں خاص کر لیتے ہیں، وہ یوں کہ یہ تو ظاہر ہے، کہ ماں اور بہن نسبی صاف طور سے حرام ہیں، تو جیسے یہ دونوں یعنی دونوں ماں بہن نسب کی رو سے حرام ہیں، ویسے ہی ماں، بہن رضاعت کی جہت سے بھی حرام ہے۔ وهذا[2] تطبيق للحديث والقرآن وينبغي للناظر ان ينظره بالامعان لان لفظ ما لا يكون عاما ابدا ابدا، يكون في كثير من المقامات خاصا كما في علمك ما لم تعلم وعلم الانسان ما لم يعلم. تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض اس حدیث کے بیان کرنے سے یہی ہے، کہ حرمت رضاعت اسی درجہ

---

[1] اور اس کی مخالفت کی ہے ابن عمر، ابن زبیر، رافع بن خدیج، حضرت عائشہ اور تابعین کی ایک جماعت اور ابن منذر اور داؤد اور اس کے اتباع نے ۱۲

[2] یہ قرآن اور حدیث میں تطبیق ہے، دیکھنے والے کو غور سے دیکھنا چاہیئے، کیونکہ لفظ "ما" ہمیشہ عام ہی نہیں ہوتا، بلکہ کئی مقامات پر خاص ہوتا ہے جیسا سکھایا تجھ کو جو کچھ کہ تو نہیں جانتا تھا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا ۱۲

کی ہے، کہ حرمت نسب جس درجہ کی ہے۔ والا فیلزم ان عائشۃ وابن عمر وابن الزبیر ورافع بن خدیج خالفوا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاشا وکلا پس ظاہر ہوا کہ آنحضرت نبی کریم کی غرض وہی ہے، جو اہل ظواہر نے سمجھی تو اگر کسی نے ایسا کر لیا تو قابل ملام نہیں ہے۔ کانہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ تو اگر کوئی شخص نکاح کر چکا تو بموجب مسلک بعض صحابہ کے نکاح صحیح ہو گیا۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

ابو تراب محمد عبد الرحمن گیلانی

صورت مسئولہ میں نکاح بالاجماع جائز نہیں ہے کیونکہ درمیان اس لڑکے اور اس لڑکی کے ماموں بھانجی کا رشتہ ہے اور جیسے نسبی رضاعی ماموں بھانجی کے درمیان نکاح حرام ہے، اسی طرح رضاعی ماموں بھانجی کے بھی نکاح حرام ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، علمائے ظاہر اور ابن علیہ وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ درمیان رضاعی ماموں بھانجی کے نکاح جائز نہیں، امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں۔ وھذہ الاحادیث متفقۃ علی ثبوت حرمۃ الرضاع واجمعت الامۃ علی ثبوتھا بین الرضیع والمرضعۃ (الی قولہ) واجمعوا ایضا علی انتشار الحرمۃ بین المرضعۃ واولاد الرضیع وبین الرضیع واولاد المرضعۃ انہ فی ذلک کولدھا من النسب لھذہ الاحادیث انتہی۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں قولہ الرضاعۃ تحرم ما تحرم الولادۃ ای وتبیح ما تبیح وھو بالاجماع فیما یتعلق بتحریم النکاح وتوابعہ وانتشار الحرمۃ بین الرضیع واولاد المرضعۃ (الی قولہ) وقد وقع عند

لہ ورنہ لازم آئے گا، کہ حضرت عائشہ، ابن عمر، ابن زبیر اور رافع بن خدیج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی مخالفت کی ۱۲ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کے ساتھ بھی اقتدا کرو گے، ہدایت پا جاؤ گے ۱۲ سے یہ احادیث متفق ہیں، کہ دودھ سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور امت کا اجماع ہے کہ دودھ پینے والے اور دودھ پلانے والی ماں کے درمیان حرمت ثابت ہے، اور اس پر بھی اتفاق ہے، کہ یہ حرمت رضیع (دودھ پینے والے) اور مرضعہ (دودھ پلانے والی) کی اولاد میں اور مرضعہ اور رضیع کی اولاد میں بھی پھیلتی ہے، اور اس معاملہ میں اس کے نسبی بچہ کی طرح ہے ۱۲ کے دودھ سے وہ تمام رشتے حرام ہو جائیں گے جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں اور وہ حلال ہوں گے جو ولادت سے حلال ہوتے ہیں اور اس پر اتفاق ہے اور رضیع اور مرضعہ کی اولاد میں بھی حرمت پھیلتی ہے اور امام احمد نے حضرت عائشہ سے روایت کیا، کہ دودھ سے وہ

احمد من وجہ اٰخر عن عائشۃ رض یحرم من الرضاع مایحرم من النسب من خال او عم او اخ (فتح الباری) اسی طرح اور کتابوں میں بھی مرقوم ہے، خلاصہ یہ کہ درمیان رضاعی ماموں اور بھانجی کے نکاح کا حرام ہونا متفق علیہ ہے اس میں اختلاف نہیں ہے، اور مجیب اول نے جو یہ لکھا ہے، کہ اکثر کتابوں بلکہ ساری کتابوں کے باری باری دیکھنے سے اس مسئلہ میں کسی کا کچھ خلاف اور اختلاف نہیں معلوم ہوتا، مگر شارح مسلم امام نووی علیہ الرحمۃ نے مسلم کی شرح میں اہل ظواہر اور جماہیر علماء میں خلاف اور اختلاف نقل کیا ہے" سو مجیب اول کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے مجیب اول سے یہاں مسامحہ ہوگیا ہے، اور مسامحہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے امام نووی کی عبارت کو غور سے نہیں دیکھا، بات یہ ہے کہ مابین اہل ظواہر اور جماہیر علماء کے مسئلہ مذکورہ میں کچھ اختلاف نہیں ہے، بلکہ رضاعت کے ایک دوسرے مسئلہ میں اختلاف ہے، اور وہ دوسرا مسئلہ یہ ہے، کہ لبن الفحل سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں، یعنی مرضعہ کے شوہر اور رضیع کے درمیان حرمت ثابت ہوتی ہے یا نہیں، سو جماہیر علماء کا مذہب یہ ہے، کہ حرمت ثابت ہوتی ہے یعنی مرضعہ کا شوہر جس کی وجہ سے مرضعہ کو دودھ ہوا ہے، رضیع کا باپ ہو جاتا ہے، اور رضیع مرضعہ کے شوہر کا رضاعی لڑکا ہو جاتا ہے، اور اس شوہر کی اولاد رضیع کے بہن بھائی ہو جاتے ہیں، اور اس شوہر کے بھائی رضیع کے چچا ہو جاتے ہیں، اور اس شوہر کی بہنیں رضیع کی پھوپھیاں ہو جاتی ہیں، اور رضیع کی اولاد اس شوہر کی اولاد ہو جاتی ہے، یہی مذہب ہے جماہیر علماء کا مگر اہل ظواہر اور ابن علیہ کا یہ قول ہے، کہ درمیان شوہر مرضعہ اور رضیع کے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی، اور علامہ مازری نے حضرت ابن عمر رض اور عائشہ رض کا بھی یہی قول نقل کیا ہے، امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں، واما الرجل المنسوب ذلک اللبن الیہ لکونہ زوج المرأۃ او وطیہا بملک او شبہۃ فمذہبنا ومذہب العلماء کافۃ ثبوت حرمۃ الرضاع بینہ وبین الرضیع ویصیر والدالہ واولاد الرجل اخوۃ الرجل واخواتہ ویکون اخوۃ الرجل اعمام الرضیع واخواتہ عماتہ ویکون اولاد الرضیع اولاد الرجل ولم یخالف فی ھذا الا اھل الظاھر وابن علیۃ فقالوا لا تثبت حرمۃ الرضاع بین الرجل والرضیع ونقلہ المازری عن ابن عمر رض وعائشۃ واحتجوا

تمام رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں، ماموں، چچا، بھائی وغیرہ"

بقولہ تعالیٰ وامھاتکم اللاتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ ولم یذکر البنت والعمۃ کما ذکرھما فی النسب واحتج الجمھور بھذہ الاحادیث الصحیحۃ الصریحۃ فی عمی عائشۃ وعم حفصۃ وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اذنہ فیہ انہ یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من الولادۃ واجابوا عما احتجوا بہ من الاٰیۃ انہ لیس فیھا نص باباحۃ البنت والعمۃ ونحوھما لان ذکر الشیء لا یدل علی سقوط الحکم عما سواہ ولو لم یعارضہ دلیل اٰخر کیف وقد جاءت ھذہ الاحادیث الصحیحۃ انتھی کلام النووی۔ اور یہی مضمون نیل الاوطار کے صفحہ ۲۵۲ جلد ۶ میں اور فتح الباری کے صفحہ ۵ جزو ۲۱ میں مرقوم ہے، اور اسی طرح اور تمامی شروح حدیث میں مرقوم ہے، اور مجیب ثانی سے بھی وہی تسامح ہوا جو مجیب اول سے ہوا ہے سامحھما اللہ تعالیٰ، اور مجیب ثانی سے اور بھی مسامحات اور زلات وقوع میں آئے ہیں، کما لایخفی علی المتامل، اور مجیب ثانی کا آخر میں یہ لکھنا کہ لو اگر کوئی شخص نکاح کر چکا، تو بموجب مسلک بعض صحابہ کے نکاح صحیح ہو گیا سراسر غلط اور بالکل باطل ہے، صورت مسئولہ میں کسی کا مسلک نکاح صحیح ہونے کا نہیں ہے، بلکہ نکاح کا صحیح نہ ہونا متفق علیہ ہے مجیب ثانی کا یہ لکھنا بناء فاسد علی الفاسد ہے۔

واللہ اعلم ۔ کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری، عفا اللہ عنہ | سید محمد نذیر حسین |

سوال:۔ زید نے فاطمہ نام ایک عورت ہمسایہ کی لڑکی سے نکاح کیا، مجیدہ زید کی پہلی بیوی کہتی ہے، کہ میں نے اس لڑکی فاطمہ کو بعد ولادت بکر اپنے بڑے لڑکے کے غائبانہ دودھ پلا دیا تھا، اور صورت یہ ہے، کہ بکر مجیدہ کے میکہ میں پیدا ہوا تھا یعنے اپنے ننہیال میں، اور مجیدہ بعد ولادت بکر کے جب زید کے گھر آئی تھی اس وقت فاطمہ چار پانچ برس کی تھی، پھر فاطمہ اور مجیدہ بارہ برس تک ایک بستی میں رہیں، اور باہم آمد و رفت رہا، مگر مجیدہ نے کبھی نہ فاطمہ سے نہ اور کسی سے اس دودھ کا ذکر کیا، اور نہ کوئی گواہ ہے بلکہ زید اور فاطمہ کی ماں وغیرہ ہمسایہ کی عورتیں اس دودھ سے انکار کرتی ہیں۔

الجواب:۔ سوال سے ظاہر ہوتا ہے، کہ مجیدہ کا مکان دوسرے موضع میں ہے اور فاطمہ کا مکان دوسرے موضع میں جہاں زید کا مکان ہے، اور جب مجیدہ زید کی بستی میں آئی، تو فاطمہ کا سن چار یا پانچ برس کا تھا، تو ایام رضاعت نہ رہا، پس قول مجیدہ صحیح ہو یا غلط، ہر حال میں نکاح زید کا فاطمہ سے صحیح ہے، اور اگر ایام رضاعت کے ہوتے جو باختلاف

مذاہب دو برس یا ڈھائی برس ہیں، تو البتہ زید کو چاہیئے تھا کہ فاطمہ کو چھوڑ دیتا داؤد لیس فلیس دیکھو صحیح بخاری مطبوعہ احمدی ص ۷۶۳۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں نے اپنی ہمشیرہ کا دودھ پورے دنوں کی حد تک پیا ہے اب میری لڑکی کا نکاح میری ہمشیرہ کے لڑکے سے ہوسکتا ہے یا نہیں، اور یہ سولھواں لڑکا ہے اس لڑکے سے جس کے شریک میں نے دودھ پیا ہے، اس میں خدا اور رسول کا کیا حکم ہے؟

الجواب۔ رضیع کی لڑکی مرضعہ کے لڑکے پر حرام ہے، کیونکہ مرضعہ کا لڑکا بسبب رضاعت کے رضیع کی لڑکی کا رضاعی چچا ہے، اور جیسے نسبی چچا سے نکاح حرام ہے، اسی طرح رضاعی چچا سے بھی حرام ہے، صحیح مسلم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اللہ حرم من الرضاعة ما حرم من النسب۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے رضاعت سے اس چیز کو جس کو حرام کیا ہے نسب سے۔ واللہ اعلم۔ حررہ محمد ابراہیم بہاری

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ ہندہ ایک عورت تھی، اس کے ایک لڑکا ہے، اور ہندہ کے بھائی کی بی بی کی ایک لڑکی تھی، اب ہندہ کے لڑکے نے اس کے بھائی کی بی بی کا شاید دو چار منٹ دودھ پیا تھا، اب وہ لڑکا فوت ہوگیا، پھر ہندہ کے یہاں اب دوسرا لڑکا پیدا ہوا، اب اس لڑکے کا نکاح ہندہ کے بھائی کی بی بی کی دختر سے ہوسکتا ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب۔ اب اس لڑکے کا نکاح ہندہ کے بھائی کی بی بی کی دختر سے ہوسکتا ہے، کیونکہ ان دونوں کے درمیان حرمت رضاعت نہیں پائی گئی، ہدایہ میں ہے ویجوز ان یتزوج الرجل باخت اخیہ من الرضاع انتہی۔ واللہ اعلم

حررہ السید عبد الحفیظ عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں علمائے دین کہ دو حقیقی بھائی ہیں، چھوٹے بھائی کی بیٹی ہے، دودھ پیتی ہے، بڑے بھائی کے لڑکے نے اپنی چچی کا دودھ دو تین مرتبہ

لہ اور جائز ہے کہ آدمی اپنے بھائی کی رضاعی بہن سے نکاح کرے ۱۲

پیا ہے، جب کہ اس لڑکے کا سن چار پانچ سال کا ہے، اب قرآن وحدیث سے اگر ان کی نسبت ہو سکتی ہے، تو ممنون فرمایئے گا، ورگرنہ اگر آپس میں نسبت نہیں ہو سکتی ہے تو بھی ممنون فرمایئے گا۔

الجواب : صورت مرقومہ میں درمیان اس لڑکے اور لڑکی کے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوئی، اور نہ یہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہوئے، ان دونوں میں نکاح درست ہے، کیونکہ حرمت رضاعت اسی وقت تک ثابت ہوتی ہے، جب کہ لڑکے دو برس کے سن میں دودھ پئیں، اور دو برس کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ قال اللہ تعالیٰ والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما الرضاعۃ من المجاعۃ متفق علیہ وعن ام سلمۃ رضٖ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایحرم من الرضاع الاما فتق الامعاء وکان قبل الفطام رواہ الترمذی وصححہ ھو والحاکم۔ وعن ابن عباس رضٖ قال لا رضاع الاما انشز العظم الا فی الحولین رواہ الدارقطنی وابن عدی مرفوعا وموقوفا ورجح الموقوف۔ وعن ابن مسعود رضٖ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا رضاع الاما انشز العظم وانبت اللحم اخرجہ ابوداؤد کذا فی بلوغ المرام۔ قال النووی فی شرح صحیح مسلم وذکر مسلم سھلۃ بنت سھیل امرأۃ ابی حذیفۃ وارضاعھا سالما وھو رجل واختلف العلماء فی ھذہ المسئلۃ فقالت عائشۃ وداؤد یثبت حرمۃ الرضاع برضاع البالغ کما یثبت برضاع الطفل بھذا الحدیث رای بحدیث سھلۃ بنت

لہ مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں جس کو پورا دودھ پلانا چاہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رضاعت (دودھ پلانا) بھوک سے ہے (متفق علیہ) اور آپ نے فرمایا وہی دودھ حرمت پیدا کرے گا جو انتڑیوں کو پھیلائے، اور دودھ چھڑانے سے پہلے ہو (ترمذی) ابن عباس کہتے ہیں وہی دودھ معتبر ہے، جو ہڈیوں کو مضبوط کرے، اور دو سال کی مدت کے اندر ہو (دارقطنی) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دودھ وہی ہے جو ہڈیاں مضبوط کرے، اور گوشت پیدا کرے (ابوداؤد کذا فی بلوغ المرام) ابوحذیفہ کی بیوی سہلہ بنت سہیل نے سالم کو جوانی میں دودھ پلایا، اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے، حضرت عائشہ اور داؤد ظاہری قائل ہیں کہ جوان آدمی کو بھی دودھ پلانے سے ویسی ہی حرمت ثابت ہوتی ہے، جیسی چھوٹے بچے کو پلانے سے باقی تمام

سہیل، وقال سائر العلماء من الصحابۃ والتابعین وعلماء الامصار الی الآن لا یثبت الا بارضاع من لہ دون سنتین الا اباحنیفۃ فقال سنتین ونصف وقال زفر ثلاث سنین وعن مالک روایۃ سنتین وایام واحتج الجمہور بقولہ تعالیٰ و الوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین وبالحدیث انما الرضاعۃ من المجاعۃ وباحادیث مشہورۃ وحملوا حدیث سہلۃ علی انہ مختص بہا وبسالم وقد روی مسلم عن ام سلمۃ وسائر ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ھن خالفن عائشۃ رض فی ھذا انتہی کلام النووی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ | ابو العلا محمد عبد الرحمن

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عباس وعمر دونوں بھائی ہیں عمر کی زوجہ مسماۃ ہندہ نے اپنی بیٹی مسماۃ صفیہ کے ساتھ عباس کے بیٹے عثمان کو دودھ پلایا ہے اس صورت میں عمر کی اور لڑکیاں زینب وکلثوم وآمنہ جو ماسوائے صفیہ کے ہیں اور مسماۃ ہندہ کے بطن سے ہیں یہ سب عثمان پر حرام ہیں یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:۔ عمر کی یہ سب لڑکیاں عثمان پر حرام ہیں ان میں سے کسی کے ساتھ عثمان کا نکاح جائز نہیں ہے اس واسطے کہ مرضعہ یعنی دودھ پلانے والی عورت کی تمام اولاد رضیع یعنی دودھ پینے والے پر حرام ہو جاتی ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں قولہ الرضاعۃ تحرم ما تحرم الولادۃ وھو بالاجماع فیما یتعلق بتحریم النکاح وتوابعہ وانتشار الحرمۃ بین الرضیع واولاد المرضعۃ وتنزیلھم منزلۃ الاقارب فی جواز النظر

صحابہ، تابعین اور آج تک کے تمام علماء کہتے ہیں، کہ دو سال کے اندر دودھ پلانے سے حرمت ثابت ہوتی ہے ابوحنیفہ ڈھائی سال کہتے ہیں، اور زفر تین سال، اور امام مالک دو سال اور کچھ دن، جمہور نے قرآن مجید کی آیت "اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں" اور حدیث "دودھ بھوک سے ہے" سے استدلال کیا ہے، اور سہلہ کی حدیث کو خصوصیت پر محمول کرتے ہیں، اور حضرت ام سلمہ رض اور حضور کی تمام بیویوں نے حضرت عائشہ رض کی اس بارے میں مخالفت کی ہے (مسلم) ۱۲

لے رضاعت سے ہر وہ رشتہ حرام ہو جاتا ہے، جو ولادت سے حرام ہے، اور وہ بالاتفاق ان تمام رشتوں کے متعلق ہے، جو تحریم نکاح سے تعلق رکھتے ہیں، اور رضیع اور مرضعہ کے درمیان حرمت پھیل جاتی ہے، اور نظر

والخلوۃ والمسافرۃ انتہی اھ عون المعبود میں ہے۔ وفی الحدیث دای فی حدیث یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من الولادۃ) دلیل علی ان الرضاع ینشر الحرمۃ بین الرضیع واولاد المرضعۃ فیحرم علیہا فروعہ من النسب والرضاع وکما صار الرضیع ابن المرضعۃ تصیر ھی امہ فتحرم علیہ ھی واصولہا من النسب والرضاع وفروعہا من النسب والرضاع انتہی ملخصا واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سید عبد السلام غفر لہ — سید ابو الحسن

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور بکر دونوں بھائی ہیں اور وہ آپس میں اس طرح پر ہیں، کہ پہلی بیوی سے زید پیدا ہے، اور دوسری بیوی سے بکر پیدا ہے، زید کا ایک لڑکا ہے، اور بکر کی ایک لڑکی ہے، اس کا باہم رشتہ ہونا ہے جس کو نسبت ہوئے دس برس کا عرصہ ہو گیا، بکر کی جب لڑکی پیدا ہوئی تھی، تو بوجہ جمع ہونے مستورات کے بکر کی بیوی نے اس لڑکی کو اپنے سے علیحدہ کر دیا تھا، جب دادی اس کی نے اس کو بھوکا سمجھا، تو دو تین مرتبہ اس لڑکی کو دودھ اپنا پلا دیا تھا، اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ آیا ان دونوں کا رشتہ ہو جاوے تو شرع سے ممانعت تو نہیں ہے مکرر عرض ہے، کہ اگر ان کا آپس میں رشتہ قطع ہو گیا، تو بہت آپس میں رنج ہوگا، بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں دختر بکر بوجہ دودھ پلانے ماں بکر کے بکر کی رضاعی بہن ہوئی، اور زید کی بھی رضاعی بہن ہوئی تو وہ لڑکی پسر زید کی رضاعی پھوپھی ہوئی، اور نکاح جیسا کہ نسبی پھوپھی سے حرام ہے، ویسا ہی رضاعی پھوپھی سے، خواہ علاتی ہو یا حقیقی جیسا کہ کتب فقہ سے مستفاد ہوتا ہے۔ یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولہما وفروعہما من النسب والرضاع جمیعا حتی ان المرضعۃ لو ولدت من ھذا الرجل او غیرہ قبل

اور خلوت اور مسافرت میں ان کا وہی مقام ہے جو اقارب کا ہوتا ہے'' [۱] اور اس حدیث میں کہ رضاعت سے وہ تمنے حرام ہو جاتے ہیں جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں، دلیل ہے کہ رضاعت رضیع اور مرضعہ کی اولاد میں حرمت پھیلا دیتی ہے، رضیع پر مرضعہ کے نسبی اور رضاعی فروع حرام ہو جاتے ہیں، اور جس طرح رضیع مرضعہ کا بیٹا بن چکا ہے، وہ اس کی ماں ہو چکی ہے تو اس بچے پر اس کے اصول و فروع نسبی اور رضاعی حرام ہو جائیں گے''

[۲] رضیع پر اس کے دودھ کے ماں باپ اور ان کے اصول و فروع نسبی اور رضاعی حرام ہو جاتے ہیں، یہاں تک

هذا الارضاع او بعده او ارضعت رضيعا ولدا لرجل من غير هذه المرأة قبل هذا الارضاع او بعده او ارضعت امرأة من لبنه رضيعا فالكل اخوة الرضيع واخواته واولادهم اولاد اخوته واخواته انتهى مختصرا بقدر الحاجة هكذا في العالمگيرية پس عند الشرع مابین پسر زید و دختر بکر کے نکاح حرام ہے واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

حررہ السید عبد الحفیظ غفر لہ۔

پھوپھی رضاعی حرام ہے۔ ولخبر م توم بها على الرضيع اى يحرم قوم المرضعة وزوجها اصولا وفروعا على الرضيع۔ مختصر الوقایۃ

محمد عبد الجمیل مدرس مدرسہ فتحپوری سید محمد نذیر حسین

سوال: ہندہ نے حالت جوانی میں سلمہ کا دودھ پیا اب ہندہ کی لڑکی کا سلمہ کے بیٹے سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں ہندہ کی لڑکی کا نکاح سلمہ کے بیٹے سے ہو سکتا ہے اس واسطے کہ ہندہ نے سلمہ کا دودھ مدت رضاعت کے بعد پیا ہے، اور مدت رضاعت کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور مدت رضاعت جمہور علماء کے نزدیک دو برس ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ڈھائی برس ہے، حدیث متفق علیہ میں ہے۔ انما الرضاعة من المجاعة۔ ترمذی اور حاکم نے ام سلمہ رض سے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يحرم من الرضاع الا ما فتق الامعاء في الثدى وكان قبل الفطام۔ اور دار قطنی و سعید بن منصور و بیہقی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا رضاع الا ما كان في الحولين۔ سبل السلام میں ہے۔ ذهب الجمهور من الصحابة

کہ اگر مرضعہ اپنے اس مرد سے یا اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے اس سے پہلے یا پیچھے کوئی بچہ جنے یا اپنے اس خاوند یا کسی دوسرے خاوند کے بچہ کو دودھ پلائے یا کوئی عورت اس کے دودھ سے کسی اور بچے کو دودھ پلا دے تو یہ سب رضیع کے بہن بھائی ہوں گے، اور ان کی اولاد اس کے بھتیجے اور بھانجے ہوں گے ۱۲ ۔ ۱ے رضیع پر رضاعت کے ماں باپ کی قوم بھی حرام ہو جائے گی ۱۲ ۔ ۲ے دودھ پلانا بھوک سے ہے ۱۲ ۔ ۳ے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہی دودھ حرمت پیدا کرتا ہے، جو انتڑیوں کو پھیلائے ۱۲ ۔ ۴ے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دودھ وہی معتبر ہے جو دو سال کے اندر ہو ۱۲ ۔ ۵ے جمہور صحابہ تابعین اور

والتابعین والفقہاء الی انہ لا یحرم من الرضاع الا ما کان فی الصغر وانما اختلفوا فی تحدید الصغر فالجمہور قالوا مہما کان فی الحولین فان رضاعہ یحرم ولا یحرم ما کان بعدھما مستدلین بقولہ تعالیٰ حولین کاملین الخ ہدایہ میں ہے واذا مضت مدۃ الرضاع لم یتعلق بالرضاع تحریم انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد عبد الحق ملتانی ۶ رمضان ۱۳۱۷ھ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور بکر دو بھائی ہیں، زید کی دو بیویاں ہیں ایک بیوی کے بطن سے تین لڑکیاں ہیں اور دوسری کے بطن سے ایک لڑکی ہے اور دونوں بیویوں کی اولاد زید کے نطفہ سے ہے، بکر کے دو لڑکے ہیں بکر کے بڑے لڑکے نے زید کی اس بیوی کا دودھ ایک لڑکی کے ساتھ پیا جس کی تین لڑکیاں ہیں، وہ تینوں اس کی رضاعی بہنیں ہو گئیں، زید کی دوسری بیوی کی لڑکی سے بکر کے بڑے لڑکے کا نکاح جائز ہے یا نہیں صورت دیگر۔ اگر بکر کے بڑے لڑکے کا نکاح زید کی دونوں بیویوں کی لڑکیوں سے نہیں ہو سکتا ہے، تو بکر کے چھوٹے لڑکے کا نکاح زید کی لڑکیوں میں سے کسی ایک سے ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: ھو المصوب، واضح ہو کہ بکر کے بڑے لڑکے کا نکاح جس نے زید کی ایک بی بی کا دودھ پیا ہے، زید کی کسی بی بی کی لڑکی سے جائز نہیں ہے، ہاں بکر کے چھوٹے لڑکے کا نکاح زید کی دونوں بی بی کی لڑکیوں کے ساتھ جائز ہے، زاد المعاد میں ہے، ولا یتعدی التحریم الی غیر المرضعۃ ممن ھو فی درجتہ من اخوتہ واخواتہ فیباح لاخیہ نکاح من ارضعت اخاہ وبناتہا وامہاتہا الخ واللہ اعلم بالصواب۔

عبد الرحیم اعظم گڈھی

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی دو لڑکیاں ہیں

فقہاء کا یہ مذہب ہے، کہ وہی رضاعت حرمت پیدا کرتی ہے، جو بچپن میں ہو اور بچپن کی تعریف میں اختلاف ہے جمہور نے اس کی مدت دو سال تک رکھی ہے اور اس کے بعد حرمت کے قائل نہیں ہیں اور استدلال "حولین کاملین" والی آیت سے کیا ہے، جب رضاعت کی مدت ختم ہو جائے، تو رضاعت سے حرمت پیدا نہیں ہوگی ۱۲۔

۱؎ غیر مرضعہ کی طرف حرمت متعدی نہیں ہوگی، رضیع کی رضاعت کے بہن بھائی اس کے حقیقی بہن بھائی کے لئے حلال ہوں گے، اور مرضعہ کی ماں اور بیٹی یا باپ اور بیٹا وغیرہ ۱۲۔

ایک بیاہی ہوئی، دوسری کنواری، دونوں حقیقی بہنیں ہیں، بڑی بہن بیاہی ہوئی اور صاحب اولاد ہے، چھوٹی بہن کنواری نے اپنی بڑی بہن کا دودھ پیا ہے بوجہ بیماری اپنی والدہ کے بڑی بہن جس کا دودھ چھوٹی بہن نے پیا تھا قضائے الٰہی سے فوت ہوگئی تو اب چھوٹی بہن جو کہ کنواری ہے، جس نے بڑی بہن متوفیہ کا دودھ پیا ہے، بڑی بہن متوفیہ کے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں چھوٹی بہن بڑی بہن متوفیہ کے شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی ہے، کیونکہ جب کہ چھوٹی بہن نے بڑی بہن متوفیہ کا دودھ پیا ہے، تو بڑی بہن چھوٹی بہن کی رضاعی ماں ہوئی، اور بڑی بہن کا شوہر چھوٹی بہن کا رضاعی باپ ہوا، اور یہ قاعدہ شرعیہ ہے، کہ جو نسب کے رشتہ سے حرام ہوتا ہے، وہ رضاعت کے رشتہ سے بھی حرام ہوتا ہے، قال[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب رواہ الجماعۃ۔ امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں۔ واما الرجل المنسوب ذلک اللبن الیہ لکونہ زوج المرأۃ او وطئہا بملک او شبھۃ فمذھبنا ومذھب العلماء کافۃ ثبوت حرمۃ الرضاع بینہ وبین الرضیع ویصیر ولدالہ واولاد الرجل اخوۃ الرضیع واخواتہ ویکون اخوۃ الرجل اعمام الرضیع واخواتہ عماتہ واولاد الرضیع اولاد الرجل انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔　　حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اور مریم دونوں ایک جگہ رات کو سوتی تھیں، مریم کا یہ بیان ہے، کہ نیند کی حالت میں ہندہ کا بیٹا زید جو ایام رضاعت میں تھا میرا دودھ پینے لگا، جب میں نیند سے بیدار ہوئی، اور جانا کہ زید ہے تب اسے پینے سے علیحدہ کیا، بعدہ اس واقعہ کو چند مسماۃ سے بیان کیا، وہ مسماۃ

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں، جو نسب سے حرام ہوتے ہیں، وہ آدمی جس کی طرف یہ دودھ منسوب ہے، عورت کا خاوند ہونے کی حیثیت سے یا مالک ہونے کی وجہ سے، اور شبہ کی وجہ سے، تو ہمارے اور تمام علماء کے مذہب میں رضاعت کی حرمت اس کے اور رضیع کے درمیان ثابت ہو جائے گی، اور یہ اس کا بیٹا ہوگا، اور اس آدمی کی اولاد اس کے بہن بھائی ہوں گے، اور آدمی کے بہن بھائی اس کے چچا اور پھوپھیاں ہوں گے، اور رضیع کی اولاد اس آدمی کی اولاد ہوگی۔

ناقل قول مریم ہیں، لیکن کوئی شاہد چشم دید کا نہیں ہے، بجز مریم کے پس بعد انقضائے مدت دراز باوجود یکہ رضاعت ہندہ و مریم کو معلوم تھی، لیکن اس رضاعت کو بوجہ خواب کے پایۂ اعتبار سے ساقط جان کر مریم نے اپنی لڑکی سکینہ کا زید سے نکاح کر دیا ہے، اب یہ استفسار ہے، کہ صورت مذکورہ میں زید و سکینہ رضاعی بہن بھائی ہوئے یا کہ نہیں اور شہادت مریم کی ثبوت رضاعت کے لئے کافی ہوگی یا نہیں، اور نکاح جائز ہوا یا نہیں اور صورت مسئولہ میں تفریق ہونا چاہیئے یا نہیں، موافق کتاب و سنت کے بیان فرمادیں، کہ آثم کوئی نہ ہو، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ مطابق حدیث صحیح بخاری کے شہادت مریم کی ثبوت رضاعت کے لئے کافی ہوگی، اور صورت مسئولہ میں تفریق ہونا چاہیئے، عن عقبۃ بن الحارث انہ تزوج ام یحیی بنت ابی اھاب فجاءت امۃ سوداء فقالت قد ارضعتکما قال فذکرت ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فاعرض عنی فتنحیت فذکرت ذلک لہ فقال وکیف وقد زعمت انها قد ارضعتکما فنهاہ رواہ احمد والبخاری وفی روایۃ دعها عنک رواہ الجماعۃ الا مسلما وابن ماجۃ کذا فی المنتقی۔ قال فی سبل السلام تحت هذا الحدیث دلیل علی ان شهادۃ المرضعۃ وحدها تقبل وبوب علی ذلک البخاری والیہ ذهب ابن عباس وجماعۃ من السلف واحمد بن حنبل وقال ابو عبید یجب علی الرجل المفارقۃ ولا یجب علی الحاکم الحکم بذلک وقال مالک انہ لا یقبل فی الرضاع الا امرأتان وذهب الهدویۃ والحنفیۃ الی ان الرضاع کغیرہ لا بد من شهادۃ رجلین او رجل وامرأتین ولا تکفی شهادۃ المرضعۃ لانها تقرر فعلها وقال الشافعی

---

[1] عقبہ بن حارث نے ام یحیی بنت اہاب سے نکاح کیا، ایک کالی کلوٹی لونڈی نے آکر کہا میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے، عقبہ نے جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے منہ پھیر لیا، پھر اس نے دوسری طرف ہو کر دوبارہ کہا، تو آپ نے فرمایا، جب وہ کہہ رہی ہے، تو تمہارا نکاح کیسے رہ سکتا ہے، ایک روایت میں ہے کہ اس کو چھوڑ دے (احمد بخاری) سبل السلام میں ہے کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ مرضعہ اکیلی کی شہادت کافی ہے اور وہ قبول ہوگی، ابن عباس، امام بخاری، احمد بن حنبل اور سلف کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے، ابو عبید نے کہا آدمی پر فرض ہے، کہ اس عورت کو علیحدہ کر دے، اور حاکم پر ضروری نہیں، کہ وہ اس کا حکم کرے، امام مالک کے نزدیک رضاعت میں دو عورتوں کی شہادت معتبر ہے، ہدویہ اور حنفیہ کے نزدیک اس کی شہادت بھی دوسری شہادتوں کی طرح

نقبل المرضعة مع ثلاث نسوة بشرط ان لا تعرض بطلب اجرة قالوا وهذا الحديث محمول على الاستحباب والتحرز عن مظان الاشتباه واجيب بان هذا خلاف الظاهر سيما وقد تكرر سواله للنبي صلى الله عليه وسلم اربع مرات واجاب بقوله كيف وقد قيل وفي بعض الفاظه دعها عنك وفي رواية الدارقطني لا خير لك فيها ولو كان من باب الاحتياط لامره بالطلاق مع انه في جميع الروايات لم يذكر الطلاق فيكون هذا الحكم مخصوصا من عموم الشهادة المعتبر فيها العدد وقد اعتبر نحو ذلك في عورات النساء فقلتم يكفي بشهادة امرأة واحدة والعلة عندهم فيه انه قل ما يطلع الرجال على ذلك فالضرورة داعية الى اعتباره فكذا هنا انتهى. وقال في نيل الاوطار ولا يخفى ان النهي حقيقة في التحريم فلا يخرج عن معناه الحقيقي الا لقرينة صارفة والاستدلال على عدم قبول المرأة المرضعة بقوله تعالى واستشهدوا شهيدين من رجالكم لا يفيد شيئا لان الواجب بناء العام على الخاص ولا شك ان الحديث اخص مطلقا واما مارواه ابو عبيد عن علي وابن عباس والمغيرة انهم امتنعوا من التفرقة بين الزوجين بذلك فقد تقرر ان اقوال بعض الصحابة ليست بحجة على فرض عدم معارضتها لما ثبت عنه صلى الله عليه وسلم فكيف اذا عارضت ما هو كذلك واما ما قيل من امره صلى الله عليه وسلم من باب الاحتياط فلا يخفى مخالفته لما هو الظاهر ولا سيما بعد ان كرر السوال اربع مرات كما في بعض الروايات والنبي صلى الله عليه وسلم يقول له في جميعها كيف وقد قيل وفي بعضها دعها عنك وفي بعضها لا خير لك فيها مع انه لم يثبت في رواية انه صلى الله عليه

ہے، اور صرف مرضعہ کی شہادت کافی نہیں ہے، امام شافعی کے نزدیک مرضعہ کے ساتھ اگر تین عورتیں اور شامل ہوں تب شہادت معتبر ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم استحباب پر مبنی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے چار دفعہ مکرر سوال کیا، اور آپ اس کو یہی جواب دیتے رہے، جب وہ کہہ رہی ہے تو نکاح کیسے رہ سکتا ہے، ایک روایت میں ہے کہ اس کو چھوڑ دے، ایک میں ہے تیرے لئے اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے، اگر یہ احتیاط کے باب سے ہوتا، تو آپ اسے طلاق کا حکم دیتے، حالانکہ طلاق کا ذکر کسی روایت میں نہیں ہے، تو یہ حکم شہادت میں معتبر عدد سے ایک مخصوص حکم ہوگا، اور جب تم نے عورات نساء کے متعلق ایک عورت کی شہادت کافی سمجھی ہے

وسلم امرہ بالطلاق ولوکان ذلک من باب الاحتیاط لامرہ بہ فالحق وجوب العمل بقول المرأۃ المرضعۃ حرۃ کانت اوامۃ۔ انتہی کلامہ مختصرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری، عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زینب نے اپنے لڑکے کا جوٹھا دودھ اپنی ماموں زاد بہن کلثوم کو پلایا، بعدہ زینب کے ہاں ایک لڑکا مسمی عمر پیدا ہوا، اور کلثوم کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی، اب کلثوم کی لڑکی زینب کے چھوٹے بیٹے عمر کو مل سکتی ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں معلوم ہو کہ کلثوم کی لڑکی کا نکاح زینب کے چھوٹے بیٹے عمر سے جائز نہیں ہے، کیونکہ عمر اور کلثوم دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں، پس کلثوم کی لڑکی عمر کی رضاعی بھانجی ہوئی، اور رضاعی بھانجی سے نکاح حرام و ناجائز ہے عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من الولادۃ رواہ مسلم۔ حررہ عبد الرحمٰن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رضاعت کتنی مدت میں ثابت ہوتی ہے۔

(۲) اور زینب نے مریم کو دو برس چھ ماہ کے بعد اپنی چھاتی دودھ پلانے کی غرض سے دی، مگر دودھ مریم کے جوف میں جانا محتمل ہے پس اس صورت میں زینب کے بھائی زید کا نکاح مریم سے جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اور دو برس چھ ماہ کی عمر میں اگر بالفرض مریم کے جوف میں دودھ گیا بھی تو کیا مانع جواز نکاح ہو سکتا ہے، ہمارے ائمہ ثلاثہ کے مفتی بہ اقوال اور احادیث و قرآن و تفسیر کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: (۱) مفتی بہ قول کے موافق رضاعت دو برس کے اندر ثابت ہوتی ہے

اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ مرد اس پر مطلع نہیں ہو سکتے تو یہاں بھی یہی مجبوری ہے، نیل الاوطار میں بھی اسی طرح ہے ۱۲ ۔ ۱ے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں، جو نسب سے حرام ہوتے ہیں (مسلم) ۱۲

چنانچہ در مختار میں رضاع کی تعریف یوں مرقوم ہے۔ هو مص ثدي آدمية في وقت مخصوص هو حولان ونصف عنده وحولان فقط عندهما وهو الاصح فتح وبه يفتي كما في تصحيح القدوري انتهى مختصرا۔

(۲ و ۳) صورت مذکورہ میں زینب کے بھائی زید کا نکاح مریم سے جائز ہے، کیونکہ صورت مذکورہ میں مدت رضاعت کے اندر یعنی دو برس کے اندر مریم کا یقینی طور پر زینب کا دودھ پینا تو درکنار احتمالی طور پر پینا بھی ثابت نہیں ہے، حالانکہ حرمت جب ہی ثابت ہوتی ہے کہ جب مدت رضاعت کے اندر یقینی طور پر دودھ کا پینا ثابت ہو، چنانچہ درمختار میں ہے۔ ويثبت التحريم في المدة فقط انتهى مختصرا و نیز درمختار میں ہے، و يثبت به وان قل ان علم وصوله في جوفه من فمه او انفه لا غير فلو التقم الحلمة ولم يدر ادخل اللبن في الحلق ام لا لم يحرم انتهى مختصرا۔ اور اگر دو برس چھ ماہ کے بعد اگر بالفرض مریم کے جوف میں دودھ گیا بھی تو مانع جواز نہیں ہو سکتا ہے، کیونکہ مدت رضاعت کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی، ہدایہ صفحہ ۳۲۴ جلد ا میں ہے، واذا مضت مدة الرضاع لم يتعلق بالرضاع تحريم لقوله عليه السلام لا رضاع بعد

---

[1] وہ عورت کی چھاتی کو چوسنا ہے مخصوص وقت میں اور وہ دو سال کی مدت ہے، صاحبین کے نزدیک اور یہی صحیح ہے اسی پر فتوے ہے، اور امام صاحب کے نزدیک اڑھائی سال ہے ۱۲ [2] حرمت مدت کے اندر ثابت ہو جاتی ہے ۱۲ [3] حرمت ثابت ہو جاتی ہے اگر منہ یا ناک کے ذریعہ عورت کا دودھ بچے کے پیٹ میں چلا جائے، اور اگر چھاتی منہ میں ڈالے، اور یہ معلوم نہ ہو کہ دودھ اندر گیا ہے یا نہیں، تو حرمت ثابت نہ ہوگی ۱۲

[4] جب رضاعت کی مدت ختم ہو جائے، تو رضاعت سے حرمت ثابت نہ ہوگی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، دودھ چھڑانے کے بعد حرمت نہیں ہے ۱۲

---

(۱) قوله لا رضاع بعد الفصال، قلت روي من حديث علي ومن حديث جابر فحديث علي رواه الطبراني في معجمه الصغير حدثنا احمد بن سليمان الصوفي البغدادي بمصر سنة ثمانين ومائتين ثنا محمد بن عبيد بن ميمون التبان حدثني ابي عن محمد بن جعفر بن ابي كثير عن موسى بن عقبة عن ابان بن تغلب عن ابراهيم النخعي عن علقمة بن قيس عن علي رض قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا رضاع بعد فصال ولا يتم بعد حلم انتهى طريق اخر رواه عبد الرزاق في مصنفه حدثنا معمر عن جويبر عن الضحاك بن مزاحم عن النزال بن سبرة عن علي رض عن النبي صلى الله عليه وسلم قال

الفصال انتہی۔ حررہ ابو محمد عبد الحق اعظم گڈھی عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ شریفن نے (جس کی گود میں ایک لڑکا زید دو برس سے زیادہ یعنی تین برس کا ہے) ایک لڑکی حمیدہ نام کو جس کی عمر

لا رضاع بعد الفصال انتہی ثم رواہ عن الثوری عن جویبر موقوفا قال العقیلی فی کتابہ وھو الصواب ورواہ ابن عدی فی الکامل عن حدیث ایوب بن سوید عن الثوری بہ مرفوعا واعلہ بایوب ھذا ثم قال وھذا الحدیث رواہ عبد الرزاق مرۃ عن معمر فرفعہ ومرۃ عن الثوری فوقفہ انتہی واما حدیث جابر فرواہ ابوداؤد الطیالسی فی مسندہ حدثنا خارجۃ بن مصعب عن حرام بن عثمان عن ابی عتیق عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا رضاع بعد فصال ولا یتم بعد احتلام انتہی ورواہ ابن عدی فی الکامل واعلہ بحرام ونقل عن الشافعی وابن معین انہما قالا الروایۃ عن حرام حرام انتہی واعلم ان تمام الدلالۃ من الحدیث من قولہ تعالی وفصالہ فی عامین، کذا فی نصب الرایۃ۔

ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ

(ترجمہ) قولہ لا رضاع بعد الفصال الخ یہ حدیث حضرت علی اور حضرت جابر سے منقول ہے حضرت علی کی روایت طبرانی نے معجم صغیر میں ذکر کی ہے، اس کی سند اس طرح ہے حدثنا محمد بن سلیمان الصوفی البغدادی ثنا محمد بن عبید بن میمون التبان حدثنی ابی عن ابی محمد بن جعفر بن ابی کثیر عن موسی بن عقبۃ عن ابان بن تغلب عن ابراھیم النخعی عن علقمۃ بن قیس عن علی رض، عبد الرزاق نے ایک دوسرے طریق سے حضرت علی رض سے یہی روایت بیان کی ہے جس کی سند اس طرح ہے حدثنا معمر عن جویبر عن الضحاک بن مزاحم عن النزال بن سبرۃ عن علی رض ثوری نے جویبر سے یہ روایت موقوف بیان کی ہے عقیلی کہتے ہیں صحیح یہی ہے کہ اسے موقوف بیان کیا جائے ابن عدی نے الکامل میں ایوب بن سوید کے واسطے سے اسے مرفوع بیان کیا ہے، جابر کی حدیث کو ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے، اس کی سند یوں بیان کی ہے حدثنا خارجۃ بن مصعب عن حرام بن عثمان عن ابی عتیق عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا رضاع بعد فصال ولا یتم بعد احتلام انتہی۔ ابن عدی نے الکامل میں بھی اسے روایت کیا ہے لیکن لکھا ہے کہ اس کی سند میں حرام نامی راوی ضعیف آجانے کی وجہ سے روایت معلول ہے، امام شافعی اور ابن معین نے حرام کے متعلق فرمایا ہے "الروایۃ عن حرام حرام" یعنی حرام سے روایت بیان کرنا حرام ہے، نیز اللہ تبارک وتعالی کے فرمان وفصالہ فی عامین سے بھی مذکورہ روایت کی توثیق ہوتی ہے نصب الرایہ میں اسی طرح ہے

ابو سعید محمد شرف الدین

ترجمہ العبد الاثیم عبد العلیم عفا عنہ الکریم

دو برس سے کم ہے، ایک وقت بعد انفطام کے دودھ پلایا، اب سوال یہ ہے کہ زید اور حمیدہ کا نکاح آپس میں جائز ہے یا نہیں، اور ایک دفعہ دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:- زید اور حمیدہ کا نکاح آپس میں جائز ہے، اور ایک دفعہ دودھ پلانے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی ہے بموجب حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاتحرم المصۃ والمصتان اخرجہ احمد ومسلم واھل السنن وعنہا قالت کان فیما انزل من القرآن عشر رضعات معلومات یحرمن ثم نسخن بخمس رضعات فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھن فیما یقرأ من القرآن رواہ مسلم۔ خلاصہ ترجمہ پہلی حدیث کا یہ ہے کہ ایک دفعہ اور دو دفعہ دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی، اور دوسری حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے قرآن مجید میں دس رضعات سے حرمت رضاعت ثابت ہونے کا حکم نازل ہوا تھا پھر یہ حکم منسوخ ہو کر پانچ رضعات سے حرمت رضاعت ثابت ہونے کا حکم نازل ہوا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے، اور اکثر فقہاء کے نزدیک مطلق رضاع سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے قلیل ہو خواہ کثیر۔ قال فی المسوی ذھب الشافعی الی انہ لا یثبت حکم الرضاع فی اقل من خمس رضعات متفرقات وذھب اکثر الفقہاء منہم مالک وابوحنیفۃ الی ان قلیل الرضاع وکثیرہ محرم۔ اکثر فقہاء کا استدلال نصوص مطلقہ سے ہے، اور امام شافعی وغیرہ کا استدلال نصوص مقیدہ بخمس رضعات سے ہے، اور مطلق کا مقید پر محمول کرنا قاعدہ مسلمہ ہے، بناء علیہ مسلک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا راجح ہے، واللہ اعلم بالصواب

حررہ محمد علی پنجابی عفی عنہ

ھوالموفق:- علامہ شوکانی اس مسئلہ کو مع مالہا وما علیہا کے لکھ کر آخر میں فرماتے ہیں، فالظاھر ما ذھب الیہ القائلون باعتبار الخمس یعنی ظاہر انہیں لوگوں کا قول ہے جو لوگ خمس رضعات کے قائل ہیں، ان کے نام نامی یہ ہیں، عبداللہ بن مسعود رض حضرت عائشہ رض عبداللہ بن زبیر رض عطاء رحمۃ اللہ علیہ، طاؤس، سعید بن جبیر رح عروہ بن الزبیر رح لیث بن سعد، شافعی رح احمد رح اسحاق رح ابن حزم وجماعۃ من اہل العلم، حضرت علی رض سے بھی یہی مذہب مروی ہے۔ کذا فی النیل۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد عبدالرحمن

المبارکفوری عفا اللہ عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا دودھ دو تین ماشہ کے اس میں دو تین رتی باردت ملا کر ایک طفل کے حلق میں ڈال دیا، پس مطابق مذہب حنفی کے حرمت رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: واضح ہو کہ کتب فقہ حنفی مانند ہدایہ اور درمختار اور عالمگیری وغیرہ میں مذکور ہے کہ حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے اس دودھ سے جو کہ مخلوط ہو پانی کے ساتھ یا دوا کے ساتھ یا دوسری عورت کے دودھ کے ساتھ بشرطیکہ عورت کا دودھ غالب ہو پانی یا دوا پر، اسی طرح جب دو عورتوں کا دودھ برابر مخلوط ہو، تو دونوں عورتوں کی تحریم ثابت ہوگی، بسبب عدم ترجیح کے۔ ومخلوط بماء ودواء اولبن اخری اولبن شاۃ اذا غلب لبن المرأۃ وکذا اذا استویا اجماعا لعدم الاولویۃ جوہرہ کذا فی تنویر الابصار والدر المختار وان خلط بالدواء واللبن غالب تعلق بہ التحریم لان اللبن یبقی مقصودا فیہ اذ الدواء لتقویتہ علی الوصول کذا فی الہدایۃ وغیرہا من کتب الفقہ پس صورت مسئولہ میں مطابق مذہب حنفی کے حرمت رضاعت ثابت ہوگی کیونکہ دودھ غالب ہے اور جو دو تین رتی باردت اس میں ملائی گئی ہے، وہ مغلوب ہے، اور واضح ہو کہ مذہب حنفی میں ایک قطرہ دودھ کے حلق کے اندر جانے سے بھی ثابت ہوتی ہے لیکن حدیث صحیح مسلم وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے، کہ ایک مصہ اور دو مصہ سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی، پس مطابق حدیث صحیح مسلم وغیرہ کے صورت مسئولہ میں دو یا تین ماشہ دودھ کے حلق میں جانے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی، واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی دو زوجہ ہیں زینب اور ہندہ، زینب سے ایک لڑکا عمرو پیدا ہوا، اور دو لڑکیاں شافیہ اور کافیہ پیدا ہوئیں، اور زید کے لڑکے عمرو سے ایک فرزند خالد پیدا ہوا، اور دختر زید شافیہ کے

۱؎ اگر دودھ میں پانی یا دوا یا کوئی اور دودھ بکری وغیرہ کا شامل ہو اگر عورت کا دودھ غالب یا برابر ہو تو اس سے حرمت ثابت ہو جائے گی، اگر دوائی میں دودھ غالب ہو تو اس سے حرمت ثابت ہو جائے گی، کیونکہ دودھ اس میں مقصود ہوگا اور دوائی تقویت وصول کرنیکے لئے ہوگی ۱۲

ایک فرزند ولید پیدا ہوا مادر کا فیہ دختر ثانی زید کے ایک دختر مسماۃ صغریٰ سے پیدا ہوئی صغریٰ نے ایام رضاعت میں ہندہ زوجہ دوئمی زید کا دودھ پیا، دریں صورت مسماۃ صغریٰ سے کہ نواسی زید کی ہے ساتھ خالد کے کہ پوتا ہے زید کا یا ساتھ ولید کے کہ نواسا ہے زید کا نکاح درست ہے یا نہیں، بینوا بالحدیث والقرآن یا جرکم الرحمٰن

الجواب:- صورت مذکورہ میں نکاح جائز نہیں ہے بشرطیکہ دودھ ہندہ کا زید سے ہو کیونکہ مسماۃ صغریٰ جو کہ نواسی زید کی ہے بسبب دودھ پینے ہندہ زوجہ دوئمی زید کے زید کی رضاعی بیٹی ہوئی اور خالد جو کہ پوتا زید کا ہے، اور ولید جو کہ نواسا زید کا ہے زید کے فرع میں سے ہے، اور اصول و فروع باپ رضاعی کے رضیع پر حرام ہیں، چنانچہ فتاوے عالمگیریہ میں ہے یحرم[1] علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعا انتہی، اور نیز اس وجہ سے کہ صورت مرقومہ میں مسماۃ صغریٰ سے خالد کی جو کہ پوتا زید کا ہے، رضاعی پھوپھی ہوئی، اور ولید کی جو کہ نواسا زید کا ہے رضاعی خالہ ہوئی اور پھوپھی اور خالہ جیسا کہ نسبی حرام ہیں، اسی طرح رضاعی بھی حرام ہیں، چنانچہ حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ قالت[2] قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من الولادۃ رواہ البخاری اور ہدایہ میں ہے یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب الخ اور شرح وقایہ میں ہے فیحرم[3] منہ ما یحرم من النسب، اور اگر دودھ ہندہ مذکورہ کا زید مذکور سے نہ ہو، تو اس تقدیر میں نکاح مذکور جائز ہے، چنانچہ فتاوے عالمگیری میں ہے۔ رجل[4] تزوج امراۃ لم تلد منہ قط ثم نزل لھا لبن فارضعت صبیا کان الرضاع من المراۃ دون زوجھا حتی لا یحرم علی الصبی اولادہ من الرجل من غیر ھذہ المراۃ انتہی۔ واللہ اعلم۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح

---

[1] رضیع پر اس کے رضاعی ماں باپ اور ان کے اصول و فروع نسبی اور رضاعی سب حرام ہو جائیں گے ۱۲

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں

[3] جو نسب سے حرام ہوتا ہے وہی دودھ سے حرام ہوتا ہے ۱۲ [4] ایک آدمی نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس مرد سے اسے کوئی اولاد نہ ہوئی پھر اس کو دودھ اتر آیا اور اس نے کسی بچے کو دودھ پلایا تو وہ عورت کا دودھ ہوگا مرد کا نہ ہوگا بچے پر اس آدمی کی دوسری بیوی کی اولاد حرام نہ ہوگی ۱۲

کیا، اور ہندہ کو مسماۃ خالدہ نے دودھ پلایا ہے، اور اسی مسماۃ خالدہ نے زید کو بھی جب کہ وہ بچہ تھا، دودھ پلایا ہے، چنانچہ زید نے خود دودھ پینے کا اقرار کیا ہے، اور نیز شیر دہندہ اور اس کی اولاد نے بھی اظہار کیا، پس باہم زید و ہندہ کے رضاعت ثابت ہوئی یا نہیں، و نیز زید کو مہر دینا پڑے گا یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ زید نے جب دودھ پینے کا خود اقرار کیا ہے، اور نیز شیر دہندہ اور اس کی اولاد نے بھی اظہار کیا، تو بے شک رشتہ رضاعت باہم زید و ہندہ کے ثابت متحقق ہوگی، کیونکہ صحت اقرار مقر کا قرآن مجید و حدیث و اجماع امت سے ثابت ہے، قال اللہ تعالیٰ کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو علی انفسکم۔ فالمراد بہ الاقرار جیسا کہ کتب تفاسیر و فقہ میں تصریحاً مذکور ہے۔ فان العاقل لا یقر علی نفسہ کاذبا فیما فیہ ضرر علی نفسہ حتی اوجبوا الحد والقصاص باقرارہ فترجحت جہۃ الصدق فی حق نفسہ لعدم التہمۃ وکمال العقل ھکذا فی کتب الشریعۃ۔ اور کل مہر مسمی بعد وطی اور صحبت کے زید مقر پر واجب ہوگا، اور قبل وطی کے کچھ بھی نہیں، واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ:۔ دودھ ہندہ کا اگر محمود کے باپ سے ہے یعنی اس کے باپ کی منکوحہ ہے، تو نکاح لڑکی رضیعہ کا محمود سے جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ لڑکی محمود کی رضاعی بہن ہوئی، اور رضاعی عام ہے کہ سگی ہو یا سوتیلی اور اس کی حرمت آیت اخواتکم من الرضاعۃ سے ثابت ہوتی ہے، اور جو دودھ ہندہ کا محمود کے باپ سے نہیں، بلکہ اور شوہر سے ہو تو لڑکی رضیعہ کا نکاح محمود سے جائز ہے کیونکہ اس صورت میں کوئی سبب حرمت کا اس میں نہیں پایا جاتا، اس لئے کہ محمود از جانب شیر دہ میں داخل نہیں ہے کہ نکاح دونوں میں ناجائز ہو، واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

۱؎ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، خدا کے لئے انصاف کی گواہی دو، اگرچہ وہ تمہاری اپنی جانوں پر ہو، یعنی اس کا مطلب ہے اقرار ۱۲

۲؎ عقل مند آدمی اپنی جان پر جھوٹا اقرار نہیں کرتا، جس میں اس کو ضرر پہنچتا ہو، یہاں تک کہ حد اور قصاص آدمی کے اقرار سے واجب ہو جاتی ہے، تو یہ صدق عدم تہمت اور کمال عقل کی وجہ سے راجح ہوگا۔

۳؎ اور تمہاری بہنیں رضاعت سے ۱۲

سوال۔ ما قولکم رحمکم اللہ دریں مسئلہ کہ نکاح پسر مرضعہ غیر مشارک رضیع با بنت رضیع جائز است یا نہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ نکاح مذکور حرام و ناجائز است شرعاً زیرا کہ ہمہ پسران و دختران مرضعہ برادران و خواہران رضیع شدند بحکم رضاعت پس دختر رضیع برادر زادی ہمہ پسران مرضعہ گردید چہ از شیر دہ ہمہ خویش شوند بہ نسبت رضیع و اولاد رضیع پر ظاہر است کہ دختر برادر نسبی حرام است از نص قرآنی ہم چنین دختر رضیع بر ہمہ پسران مرضعہ حرام خواہد بود، بدلیل حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحرم من الرضاع ما یحرم من الولادۃ کما رواہ احمد والشیخان وغیرھما من اصحاب الصحاح الستۃ لا بناءً علی ما یحرم من الرضاع علی ما یحرم بالنسب وما یحرم بالنسب وھو ما تعلق بہ خطاب تحریمہ وقد تعلق بما عبر عنہ بلفظ الامھات والبنات واخواتکم وعماتکم وخالاتکم وبنات الاخ وبنات الاخت فما کان من مسمی ھذہ الالفاظ متحققا فی الرضاع حرم فیہ قال فی شرح السنۃ فی الحدیث دلیل علی ان حرمۃ الرضاع کحرمۃ النسب فی المناکح واذا ارضعت المرأۃ رضیعا یحرم علی الرضیع واولادہ من اقارب المرضعۃ کل من یحرم علی ولدھا من النسب انتہی ما فی المرقاۃ شرح المشکوۃ للملا علی القاری وھذا فی الطیبی شرح المشکوۃ ومثل ھذا فی المستخلص المطبوع والمکتوب وغیرہ من کتب الحدیث والفقہ

سوال:۔ مرضعہ کے لڑکے کی شادی جو رضیع کے ساتھ شریک نہیں تھا، رضیع کی لڑکی سے ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ نکاح حرام ہے کیونکہ مرضعہ کے تمام بیٹے اور بیٹیاں اس کے بہن بھائی بن چکے ہیں پس یہ لڑکی مرضعہ کے بیٹے کی بھتیجی ہو گئی، جس کی برادر نسبی کی بیٹی سے نکاح درست نہیں ہے، ویسے ہی اس سے بھی درست نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں، جو نسب اور ولادت سے حرام ہیں (احمد، بخاری) تو جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں ان میں ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی ہیں، اسی طرح دودھ سے بھی جو عورتیں یہ رشتہ کہلائیں گی وہ سب حرام ہوں گی شرح السنہ میں ہے کہ حدیث دلالت کرتی ہے، کہ نکاح کے معاملہ میں رضاعت کی حرمت نسب کی حرمت کی طرح ہے، جب کوئی عورت کسی لڑکے کو دودھ پلائے گی تو اس لڑکے پر مرضعہ کی اولاد اور اقارب اسی طرح

دقبل ازیں بر فتوئے مولوی عالم علی صاحب کہ در حلت آں نوشتہ بودند بر اعتماد الیشان بنظر سرسری مہر من کردہ شد بعد از سال آں فتوئے غلطی فاحش آں واضح گردید یعنی حرمت آں از دیگر کتب شریعت بوضوح پیوست پس ازاں فتوئے رجوع واجب شد۔ کان الحق احق بالاتباع۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

سید محمد نذیر حسین

سوال، مسمی عبدالکریم اور مسمی یوسف دو بھائی ہیں، عبدالکریم کی زوجہ نے یوسف کے لڑکے کو دودھ پلایا سو عبدالکریم کی لڑکی اور یوسف کا لڑکا جو دودھ میں شریک ہوئے تھے، وہ دونوں تو رضاعی بہن بھائی ہوئے علاوہ اس کے عبدالکریم کی زوجہ کے اگر لڑکی پیدا ہو، اور یوسف کی زوجہ کے لڑکا پیدا ہو تو ان دونوں کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ان دونوں کا باہم نکاح ہو سکتا ہے، کیونکہ رضاعت کی حرمت رضیع کے لئے ہے، نہ اس کے بھائیوں کے لئے، زاد المعاد میں ہے لا تتعدی التحریم الی غیر المرتضع من ھو فی درجتہ من اخوتہ فیباح لاخیہ نکاح من ارضعت اخاہ وبناتھا اھ عالمگیریہ میں ہے تحل[۳] اخت اخیہ رضاعا۔ واللہ اعلم

حررہ محمد عبدالحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال، بعض مولویوں نے لکھا ہے، کہ بنت رضیع ابنائے مرضعہ پر حلال ہے سو یہ لکھنا بعض مولویوں کا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب، بعض مولویوں کا یہ لکھنا غلط ہے، بنت رضیع ابنائے مرضعہ پر حلال نہیں ہے بلکہ حرام ہے، بدلیل حدیث یحرم من الرضاعۃ من یحرم من الولادۃ

حرام ہو گئے گویا کہ یہ لڑکا اس عورت سے پیدا ہوا تھا اس سے پہلے مولوی عالم علی صاحب پر اعتماد کرتے ہوئے میں نے مہر لگا دی، اور غور سے نہ پڑھا، جب فتوی چلا گیا، تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ تحض غلطی ہے ملبذا اس سے رجوع کرنا میں اپنا فرض سمجھتا تھا کیونکہ حق کا زیادہ حق ہے کہ اس کی تابعداری کی جائے، اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔ [۱] دودھ پینے والے کے علاوہ اس کے بھائیوں تک رضاعت کی حرمت متعدی نہیں ہوتی، دودھ کی ماں اور اس کی بیٹی دودھ پینے والے کے بھائی کے لئے حلال ہے۔

[۲] دودھ کی بہن دودھ پینے والے کے بھائی کے لئے حلال ہے۔ [۳] رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں، جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں (بخاری)

رواہ البخاری وغیرہ۔ اور ملا عابد سندی ثم المدنی نے طوالع الانوار حاشیۃ الدر المختار معروف بہ حاشیۃ المدنی میں اس صورت مسئولہ کے حرام ہونے کی صاف تصریح کردی ہے، جیسا کہ غایۃ الاوطار سے واضح ہے۔ قولہ اخت اخیہ رضاعا یصح اتصالہ بالمضاف کان یکون لہ اخ نسبی لہ اخت رضاعیۃ والمضاف الیہ کان یکون لاخیہ رضاعا اخت نسبا وبہما وھو ظاہر در مختار یعنی اور حلال ہے اپنے بھائی کی بہن باعتبار رضاعت کے صحیح ہے اتصال رضاعت کا مضاف سے جس طرح کہ اس کے نسبی بھائی کی رضاعی بہن ہو اور صحیح ہے، کہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں سے متصل ہو اور وہ ظاہر ہے، یعنی رضاعی بہن کی رضاعی بہن ہو لیکن رضاعی بھائی کی بیٹی حرام ہے مثل نسب، انتہی ملا مے غایۃ الاوطار حاشیۃ الدر المختار اور واضح ہو کہ حدیث مذکور سے علماء نے چند صورتیں مستثنیٰ کی ہیں، مگر صورت مسئولہ کو کسی نے استثنا نہیں کیا ہے اس سے بھی صورت مسئولہ کی حرمت ظاہر ہوتی ہے، اگر یہ صورت مسئولہ حلال ہوتی، تو ضرور اس کو بھی حدیث مذکور سے استثنا کرتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ایک شخص زوجہ اپنی سے ہم خلوت تھا، اور غلیان شہوت سے بوقت مجامعت کے زوجہ اپنی سے مساس کرتے ہوئے پستان منہ میں لے گیا، اور زوجہ اس کی طفل یک سالہ کو دودھ پلاتی تھی، اس شخص کے حلق کے اندر ایک بار یا کہ دو بار دودھ چلا گیا آیا وہ شخص زوجہ اپنی کا فرزند رضاعی ہو گیا یا کہ شوہر رہا، اور اس فعل کے باعث سے زوجہ اس کے نکاح میں داخل رہی یا کہ نہیں رہی۔

سوال دیگر۔ یہ کہ مدت رضاعت کی آیا خورد سالی میں ہے یا کہ جوانی میں بھی رہے گی اور عورت کا دودھ اگر کسی زخم یا کہ ذکر کے سوراخ میں یا کان میں بہ ہدایت کسی طبیب کے ڈالا جائے تو اس کا کیا حکم ہے بینوا توجروا۔

الجواب:۔ وہ شخص اپنی زوجہ کے دودھ پینے کی وجہ سے اپنی زوجہ کا فرزند رضاعی نہیں ہو گیا، بلکہ وہ علی حالہ شوہر رہا اور اس کی زوجہ اس کے نکاح میں داخل رہی، اس وجہ سے کہ مدت رضاعت میں دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے، اور بعد مدت کے ثابت نہیں ہوتی، اور مدت رضاعت امام ابو حنیفہ کے نزدیک ڈھائی برس ہے، اور

صاحبین اور جمہور علماء کے نزدیک دو برس ہے اور کسی زخم یا سوراخ ذکر میں یا کان میں عورت کا دودھ ڈالنے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی، واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ السید شریف حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال: ایک شخص نے شیر اپنی زوجہ کا پی لیا تو اس کا نکاح رہا یا نہیں؟

الجواب: دودھ بی بی کا پینے سے نکاح میں فرق نہیں آتا، اور بی بی اس سے حرام نہیں ہوتی، شرح میں جیسا کہ کتب فقہ و حدیث مانند فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں مذکور ہے یہ مسئلہ جاہلوں کا ہے شرع میں اس کی کچھ اصل نہیں ہے، واللہ اعلم

حررہ السید شریف حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال: ایک عورت نے اپنے چچا کی بیٹی کو دودھ پلایا، اور اس کی ساس نے اپنے نواسہ کو دودھ پلایا، تو اس پلانے والی کا شوہر اور وہ پینے والا لڑکا کہ ہمشیرہ ماموں بھانجا تھے، اب دودھ شریک بھائی ہوئے تو یہ لڑکی بھتیجی اور وہ لڑکا دودھ کے رشتہ سے چچا ہو گیا، اب اس لڑکے کا ایک اور حقیقی بھائی جو ہے اس سے بھی اس لڑکی کا نکاح جائز ہے یا کہ نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئول عنہا میں اس لڑکے کے بھائی سے نکاح اس لڑکی کا بیشک درست اور روا ہے شرعاً، ہدایہ میں ہے: یجوز ان یتزوج الرجل باخت اخیہ رضاعا[1] وھکذا فی غیرھا من کتب الفقہ۔

سید محمد نذیر حسین

---

[1] جائز ہے کہ آدمی اپنے بھائی کی رضاعی بہن سے نکاح کرے۔

کتاب المحرمات

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں صورت کہ زید کے ایک بیٹا ہے اور اس کی زوجہ اولیٰ جس کے بطن سے وہ بیٹا ہے فوت ہو گئی، پھر زید نے اپنا نکاح دوسرا ولیز اپنے بیٹے کا دو بہنوں سے کیا۔ ایک بہن کلاں کا اپنے ساتھ، اور دوسری بہن خورد کا اپنے بیٹے کے ساتھ، بعد چندے زید نے بقضائے الٰہی وفات پائی اور زوجہ بیٹے کی پہلے انتقال کر چکی تھی، پس اب اس لڑکے کا نکاح اس بہن کلاں منکوحہ زید سے جو بیوہ ہو گئی ہے، جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ زید کی منکوحہ سے اس کے لڑکے کا نکاح حرام ہے قال اللہ تعالیٰ ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم من النساء[1] اور ایسا ہی تمام کتب احادیث و فقہ میں مذکور ہے، کسی کا حرمت میں اختلاف نہیں ہے، جیسا کہ ماہر کتب پر مخفی نہیں، اگر سائل ترجمہ قرآن مجید کو بھی ملاحظہ کر لیتا، تو معلوم ہو جاتا، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ تلطف حسین

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو کا نکاح اس کی ماں کی ممیری بہن سے درست ہے یا نہیں؟

(۲) عمات میں حقیقی پھوپھی و دادا پر دادا کی بہن علی سبیل مراتب حرام ہیں، اس کے علاوہ حقیقی چچیرے دادا کی لڑکیاں علی سبیل مراتب یعنی چچیری پھوپھیاں تمام داخل محرمات ہیں یا کسی درجہ پر کسی سے نکاح جائز ہے علیٰ ہذا القیاس خلیری ممیری اوپر درجہ تک پھوپھیاں داخل محرمات ہیں یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں معلوم ہو، کہ عمرو کا نکاح اس کی ماں کی ممیری بہن سے

---

[1] جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے ان سے نکاح نہ کرو ۱۲

درست ہے، اسی طرح چچیری پھوپھیاں خواہ کسی درجہ کی ہوں کل حلال ہیں، اور داخل محرمات نہیں ہیں نکاح ان سے درست ہے، وعلی ہذا القیاس خلیری ممیری پھوپھیاں بھی داخل محرمات نہیں ہیں ان سے جائز ہے، خواہ کسی درجہ کی ہوں، اور وجہ ان سب کے حلال ہونے کی یہ ہے کہ جتنی عورتیں اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں، ان میں یہ سب داخل نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ واحل لکم ما وراء ذلکم[1] واللہ اعلم۔

سید محمد نذیر حسین

حررہ علی احمد عفا اللہ عنہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بیوہ عورت نے جس کی اولاد اپنے شوہر متوفی سے موجود ہے، ایک ایسے مرد سے نکاح کیا کہ جس کی اولاد اپنی پہلی بیوی فوت شدہ سے موجود ہے تو اب سوال یہ ہے، کہ بعد نکاح مرد عورت مذکورین کے ان ہر دو اولاد مذکورہ کا باہم نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں یعنی اگر مرد کی پہلی بیوی سے لڑکا ہے اور عورت کے پہلے شوہر سے لڑکی ہے، تو ان دونوں کا نکاح بعد نکاح مرد عورت مذکورہ کے عند الشرع جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مرقومہ میں معلوم ہو کہ ان دونوں لڑکا لڑکی کا باہم عقد کرنا صحیح و درست ہے، کچھ قباحت نہیں ہے[2] خواہ مرد عورت کے نکاح کے بعد ہو یا نکاح سے پہلے واما بنت زوجۃ ابیہ او ابنہ حلال کذا فی الدر المختار قال البحر الرملی ولا تحرم بنت زوج الام ولا امہ ولا ام زوجۃ الاب ولا بنتہا۔ انتہی کذا فی رد المختار حاشیۃ الدر المختار۔ فقط۔ حررہ محمد یعقوب عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: زید کی ماں یعنی فاطمہ ہندہ کے پہلے شوہر کے نکاح میں تھی، اب وہ شوہر مر گیا ہے بعد چندے زید نے ہندہ مذکورہ سے اپنا نکاح کر لیا، یہ عقد صحیح ہوا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: درمیان زید اور شوہر اول ہندہ کے رشتہ حقیقی پایا نہیں جاتا، بلکہ شوہر مذکور زید کا سوتیلا باپ ہوا، اس لئے کہ ماں زید کی اس کے نکاح میں تھی وعلی ہذا

---

[1] اور اس کے علاوہ اور عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں ۱۲

[2] باپ کی بیوی کی سابقہ بیٹی یا بیٹے سے نکاح حلال ہے اور اسی طرح ماں کے خاوند کی پہلی بیٹی یا اس کی ماں یا بیوی کے باپ کی ماں اور اس کی بیٹی سے بھی نکاح حلال ہے ۱۲

القیاس زید کا ہندہ سے بھی کچھ رشتہ نہیں، وہ دونوں محض اجنبی ہیں، اور آیت احل لکم ما وراء ذلکم میں داخل ہے، پس نکاح کر لینا زید کا ہندہ سے از روئے شرع شریف درست و صحیح ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ سید شریف حسین

سید محمد نذیر حسین

سوال: ایک بیوہ عورت سے ایک شخص نے نکاح کیا، اور اس عورت کے پہلے شوہر سے ایک لڑکی تھی، اس سے اپنے لڑکے کا نکاح جو دوسری زوجہ سے تھا کر دیا تو یہ نکاح شرعاً درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئول عنہا میں نکاح درست اور صحیح ہے، کیونکہ اس لڑکے اور لڑکی کے درمیان میں کوئی علاقہ حرمت کا نہیں پایا جاتا، واللہ اعلم

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی نطفہ حرام سے ہے، اگر کوئی شخص اس لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو عند الشرع کوئی ممانعت و قباحت ہے یا نہیں ہے۔

سوال دیگر: زید نے یکے بعد دیگرے دو بہنوں سے نکاح کیا، اخیر بیوی یعنی پہلی زوجہ کی بہن کی اولاد سے نکاح جائز ہے یا نہیں، یہ دونوں بہنیں یعنی زید کی زوجین زندہ ہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مرقومہ میں معلوم ہو کہ اس لڑکی سے نکاح شرعاً جائز ہے اس واسطے کہ وہ لڑکی بے قصور ہے، اگر قصور ہے تو زانیین کا ہے، مگر یہ نکاح متقی و پرہیزگار کو لائق و زیب نہیں ہے بواسطے عبرت کے

دوسرے سوال کی ظاہر عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ دونوں بہنوں کو نکاح میں جمع کیا ہے یعنی پہلی بہن کو نکاح میں رکھ کر دوسری بہن سے نکاح کیا ہے، اگر درحقیقت ایسا ہی ہے، تو دوسرا نکاح ناجائز و حرام صریح ہے۔ لقولہ تعالیٰ وان تجمعوا بین الاختین[2] الا ما قد سلف۔ اب سائل جو تیسرے نکاح کے بارے میں یعنی پہلی زوجہ کی بھانجی سے

---

[1] اور اس کے علاوہ اور عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں ۱۲　　[2] اور یہ کہ تم دو بہنوں کو ایک نکاح میں اکٹھا کرو مگر جو پہلے گذر چکا ۱۲

نکاح کرنے کا جو سوال کرتا ہے سو یہ نکاح بھی حرام ہے۔ عن[۱] ابی هریرة رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال لا یجمع بین المرأة وعمتها ولا بین المرأة وخالتها متفق علیه۔ والله تعالیٰ اعلم۔

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سے ایک بیوہ حرہ عورت نے عاشقہ ہو کر بذریعہ خط و کتابت یہ کہا کہ میں تمہاری لونڈی ہوں تم مجھ سے نکاح کر لو ورنہ میں مر جاؤں گی۔ تب زید نے اس عورت کو اس قسم کی فریفتہ حال دیکھ کر اپنی چار بیویاں موجود ہوتے ہوئے اس عورت سے نکاح کر لیا تاکہ دنیوی مقاصد وغیرہ نہ ہو۔ اب شرع شریف میں ایسا نکاح کرنا اور ایسا حیلہ کرنا اور ایسی لونڈی بنانا اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی اور اس کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ نکاح اصلاً منعقد نہیں ہوا کیونکہ چار بیویوں کی موجودگی میں پانچویں بیوی کرنا حرام ہے۔ صحیح بخاری میں ہے۔ باب[۲] لا یتزوج اکثر من اربع لقوله تعالیٰ مثنی و ثلث و ربع وقال علی بن الحسین یعنی مثنی او ثلاث او رباع انتهی۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه ان غیلان[۳] بن سلمة الثقفی اسلم وله عشرة نسوة فی الجاهلیة فاسلمن معه فقال النبی صلی الله علیه وسلم امسک اربعا وفارق سائرهن رواه احمد والترمذی وابن ماجه وعن نوفل بن معاویة قال اسلمت وتحتی خمس نسوة فسألت النبی صلی الله علیه وسلم فقال فارق واحدة وامسک اربعا فعمدت الی اقدمهن صحبة عندی عاقر منذ ستین سنة ففارقتها رواه فی شرح السنة۔ آیت کریمہ اور ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ چار بیویوں کی موجودگی میں پانچویں سے نکاح کرنا حرام اور ناجائز ہے پس صورت مسئولہ میں زید کا

---

[۱] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عورت اور اس کی پھوپھی اور عورت اور اس کی خالہ کو اکٹھا نہ کیا جائے (متفق علیہ)

[۲] اللہ تعالیٰ نے فرمایا، دو دو اور تین تین اور چار چار (علی بن حسین نے کہا مطلب یہ ہے کہ چار سے زیادہ نہ ہوں

[۳] غیلان بن سلمہ ثقفی مسلمان ہوا تو اس کے پاس جاہلیت کے زمانہ میں دس عورتیں تھیں، وہ بھی اس کے ساتھ مسلمان ہوئیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے چار رکھ لو، باقی تمام چھوڑ دو (احمد ترمذی، ابن ماجہ) اور نوفل بن معاویہ جب مسلمان ہوئے تو ان کے پاس پانچ عورتیں تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک کو چھوڑ دو، ان کے پاس ایک بوڑھی ساٹھ سالہ عورت تھی، انہوں نے اس کو چھوڑ دیا (مشکوٰۃ)

ایسا نکاح کرنا اور ایسا حیلہ کرنا سراسر حرام و ناجائز ہے، جب تک اس عورت کو نہ چھوڑے اور اس فعل شنیع سے توبہ نہ کرے، تب تک وہ زانی اور فاسق و فاجر ہے، ایسے فاسق کو نماز میں امام بنانے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے، اور اس کے ساتھ کھانے پینے سے احتراز چاہیے۔ حررہ عبد العزیز المرشد آبادی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: چار عورت سے زیادہ کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: چار عورت سے زیادہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے، قال اللہ تعالی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلث ورباع۔ وعن ابن عمر ان غیلان بن سلمۃ الثقفی اسلم ولہ عشر نسوۃ فی الجاہلیۃ فاسلمن معہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم امسک اربعا وفارق سائرھن رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ کذا فی المشکوۃ۔ وعن نوفل بن معاویۃ قال اسلمت وتحتی خمس نسوۃ فسألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال فارق واحدۃ وامسک اربعا رواہ فی شرح السنۃ وصححہ الترمذی وقد اشار البخاری الی ھذا الحدیث حیث بوب وقال باب لا یتزوج اکثر من اربع ولما لم یکن ھذا الحدیث علی شرطہ لم یدرجہ فی کتابہ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ ابو محمد عبد العزیز الملتانی غفر اللہ لہ ولوالدیہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے سنی المذہب با زنے عقد کرد و بلا طلاق زوجہ اولے عقد ثانی با ہمشیرہ حقیقی زوجہ اولے خود کرد اندریں صورت عقد ثانی باطل خواہد شد یا عقد اولے یا ہر دو، و ہر دو زوجگان مذکور

لہ اللہ تعالی نے فرمایا، جو عورتیں تم کو پسند ہوں ان سے نکاح کرو، دو دو تین تین چار چار، غیلان بن سلمہ جب مسلمان ہوئے، تو ان کے پاس دس عورتیں تھیں، جو ان کے ساتھ ہی مسلمان ہوئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے چار رکھ لو، باقی سب چھوڑ دو، نوفل بن معاویہ کے پاس پانچ عورتیں تھیں، وہ جب مسلمان ہوئے تو آپ نے فرمایا چار رکھ لو، اور ایک کو طلاق دے دو، امام بخاری نے باب باندھ کر اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے "چار عورتوں سے زیادہ نکاح نہ کرنے کا باب" اور چونکہ یہ حدیث ان کی شرائط پر نہ تھی، لہذا اس کو درج نہ کیا۔

سوال:۔ ایک آدمی نے ایک عورت سے نکاح کیا، اس عورت کو طلاق نہیں دی، اور اس کی حقیقی بہن

یا احدے از ایشان مستحق ترکہ شوہر متوفی خود خواہند شد یا نہ فقط۔

الجواب:- درصورت مذکورہ عقد اول صحیح است و عقد ثانی باطل است چنانچہ در تفسیر خازن تحت قولہ تعالےٰ وان تجمعوا بین الاختین مرقوم است فلو تزوج احدی الاختین ثم تزوج الاخری بعدھا فھو ملیکو ببطلان نکاح الثانیۃ ازیں عبارت ہویدا گردید کہ عقد ثانی شرعا باطل وناروا است لہٰذا زوجہ اولے مستحق ترکہ شوہر خود خواہد شد و زوجہ ثانی از ترکہ محروم خواہد ماند زیرا کہ سبب ارث عقد بود و چوں عقد منتفی گردید وراثت ہم منتفی خواہد شد۔ ھذا حکم الکتاب واللہ اعلم بالصواب

حررہ حمید الرحمٰن نصیرا بادی   سید محمد نذیر حسین

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی ایک عورت سے دختر پیدا ہوئی جس کا نام ہندہ ہے اب عورت زید کی مرگئی جس کے شکم سے وہ دختر ہندہ موجود ہے پس زید نے اپنی دختر ہندہ کے بدلہ میں دوسرے شخص بکر کی ہمشیرہ سے نکاح اپنا کر لیا اور اپنی دختر ہندہ کا نکاح ہمراہ بکر کے کر دیا جو زید کا وہ بکر سالہ لگا اور زید کی دختر ہندہ بکر کی سوتیلی بھانجی لگی اس لئے اب مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ بکر کا نکاح ہمراہ مسماۃ ہندہ کے جو اس کی سوتیلی بھانجی لگی شرع میں درست ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب:- واضح ہو کہ نکاح زید کا ہمشیرہ بکر سے اور نکاح بکر کا دختر زید سے اگر بعوض دین مہر ہوا ہے تو شرعا جائز ہے اور اگر بغیر دین مہر ہوا ہے تو جائز نہیں ہے الا عند ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والماٰب

العبد عبد الرحیم عفی عنہ   سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق:- جواب صحیح ہے اور صورت مسئولہ میں زید کی دختر ہندہ جو بکر کی سوتیلی

سے بھی نکاح کر لیا یا جائے، کہ پہلی عورت حرام ہوئی یا دوسری، یا دونوں، اور اس کے ترکے کی کون وارث ہوگی، یا دونوں محروم ہوں گی؟

الجواب:- پہلا نکاح صحیح ہے، اور دوسرا باطل ہے تفسیر خازن میں اس آیت کے تحت، کہ تم دو بہنوں کو ایک نکاح میں اکٹھا کرو، لکھا ہے، کہ اگر ایک بہن سے نکاح کیا، پھر دوسری سے کر لیا تو دوسرا نکاح باطل ہے، جب شرعاً دوسرا نکاح باطل ہوا تو یہ ہی دوسری عورت ورثہ سے محروم ہوگی، کیونکہ سبب وراثت تو نکاح تھا، جب وہی نہیں تو وراثت کیسی؟

بھانجی لگی (یعنی چونکہ زید کی زوجہ ثانیہ بکر کی ہمشیرہ ہے، اور زید کی زوجہ اولٰے کی دختر ہندہ ہے تو اس معنی میں ہندہ بکر کی بھانجی لگی)، سو اس کا کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ وہ درحقیقت بکر کی بھانجی نہیں ہے

کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بٹہ کا نکاح کیا جس کو شرع میں شغار کہتے ہیں لیکن اس نے مہر مقرر کیا ہے، اور ہر دو نکاح میں پندرہ سولہ روز کا فاصلہ بھی ہوا ہے، اور وہ اس مسئلہ کو جانتا بھی نہ تھا اس سے بالکل جاہل تھا اب شرع شریف میں وہ نکاح درست رہا یا مثل مہر یا نکاح جدید کی حاجت پڑتی ہے، بینوا بالدلیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب:- نکاح مذکورہ صحیح و درست ہے، کیونکہ صورت نکاح مذکور میں، شغار نہیں کہا جاتا، شرع شریف میں جیسا کہ آگے بیان ہوتا ہے۔ قال فی مجمع البحار[1] ھو نکاح فی الجاھلیۃ کان الرجل یقول شاغرنی ای زوجنی اختک او بنتک او من تلی امرھا حتی ازوجک من الی امرھا بلا مھر ویکون بضع کل واحدۃ بمقابلۃ بضع الاخری من شغر الکلب اذا رفع احدی رجلیہ لیبول لارتفاع المھر انتھی وعن[2] ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن الشغار والشغار ان یزوج الرجل ابنتہ علی ان یزوجہ الآخر ابنتہ لیس بینھما صداق رواہ البخاری قال فی القاموس بل صداق کل واحدۃ بضع الاخری، اب جب ثابت ہوا کہ شغار اس کو کہتے ہیں کہ جس میں دونوں طرف سے مہر نہ ہو، جیسا کہ ہم نے حدیث شریف سے یعنی من قول لیس بینھما صداق اور لغت سے یعنی من قول بلا مھر بیان کیا، تو اب نکاح مذکور صحیح وثابت ہوا اس لئے کہ جب مہر مقرر کیا گیا، تو اس کو شغار نہ کہا جاوے گا شرع میں جیسا کہ

---

[1] مجمع البحار میں ہے، کہ شغار جاہلیت کے زمانہ کا نکاح ہے، ایک آدمی دوسرے آدمی سے کہتا کہ میں تجھے اپنی بہن یا بیٹی یا جس کے معاملہ کا وہ خود والی ہے تیرے ساتھ نکاح کر دوں اور میں جس عورت کے معاملہ کا والی ہوں، تیرے ساتھ نکاح کر دیتا ہوں، ان کے درمیان کوئی مہر مقرر نہیں ہوتا تھا

[2] ابن عمر سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا ہے، اور شغار یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرتا ہے، کہ دوسرا اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کر دے، اور درمیان میں مہر نہ ہو (بخاری) قاموس میں ہے، کہ مہر ہر ایک کا دوسری کی شرمگاہ ہوگا ۱۲

کہا امام نووی نے وصورتہ ان یقول زوجتک بنتی علی ان تزوجنی بنتک وبضع کل واحدۃ صداق للاخری فیقول قبلت انتہی، اور جو لوگ کہتے ہیں، کہ یہ تفسیر حدیث کی یعنی لیس بینہما صداق تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے، بلکہ یہ تفسیر صحابی وغیرہ سے ہے، سو اس میں کچھ حرج و مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ اس میں دونوں احتمال ہیں، تو اگر تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، تو ھو المراد، اور اگر صحابی کی ہے، تو وہ بھی مقبول ہے، کیونکہ وہ صاحب لسان ہے، کما قال الحافظ ابن حجر فی الفتح قال القرطبی تفسیر الشغار صحیح موافق لما ذکرہ اہل اللغۃ فان کان مرفوعا فہو المقصود وان کان من قول الصحابی فمقبول ایضا لانہ اعلم بالمقال انتہی، الغرض کہ نکاح مذکور درست بلاشبہ ہے، اس لئے کہ اس کو شغار نہیں کہتے، اور مہر مثل و نکاح جدید کی کچھ حاجت نہیں ہے، کیونکہ مہر تو دونوں طرف سے مقرر تھا، ہاں اگر مہر اس وقت مقرر نہیں ہوا، تو پھر بھی بعض علماء کے نزدیک فسخ نہیں ہوتا، جیسا کہ مذہب امام مالک کا ہے، ایک روایت میں اور یہی مذہب ہے امام اوزاعی کا، کما قال الحافظ فی الفتح وفی روایۃ مالک یفسخ قبل الدخول لا بعدہ وحکاہ ابن المنذر عن الاوزاعی انتہی وقال فی المحلی شرح مؤطا وروی عن عطاء بن ابی رباح قال یقران علی نکاحہما ویجعل لہما صداق المثل انتہی وذہب الامام ابو حنیفۃ الی صحتہ ووجوب مہر المثل وہو قول الزہری ومکحول والثوری واللیث وروایۃ عن الامام احمد واسحق وبہ قال ابو ثور وابن جریر کذا فی الفتح والنووی۔ اور جو حدیث سنن ابی داؤد میں ہے، کہ دو شخصوں نے نکاح کیا بٹہ پر، اور مہر بھی کیا

؎ اس کی واضح صورت یہ ہے کہ میں نے اپنی لڑکی اس شرط پر تجھ سے بیاہ دی، کہ تو اپنی لڑکی مجھ سے بیاہ دے، اور ہر ایک کا بضعہ دوسری کا مہر ہو تو وہ کہے میں نے قبول کیا۔ ؎ حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں، کہ علامہ قرطبی نے کہا ہے، کہ شغار کی یہ تفسیر صحیح اور اہل لغت کے بالکل موافق ہے اگر یہ مرفوع ہے تو فبہا اور اگر صحابی کا اپنا قول ہے، تو بھی قابل قبول ہے، کیونکہ وہ کلام کو زیادہ جانتا ہے۔ ؎ جیسا کہ حافظ نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے، کہ امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ دخول سے پہلے نکاح فسخ ہوگا بعد میں نہیں، امام اوزاعی سے ابن منذر نے بھی یہی بیان کیا ہے، موطا کی شرح محلی میں ہے، کہ عطاء بن ابی رباح سے مروی ہے کہ ان کا نکاح باقی رکھا جائے گا اور مہر مثل دیا جائے گا، امام ابو حنیفہ اس کی صحت کے قائل ہیں اور مہر مثل کو واجب سمجھتے ہیں زہری، مکحول، ثوری اور لیث کا بھی یہی قول ہے، امام احمد اور اسحاق سے بھی یہ روایت ہے، نیز ابو ثور اور ابن جریر اسی کے قائل ہیں، اسی طرح فتح الباری اور نووی میں ہے۔

تو حضرت معاویہ نے ان کو منع کیا، اور امر کیا تفریق کا، تو جواب اس کا یہ ہے، کہ اول تو یہ رائے ہے امیر معاویہ کی اور مخالف ہے لغت کے اور صحیح حدیث کے اگرچہ وہ تفسیر صحابی کی ہے، مگر لغت عرب کے تو موافق ہے، کہ شغار اس کو نہیں کہتے، شغار وہ ہے جو کہ مہر معین نہ کیا، جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا قول صحیح العبارہ سے یعنی ہونا شغار بلا مہر اور دوسرا یہ کہ انہوں نے مہر وہی کیا ہوگا یعنی بضع احد للاخر بلا مہر جیسے حدیث کی عبارت یوں ہوگی، وجعلا الشغار صداقا۔ الغرض کہ نکاح مذکور درست ہے تطویل کرنے کی کچھ حاجت نہیں ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

حررہ العبد الضعیف ابو محمد عبد الوہاب الجھنگوی الملتانی، تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

سید محمد نذیر حسین

از شریعت سید کونین شد شریعت حسین ۱۲۹۲	خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین ۱۲۹۲

الجواب صحیح والرای نجیح | محمد طاہر سلہٹی | اصاب من اجاب | فضل حق عفی عنہ پنجابی |

سوال، مسئلہ شغار میں عرض ہے، کہ دونوں عورتوں کا اول مہر علیحدہ علیحدہ باندھ کر پیچھے عقد کیا جاوے، درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب، جب دونوں عورتوں کا اول مہر علیحدہ علیحدہ باندھا جاوے پھر عقد کیا جاوے تو یہ عقد نکاح درست ہے اور شغار ممنوع میں داخل نہیں ہے بلوغ المرام میں ہے۔ عن نافع عن ابن عمر قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الشغار[1] والشغار ان یزوج الرجل ابنتہ علی ان یزوجہ الاخر ابنتہ لیس بینھما صداق متفق علیہ واتفقا من وجہ اخر علی ان تفسیر الشغار من کلام نافع۔ سبل السلام صفحہ ۶۷ جلد ۲ میں ہے۔ قال القرطبی تفسیر الشغار بما ذکر صحیح موافق لما ذکرہ اھل اللغۃ فان کان مرفوعا فھو المقصود وان کان من قول الصحابی فمقبول ایضا لانہ اعلم بالمقال[2]

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا ہے، اور شغار یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی بیٹی کا کسی سے اس شرط پر نکاح کرے، کہ وہ بھی اس کو اپنی بیٹی نکاح کر دے، اور ان دونوں میں حق مہر کوئی نہ ہو (متفق علیہ) اور شغار کی یہ تعریف متفقہ طور پر نافع کا کلام ہے ۱۲

[2] قرطبی نے کہا کہ شغار کی تفسیر جو بیان کی گئی ہے اہل لغت کے بیان کے مطابق صحیح ہے، اگر یہ مرفوع ہے تو فبہا، اور اگر یہ صحابی کا قول ہے تو بھی مقبول ہے، کیونکہ وہ

واقفہ بالحال انتہی واذا قد ثبت النہی عنہ فقد اختلف الفقہاء ھل ھو باطل او غیر باطل فذھبت الھدویۃ والشافعی ومالک الی انہ باطل للنہی عنہ وھو یقتضی البطلان وللفقہاء خلاف فی علۃ النہی لا نطول بذکرہا اقوال تخمینیۃ ویظہر من قولہ فی الحدیث لا صداق بینہما انہ علۃ النہی انتہی واللہ اعلم ۔ الجیب محمد عبد الحق ملتانی

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت صاحب اولاد ہو، خاوند زندہ ہو، بغیر طلاق دوسرے بھائی کے ہمراہ عقد ہو سکتا ہے یا کہ نہیں، اور اس نکاح سے حمل جو ہو گیا ہو اس کو ولد الزنا کہا جاوے گا یا نہیں، اور جو مجنون حلال حرام پہچان سکتا ہو یا کہ آنہ دو آنہ کی چیز خرید کرکے لا سکتا ہو اس کی عورت کے ہمراہ بغیر طلاق حاصل کئے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: خاوند زندہ ہو اور اس نے اپنی عورت کو طلاق نہ دی ہو اور نہ اس کی عورت کو کسی وجہ سے فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوا ہو تو اس کی عورت منکوحہ غیر مطلقہ سے نکاح نہیں ہو سکتا ہے، اور اگر کوئی کرے گا تو وہ نکاح حرام و باطل ہوگا، اور اس حرام و باطل نکاح سے جو اولاد ہوگی وہ بلا اشتباہ ولد الزنا ہوگی اور جس عورت کا شوہر مجنون ہو اور اس کے مجنون ہونے کی وجہ سے اس عورت کا ضرر ہو، اور وہ عورت بسبب اپنے ضرر کے اس کے ساتھ نہ رہنا چاہے تو ایسی صورت میں عورت کو اپنے نکاح کے فسخ کا اختیار حاصل ہے، اپنا نکاح فسخ کرکے بغیر طلاق کے اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے، موطا امام محمد میں ہے۔ اخبرنا مالک اخبرنا یحیی بن سعید ابن المسیب انہ قال ایما رجل تزوج امرأۃ وبہ جنون او ضرر فانہا تخیر ان شاءت قرت وان شاءت فارقت قال محمد اذا کان امرا لا یحتمل خیرت فان شاءت قرت وان شاءت فارقت والا فلا خیار لہا الا فی العنین والمجبوب انتہی قال فی

عرب کے رواج اور لغت کو خوب جانتے تھے، جب حدیث سے اس کی نہی ثابت ہو گئی، تو اب اختلاف اس میں ہے کہ کیا یہ نکاح باطل ہے یا نہیں؟ ھدویہ، امام شافعی، مالک کہتے ہیں کہ باطل ہے اور علت نہی میں بھی اختلاف ہے ہر ایک نے اپنے تخمینہ کے مطابق کہا ہے، ہم اس لمبی بحث کو چھوڑتے ہیں، حدیث سے بظاہر علت نہی حق مہر کا نہ ہونا معلوم ہوتا ہے ۱۲

[1] ابن مسیب نے کہا جو آدمی نکاح کرے، اور اس کو دیوانگی یا کوئی بیماری ہو تو عورت کو اختیار دیا جائے گا چاہے تو اس کے گھر رہے، چاہے تو علیحدہ ہو جائے امام محمد نے کہا جب معاملہ تحمل سے باہر ہو، تو اس کو

نیل الاوطار و قد ذهب جمهور اهل العلم من الصحابة فمن بعدهم الی انه یفسخ النکاح بالعیوب وان اختلفوا فی تفاصیل ذلک الخ کتبه محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا الله عنه
ایسی صورت میں وہ عورت بذریعہ حاکم یا پنچ کے فسخ کرلے

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی ماں کی چچیری بہن سے نکاح کرے تو عند الشرع جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: جائز ہے، کیونکہ جن عورتوں کی حرمت قرآن مجید و حدیث شریف سے ثابت ہوتی ہے، ماں کی چچیری بہن ان عورتوں کے علاوہ ہے۔ لہذا اس سے نکاح کرنا جائز ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ۔ الجواب صحیح۔ خلیل الرحمن
الجواب صحیح۔ عبدالرحمن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: سوتیلی خالہ سے نکاح کرنا جائز ہے یا نا جائز۔ بینوا توجروا۔

الجواب: سوتیلی خالہ سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے لقولہ تعالیٰ وخالاتکم اللہ تعالیٰ نے مطلق خالہ سے نکاح کرنے کو حرام فرمایا ہے، جو خالہ عینیہ و خالہ علاتیہ اور خالہ اخیافیہ سب کو شامل ہے، پس ہر قسم کی خالہ سے نکاح کرنا حرام ہے، عینیہ ہو یا علاتیہ یا اخیافیہ۔ حافظ جلال الدین سیوطی تفسیر اکلیل میں لکھتے ہیں، ویدخل فی الاخوات الشقائق وغیرهن وفی العمات والخالات کل من ولد جد له او جدة ثالث وان علیا من قبل الاب او الام انتهی۔ اور ہدایہ میں ہے ولا بعمته ولا بخالته لان حرمتهن منصوص علیها فی هذه الآیة وتدخل فیه العمات المتفرقات والخالات المتفرقات انتهی

سید محمد نذیر حسین

سوال: دو شخص حنفی المذہب ہیں، ایک ان دونوں میں سے نقشبندی المشرب پابند صوم و صلوٰۃ و قرآن خواں ہے، ولیکن تصور شیخ میں مبتلا ہے، اور دوسرا نماز بھی نہیں

اختیار ہے چاہے تو رہے چاہے تو نہ رہے اور نامرد اور مجبوب میں اختیار نہیں ہے نیل الاوطار میں ہے جمہور اہل علم صحابہ اور ان کے بعد کے لوگوں کا یہی مذہب رہا ہے کہ عیوب سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے، اگرچہ عیوب کی تفصیل میں اختلاف ہے ۱۲ سلہ

پڑھتا ہے لیکن یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کا وظیفہ کرتا ہے اور ان دونوں کی عورتوں سے ایک مولوی نے کہا کہ تمہارے خاوند مشرک ہیں اس لئے تمہارا نکاح کوئی نہیں رہا کیونکہ تم دونوں دیندار اور موحدہ ہو اور وہ مشرک ہیں لہٰذا وہ دونوں مفرور ہو کر یہاں سے بارادہ حج دہلی گئیں پھر انہوں نے اپنی والدہ کی طرف تحریر کیا ہے کہ ہم فلاں مولوی کے ہاں سکونت پذیر ہو گئی ہیں اور ہم نے نکاح کر لیا ہے اور ایک مخبر معتبر نے جو ان کو دہلی میں بچشم خود دیکھ کر یہاں آیا ہے یقینی خبر دیتا ہے کہ دونوں نے نکاح کر لیا ہے لہٰذا ان دونوں میں سے ایک کی والدہ شریفہ عاجزہ مصیبت زدہ مستفتی ہے کہ آیا یہ نکاح جو مولوی نے کر دیا ہے باوجودیکہ شوہر موجود ہیں اور شوہر اول نے طلاق بھی نہیں دی ہے شرع شریف میں جائز ہوا یا ناجائز ہو رہا۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ ماہران شریعت پر مخفی نہیں کہ صورت مذکورہ میں نکاح کرنا ایسی عورتوں سے باطل و حرام ہے اور ناکح اور منکوحہ دونوں زناکار ہیں اور دونوں عورتوں سے کسی مسلمان کا نکاح کرنا حلال نہیں ہے جب تک ان کے شوہران اول طلاق نہ دیں تفسیر جلالین میں ہے (والمحصنت) ای ذوات الازواج (من النساء) ان تنکحوھن قبل مفارقۃ ازواجھن حرائر مسلمات کن اولا (الا ما ملکت ایمانکم) بالسبی فلکم وطؤھن انتہی مشکوۃ شریف میں ہے۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ ویقیموا الصلوۃ ویؤتوا الزکوۃ فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دمائھم و اموالھم الا بحق الاسلام وحسابھم علی اللہ متفق علیہ الا ان مسلما لم یذکر الا بحق الاسلام وعن انس انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی صلوتنا

---

[1] اور نکاح والی عورتوں سے بھی نکاح نہ کرو جب تک کہ ان کے خاوند ان کو چھوڑ نہ دیں، خواہ وہ آزاد عورتیں ہوں یا لونڈیاں ہاں اگر کوئی کافر عورت قیدی ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آ جائے تو پھر تم کو اس سے صحبت کرنا جائز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے لڑائی کر سکتا ہوں، جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ کہیں اور نماز اور زکوۃ کی پابندی نہ کریں، جب وہ یہ کر لیں تو انہوں نے مجھ سے اپنے خون اور مال بچا لئے ماسوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے (متفق علیہ) اور آپ نے فرمایا جس نے ہماری طرح سے نماز پڑھی، اور ہمارے قبلہ کو اپنا قبلہ سمجھا، اور ہمارے ذبیحہ کو کھایا تو یہ

واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذی لہ ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ فلا تخفروا اللہ فی ذمتہ رواہ البخاری. مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے. قولہ (فلا تخفروا اللہ فی ذمتہ) من الاخفار ای لا تخونوا اللہ فی عہدہ ولا تتعرضوا فی حقہ من مالہ ودمہ وعرضہ انتہی. شریفیہ میں ہے. بخلاف اہل الاہواء فانہم معترفون بالانبیاء والکتب ویختلفون فی تاویل الکتاب والسنۃ وہو لا یوجب اختلاف الملۃ انتہی. واللہ اعلم بالصواب۔ سید محمد نذیر حسین

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین کہ مثلاً زید از ہندہ نکاح کرد پس دریں صورت دختر ہندہ کہ از زوج دیگر است بہ پسر زید کہ از زوجہ دیگر است درست می شود یا نہ بینوا توجروا۔

الجواب: درست است زیرا کہ حرمت نکاح یا بہ سبب نسب است یا بہ سبب مصاہرت یا بہ سبب رضاعت و ایں صورت مذکورہ ازیں صور ثلاثہ بیرون است و پسر زید و دختر ہندہ محض اجنبی اند چنانکہ زید بہ نسبت ہندہ اجنبی بود پس در نیہما نکاح کردن درست است چہ نکاح زید با ہندہ موجب حرمت نکاح بجہت مصاہرت ہرگز نمی شود و در صور موانع نکاح ایں صورت اصلاً داخل نیست، چنانکہ کتب فقہ براں دلالت دارند. واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب۔ الراقم سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین	ہو الخالق ۱۲۵۶	محمد قطب الدین	فقیر احمد سعید دہلوی

الجواب صحیح الراقم العبد المسکین محمد صدر الدین عفی عنہ

وہ مسلمان ہے جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے، سو اللہ کے ذمہ (عہد) کی توہین نہ کرو (بخاری) ۱۲

۱؎ اللہ کے ذمہ کی توہین نہ کرو، کا مطلب یہ ہے کہ اس کے عہد میں خیانت نہ کرو، اور اس کے حق یعنی مال اور خون سے تعرض نہ کرو، برخلاف بدعتی لوگوں کے کہ یہ لوگ نبیوں اور کتابوں کو تسلیم کرتے ہیں، اور کتاب وسنت میں تاویل کر کے اختلاف کرتے ہیں، اور اس سے دین اور مذہب نہیں بدل جاتا۔ ۱۲

سوال: زید نے ہندہ سے نکاح کیا، کیا زید کی پہلی بیوی سے بیٹے کا نکاح ہندہ کی پہلے خاوند کی بیٹی سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: درست ہے کیونکہ نکاح میں حرمت تین وجہ سے آتی ہے نسب سے یا مصاہرت سے یا دودھ سے، اور ان تینوں میں سے یہاں کوئی صورت نہیں ہے، پس زید کا لڑکا اور ہندہ کی لڑکی آپس میں محض اجنبی ہیں، بالکل اسی طرح جیسے زید اور ہندہ پہلے ایک دوسرے سے اجنبی تھے، اور اب زید اور ہندہ کا نکاح موجب حرمت نکاح بسبب مصاہرت نہیں ہو گا، اور موانع نکاح میں یہ صورت داخل نہیں ہے، جیسا کہ کتب فقہ اس کی تصریح کر رہی ہیں۔ ۱۲

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی ماں یعنی فاطمہ ہندہ کے پہلے شوہر کے نکاح میں تھی، اب وہ شوہر مر گیا، بعد چندے پھر زید نے ہندہ مذکورہ سے اپنا نکاح کر لیا، یہ عقد صحیح ہوا یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:- درصورت مذکورہ معلوم کرنا چاہیئے کہ درمیان زید و شوہر اول ہندہ کے رشتہ حقیقی پایا نہیں جاتا، بلکہ شوہر مذکور زید کا سوتیلا باپ ہوا، اس لئے کہ ماں زید کی اس کے نکاح میں تھی، وعلی ہذا القیاس زید کا ہندہ سے بھی کچھ رشتہ نہیں، وہ دونوں باہم اجنبی ہیں، پس بحکم آیۃ احل لکم ما وراء ذلکم کے نکاح کر لینا زید کا ہندہ سے درست و صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب:- حررہ سید شریف حسین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق:- سوال سے ظاہر یہی ہوتا ہے، کہ زید اپنی ماں فاطمہ کے پہلے شوہر کے نطفہ سے نہیں ہے، اور اسی بنا پر یہ جواب لکھا گیا ہے، اور اگر اسی کے نطفہ سے ہے تو اس تقدیر پر زید کا ہندہ سے نکاح کرنا صحیح نہ ہوگا، کیونکہ اس صورت میں ہندہ زید کے باپ کی منکوحہ ہوئی، اور باپ کی منکوحہ سے نکاح جائز نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم الآیۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

کتاب الستر والحجاب وبیان العورات

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے تئیں درویش زاہد اور خدا پرست بتایا، اور علم شرع و باطن سے بالکل بے بہرہ ہے، خرقہ درویشی پہن کر اور عادات و اطوار فقیرانہ بنا کر اپنے تئیں ایک پیر طریقت و شریعت ظاہر کیا، چنانچہ عمرو اس کا مرید ہوا، اور اس درجہ اطاعت و فرمانبرداری میں زید کے قدم رکھا، کہ اپنی زوجہ و دختر جوان کو بھی پیر کے سامنے ہونے سے منع نہ کیا، اور زید بعمر نوجوان نے عمرو کی زوجہ اور دختر سے اس قدر اختلاط پیدا کیا، کہ عمرو کے گھر آنے جانے لگے، اور کھانا، پینا اور نشست و برخاست ان کے ساتھ شروع کر دی، بلکہ اب زید کو ایک ساعت بھی بغیر دیکھے عمرو کی زوجہ و دختر کے چین نہیں پڑتا، اگر زید کی طرف سے کوئی ہرج مرج ہو جاتا ہے، تو عمرو کی زوجہ خود زید کو بلاتی ہے اور عمرو اپنی زوجہ و دختر کو زید کی اطاعت کے واسطے حکم تاکیدی دیتا ہے، ایسے اشخاص کی نسبت شرع شریف میں کیا حکم ہے، اور ایسے امور جائز ہیں یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب۔ عمرو کا اپنی بی بی اور دختر جوان کو زید کے سامنے کرنا، اور ان کے ساتھ زید کے اس قدر اختلاط پیدا کرنے سے (کہ ان کے ساتھ نشست و برخاست کرے اور ان کے بغیر دیکھے اس کو ایک ساعت بھی چین نہ پڑے، اور اس کی طرف سے کچھ ہرج مرج ہو تو عمرو کی زوجہ خود اس کو بلا لے) نہ روکنا، بلکہ اس سے راضی اور خوش رہنا، اور اپنی زوجہ اور دختر کو زید کی اطاعت کے واسطے تاکید کرنا سراسر ناجائز و حرام ہے، جو شخص اپنی زوجہ اور اپنی دختر جوان کو غیر محرم مرد کے سامنے کرے، اور اس قسم کے اختلاط سے راضی رہے وہ پکا دیوث اور فاسق ہے، اور وہ غیر محرم مرد بھی فاسق ہے، اور اس شخص کی وہ زوجہ اور دختر

بھی فاسقہ ہیں، شریعت میں نامحرم مردوں کو عورتوں کی طرف اور عورتوں کو نامحرم مردوں کی طرف نظر کرنا اور دیکھنا منع ہے، تو اس قسم کا اختلاط کس درجہ منع ہوگا، فرمایا اللہ تعالیٰ نے قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون و قل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن الخ یعنی کہہ دیجیے مسلمان مردوں کو کہ بند کریں اپنی آنکھیں نامحرم عورتوں سے اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی، یہ بہت پاکیزہ ہے ان کے لئے اور اللہ خبردار ہے اس سے جو وہ کرتے ہیں، اور کہہ دیجیے مسلمان عورتوں سے کہ بند کریں اپنی آنکھیں نامحرم مردوں سے اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی، مشکوٰۃ شریف میں ہے عن ام سلمۃ انھا کانت عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومیمونۃ اذ اقبل ابن ام مکتوم فدخل علیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجبا منہ فقلت یا رسول اللہ الیس ھو اعمی لا یبصرنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افعمیاوان انتما الستما تبصرانہ رواہ احمد والترمذی وابوداؤد (مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبۃ) یعنی ام سلمہ روایت کرتی ہیں کہ میں اور میمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں، اتنے میں ابن ام مکتوم آئے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں سے فرمایا کہ ان سے چھپ جاؤ اور پردہ کر لو تو میں نے کہا یا رسول اللہ کیا یہ اندھے نابینا نہیں ہیں، آپ نے فرمایا (یہ اندھے ہیں) تو تم دونوں تو اندھی نابینا نہیں ہو، روایت کیا اس کو احمد نے اور ترمذی اور ابوداؤد نے، واللہ تعالیٰ اعلم

سید محمد نذیر حسین

حررہ علی احمد مدراسی عفی عنہ

ھو الموفق:۔ جواب صحیح ہے بے شک ایسے امور سراسر ناجائز و حرام ہیں اور ایسے امور کے مرتکب بلاشبہ پکے فاسق ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل یا رسول اللہ ارأیت الحمو قال الحمو الموت متفق علیہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بچو عورتوں کے پاس داخل ہونے سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ دیور سے خبر دیجیے، آپ نے فرمایا دیور تو موت ہے متفق علیہ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا یخلون رجل بامرأۃ الا کان ثالثھما الشیطان رواہ الترمذی۔ یعنے جب کوئی اجنبی اور غیر محرم مرد کسی غیر محرم عورت کے ساتھ تخلیہ میں ہوتا ہے، تو ان دونوں کا تیسرا شیطان ہوتا ہے، روایت کیا اس کو ترمذی نے

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نظر الفجاءۃ فامرنی ان اصرف بصری رواہ مسلم یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے اس نظر کے بارے میں سوال کیا جو یکایک اور بلا قصد کسی اجنبی عورت پر پڑ جاتی ہے تو آپ نے مجھے فرمایا کہ میں اپنی نظر کو پھیر لوں، روایت کیا اس حدیث کو مسلم نے ان احادیث سے معلوم ہوا کہ غیر محرم عورت کی طرف نظر کرنا اور ان کے پاس تنہائی میں داخل ہونا حرام و ناجائز ہے، اور جب کہ مجرد نظر کرنا اور ان کے پاس داخل ہونا حرام ٹھہرا تو تم سمجھ سکتے ہو کہ غیر محرم عورتوں کے ساتھ نشست و برخاست کرنا اور ان کے ساتھ کھانا پینا اور ان سے خدمت لینا کس درجہ حرام و ناجائز ہوگا، واللہ تعالی اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفی عنہ۔

سوال اول: زید جو سن رسیدہ ہو کر مسلوب القوی الشہوانیہ ہو گیا ہے، اب وہ اپنی محرمات بیٹی و بہو وغیرہ سے پیٹھ و ران پر مالش کرا سکتا ہے یا نہ؟

سوال دوم: زید مذکور بالا سے غیر محرم عورتیں بغرض تعلیم احکام اسلام سامنے ہو سکتی ہیں یا نہ، و نیز غیر محرم عورتوں سے رقیہ وغیرہ کر سکتا ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ماسوائے عورت کے باقی بدن پر اپنی محرمات سے مالش کرانا جائز ہے بوڑھے کو بھی اور جوان کو بھی، اور عورت پر مالش کرانا نہ بڈھے کو جائز ہے اور نہ جوان کو، اور عورت کہتے ہیں بدن کے اس حصہ کو جس کا چھپانا ضروری ہے، خلاصہ یہ کہ اس بارے میں سن رسیدہ مسلوب القوی اور جوان دونوں کا ایک حکم ہے[1] تفسیر فتح البیان تحت آیت غیر اولی الاربۃ کے مرقوم ہے۔ والاکثرون علی ان الشیخ الکبیر کالفحل وقال فی موضع آخر منہ واختلف فی عورۃ الشیخ الذی قد سقطت شہوتہ والاولی بقاء الحرمۃ اھ ہاں ضرورت شدیدہ کے وقت محرمات کو عورت کی طرف نظر کرنا اور اس کا مس کرنا جائز ہے جیسا کہ طبیب کو جائز ہے۔ لان الضرورات تبیح المحذورات[2]

جواب سوال دوم: تعلیم احکام اسلام بغیر سامنے ہوئے کے بھی ہو سکتی ہے، لہذا زید کو چاہئے کہ غیر محرم عورتوں کو پردہ سے تعلیم دے اور ان کو اپنے سامنے نہ کرے اور اسی طرح

[1] اکثر علماء کا یہی مذہب ہے، کہ بوڑھا کھوسٹ اس معاملہ میں جوان کی طرح ہے، اور بڈھے کی عورت کے متعلق اختلاف ہے جس کی شہوت ختم ہو چکی ہو اور صحیح یہ ہے کہ اس کی حرمت قائم ہے

[2] ضرورتیں ممنوعات کو جائز کر دیتی ہیں ۱۲

اس کو چاہیے، کہ غیر محرم عورتوں سے رقیہ بھی پردے سے کرے۔

حررہ محمد عبد الحق ملتانی ۲۲ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ واعظ ومدرس را وعظ گفتن روبروزنان نامحرم بالمشافہ بلا حجاب روا وحلال است، یا ناروا است، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ وعظ گفتن واعظ را روبروزنان نامحرم بلا حجاب وبغیر پردہ حرام وناروا است شرعاً بموجب آیت پردہ، اگرچہ نزول آن خاص برائے ازواج مطہرات پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بود لیکن حکم پردہ ازین آیت برائے جمیع زنان مسلمین ثابت است ومخالفت آن موجب فسق وبے حیائی خواہد بود، آیت کریمہ این است واذا سألتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب ذلكم اطهر لقلوبكم وقلوبهن الآية فنزلت فاحتجب ازواج رسول الله صلى الله عليه وسلم ولكن الحكم عام لكل من المؤمنات فيهم منه ان تحتجب جميع النساء من الرجال كذا في التفسير الاحمدي وغيره من كتب الشريعة۔ آرے اگر زنان در پردہ نشینند وواعظ بیرون پردہ نشستہ وعظ بگوید، ودیگر دوچہار مردمان ہمراہ واعظ نیز باشند جائز وروا است زیرا کہ صحابہ در خانہ حضرت عائشہ رض صدیقہ رفتہ مسائل می پرسیدند وحضرت عائشہ رض از پس پردہ صحابہ را تعلیم مسائل می فرمودند وتوارث وتعامل از سلف صالحین بدین طریق بودہ می آید، واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ مدرس اور واعظ کو نامحرم عورتوں کے روبرو بالمشافہ وعظ کہنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب:۔ اس طرح بالمشافہ وعظ کہنا درست نہیں ہے، پردہ کی آیت کے سبب سے، گو وہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے حق میں نازل ہوئی ہے لیکن پردہ کا حکم تمام مسلمان عورتوں کے لئے ہے اور اس کی مخالفت موجب فسق وبے حیائی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تم ان سے کوئی چیز مانگو، تو پردے کے پیچھے مانگو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کو زیادہ پاک کرنے والی بات ہے الآیۃ، جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے پردہ کیا لیکن حکم عام ہے، تمام مومن عورتیں پردہ کیا کریں، ہاں اگر عورتیں پردہ میں بیٹھیں، اور واعظ پردہ کے باہر ہو، اور وعظ کہے، اور اس کے ساتھ اور دو چار آدمی بھی ہوں، تو پھر جائز ہے، کیونکہ صحابہ کرام بھی حضرت عائشہ صدیقہ رض کے پاس جاتے اور مسائل پوچھتے، اور حضرت عائشہ پردے کے پیچھے ان کو مسائل کی تعلیم دے دیا کرتیں اور اس وقت سے لے کر آج تک علماء کا اس پر عمل چلا آتا ہے ۱۲

کتاب الایمان والنذور

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ بعض فقرار صوفی المشرب کہ اپنے آپ کو حنفی المذہب کہتے ہیں ہمیشہ تہبند باندھتے ہیں، اور رنگے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں، اگر کوئی آدمی ان کے مشرب کے یہ امور اختیار نہ کرے، تو اس کو مردود طریقت اور اپنے مشرب سے خارج سمجھتے ہیں، اگر ان سے پوچھا جاوے، کہ بغیر تہبند اور رنگے ہوئے کپڑوں کے قسم دیگر کپڑے کیوں نہیں پہنتے ہو تو وہ یہ جواب دیتے ہیں، کہ یہ امور درحقیقت مباح ہیں، اور ہم نے اپنے اوپر نذر مانی ہے کہ ہمیشہ ان کپڑوں کو پہنیں گے اور شریعت میں کسی امر مباح کو اپنے اوپر خاص واسطے خوشنودی خدا کے نذر ماننا اور واجب کر لینا، اور زبان سے بھی اس کو ادا کرنا دراصل نذر ہے، اور نذر کا ایفا کرنا واجب ہے، لہٰذا ہم اس قسم کے کپڑے واسطے ایفا نذر کے پہنتے ہیں، اور نیز قبرستان اور عرسوں میں رنڈیوں کو نچوانا اور ڈھولک اور سارنگ بجوانے کی نذر مانتے ہیں، اگر ان سے کہا جاوے، کہ تمہارے قول کے بموجب بھی نذر امر مباح پر ہوتی ہے، اور یہ امور قطعی حرام ہیں لہٰذا موجب تمہارے قول کے بھی یہ نذر جائز نہیں ہے، تو وہ یہ کہتے ہیں، کہ رنڈیوں کو نچوانا، اور شراب کا پینا، اور باقی بدفعلوں کا نذر ماننا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست ہے، مگر ان نذور کا ایفا جائز نہیں، اور اگر ان لوگوں کو حدیث صحیح یا فقہا کی معتبر کتب سے روایات مفتی بہا کہ حدیث کے موافق ہوں دکھائی جاویں اور ان کے مطلب کے برخلاف ہوں تو کہتے ہیں، کہ یہ روایات بے اصل ہیں، اور نیز ان فقرار کا یہ طریق ہے، کہ اگر شیرینی وغیرہ کی نذر مانی، تو خود بھی اور اغنیار اور فقرار کو بھی کھلاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اللہ کی نذر کا کھانا اور کھلانا دونوں جائز ہیں، لہٰذا ان اقوال کو واسطے فہمائش عوام الناس کے متفرق کر کے ہر ایک کا جواب کتب معتبرہ سے دیا جاوے، علمائے دین کے

امید ہے، کہ اگر ان روایات کو صحیح جانیں، تو برائے تائید دین اسلام اور نیست ونابود کرنے ان بدعات کے اپنی مواہیر اور دستخطوں سے اس استفسار کو مزین فرمادیں، اور بعض لوگ صوفیوں میں سے یہ کہتے ہیں، کہ شریعت میں کسی امر مباح کو اپنے اوپر واجب کر لینا اور زبان سے بھی ان کو ادا کرنا نذر ہے، پس اگر مقصود اس نذر سے صرف رضا مندی خدا ہو اور اللہ کے نام سے کہا جاوے تو یہ اللہ کی نذر ہے، اور ایفا اس کا واجب ہے لہٰذا ہم اگر ان امور مذکورہ مباح کو نذر مان کر اپنے اوپر واجب کریں تو ایفا اس نذر کا واجب ہے، استفسار علمائے دین سے یہ ہے، کہ نذر کے یہ معنی جو ان لوگوں نے بیان کئے ہیں، حنفیوں کی کون سی کتاب میں مسطور ہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: بموجب کتب حنفیہ کے نذر کی یہ تعریف اور یہ معنی جو بعض صوفی بیان کرتے ہیں بالکل غلط ہیں، اس لئے کہ حنفیوں کی کتب میں مسطور ہے، کہ نذر عبارت اس سے ہے کہ ناذر اپنے اوپر عبادت مقصودہ کہ ہم جنس اس کے فرض اور واجب ہو، لازم کرے نہ یہ کہ امر مباح کو اپنے اوپر واجب کرے، چنانچہ عالمگیریہ میں مسطور ہے۔ الاصل ان النذر لا یصح الا بشروط احدها ان یکون الواجب من جنسه شرعًا[1] اور تنویر الابصار متن در مختار میں مسطور ہے ومن نذر نذرا مطلقا او معلقا بشرط وکان من جنسه واجب ای فرض وھو عبادة مقصودة ووجد الشرط لزم الناذر[2] اور اس سے آگے چل کر لکھتے ہیں۔ ولم یلزم الناذر مالیس من جنسه فرض کعیادة مریض وتشییع جنازة ودخول مسجد[3] اور صاحب در مختار اس عبارت بالا کے تحت میں لکھتے ہیں وھذا ھو الضابطة کما فی الدرر[4]۔ اور شامی میں لکھتے ہیں کہ درر کی عبارت یہ ہے۔ المنذور اذا کان له اصل فی الفروض لزم الناذر کالصوم والصلاة والصدقة والاعتکاف وما لا

---

[1] اصل یہ ہے، کہ نذر چند ایک شرطوں سے صحیح ہوتی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ منذور بذات خود واجب کی

[2] اگر کوئی آدمی مطلق نذر مانے یا کسی شرط سے معلق کرے اور وہ منذور بذات خود واجب کی جنس سے ہو یعنی عبادت مقصودہ ہو اور شرط پوری ہو جائے تو نذر کا پورا کرنا واجب ہو جائے گا۔۱۲

[3] اور نذر ماننے والے پر ایسی نذر کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے، جو فرض کی جنس سے نہ ہو، جیسے کسی بیمار کی عیادت یا جنازہ کی مشایعت اور مسجد میں داخل ہونا وغیرہ ۱۲

[4] یہ مقررہ قاعدہ ہے ۱۲

[5] منذور کا اصل اگر فرائض سے ہو، تو ناذر پر اس کا ادا کرنا ضروری ہے، جیسے روزہ، نماز، صدقہ، اعتکاف

اصل لہ فی الفروض فلا یلزم الناذر کعیادۃ المریض وتشییع الجنازۃ ودخول المسجد وبناء القنطرۃ والرباط والسقایۃ ونحوھا ھذا ھو الاصل الکلی۔ اور بحر الرائق میں مسطور ہے واعلم انھم صرحوا بان شروط لزوم الشرط ثلاثۃ کون المنذور لیس بمعصیۃ وکونہ من جنسہ واجب وکون الواجب عبادۃ مقصودۃ قالوا فخرج بالاول النذر بالمعصیۃ۔ اور فتح القدیر میں مسطور ہے ومن نذر نذرا مطلقا او معلقا بشرط کان یقول علی للہ صوم شہر او حجۃ او صدقۃ او صلوۃ رکعتین ونحوہ مما ھو طاعۃ مقصودۃ لنفسہا ومن جنسہا واجب فعلیہ الوفاء بہا وھذہ شروط لزوم النذر انتہی۔ واللہ تعالی اعلم۔

سوال (۲۲) بعض صوفی لوگ کہتے ہیں بتقدیرے کہ نذر اپنے اوپر امر مباح کو لازم کرنے کا نام ہو، تاہم نذر بالمعصیۃ جیسے رنڈی کا نچوانا، اور شراب خوری کی نذر ماننا اس نذر بالا کی قسم سے ہے، اب علمائے دین سے یہ استفسار ہے کہ کون سی کتاب میں مسطور ہے، کہ نذر بالمعصیۃ یعنے شراب خوری اور رنڈی کا نچوانا اس نذر بالمباح کی قسم سے ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: بموجب قول بالا کے اگرچہ نذر ان صوفیوں کے نزدیک امر مباح کو اپنے اوپر واجب کرنے کا نام ہو، تاہم رنڈی کا نچوانا، اور شراب خوری کی نذر ماننا اس نذر بالمباح میں کہ تسلیم شدہ ان لوگوں کی ہے داخل نہیں ہو سکتا ہے اس لئے کہ کوئی چیز ان دو امروں میں سے مباح نہیں ہے، تاکہ بموجب قواعد ان صوفیوں کے نذر صحیح ہو بلکہ یہ امور قطعی حرام ہیں اور حرمت ان چیزوں کی نفس ہے، اور قرآن اور احادیث اور اقوال فقہاء سے حرمت یعنی ان اشیاء کی بخوبی ثابت ہے، بیان کرنے کی

اور جس کا اصل فرائض میں سے نہ ہو اس کا پورا کرنا نذر کے ذمہ لازم نہیں ہے (جیسے بیمار پرسی کرنا یا جنازہ کے ساتھ جانا، یا مسجد میں داخل ہونا، یا کسی سرائے، پل اور غسل خانہ کی تعمیر وغیرہ اور یہ کلیہ قاعدہ ہے ۱۲

لہ نذر کے لازم ہونے کی تین شرطوں کی صراحت کی گئی ہے، منذور گناہ نہ ہو، اس کی جنس کا کوئی واجب شریعت میں موجود ہو، اور واجب کا عبادت مقصود ہونا، پہلی شرط کے ساتھ گناہ کی نذر نکل گئی ۲ لہ اگر کوئی مطلق یا معلق بشرط نذر مانے مثلاً کہے اللہ کے لئے مجھ پر ایک مہینہ کے روزے ہیں یا حج یا صدقہ یا دو رکعت نماز وغیرہ جو عبادۃ مقصودہ بنفسہ ہو، اور اس کی جنس میں سے کوئی واجب ہو تو ان شرطوں سے نذر لازم ہو جائے گی۔

کچھ ضرورت نہیں ہے

سوال (۳) بعض صوفی لوگ کہتے ہیں کہ ایسی نذر جو اللہ کے لئے ہو شریعت میں اس کا کھانا اور کھلانا دونوں جائز ہیں اب علمائے دین سے یہ استفسار ہے کہ کون سی کتاب حنفیوں میں مسطور ہے کہ نذر کا کھانا کھلانا دونوں شریعت میں جائز ہیں

الجواب۔ نذر کا کھانا ناذر کے لئے شریعت میں ناجائز ہے اگرچہ فقیر ہو اور اغنیاء کو بھی کھلانا ناجائز ہے، چنانچہ غایۃ الاوطار میں مسطور ہے، اور یہ جو ہندوستان میں رواج ہے، کہ نذر اللہ کا کھانا یا شیرینی سب کو کھلاتے ہیں غنی کو بھی اور محتاج کو بھی سو خلاف شرع ہے، غنی کو کھلانے سے نذر ادا نہیں ہوتی اور نیز در مختار میں مسطور ہے ناذر فاعل مصدق لمعینۃ ولو فقیرا ولو ذبحہا تصدق بلحمہا ولو نقصہا تصدق بقیمۃ النقصان ایضا ولا یاکل الناذر منہا فان اکل تصدق بقیمۃ ما اکل۔

سوال (۴) بعض صوفی کہتے ہیں، کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شراب خوری اور رنڈی کے نچوانے کی نذر ماننا درست ہے، مگر الفیا نہ کرے، اب علمائے دین سے یہ استفسار ہے، کہ کون سی کتاب حنفیوں میں مسطور ہے، کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شراب خواری اور رنڈی کے نچوانے کی نذر درست ہے۔

الجواب۔ شراب خواری اور رنڈی کا نچوانا حرام لعینہ اور معصیت فی نفسہ ہے اور کتب حنفیہ میں جا بجا مسطور ہے، کہ حرام لعینہ اور معصیت فی نفسہ کی نذر درست نہیں ہے، چنانچہ عالمگیری میں صحت نذر کے لئے ایک شرط یہ بھی مسطور ہے۔ والرابع ان لایکون المنذور معصیۃ باعتبار نفسہ۔ اور بحر الرائق مسطور ہے۔ واعلم انھم صرحوا بان شرط لزوم النذر ثلاثۃ کون المنذور لیس بمعصیۃ آگے چل کر لکھتے ہیں قالوا فخرج بالاول النذر بالمعصیۃ۔ اور فتح القدیر میں مسطور ہے۔ واما کون

۱؎ نذر ماننے والا ایک معین صدقہ دینے والا ہے اگرچہ وہ خود فقیر ہو اگر جانور ذبح کرے تو اس کا گوشت صدقہ کرے، اور اگر اس میں سے کچھ کم کرے گا، تو اتنی قیمت ادا کرے، اور خود اس سے نہ کھائے اگر کھائے گا تو اس کے برابر اس کی قیمت ادا کرے گا ۱۲ ۲؎ چوتھی شرط یہ ہے کہ منذور بنفسہ گناہ نہ ہو ۱۲ ۳؎ نذر کے لازم ہونے کی تین شرطیں ہیں، ایک یہ کہ نذر گناہ کی نہ ہو ۱۲ ۴؎ پہلی شرط کے ساتھ گناہ کی نذر خارج ہو گئی ۱۲

المنذور معصیۃ یمنع انعقاد النذر فیجب ان یکون معناہ اذا کان حراما لعینہ اذ لیس فیہ جہۃ القربۃ فان المذہب ان نذر صوم یوم العید ینعقد ویجب الوفاء بصوم یوم غیرہ۔ ونیز فتح القدیر میں مسطور ہے فان قلت من شروط النذر کونہ بغیر معصیۃ فکیف قال ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اذا نذر رکعتین بلا وضوء یصح النذر خلافا لمحمد والجواب ان محمدا اہدرہ لذلک واما ابو یوسف فصححہ بوضوء لانہ حین نذر رکعتین لزمتاہ بوضوء لان التزام المشروط التزام الشرط فقولہ بعد ذلک بغیر وضوء لغو لایؤثر اب اس عبارت بالا (فتح القدیر اما کون المنذور معصیۃ یمنع انعقاد النذر الخ) سے صاف ثابت ہوا کہ اگر نذر شدہ چیز معصیت ہو تو نذر کے انعقاد کو منع کرتی ہے پس معلوم ہوا کہ نذر بالمعصیۃ داخل نذر نہیں ہے، بلکہ حنفیوں کے نزدیک یمین ہے، چنانچہ شامی میں طحاوی کا قول مسطور ہے قال الطحاوی اذا اضاف النذر الی المعاصی کقولہ للہ علی ان اقتل فلانا کان یمینا ولزمتہ الکفارۃ بالحنث اور نیز شامی میں مسطور ہے۔ قلت وحاصلہ ان شرط کونہ عبادۃ فیعلم منہ انہ لو کان معصیۃ لم یصح اور بحر الرائق میں مسطور ہے۔ فعلم انہما ارادوا بالشرائط کونہ لیس بمعصیۃ کون المعصیۃ باعتبار نفسہ حتی لاینفک شئ من افراد الجنس عنہا وحینئذ لایلزم لکنہ ینعقد للکفارۃ حیث تعذر علیہ الفعل اور اس قول

۱؎ منذور کا معصیت ہونا انعقاد نذر کو مانع ہے، تو لازم ہے کہ اس کا معنی ہو جب کہ حرام لعینہ ہو کیونکہ اس میں قربت نہیں ہے، اگر کوئی عید کے دن کے روزہ کی نذر مانے تو وہ منعقد ہو جائے گی، اور اس کی بجائے دوسرے کسی دن کا روزہ اسے رکھنا پڑے گا ۱۲ ۲؎ اگر کوئی اعتراض کرے، کہ نذر کے شرائط میں سے ہے، کہ وہ معصیۃ نہ ہو، تو ابو یوسف نے کیسے کہہ دیا کہ اگر بغیر وضو دو رکعت نماز پڑھنے کی نذر مانے گا تو نذر صحیح ہوگی، اور محمد اس کے خلاف ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ محمد نے اسی لئے اس کو رد کر دیا ہے کہ بغیر وضو کے نماز جائز نہیں ہے، اور ابو یوسف نے اس کی توجیہ یہ کی ہے، کہ جب اس نے دو رکعت کی نذر مانی، تو وہ صحیح رکعتیں وضو ہی سے بنیں گی کیونکہ مشروط کا التزام شرط کا التزام ہے، تو اس کے بعد بغیر وضو کی شرط لگانا گویا لغو ہے، جو مؤثر نہیں ہوگی ۱۲ ۳؎ طحاوی نے کہا جب نذر کو گناہ کی طرف مضاف کرے گا مثلاً اللہ کے لئے فلاں آدمی کا قتل کرنا میرے ذمہ ہے تو یہ قسم ہوگی، اور اس کے خلاف سے قسم کا کفارہ لازم آئے گا ۱۲ ۴؎ اس کا حاصل یہ ہے کہ اس کا عبادت ہونا شرط ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اگر معصیت ہو تو صحیح نہ ہوگی ۱۲

کے اخیر میں لکھتے ہیں۔ ولهذا قالوا لو اضاف النذر الی سائر المعاصی کقوله لله علی ان اقتل فلانا کان یمینا و لزمته الکفارة بالحنث اور عالمگیری میں مسطور ہے، و ان نذر بما ھو معصیة لا یصح فان فعله یلزمه الکفارة۔

سوال (۵) ان صوفیوں کا یہ شیوہ ہے، کہ اگر حدیث یا فقہ کی معتبر کتب سے روایات مفتی بہا جو حدیث صحیح کے موافق ہیں ان کو دکھائی جاویں، اور ان کے مطلب کے برخلاف ہوں، تو کہتے ہیں، کہ یہ روایات سب کی سب بے اصل ہیں، اب علمائے دین سے یہ استفسار ہے، کہ جو شخص احادیث نبویہ کو بے اصل اور روایات مفتی بہا کتب معتبرہ فقہاء کو جو حدیث کے موافق ہوں بے اصل بتاوے، اس کا کیا حکم ہے۔

الجواب:۔ جو کوئی احادیث صحیحہ نبویہ کو، اور نیز روایات مفتی بہا کتب فقہا کو جو حدیث صحیح کے موافق ہوں بے اصل بتاوے، وہ فاسق گمراہ ہے، اور زیادہ تشریح اس مسئلہ کی کتب کلامیہ اور دیگر دینیات میں بخوبی موجود ہے۔

حررہ عبد الغفور عفی عنہ ۲۱ محرم ۱۳۱۸ھ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مسماۃ حمیدہ کا فرزند بیمار تھا، اس عورت نے منت مانی کہ اے اللہ تعالیٰ اگر میرا فرزند بیماری سے صحت پاوے، تو میں تمام عمر تا اپنے طاقت کے روزہ رکھوں گی یعنی صائم الدہر ہوں گی اور وہ عورت شوہر دار ہے، بلا اذن شوہر کے اس قسم کی منت مانی تھی، چنانچہ اس عورت نے عرصہ دو سال سے روزہ رکھنا شروع کیا ہے، اور اب بوجہ روزہ رکھنے کے پریشان رہتی ہے، از روئے شرع شریف کے اس منت کا روزہ رکھنا اس عورت شوہر دار کو بلا اذن شوہر کے باوجود حصول پریشانی و ہلاکت جسمانی کے بموجب حکم آیت قرآن مجید لا یکلف الله نفسا الا وسعها کے جائز ہے یا نہیں، اور ادا نہ کرے اس منت کا از روئے شرع شریف کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ واضح ہو کہ ایفاء نذر وقت وجود منظور یعنی حصول مطلوب کے واجب

۱؎ اسی وجہ سے کہا ہے کہ اگر نذر کو تمام معاصی کی طرف مضاف کرے گا، مثلاً کہے اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں فلاں آدمی کو قتل کروں تو یہ قسم ہوگی، اس کو توڑنے سے قسم کا کفارہ لازم آئے گا ۱۲ ۲؎ اگر گناہ کی نذر مانے تو صحیح نہ ہوگی، اگر کرے گا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا ۱۲ ۳؎ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے ۱۲

ہوتا ہے۔ لقولہٖ[1] تعالیٰ وتبارک ولیوفوا نذورہم صورت مسئولہ میں صیام الدہر کی نذر مقید ہے ناذر منے طاقت ہے پس تا بقائے قوت واستطاعت صیام کے روزہ رکھنا واجب ہوگا، اور چونکہ اب مسماۃ حمیدہ ناذرہ کو طاقت روزہ رکھنے کی نہیں ہے لہذا اب اس پر نذر بھی نہیں ہے، بلکہ پوری ہو چکی، اذن شوہر کا یہاں اعتبار نہیں کیا جاوے گا کیونکہ نذر واجبات سے ہے، اور اذن شوہر نوافل میں معتبر ہے، اگر اس نذر میں شرط مذکورہ بالا نہ ہوتی، تو بہ سبب ہلاکت جسمانی وحصول پریشانی وغایت درجہ کمزوری کے اس کو جائز و درست تھا، کہ افطار کرتی، اور ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلاتی، اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہوتی، تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتی، اور استغفار کرتی، فتاوی عالمگیریہ میں ہے، ولو اخر القضاء حتی صار شیخا فانیا او کان النذر بصیام الابد فعجز لذلک او باشتغالہ المعیشۃ لکون صناعتہ شاقۃ لہ ان یفطر ویطعم لکل یوم مسکینا علی ما تقدم وان لم یقدر علی ذلک لعسرتہ یستغفر اللہ انہ ہو الغفور الرحیم[2]

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس طعام میں کہ جو امام حسین کے تقرب اور نیاز کے لئے تعزیہ پر چڑھایا جاتا ہے، یا امام کے چبوترہ پر رکھا جاتا ہے اور (۲) اس کھانے میں جو دیبی اور بھادیو کی نیاز کے لئے اس کے تھان پر چڑھایا اور رکھا جاتا ہے (۳) اور گوشت میں اس جانور کے جو واسطے تقرب اور نیاز سید احمد کبیر اور شیخ سدو اور بھوانی اور دیبی کے با مید جلب منفعت اور دفع مضرت بذکر نام خدا وقت ذبح کے ذبح کیا جاتا ہے، آیا کھانا ان سب کا جائز ہے یا حرام؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جو طعام کہ تعزیہ، یا پنجہ، یا جھنڈی، یا نشان یا دیبی یا بھادیو کے مٹھ پر چڑھایا جاوے، اس کا کھانا حرام ہے، اس لئے کہ وہ منذور لغیر اللہ ہے، اور منذور

---

[1] اللہ تبارک وتعالیٰ کے قول کی وجہ سے کہ وہ اپنی نذریں پوری کریں۔ ۱۲

[2] اگر روزے کی قضا کو اتنا مؤخر کرے، کہ بوڑھا فانی ہو جائے، یا ہمیشہ کے روزہ کی نذر مانی تھی اور معیشت یا صنعت شاقہ کی وجہ سے اس سے عاجز آ گیا، تو وہ افطار کرے، اور ہر روزہ کے لئے ایک مسکین کو کھانا کھلائے اور اگر تنگدستی کی وجہ سے یہ بھی نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے ۱۲

لغیر اللہ کا کھانا حرام ہے، اور یہ فعل بھی حرام ہے بلکہ شرک اور کفر ہے،(۱) بیان امر ثانی کا یہ ہے کہ بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں لکھا ہے۔ واما النذر الذی ینذرہ اکثر العوام علی ما ھو مشاھد کان یکون لانسان غائب او مریض او لہ حاجۃ ضروریۃ فیاتی فی بعض مزارات الصلحاء فیجعل سترہ علی رأسہ ویقول یا سیدی فلان ان رد غائبی او عوفی مریضی او قضیت حاجتی فلک من الذھب کذا او من الفضۃ کذا او من الطعام کذا او من الماء کذا او من الشمع کذا او من الزیت کذا فھذا النذر باطل بالاجماع بوجوہ منھا انہ نذر للمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا یکون لمخلوق ومنھا ان المنذور لہ میت والمیت لا یملک ومنھا ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ فاعتقادہ بذلک کفر اور فتاوے عالمگیریہ میں لکھا ہے۔ والنذر الذی یقع من اکثر العوام بان یاتی الی قبر بعض الصلحاء ویرفع سترہ قائلا یا سیدی فلان ان قضیت حاجتی فلک منی من الذھب مثلا کذا باطل اجماعا۔ اور علامہ قاسم حنفی نے درر البحار میں لکھا ہے۔ النذر الذی یقع من اکثر العوام وھو ان یاتی الی قبر بعض الصلحاء قال یا سیدی فلان ان رد غائبی او عوفی مریضی او قضیت حاجتی فلک کذا وکذا باطل اجماعا بوجوہ منھا النذر للمخلوق لا یجوز ومنھا ظن ان المیت یتصرف فی الامور واعتقاد ھذا کفر۔ اور مولانا شاہ ظہور الحق پھلواروی ثم العظیم آبادی اپنی کتاب

۱؎ وہ نذر جو آج کل اکثر آدمی مانتے ہیں مثلاً کسی کا کوئی آدمی گم ہو گیا ہو، یا بیمار ہو یا اور کوئی ضرورت ہو، تو وہ نیک لوگوں کے مزارات پر چلے جاتے ہیں، ان کا پردہ اپنے سر پر رکھتے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ اے میرے سردار، اگر میرا گم شدہ آدمی واپس آجائے، یا ہمارا بیمار بچ جائے، یا ہماری حاجت پوری ہو جائے، تو میں اتنا سونا یا چاندی یا کھانا، یا پانی، یا شمع یا تیل تیری نذر کروں گا، تو یہ نذر بالاتفاق کئی وجوہ سے باطل ہے، ایک وجہ یہ ہے، کہ یہ مخلوق کی نذر ہے، اور مخلوق کی نذر جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ عبادت ہے، اور عبادت انسان کی نہیں ہوتی، اور ایک وجہ یہ ہے، کہ یہ میت کی نذر ہے، اور میت کسی چیز کی مالک ہی نہیں ہوتی، اور ایک وجہ یہ ہے، کہ اس نے عقیدہ رکھا، کہ میت امورات میں تصرف کرتی ہے، تو اس کا یہ عقیدہ کفر ہے، بحر الرائق، فتاوی عالمگیریہ اور درر البحار میں اسی طرح لکھا ہے۔ ۱۲

---

(۱) یعنی یہ بات کہ یہ فعل حرام ہے بلکہ شرک اور کفر ہے ۱۲

تحریرات میں لکھتے ہیں۔ پس بداکہ عبادت ذلیل ساختن خود است بدل نزد کسے بامید نفع وبیم مضرت از وے واین مختص بحضرت باری تعالی است، زیراکہ اگر تعظیم رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہم است امید نفع وبیم مضرت از ایشان نیست بلکہ تعظیم ایشان بر حسب امر الٰہی است بسان تعظیم قرآن شریف، والا ایشاں مالک نفع وضر خویش نہ بودند بدیگر چہ می رسد، کما قال اللہ تعالی قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر وبشیر لقوم یؤمنون۔ واگر کسے امید نفع وبیم مضرت از ایشان داشتہ تذلل کند البتہ شرک است واز عبادت اصنام فرقے نیست ایضا کما قال اللہ تعالی خطابا لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا تدع من دون اللہ مالا ینفعک ولا یضرک فان فعلت فانک اذا من الظالمین۔ لہذا در عہد صحابہ رض بلکہ تابعین بلکہ اہل عرب الی الآن تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ از حد شرع ممنوع داشتہ اند این فساد عام در کفرستان ہندوستان ازان شدہ است کہ ہنود را پرستش مہادیو ورام وجگن ناتھ دیدہ مسلماناں پرستش پیغمبران وائمہ واولیاء شروع کردند وحاجات برآمدن را دلیل حقیت کار خویش دانستہ اند وتامل نہ کردند کہ ہنود را ہنوز حاجات از بت پرستی گاہے برمی آید وہمین فتنہ الٰہی است لیبلوکم ایکم احسن عملا[۱]

---

[۱] عبادت کا معنی ہے اپنے آپ کو کسی کے سامنے دل سے حقیر وذلیل بنانا کسی نفع کی امید پر یا کسی نقصان سے بچنے کے لئے، اور یہ صرف اللہ تعالی کے لئے خاص ہے، اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی جاتی ہے تو وہ حسب حکم الٰہی کی جاتی ہے، اور پھر ان سے نفع ونقصان کی امید یا ڈر نہیں ہوتا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے نفع ونقصان کے مالک بھی نہ تھے کسی اور کے کہاں ہوں گے اللہ تعالی نے فرمایا، آپ کہدیں میں اپنی جان کے بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں، مگر جو اللہ چاہے، اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائی اکٹھی کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی الآیہ، اور اگر بالفرض کوئی ان سے نفع کی امید یا تکلیف کا ڈر دکھ کر ان کے سامنے ذلت اختیار کرے، تو بلاشبہ وہ بھی شرک ہے اس میں اور بت کی پوجا میں کوئی فرق نہیں ہے اللہ تعالی نے اپنے نبی کو فرمایا، اللہ کے سوا ان چیزوں کو نہ پکارنا جو نہ تجھے نفع دے سکیں نہ نقصان اگر تو نے ایسا کیا تو ظالموں سے ہوگا، صحابہ کے زمانہ سے لے کر آج تک عربوں نے شریعت کی حدود سے متجاوز ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں کی، یہ بلا اس کفرستان ہندوستان میں ہندوؤں کی دیکھا دیکھی پیدا ہو گئی ہے،

چون غیر خدا نیست بہ فعلے مختار | بہ پیر و بزرگ حاجت خود یکبار
کس غیر خدا قضائے حاجات نکرد | در صورت بت نمود یا شکل قرار

الی ان قال ہم چنانکہ حقیقت عبادت مختص بحضرت بارے تعالیٰ است ارکان عبادت ہم کہ خدائے تعالیٰ برائے خویش مخصوص ساختہ دیگرے را دران شریک گردانیدن از توحید نیست، چون رکوع و سجود و دست بستہ ایستادن و دست بدعا برداشتن و روزہ داشتن و زکوۃ دادن و جہاد کردن و ہرچہ بدان ماند است معلوم نیست کہ اہل این دیار کہ رکوع و سجود در پیش غیر حق کفر دانند و دست بستہ استادن و دست بدعا برداشتن پیش مقابر اولیاء و مزارات روا می دارند از کجا اختیار کردہ اند زیرا کہ اگر در او لیس مانع اختصاص بخدا ہست در این چیزہا ہم ہست بلکہ احتیاط مقتضی آن ست کہ تشبیہ باین ہم نہ کنند زیرا کہ ہم چنان کہ تشبیہ عبادت حق بعبادت بغیر حق ممنوع است تشبیہ تعظیم غیر حق بعبادت حق ہم ممنوع دارند ہم عجب تر است آنکہ ثقات این دیار نذر برائے انبیاء و اولیاء انعقاد کنند و ایفائے لازم گردانند چون دسترخوان امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و سہ منی

وہ جہادیو رام اور جگن ناتھ کی پوجا کرتے ہیں مسلمانوں نے ان کو دیکھ کر پیغمبروں، اماموں اور ولیوں کی پرستش شروع کر دی اور ان سے حاجتیں مانگنے لگے اور کہتے ہیں، کہ اگر ہمارا یہ کام حق نہ ہوتا تو ہماری حاجتیں کیوں پوری ہوتیں انہوں نے یہ کبھی نہ سوچا کہ بتوں کی پوجا سے کبھی ہندوؤں کی حاجتیں بھی پوری ہو جاتی ہیں یہ صرف اللہ تعالیٰ کی آزمائش ہے۔

پھر جس طرح عبادت خاص خدا تعالیٰ کے لئے ہے اس کے ارکان بھی خدا تعالیٰ کے واسطے مخصوص ہیں، دوسروں کو ان میں شریک کرنا توحید نہیں ہے، مثلاً رکوع، سجود، ہاتھ باندھ کر خدا کے سامنے کھڑا ہونا، اس کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ پھیلانا، روزہ رکھنا، زکوۃ دینا، جہاد کرنا معلوم نہیں ان لوگوں نے کہاں سے سیکھ لیا ہے کہ اولیاء کے مزاروں پر جا کر یہ سب کچھ کر آتے ہیں، کیونکہ اگر عبادت خدا کے لئے خاص ہے تو اس کے ارکان بھی خدا کے لئے خاص ہیں، اور عبادت نفع کی امید اور نقصان سے بچاؤ کے لئے کی جاتی ہے تو پھر نفع کی امید اور مضرت کا خوف بھی اللہ ہی سے ہونا چاہیئے، بلکہ احتیاط کا تقاضا تو یہ ہے، کہ ان کا یہ نام بھی نہ رکھا جائے، کیونکہ خدا کی عبادت کو غیر کی عبادت سے تشبیہ دینا بھی منع ہے اور پھر سب سے تعجب کی بات یہ ہے، کہ اچھے بھلے معتبر لوگ بھی انبیاء اور اولیاء کی نذریں منعقد کرتے ہیں اور ان کو پورا کرنا لازم جانتے ہیں، مثلاً امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا دسترخوان، اور شاہ شرف ابو علی قلندر کی تین روٹیاں، شاہ عبدالحق کا توشہ وغیرہ ۱۲

سلطان المجاذیب شاہ شرف بوعلی قلندر قدس سرہ و توشہ شاہ عبدالحق ردولی الی غیر ذلک انتہی) اور بیان[1] امر اول کا یہ ہے، اس میں تصرف روا نہیں، دلیل الصالحین میں ہے
النذر لا یکون الا للہ تعالی فمن نذر لنبی او ولی لا یلزم علیہ شیء فان اعطی بذلک
الشیء لاحد من الناس علی تلک النیۃ لا یجوز اخذہ ان علم الاخذ بذلک فان
کان طعاما لا یحل اکلہ وان کان ذبیحۃ فہو میتۃ فان اکلوا وسموا اللہ تعالی کفروا
جمیعا وان نذروا للہ تعالی فاکلوا ثم وھبوا ثوابہ باحد من الناس فتلک یجوز
انتہی اور بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں لکھا ہے۔ اللھم الا ان یقال یا اللہ انی نذرت
لک ان شفیت مریضی او رددت غائبی او قضیت حاجتی ان اطعم الفقراء الذین
بباب السیدۃ نفیسۃ او الفقراء الذین بباب الامام الشافعی او الامام ابی اللیث
او اشتری حصیر مساجد ھم او زیتا لوقودھا او دراھم لمن یقوم بشعائرھا الی غیر
ذلک مما یکون فیہ النفع للفقراء والنذر للہ عز وجل وذکر الشیخ انما ھو بیان محل
صرف النذر لمستحقیہ القاطنین برباطہ او مسجدہ او جامعہ فیجوز بھذا
الاعتبار اذ مصرف النذر الفقراء وقد وجد المصرف ولا یجوز ان یصرف ذلک لغنی
غیر محتاج ولا شریف نسب لانہ لا یحل لہ الاخذ ما لم یکن محتاجا فقیرا ولا لذی
نسب لاجل نسبہ ما لم یکن فقیرا ولا لذی علم لاجل علمہ ما لم یکن فقیرا ولم

---

[1] نذر صرف اللہ تعالی کی ہوتی ہے، جو کسی نبی یا ولی کے لئے نذر مانے تو اس پر اس کا پورا کرنا لازم نہیں ہے اور اگر اس نیت پر کوئی چیز کسی کو دیوے، تو اگر اس کو علم ہو تو اس کا لینا جائز نہیں ہے، اگر کھانا ہو تو اس کا کھانا جائز نہیں، اگر ذبیحہ ہو تو وہ مردار ہے، اگر سب اس پر اللہ کا نام لے کر کھالیں، تو سب کافر ہو جائیں گے، اور اگر خدا کے لئے نذر مانی ہو، اور کھا کر اس کا ثواب کسی آدمی کو بخش دیں تو یہ جائز ہے ۱۲

[2] بحر الرائق فتاوی عالمگیری درد البحار، نہر الفائق، در مختار وغیرہ میں لکھا ہے کہ اگر اس طرح کہے، اے اللہ میں تیرے لئے نذر مانتا ہوں کہ اگر تو نے میرے بیمار کو شفا دے دی، یا میرا گم شدہ واپس آگیا، یا تو نے میری حاجت پوری کر دی تو میں ان فقیروں کو کھانا کھلاؤں گا، جو نفیسہ کے آستانہ میں رہتے ہیں، یا ان فقیروں کو جو امام شافعی یا امام ابو اللیث کے دروازہ میں رہتے ہیں، یا میں ان کی مسجدوں کے لئے چٹائیاں، یا جلانے کے لئے تیل خریدوں گا، یا جو مسجد کی خدمت کرتا ہے، اس کو کچھ درہم دوں گا وغیرہ جس میں فقراء کا نفع ہو، اور نذر اللہ تعالی کی ہو، اور شیخ کا تذکرہ محض تعارف کے

---

(۱) یعنی اس بات کا کہ ان سب چیزوں کا کھانا حرام ہے ۱۲

یثبت فی الشرع جواز التصرف للاغنیاء للاجماع علی حرمۃ النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا یشتغل الذمۃ بہ وانہ حرام بل سحت ولا یجوز لخادم الشیخ اخذہ ولا اکلہ ولا التصرف فیہ بوجہ من الوجوہ الا ان یکون فقیرا ولہ عیال فقراء عاجزون عن الکسب وھم مضطرون فیاخذونہ علی سبیل الصدقۃ المبتدأۃ واخذہ ایضا مکروہ ما لم یقصد بہ الناذر التقرب الی اللہ تعالی وصرفہ الی الفقراء ویقطع النذر عن نذر الشیخ فاذا علمت ھذا فما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت وغیرھا وینقل الی ضرائح الاولیاء تقربا الیھم فحرام باجماع المسلمین ما لم یقصدوا بصرفھا الفقراء الاحیاء قولا واحدا انتہی اور فتاوے عالمگیری میں ہے نعم قال یا اللہ ان نذرت لک ان شفیت مریضی او نحوہ ان اطعم الفقراء الذین بباب السیدۃ النفیسۃ او نحوھا او اشتری حصیرا لمسجدھا او زیتا لوقودھا او دراھم لمن یقوم بشعائرھا مما یکون فیہ نفع الفقراء والنذر للہ تعالی وذکر الشیخ انما ھو محل لصرف النذر لمستحقہ یجوز ذلک لکن لا یحل صرفہ الا الی الفقراء ولا الی ذی علم لعلمہ ولا لحاضری الشیخ الا ان یکون واحدا من الفقراء واذا عرفت ھذا فما یؤخذ من الدراھم ونحوھا وینقل علی ضرائح الاولیاء تقربا الیھم فحرام بالاجماع ما لم یقصد بصرفھا الفقراء الاحیاء قولا واحدا وقد ابتلی الناس بذلک اور درر البحار

لئے ہو، کہ جو فقیر ان کے محلہ یا سرائے یا دروازہ میں رہتے ہیں، ان کو کھلاؤں گا، تو اس اعتبار سے یہ جائز ہوگی کیونکہ نذر کا مصرف فقرا ہیں اور وہ پایا گیا ہے، اس نذر میں سے کوئی غنی، کوئی شریف النسب نہیں کھا سکتا، نہ اس کا لینا حلال ہے، تاوقتیکہ وہ غریب نہ ہو، اور نہ کسی صاحب نسب کو محض نسب کی وجہ سے جب تک فقیر نہ ہو اور نہ کسی عالم کو اپنے علم کی وجہ سے جب تک کہ فقیر نہ ہو، اور شریف اغنیاء کو بالاتفاق اس میں تصرف جائز نہیں، اور مخلوق کی نذر بالاتفاق حرام ہے نہ ایسی نذر منعقد ہوگی، اور نہ ایسی نذر کو پورا کرنا چاہیئے، اور ایسی نذر حرام ہے بلکہ سخت ناپاک ہے، اور شیخ کے خادم کو اس کا لینا اور کھانا اور اس میں تصرف کرنا کسی وجہ سے جائز نہیں ہے تاوقتیکہ وہ غریب نہ ہو اور اس کے بچے بھی غریب ہوں جو کمائی نہ کر سکتے ہوں سو وہ اس کو صدقہ کے طور پر لے سکتے ہیں، اور جب تک نذر ماننے والا تقرب الی اللہ کی نیت نہ کرے اس کا لینا جائز نہیں ہے، اور وہ بھی صرف فقیروں کو، اور شیخ کی نذر سے قطع نظر کرے جب تجھے یہ معلوم ہوگیا تو اب جو روپے اور شمع اور تیل وغیرہ اولیاء کی قبروں پر ان کا تقرب حاصل کرنے کے لئے لے جاتے ہیں، وہ باجماع مسلمین حرام ہے، جب تک

للملا قاسم حنفی میں لکھا ہے۔ واذا عرفت هذا فما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها وینقل الی ضرائح الاولیاء فحرام باجماع المسلمین وقد ابتلی الناس لاسیما فی مولد احمد البدوی اور ایسا ہی نہر الفائق اور در مختار میں لکھا ہے من شاء فلیرجع الیہ اور علامہ آفندی نے رسالہ رد بدعت میں لکھا ہے۔ والاجماع انعقد علی حرمۃ النذر للمشائخ ولا ینعقد ولا یشتغل الذمۃ واخذہ حرام وسحت انتہی، اور یہ کہنا کہ غلہ شئے حلال ہے۔ اس میں کسی طرح کی حرمت نہیں، پس کسی جگہ کے لیے جانے سے یا کسی چیز پر رکھ دینے سے حرام ہونا ان چیزوں کا عقلاً مستبعد معلوم ہوتا ہے، تو جواب اس کا یہ ہے، کہ اگر عقلاً یہ کام مستبعد معلوم ہوا تو اس میں کچھ حرج در قباحت نہیں ہے، شرع کی باتوں میں عقل کو کیا مدخل ہے، جو مطابقت اس کی واجب اور استبعاد عقل عذر ہو، عقل کو تابع شرع کرنا چاہیئے نہ شرع کو تابع عقل، جو امر ثابت بالشرع ہو اور شرع جس پر حکم کرے اس کو بالرأس والعین مان لے لا و نعم کو ہوائے عقل دل میں راہ نہ دے، علاوہ بریں یہ محض دھوکا کٹھ ملا لوگوں کا ہے، عام لوگوں کے بہکانے اور راہ حق سے بھٹکانے کو اس میں کیا شبہ ہے کہ شئے خود حلال ہو، اور حرمت اس میں کسی سبب سے آجاوے سمجھو کہ جیسا کہ غلہ ہے، اگر اس کو کسی کے انبار سے بلا اجازت مالک اس کے یا ازرہ غصب یا سرقہ کے لے آوے تو تصرف اس کا درست ہوگا یا نہیں، میں جانتا ہوں کہ ہر کوئی باتفاق و بیک زبان یہی حکم کرے گا، کہ اس میں تصرف کرنا ہرگز روا و درست نہیں اس سبب سے کہ یہ مال مسروق و مغصوب ہے، نہ اس سبب سے کہ یہ غلہ خود بنفسہ حرام ہے، ایسا ہی جب اس کھانے کو کسی قبر وغیرہ پر بنذر لغیر اللہ رکھ دیا، تو یہ کھانا حرام ہے، اس جہت سے کہ یہ منذور لغیر اللہ ہے، نہ اس جہت سے کہ خود غلہ یا کھانا فی نفسہ حرام تھا، اور اسی طرح کھانا گوشت ان جانوروں کا جو نام سے خدا کے واسطے خوف ضرر رسانی یا امید نفع دہی اور جہت تقرب اور خوشامد غیر خدا کے مثل سید احمد کبیر و شیخ سدو یا بھوانی یا دیبی کے ذبح کیا جاوے حرام ہے، کیونکہ یہ نذر لغیر اللہ ہے، اور نذر لغیر اللہ حرام ہے، اور میتہ اگرچہ ذبیحہ ذبح کے وقت نام سے اللہ کے ذبح کیا گیا ہو، یا

اس میں زندہ نفر اد کو دینا مقصود نہ ہو، یہ آخری بات ہے، اور آج کل اکثر لوگ اس میں مبتلا ہیں، خصوصاً احمد بدوی کے مولد کے علاقہ کے ۱۲

کسی دوسرے کے ہاتھ سے ذبح کرایا ہو فقط نام پاک اللہ کا وقت ذبح کے لینا کافی واسطے حلت ذبیحہ کے نہیں ہو سکتا ہے بمجرد نذر لغیر اللہ کے حرام ہوگیا، اب فقط تسمیہ موجب امکان تذکیہ نہیں ہوگا، ضوء الفتاوی میں کفایۃ الاسلام سے نقل کیا ہے۔ [1] ای رجلا او امراۃ ذبح طیرا او شاۃ فوق قبر ولی او شہید او غیرہما او عند کعب ماء او وقت نطق صبی او عند مغازات کان بہ شہداء او وقت وضع الجذع فی الجدار او وقت عمارۃ قریۃ یصیر المذبح میتۃ والذابح کافرا۔ تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ [2] وقال ربیع بن زید یعنی ماذکر علیہ غیر اسم اللہ وھذا القول اولی لانہ اشد مطابقۃ للفظ قال العلماء لو ان مسلما ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحھا التقرب الی غیر اللہ صار مرتدا وذبیحتہ ذبیحۃ المرتد جامع الرموز میں لکھا ہے۔ [3] ولو سمی علی ذبیحۃ وذبح لغیرہ لم یحل وانما قلنا ھذا لانہ لو سمی وذبح لقدوم الامیر ونحوہ من العظماء لا یحل لانہ ذبح تعظیما لہ لا للہ انتہی۔ ہدایۃ المبتدی میں لکھا ہے۔ [4] ذبح شاۃ للضیف وذکر اللہ تعالی علیہ یحل اکلہ ولو ذبحھا لاجل قدوم الامیر او واحد من العظماء وذکر اسم اللہ تعالی یحرم اکلہ لان فی المسئلۃ الاولی کان الذبح لاجل اللہ وذکر اسم اللہ ایضا ولھذا یطعمہ بین یدیہ ویاکلہ بخلاف الثانیۃ لان ذبحھا لاجل تعظیمہ لہ لا للہ تعالی

---

[1] اگر کوئی آدمی یا عورت کوئی پرندہ یا بکری کسی ولی یا شہید کی قبر پر ذبح کرے یا پانی کے برآمد ہونے پر یا بچہ کے بولنے کے وقت یا کسی کامیابی پر حاضرین کے لئے یا دیوار پر شہتیر رکھنے کے وقت یا کسی بستی کے آباد ہونے کے وقت تو وہ ذبح کیا ہوا جانور مردار ہوگا، اور ذبح کرنے والا کافر ہو جائے گا ۱۲

[2] ربیع بن زید نے کہا، جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جاوے، اور یہ قول الفاظ کے زیادہ مطابق ہے، علماء نے کہا، اگر کوئی مسلمان کوئی جانور ذبح کرے، اور اس کے ذبح سے غیر اللہ کا تقرب مقصود ہو تو وہ مرتد ہو جاوے گا، اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہوگا ۱۲

[3] اگر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے، اور نیت غیر اللہ کے لئے ذبح کرنے کی ہو، تو وہ حلال نہیں ہوگا، کیونکہ وہ اللہ کی تعظیم کے سوا کسی اور کے لئے ذبح ہوا ۱۲

[4] مہمان کے لئے بکری ذبح کی، اور اس پر اللہ کا نام لیا، اس کا کھانا جائز ہوگا، اور اگر امیر یا کسی اور بڑے آدمی کے لئے ذبح کیا اور اللہ کا نام لیا، تو اس کا کھانا جائز نہ ہوگا، کیونکہ صورت میں ذبح اللہ کے لئے کیا گیا ہے، اور نام بھی اللہ ہی کا لیا گیا، لہذا اس کا کھانا جائز ہے، اور دوسری صورت میں اللہ کی تعظیم کے لئے نہیں بلکہ امیر کی تعظیم کے لئے ذبح کیا گیا ہے، لہذا اس کا کھانا جائز نہ ہوگا ۱۲

ولهذا لا يضع بين يديه ليأكل منها بل يدفعها لغيره نصاب الاحتساب میں لکھا ہے وما يفعله الجهلة من الذبح عند قبور المشائخ والشهداء وغيرهم وعند شراء الدار وعلى البناء الجديد وباب البيوت وعند دخول الامير وفي وجه انسان وما اشبه ذلك فهذا يوجب الحرمة اذا كان لغير الله وان كان ذكر اسم الله تعالى عليه ويكفرون بذلك وهذا اشتغل الناس عنه خواصهم فكيف عوامهم قنیہ میں ہے عن ابي الماصم القاري ذبح للضيف شاة وسمى الله تعالى يحل ولو ذبحه لقدوم الامير او واحد من العظماء ولو ذكر اسم الله تعالى لا يحل لان في الاول الذبح لله تعالى والمنفعة للضيف ولهذا يضعه عنده ويأكل منه وفي الثاني التعظيم للامير لا لله تعالى ولهذا لا يضعه عنده بل يدفعه لغيره انتهى، اور ایسا ہی فتاوی مطالب المؤمنين میں ہے، حموی نے حاشیہ اشباہ میں لکھا ہے ان الذبح المقارن بذكر اسم الله اذا كان قبل قدوم القادم للتهيئ للضيافة او بعد قدومه لقرينة لذلك فلا شبهة لجوازه بل مندوبية وجواز اكل ذلك المذبوح واما اذا كان عند القدوم فان كان لقصد ذلك لا لحكم ما ذكروان كان بمجرد التعظيم فحرام والمذبوح ميتة وضابطته انه ان طبخ وقدم للضيف فهو للضيافة وان امر الذابح ان يتوارى عن الناس كما هو معهود في بلدتنا فهو بمجرد التعظيم وحكمه ما علمت فعليه يحمل كلام المصنف انتهى۔ عمدة المنهاج اور كفاية الاسلام اور تاتارخانیہ اور کنز العباد میں لکھا ہے۔ لا يجوز للمسلم ان يذبح البقرة والدابة باسم الصدقة في القبور والمساجد والعمارة وللمريض والاوثن والسفر مبدائها ومنتهاها والشجر والبئر والحوض وباب البيت والولادة وعند دخول الامير في المدائن وخروجه وهو من سنن المنافقين بقوله تعالى وما ذبح على النصب وان تستقسموا بالازلام ذلكم فسق وقوله عليه السلام حرم الله على امتي ما ذبح في بناء البيوت ابتدائها وانتهائها وفي عمارة الاوثان والقبور والاسفار والامراض والابار والاشجار والولادة والحياض وفي اصطبل الخيول والبغال والحمار وما يكون مثلهن فالذابح كافر وبانت امرأته والمذبوحة ميتة والامر والراضي سويان في الدنيا والآخرة۔ فتاوے تیمیہ میں لکھا ہے رجل ذبح للضيف

شاۃ وذکر اسم اللہ تعالیٰ علیہ یحل اکلہ ولو ذبح لاجل قدوم واحد من العظماء وذکر اسم اللہ تعالیٰ یحرم اکلہ لانہ فی المسئلۃ الثانیۃ کان تعظیما لہ لا تعظیما اللہ تعالیٰ والفرق انہ لا یوضع بین یدیہ لیاکل منہ بل یدفعہ لغیرہ۔ انتہی فتاوی عالمگیری میں لکھا ہے۔ الذبح عند قدوم الضیف تعظیما لہ لایحل اکلھا وکذا عند قدوم الامیر وغیرہ۔ پس ان سب روایتوں کا مفاد یہی ہے، کہ جو ذبیحہ منذور لغیر اللہ ہو، اگرچہ وقت ذبح کے ساتھ تسمیہ اور بنام پاک اللہ کے ذبح کیا گیا ہو وہ حرام ہے، اور ہرگز کھانا اس کا روا نہیں ہے، اور جو کوئی باوجود ان روایات اور بینات کے اس کو حلال جانے اور پابند و مجد اپنے مقال کا رہے بلاشبہ داخل تحت آیت من یشاقق الرسول ہے وما علی الرسول الا البلاغ باشد و بس۔

کتبہ العبد المذنب محمد شہود الحق عفا اللہ عنہ

ما حررہ المجیب فھو حق حقیق فماذا بعد الحق الا الضلال | سید محمد نذیر حسین |

| سید احمد حسن ۱۲۸۹ | | زشرف سید کونین شد شریف حسین ۱۲۹۲ |

لقد اصاب من اجاب۔ نمقہ ابو سعید محمد حسین اللاهوری البٹالوی

| الجواب صحیح کتبہ فقیر محمد عبید اللہ | | ابو سعید محمد حسین ۱۲۹ |

اصاب من اجاب الجواب۔ نمقہ السید امیر احمد عفی عنہ

فی الواقع نذر لغیر اللہ حرام ہے، اور منذور لغیر اللہ کا کھانا بھی درست نہیں ہے جیسا کہ عبارات سابقہ سے واضح ہے۔ واللہ اعلم۔ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ | ابو الحسنات محمد عبد الحی ۱۲۸۹ |

ھو الموفق۔ لاریب فی ان التقرب لغیر اللہ وما یتقرب بہ لغیرہ تعالیٰ حرام والعبادۃ لغیرہ سیما نذر کفر۔ نمقہ العبد الاثم الاواہ محمد سعد اللہ

| مفتی محمد سعد اللہ ۱۲۷۸ |

سوال:۔ اگر کوئی منت مانے کہ بشرط بر آنے فلاں مقصد کے مالیدہ فلاں کے مزار پر چڑھاؤں گا، یا خصی ذبح کروں گا تو یہ کھانا حلال ہے یا حرام اور واسطے مرتکب اس فعل کے کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ منذر لغیر اللہ تعالیٰ حرام اور کھانا اس کا ناجائز ہے، اور نذر لغیر اللہ

فعل مشرکین کا ہے، کہ مردوں کو نافع وضار سمجھ کر نذر ونیاز ان کی کیا کرتے ہیں، اور اسی طرح جو مسلمان کرے گا، وہ بھی کافر ہوگا، اور ذبیحہ واسطے تقرب وتعظیم لغیر اللہ کے کرنا حرام اور کرنے والا اس کا جمہور علماء کے نزدیک کافر اور مرتد ہوگا، چنانچہ تفسیر نیشاپوری وتفسیر عزیزی واشباہ ونظائر وجامع الرموز وجوہرہ نیرہ ودر مختار وقرۃ الانظار ودر بحار وطحطاوی وغیرہ میں مفصلا مذکور ہے۔ اعلم ان النذر الذی یقع للاموات فی اکثر العوام وما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام کذا فی الدر المختار وغیرہ من کتب الفقہ ان النذر لا یصح بالمعصیۃ للحدیث لا نذر فی معصیۃ اللہ تعالی فقال الشیخ قاسم فی شرح الدرر اما النذر الذی ینذرہ اکثر العوام علی ما ھو مشاھد کان یکون لانسان غائب او مریض او لہ حاجۃ ضروریۃ فیاتی بعض الصلحاء فیجعل سترہ علی راسہ ویقول یا سیدی فلان ان رد غائبی او عوفی مریضی او قضیت حاجتی فلک من الذھب کذا او من الفضۃ کذا او من المال او من الشمع کذا او من الزیت کذا فھذا النذر باطل بالاجماع لوجوہ منھا انہ نذر للمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا تکون للمخلوق ومنھا ان المنذور لہ میت والمیت لا یملک ومنھا انہ ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ واعتقادہ ذلک کفر اللھم الا ان قال یا اللہ انی نذرت لک ان شفیت مریضی او رددت غائبی او قضیت حاجتی ان

---

[1] یہ جو عوام مردوں کے لئے نذریں مانتے ہیں، اور اولیاء کرام کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ان کی قبروں پر پیسے، تیل اور موم وغیرہ لے جاتے ہیں بالکل ناجائز اور حرام ہے، در مختار اور فقہ کی دوسری کتابوں میں اسی طرح ہے۔ کہ ناجائز کاموں میں نذر صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ حدیث میں ہے، کہ اللہ تعالی کی نافرمانی میں نذر نہیں، شیخ قاسم شرح درر میں فرماتے ہیں، کہ یہ نذر جو اکثر عوام مانتے ہیں جیسا کہ عام دیکھنے میں آیا ہے، مثلا کسی کا کوئی غائب ہو جاتا ہے یا بیمار ہوتا ہے یا اسے کوئی ضروری کام ہوتا ہے، تو وہ بعض نیک بندوں یا ان کی قبروں کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ اے فلاں بزرگ اگر میرا گم شدہ واپس آگیا یا میرا بیمار تندرست ہوگیا یا میرا کام ہو گیا تو تیرے لئے اتنا سونا یا اتنی چاندی یا اتنا مال یا موم یا تیل وغیرہ دوں گا، تو یہ نذر بالاجماع حرام ہے، جس کی کئی وجوہ ہیں ایک یہ کہ یہ نذر ایک مخلوق کے لئے ہے، اور مخلوق کے لئے نذر جائز نہیں، دوسرے یہ کہ جس کی نذر مانی جا رہی ہے، وہ مردہ ہے اور مردہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، اور تیسرے یہ کہ اس کا گمان ہے کہ مردہ بعض اشیاء میں اللہ جل شانہ کی قدرت رکھتا ہے، اور غیر اللہ کے متعلق یہ اعتقاد سراسر کفر ہے۔ ہاں اگر یہ کہے، کہ اے اللہ میں تیرے لئے نذر مانتا ہوں، کہ اگر تو نے میرے بیمار کو شفا دی، یا میرے

اطعموا الفقراء الذین بباب السیدۃ النفیسۃ او للفقراء الذین بباب الامام الشافعی والامام ابی اللیث انتہی ما فی بحر الرائق مختصرا وھکذا فی الطحطاوی والفتاوی العالمگیریۃ وغیرھا من کتب الفقہ۔ پس موجب روایت درمختار مالیدہ وحلوا وغیرہ بھی مکروہ تحریمی بلکہ حرام ہوگا کھانا اس کا۔ جناب مولانا محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے مائۃ المسائل میں بوجہ بسط ارقام فرمایا ہے اس میں دیکھنا چاہیے، فی الجملہ جانور از قسم بزدگاؤ وشتر ومرغ واسطے تعظیم وتقرب لغیر اللہ تعالیٰ کے ذبح کرنا خواہ مزار کے قریب خواہ بعید ہو حرام ہے اگرچہ وقت ذبح کے بسم اللہ ذکر کیا ہو، اور مالیدہ وغیرہ قبروں پر چڑھانا اور کھانا اس کا حرام وممنوع شرعی ہے اور شعار مشرکین ہے ومن تشبہ بقوم فھو منھم ھو الحدیث کذا فی المشکوۃ۔ ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اھل بہ

لغیر اللہ ولو وصلیہ ذکر اسم اللہ فی شرح الوھبانیۃ عن الذخیرۃ نظم

وفاعلہ جمہورھم قال کافر وفضلی واسمعیل لیس یکفر۔

انتہی ما فی تنویر الابصار والدر المختار واللہ اعلم بالصواب۔

کاتب حسنین سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ذبیحہ کہ بہ نیت تقرب وتعظیم اولیاء اللہ کردہ می شود ووقت ذبح بسم اللہ گفتہ می شود، حلال است یا حرام؟

الجواب:۔ باید دانست کہ مناط ومدار حلت وحرمت ذبیحہ بر قصد ونیت

غائب کو لوٹا دیا، یا میری حاجت پوری کردی تو میں ان فقراء کو کھانا کھلاؤں گا، جو سیدہ نفیسہ کے دروازہ پر ہیں یا ان فقراء کو جو باب شافعی یا باب ابی لیث پر ہیں۔ بحر الرائق کی عبارت ختم ہوئی مختصر طحطاوی، عالمگیری اور فقہ کی دوسری کتابوں میں۔ سلہ جو کسی قوم سے مشابہت کرتا ہے وہ اسی سے ہوتا ہے، حدیث اسی طرح مشکوۃ میں ہے۔ کسی امیر یا بڑے آدمی کی آمد کی وجہ سے ذبح کیا گیا تو وہ حرام ہوگا کیونکہ یہ اھل بہ لغیر اللہ میں شامل ہے اگرچہ اس کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔ شرح وہبانیہ میں ذخیرہ سے منقول ہے (شعر)

جمہور کے نزدیک وہ کافر ہے فضلی اور اسماعیل کے خیال میں وہ کافر نہیں ہوتا۔ انتہی (تنویر الابصار ودر مختار)

سوال:۔ اگر جانور اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے، اور مقصود اولیاء اللہ کی تعظیم وتقرب ہو تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حلت وحرمت کا دارومدار نیت پر ہے، اگر دل میں بھی خدا تعالیٰ کا تقرب مقصود ہو اللہ

تقرب و تعظیم است شرعاً کہ مفاد تسمیہ است پس اگر نیت تقرب و تعظیم خالص برائے خدا
تعالیٰ باشد ذبیحہ حلال شود و اگر تقرب و تعظیم غیر اللہ بدل داشتہ ذبح کند حرام خواہد
بود نزد جمہور علماء و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اہم است ازیں کہ وقت ذبح نام خدا بر زبان آرد
یا نیارد، زیرا کہ تسمیہ عند الذبح بقصد تعظیم غیر اللہ از درجہ اعتبار ساقط است، چہ بر عادت
معہودہ عوام و رسم معمول ایشان محمول خواہد بود، زیرا کہ عوام قصد تقرب و تعظیم در ذبح جانور برائے
غیر اللہ تعالیٰ می کنند و برسم و عادت خود بسم اللہ بر زبان جاری می کنند و اعتبار نیت امر ست
نہ ماموریہ چنانکہ در قربانی مقرر است و سر درین این ست کہ در تسمیہ عین تقرب و تعظیم برائے
خدا ملحوظ و منظور است، کہ جان جانور بنام جان آفرین قربان کردن در شرع شریف فرض
گردیدہ کہ جان مملوکہ و موہوبہ خدا را بر خدا نثار باید نمود فقط، و ہر گاہ جانور برائے تقرب و تعظیم
غیر خدا بدل ارادہ کردہ ذبح کرد پس درین صورت مفاد و مراد تسمیہ برائے تقرب و تعظیم غیر اللہ
یافتہ شد و درین ہنگام مقصود کہ از تسمیہ بود بے کار و رائیگان گشتہ و عرف و عادت عوام
جہال برہمیں منوال جاری شدہ کہ بدل تقرب و تعظیم غیر اللہ میدارند و بر زبان بسم اللہ
گفتہ ذبح می کنانند و می کنند، پس علمائے شرع رائج عرف و عادت عوام کالانعام
فتوے دادن واجب شد و لہذا در فقہ می نویسند یعتبر العرف فی الافتاء چنانچہ در
فتاوے قاضی خان و در مختار و طحطاوی و اشباہ و نظائر وغیرہ مفصلا مذکور است و کذب
و در ذبح عوام مشرکین باین طریق ظاہر می شود، کہ اگر بایشان گفتہ شود کہ اگر شما گاؤ برائے ایصال ثواب

زبان سے بھی خدا تعالیٰ کا نام لیا جائے، تو وہ ذبیحہ حلال ہوگا، اور اگر دل میں غیر اللہ کا تقرب مقصود ہو اور زبان
سے بھی اسی کا نام لیا جائے تو وہ جانور حرام ہے، اور اگر دل میں نیت تقرب غیر اللہ کی ہو اور زبان سے
خدا تعالیٰ کا نام ذبح کے وقت لیا جائے، تو پھر بھی وہ جانور حرام ہے، کیونکہ بوقت ذبح نیت کا اعتبار ہے،
اگر آدمی خود ذبح نہ کرے، دوسرے سے کروائے، ذبح کرنے والا تو اللہ کا نام لے کر ذبح کرے اور ذبح
کرانے والا نیت تعظیم و تقرب غیر اللہ کی رکھتا ہو تو پھر بھی وہ جانور حرام ہوگا، چونکہ جان خداوند تعالیٰ نے
پیدا کی ہے اسے پیدا کرنے والے ہی پر نثار کیا جا سکتا ہے، ہاں ایسے جانور کے گوشت سے جسے خدا
کے نام پر نثار کیا گیا ہو مسلمانوں کو فائدہ اٹھانے کی خدا تعالیٰ نے اجازت مرحمت فرمائی ہے اگر نیت
غیر کی ہو اور نام اللہ کا لیا جائے، جیسا کہ عوام کی حالت ہے، تو بقاعدہ فقہاء یعتبر العرف فی الافتاء (فتوی
میں عرف کا اعتبار کیا جاتا ہے) تو وہ جانور حرام ہوگا، چنانچہ فقہ کی تمام معتبر کتابوں میں اس کی تصریح ہے۔

سید احمد کبیر یا مرغ بہ نیت ایصال ثواب بنام پیران پیر مقرر کردہ اند پس از من عوض
این گاؤ یا این بز یا مرغ دو چند یا سہ چند مقدار گوشت دیگر جانور فربہ بگیرید و این گاؤ یا بز یا
مرغ مرا بدہید ہرگز نخواہند داد چہ ایں جانوران منذورہ را کہ جانش با احمد کبیر یا دیگر بزرگ نیاز
کردن و نثار کردن منظور داشتہ اند بتقرب غیر اللہ ذبح خواہند کرد و لفظ بسم اللہ بر آن
بنابر عادت و رسم قدیم خواہند گفت این مسلمانان بہ حال بدخصال شرک باطن در تسمیہ
می کنند و مشرکین در تلبیہ لفظاً ہم می گفتند لبیک لبیک لا شریک لک الا شریکا لک تملکہ
وما ملک کما فی الحدیث و ہر دو فرق بقاعدۂ فقہیہ الامور بمقاصدہا برابر اندے

بر زبان تسبیح و در دل گاؤ خر — این چنین تسبیح کے دارد اثر

و این چنین شرک است کہ اراقۃ الدم کہ عبادت مختصہ بخدا است برائے غیر اللہ بدل میدارند
پس این چنین کسان نہ مسلمان خالص نہ مشرکین خالص بلکہ مذبذبین بین ذلک اند حالا روایات
جمہور فقہاء برائے تنبیہ جہلا اگرچہ بصورت علماء باشند نگاشتہ می شود۔ قال فی تنویر
الابصار و الدر المختار ذبح لقدوم الامیر و نحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اھل
بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ تعالیٰ و فی شرح الوہبانیۃ عن الذخیرۃ و نظمہ فقال

وقائلہ جمہورہم قال کافر — و فضلی و اسمعیل لیس بکفر

انتہی ما فی الدر المختار مختصراً و فی جامع الرموز و انما قید اللہ تعالیٰ لانہ لو سمی و
ذبح لقدوم الامیر و غیرہ من العظماء لا یحل لانہ ذبح تعظیما لہ لا للہ تعالیٰ انتہی

بعض لوگ فریب دینے کو کہتے ہیں کہ یہ خدا کے نام کا ہے لیکن مقصد ان کا کسی پیر جان کو نثار کرنا ہوتا ہے
تو ایسے لوگوں کا امتحان اس طرح ہو سکتا ہے کہ ان سے کہا جائے کہ تم جانور ذبح نہ کرو بلکہ اس کو بیچ کر اس کی
قیمت صدقہ کر دو یا اس کے برابر ہم تم کو بازار سے گوشت لا کر دے دیتے ہیں تم وہ گوشت صدقہ کر دو لیکن جانور
ذبح نہ کرو تو کبھی نہ مانیں گے، ان لوگوں کی حالت مشرکین کی سی ہے بلکہ اس سے بھی بدتر کیونکہ مشرکین جو جانور
خدا کے نام پر ذبح کرتے اس میں نیت بھی خدا کی ہوتی تھی اور جو جانور بتوں کے چڑھاوے کے لئے ذبح کرتے
اس پر ذبح کے وقت بھی اسی بت کا نام لیتے بطور یہ غیر اللہ کی نیاز یا چڑھاوا دینے والے مسلمان منافقت سے
بھی کام لیتے ہیں کہ دل میں تو غیر کی رضا مقصود ہوتی ہے لیکن بظاہر نام خدا کا لیتے ہیں۔

جمہور فقہاء کی رایوں کا خلاصہ یہ ہے جو کہ فقہ کی کتابوں میں بہ تفصیل مذکور ہے، مثلاً تنویر الابصار، درمختار
شرح وہبانیہ، ذخیرہ، اشباہ والنظائر، عیون البصائر، طحطاوی، منح الغفار، بزازیہ، جامع الفتاوی، قرۃ الانظار

(وفی الاشباہ والنظائر فی باب النیۃ وباب الذبائح) الصید ذبح لقدوم الامیر او واحد من العظماء یحرم ولو ذکر اسم اللہ تعالیٰ انتہی قولہ ذبح لقدوم الامیر الخ اقول فقد فرع المصنف ھذہ المسئلۃ سابقا علی قاعدۃ الامور بمقاصدھا وحاصل الکلام فی ھذہ المسئلۃ ان الذبح المقترن بذکر اسم اللہ تعالیٰ اذا کان قبل قدوم قادم المنوی لضیافتہ او بعد قدومہ لذلک فلا شبہۃ فی جوازہ بل مندوبیۃ وجواز اکل ذلک المذبوح واما اذا کان عند القدوم فان کان بقصد ذلک فالحکم ما ذکر وان کان لمجرد التعظیم فحرام والمذبوح میتۃ (فی باب الصید والذبائح من الجوہرۃ) الذبح عند مرای الضیف تعظیما لہ لا یحل اکلہ وکذا عند قدوم الامیر لانہ اھل بہ لغیرہ واما اذا ذبح عند غیبۃ الضیف لاجل الضیافۃ فلا باس بہ انتہی لا باس ھنا للاباحۃ لا لما ترکہ اولیٰ انتہی ما فی عیون البصائر حاشیۃ الاشباہ والنظائر وقال الطحطاوی قولہ لانہ اھل بہ لغیر اللہ الاھلال رفع الصوت بالذکر وھی میتۃ ولو ذکر اللہ تعالیٰ خالصا فالاولیٰ ان یقول لانہ عظم بہ غیر اللہ تعالیٰ فالاولیٰ انا طتہ بقصد التعظیم وعدمہ انتہی ما فی الطحطاوی مختصرا وکذا فی قرۃ الانظار وتحفۃ الاخیار حواشی درمختار ومنح الغفار شرح تنویر الابصار والبزازیۃ منقول عن اکثر العلماء الحنفیۃ وقال صاحب جامع الفتاوی الشرط ذکر الذابح اسم تعالیٰ المجرد علی الذبیحۃ عند الذبح للہ تعالیٰ وانما قلنا للہ تعالیٰ لانہ لو سمی وذکر لقدوم الامیر او غیرہ من العظماء لا یحل لانہ ذبح تعظیما لہ لا للہ تعالیٰ انتہی کلامہ مختصرا (فی فتاوی قاضی خان فی باب ما یکون کفرا) رجل ذبح لوجاہ[1] الانسان

وغیرہ میں لکھا ہے، کہ اگر کسی بادشاہ یا امیر کے آنے پر کوئی جانور ذبح کرے، تو وہ حرام ہوگا، کیونکہ وہ اللہ کے سوا اور کے نام پر پکارا گیا، اگرچہ ذبح کے وقت اس پر خدا تعالیٰ کا نام لیا جائے، اور اس میں اصول یہ ہے، کہ اگر امیر یا بادشاہ کے آنے سے قبل یا اس کے بعد بطور مہمانی کوئی جانور خدا کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو وہ جائز ہے، لیکن اگر صرف اس کی آمد پر کسی جانور کو بھینٹ چڑھانا منظور ہو، تو حرام ہے، اور ذبح کرنے والا کافر ہے حدیث میں ہے ملعون ہے وہ آدمی جو غیر اللہ کے لئے ذبح کرے، تفسیر نیشاپوری میں ہے، کہ علماء نے کہا ہے، کہ اگر کوئی مسلمان ایسا ذبیحہ ذبح کرے، جس سے غیر اللہ کا تقرب منظور ہو، تو وہ مرتد ہو جائے گا، اور

---

[1] ای وجاہت ۱۲

فی وقت الخلعة او الیها لتی فی الخوارات(1) وما اشبہ ذلك قال الشیخ الامام ابوبکر
محمد بن الفضل هذا کفر والمذبوح میتة لا یؤکل انتہی ما فی قاضی خان مختصرا
وهکذا فی فتاوی العالمگیریة وفصول العمادی وقال فی فتاوی ابراهیم شاهی فی
المتفرقات وفی دستور القضاة فی المتفرقات من فتاوی الیتیمیة رجل ذبح
للضیف شاة وذکر اسم الله تعالی یحل اکله ولو ذبح لاجل قدوم امیر او واحد
من العظماء وذکر اسم الله تعالی یحرم اکله لان فی المسئلة الثانیة کان الذبح تعظیما
له لا تعظیما لله تعالی وفی الحدیث لعن الله من ذبح لغیر الله رواه احمد ومسلم وایضا
فی الحدیث ملعون من ذبح لغیر الله تعالی رواه ابوداؤد ومعناه علی ما صرح به
الشراح بحسب اللغة الذبح بقصد التقرب الی غیر الله تعالی سواء ذکر التسمیة
عند الذبح ام لا ودر تفسیر کبیر وتفسیر نیشاپوری مذکور است قال العلماء لو ان مسلما
ذبح ذبیحة وقصد بذبحها التقرب الی غیر الله تعالی صار مرتدا وذبیحته ذبیحة
مرتد انتہی (ترجمہ) گفتند علماء اگر ہر آئینہ مسلمانے ذبح کرد ذبیحہ را وقصد کرد بذبح آن
تقرب را بسوئے غیر مرتد شود وذبیحہ او ذبیحہ مرتد است، پس بموجب روایات معتبرہ معتمدہ
فقہیہ حنفیہ مذکورہ بالا مندرا حمد کبیہ وغیرہ حرام گردیدہ، خوردن گوشت آن زیرا کہ بذبح آن اداء قربت
دم تقرب غیر الله می کنند و زبان بسم الله می گویند خبیث باطن دران پیدا شد و فاعلش کافر
شد بقول جمہور علماء چنانچہ از در مختار سابقاً مذکور شد وہم چنین ملبتی ونشاد دیگر تفاسیر بر تقرب
و تعظیم است در حقیقت و چون نا واقفان بے مطلب آنہا کما حقہ نبردند صرف تسمیہ عند
الذبح را موجب حلت بظاہر فہمیدہ در مغلطہ افتادند و از راہ خطا حرام را حلال پنداشتند
و ازینجا ملا جیون صاحب تفسیر احمدی را در فہم قول صاحب ہدایہ وغیرہ از راہ غفلت نیز لغزش
خطا واقع شد پس اولاً قول صاحب ہدایہ را بگوش ہوش باید شنید ثانیاً قول
صاحب تفسیر احمدی را بامعان نظر باید دید فاقول ما وقع فی الهدایة ویکره ان
یذکر مع اسم الله تعالی شیئا غیره وان یقول عند الذبح اللهم تقبل من فلان و

وہ ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہوگا، ہدایہ میں ہے کہ اگر ذبیحہ پر اللہ کے ساتھ کسی اور کا نام بھی لیا جائے تو اس کی تین
صورتیں ہو سکتی ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کا نام بھی لیا، اور عطف نہ ہو، مثلاً کہے

(1) ای دعوت در مہمانی ۱۲

هذه ثلث مسائل احدها ان يذكر موصولا لا معطوفا فيكره ولا تحرم الذبيحة وهو المراد بما قال ونظيره ان يقول بسم الله محمد رسول الله لان الشركة لم توجد فلم تكن الذبيحة واقعة له الا انه يكره لوجود القران صورة فيتصور بصورة المحرم والثانية ان يذكر موصولا على وجه العطف والشركة بان يقول بسم الله و اسم فلان او يقول بسم الله وفلان او بسم الله ومحمد رسول الله بكسر الدال فتحرم الذبيحة لانه اهل به لغير الله والثالثة ان يقول مفصولا عنه صورة ومعنى بان يقول قبل التسمية وقبل ان يضجع الذبيحة او بعده وهذا لا باس به لما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال بعد الذبح اللهم تقبل هذه عن امة محمد ممن شهد لك بالوحدانية ولي بالبلاغ والشرط هو الذكر الخالص المجرد على ما قال ابن مسعود رضي جردوا التسمية انتهى ما في الهداية فصريح فيما ذكرنا من ان قصد التقرب الى غير الله تعالى محرم للذبيحة سواء كان بطريق الاستقلال او بطريق الشركة نعم لو ذكر ذكرا مجردا من غير قصد التقرب الى غير الله ففيه تفصيل فان ذكر موصولا لا معطوفا يكره مثلا ان يقول بسم الله محمد رسول الله و اللهم تقبل من فلان لا يحرم الذبيحة لعدم قصد التقرب اليه وانما كره لاجل مشابهة في ذلك بذكر اسم غير الله لقصد التقرب ولو ذكره معطوفا تحرم ايضا وان لم يكن فيه معنى التقرب لانه صريح في الشركة والصريح لا يحتاج الى النية واذا ذكر مفصولا لا بطريق العطف ولا بطريق الوصل لا تكره ولا تحرم لانقطاع المشابهة صورة ومعنى مثلا ان يقول بسم الله وتوقف ثم قال محمد رسول الله من غير قصد التقرب الى غير الله تعالى واذا عرفت

بسم اللہ محمد رسول اللہ تو اس صورت میں ذبیحہ مکروہ ہوگا کیونکہ بظاہر حرام والی شکل پیدا کر دی گئی ہے لیکن حقیقۃً ایسا نہیں ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ عطف کے ساتھ بیان کیا جائے مثلاً یوں کہے بسم اللہ و محمد رسول اللہ (یعنی خدا اور رسول کے نام پر ذبح کرتا ہوں) تو اس صورت میں جانور حرام ہو جائے گا، کیونکہ اس میں غیر کی شرکت ہو گئی تیسری صورت یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کر دے اور اس کے بعد کچھ دیر تک خاموشی کے بعد کسی اور کا نام لے تو اس صورت میں ذبیحہ بلا کراہت جائز ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یا الٰہی یہ میری امت کے ان لوگوں کی طرف سے قربانی قبول فرما، جو قربانی نہیں کر سکتے ۱۲

هذا الكلام فقد عرفت ان صاحب الهداية وضع المسئلة فيما اذا لم يكن المذكور مقرونا بقصد التقرب الى الغير وذكر ذكرا مجردا فهو بمعزل عن مسئلتنا الموضوعة فيما قصد التقرب الى غير الله تعالى فانها حرام مطلقا وعرفت ايضا ان ما وقع في التفسير الاحمدی من تفريع قوله على ما وقع في الهداية ونقله في ذلك التفسير كما ذكرنا وهو قوله من ههنا علم ان البقرة المنذورة للاولياء كما هو الرسم في زماننا حلال طيب لانه لم يذكر اسم غير الله وقت الذبح وان كانوا ينذرونها لهم انتهى مبنى على الغفلة عن قول صاحب الهداية وهو قوله الثالث ان يقول مفصولا عنه صورة ومعنى الخ فان الانفصال المعنوى كيف يتصور اذا كان النذر للاولياء فانه عين التقرب اليهم فنيته مستدامة الى وقت الذبح فلا انفصال معنى اصلا لما تقرر في قواعد الفقه من استدامة النية الى اخر العمل وايضا مبنى على عدم الفرق بين الذكر المجرد الذى وضع صاحب الهداية مسئلة فيه وبين ما قصد التقرب الى غير الله الذى وضعنا المسئلة فيه وابين هذا من ذالك والشاهد لما قررنا ما في التفسير الكبير والتفسير النيشاپوری واقوال الفقهاء كما مر من قبل فالآن لابد لنا ان نذكر عبارة التفاسير قال في المدارك

اب صاحب تفسیر احمدی ملا جیون کی ایک تفریع ملاحظہ فرمائیں جو انہوں نے صاحب ہدایہ کی کلام پر قائم کی ہے، اور اس میں انہوں نے غلطی کھائی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہدایہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو گائے اولیاء کی نذر کی جائے، جیسا کہ ہمارے زمانے میں رواج ہے، وہ حلال طیب ہے، کیونکہ اس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، اگرچہ وہ اولیاء اللہ کی نذر ہو چکی ہے" اس میں ملا جیون نے لغزش یہ کھائی ہے کہ صاحب ہدایہ نے تو لکھا تھا، کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام صورۃً و معنیً خدا کے نام کے ساتھ ملحق نہ ہو آپ نے معنی کے لفظ پر غور نہ فرمایا، کیونکہ جب ذبح کے وقت تک نیت میں اولیاء اللہ کی نذر کا تصور رہا، تو معنی تو اس کا انفصال نہ ہوا، پھر یہ گائے حلال کیسے ہوگی، کیونکہ انہی کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے اس نے ذبح کیا اور دوسری لغزش ملا جیون نے یہ کھائی، کہ صاحب ہدایہ نے تو ذکر مجرد لکھا، اور ملا جیون نے اس سے دلبا آدمی مراد لے لیا، جس کے تقرب کے لئے جانور کو ذبح کیا جا رہا ہے، کجا محض کسی شخص کا بر سبیل تذکرہ، اور کجا وہ جس کے لئے یہ سب کچھ ہو رہا ہے، اور اس کے شاہد تفسیر کبیر، نیشاپوری، اور اقوال فقہاء ہیں، جن کا ابھی ابھی تذکرہ ہو چکا ہے۔

فی تفسیر سورۃ البقرۃ وما اھل بہ لغیر اللہ ای ذبح للاصنام فذکر علیہ غیر اسم اللہ عز وجل واصل الاھلال رفع الصوت ای رفع بہ الصوت للصنم وذلک قول اھل الجاھلیۃ باسم اللات والعزی انتہی ففی ھذا التفسیر وان ذکر تحت قولہ تعالی وما اھل بہ لغیر اللہ ای ذبح للاصنام بطریق التفسیر بالاخص اشعارا بان المقصود من الاھلال والغرض منہ باعتبار المال الذبح دون غیرہ غالبا و لکن تفسیر لفظ الاھلال وترجمتہ ومعناہ باعتبار وضع اللغۃ واستعمال الشرع و العرف ھو رفع الصوت مطلقا کما افادبہ قولہ ای رفع بہ الصوت للصنم فیتناول الاھلال قبل الذبح وعندہ ولھذا لم یذکر فی تفسیر ھذہ الآیۃ قید عند ذبحہ وعلی طبق ھذا ذکر فی تفسیر سورۃ المائدۃ وما اھل لغیر اللہ بہ ای رفع بہ الصوت لغیر اللہ وھو قولھم باسم اللات والعزی عند ذبحہ انتہی فاورد تفسیر لفظ ما اھل لغیر اللہ بہ ای رفع الصوت بہ لغیر اللہ الی ھھنا تم تفسیرہ ثم اورد ھذہ العبارۃ وھو قولھم باسم اللات والعزی عند ذبحہ بیانا للمورد النزول و اشعارا لجری عادۃ اھل الجاھلیۃ بانھم یذبحون باسم اللات والعزی ولا یرفعون اصواتھم لغیر اللہ تعالی الا عند ذبحہ وھذا ذکر عادتھم غالبا وذکر فی سورۃ الانعام او فسقا اھل لغیر اللہ بہ منصوب المحل صفۃ لفسقا ای رفع الصوت علی ذبحہ باسم غیر اللہ وسمی الفسق لتوغلہ فی باب الفسق انتہی فذکر لفظۃ علی ذبحہ ھھنا فی ذلک التفسیر بیانا للمورد واشعارا لجری عادتھم والشاھد علی ھذا الاطلاق اللغۃ والشرع والعرف وذکر ھذا اللفظ فی موضع دون موضع من التفاسیر مع انہ قد تقرر فی اصول الحنفیۃ قاطبۃ ان التقیید لا یکون علی طریق

اب تفاسیر کا اقتباس دیکھیں تفسیر مدارک، تفسیر زاہدی، کشاف، بیضاوی، تفسیر حسینی، تفسیر الحداد، تفسیر عبدالصمد، تفسیر جامع البیان وغیرہ میں آیت "وما اھل بہ لغیر اللہ" (جو اللہ کے نام کے سوا پکارا جائے) لکھا ہے کہ اہلال کا معنے ہے آواز بلند کرنا اور پہلی رات کے چاند کو بھی ہلال کہتے ہیں، کیونکہ اس کے دیکھنے پر لوگ اپنی آوازیں ایک دوسرے کو دکھانے کے لئے بلند کرتے ہیں اور پھر یہ عام ہے، خواہ کسی جانور کے ذبح کرنے کے وقت کسی اور کا نام لیا جائے، یا خدا کے ساتھ کسی اور کا نام بطور عطف لیا جائے، یا ذبح کرنے سے پہلے لیا جائے، اور ذبح کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے ان تمام صورتوں میں

المفهوم المخالف لان المطلق يجري على اطلاقه والمقيد على تقييده فلا ينافي احدهما للآخر كما بين في كتب اصول الحنفية وفرع عليها احكام كثيرة من الخلافيات بين الحنفية وغيرهم وهكذا في التفسير الزاهدي في المواضع المذكورة وذكر فيه في سورة البقرة وما اهل به لغير الله اي وما ذبح لغير الله ورفع الصوت ولهذا سمي الهلال هلالا لرفع الناس اصواتهم عند رؤيته انتهى[1] فافاد عطف العام على الخاص ههنا على المقصود تمام وذكر الخاص انما هو للتمثيل وبيان المورد وجري العادة لهم وفي تفسير الكشاف في سورة البقرة وما اهل به لغير الله اي رفع به الصوت للصنم وذلك قول اهل الجاهلية باسم اللات والعزى ففيه ايضا الاطلاق وفي التفسير البيضاوي في سورة البقرة وما اهل به لغير الله اي رفع به الصوت عند ذبحه للصنم والاهلال اصله رؤية الهلال يقال اهل الهلال واهللته لكن لما جرت العادة ان يرفع الصوت بالتكبير اذا رئي سمى ذلك اهلالا ثم قيل لرفع الصوت وان كان لغيره انتهى. ففي هذا التفسير وان ذكر لفظ عند ذبحه للصنم لكن افاد ان معنى الاهلال وترجمته في اللغة والاستعمال انما هو رفع الصوت مطلقا سواء كان عند الذبح او قبله او بعده كما يشعر به آخر عبارته ثم قيل لرفع الصوت الخ ولهذا قال القاضي البيضاوي في تفسير سورة المائدة تحت هذه الآية وما اهل لغير الله به اي رفع الصوت لغير الله به كقولهم باسم اللات والعزى عند ذبحه انتهى قوله فاورد تفسير الاهلال مطلقا عن قيد عند ذبحه وذكره بطريق التمثيل وبيان المورد فقال كقولهم باسم اللات والعزى عند ذبحه بحرف التمثيل اي الكاف ولا يخفى

ذبح کرنے والا کافر ہو جائے گا اور ذبیحہ کا حکم مرتد کے ذبیحہ کا ہوگا اور یہ جو بعض مفسرین نے ذبح کرنے کے وقت غیر اللہ کے نام کی قید لگائی ہے یہ محض عرب کے بت پرستوں کی عادت کی بنا پر اس کا تذکرہ کیا ہے کیونکہ وہ لوگ جس کے نام پر جانور نذر کرتے تھے، اسی کے نام پر اسے ذبح بھی کرتے تھے، گویا وہ مشرک اپنے شرک میں مخلص تھے اور کسی لگی لپٹی بغیر جو دل میں ہوتا تھا اسی کا زبان سے اظہار کرتے تھے اور آج کل کے لوگ دل میں غیر اللہ کی نذر رکھتے ہیں، اور منہ سے ذبح کے وقت نام خدا لیتے ہیں۔

[1] ای فی الزاهدی ۱۲

علی المحصلین والعلماء الماہرین مقصود التمثیل کما یقال الفاعل مرفوع کقولہ تعالیٰ واذ قال ربک وھکذا فی سائر التمثیلات وعلی ھذا یقال کقربہ بذبح عمرو الی غیر ذلک ففی ای تفسیر ذکر لفظ عند ذبحہ فی تفسیر ھذہ الآیۃ کما فی البیضاوی والمدارک والحسینی وغیرھا انما ھو بیان للمورد واشعار بما ہی عادۃ اہل الجاھلیۃ کما افادہ صاحب تفسیر احمدی وعبد الصمد اما تفسیر احمدی ففی سورۃ المائدۃ منہ تحت قولہ تعالیٰ حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ الآیۃ قولہ وما اھل لغیر اللہ بہ ای حرم علیکم ما ذکر علیہ عند الذبح اسم غیر اللہ وذلک لانھم کانوا یتقربون لاصنامھم[1] یتقربون بذبحھا فحرم اللہ تعالیٰ کل ذبیحۃ یتقرب بذبحھا الی غیر اللہ تعالیٰ ولذلک قال الفقھاء ان الذابح لو سمی النبی مع اللہ تعالیٰ فقال بسم اللہ ومحمد حرمت الذبیحۃ الی آخر ما قال اما تفسیر عبد الصمد فعبارتہ ھکذا ذکر الامام ابو عاصم العامری محمد بن احمد عن اصحابنا ان سلطانا لو دخل بلدا فذبح الناس الذبائح تقربا الیہ بذبحھا واراقۃ دمھا لم یحل تناول شیء منھا لانہ قد اھل بھا لغیر اللہ وتقرب بذبحھا الی غیرہ وکان یفرق بین ھذا وبین ما یذبحہ الرجل لضیفہ معنی ان صاحب الضیف انما یتقرب الی ضیفہ باللحم دون اراقۃ الدم الا تری انہ لو ذبح شاۃ باسمہ وبسببہ ولم یتقرب بھا الیہ لم یکن متقربا الیہ فاما ما یذبح لاجل الامراء عند دخولھم البلاد انما یتقربون الیھم بالذبح واراقۃ الدم دون اللحم فان اللحم لا یحمل ولا یرجع الیھم شیء من منافعہ فلذلک افترقا وکان یحکی عن بعض المشائخ ان ھذہ المسئلۃ وقعت ببعض بلاد ما وراء النھر فاختلف

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب مہمان کے لئے کوئی جانور ذبح کیا جاتا ہے تو اس پر بھی غیر خدا کا نام بلند ہو جاتا ہے وہ کیوں حرام نہیں ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے، کہ اس میں مہمان کی ضیافت کے لئے گوشت مہیا کرنا مقصود ہوتا ہے، نہ تو ذبح کے وقت مہمان کا نام لیا جاتا ہے، نہ اس کا تقرب مقصود ہوتا ہے، اور نذر لغیر اللہ میں گوشت مہیا کرنا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لئے ایک جان قربان کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس کا تقرب مدنظر ہوتا ہے، اور یہ کھلا ہوا فرق ہے، یہی وجہ ہے کہ مہمان کے لئے ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے اور یہ حرام، واللہ اعلم

(۱) یدل لانہ اللام بالاختصاص او التملیک ۱۲

بها فقهاؤها فكتبوا الى ائمة بخارا فافتوا بتحريمها انتهى فالتفسير الاول يعنى الحدادي يفيد ان الاهلال لغير الله حرام مطلقا سواء كان عند الذبح او قبله وان مدار علة الحرمة على التقرب الى غير الله تعالى وانما ذكر لفظ عند ذبحه اشعارا لورودا لنزول وجرى العادة لهم يدل عليه قوله فحرم الله تعالى كل ذبيحة وتفسير عبد الصمد يفيد هذين الامرين المذكورين افادة تامة جدا على انه ذكر وجه الفرق بين ما ذبح لاجل التقرب الى غير الله تعالى فيحرم وبين ما لم يكن كذلك فلا يحرم وفي التفسير الكبير للامام الرازي والنيشاپوري للعلامة نظام الدين تحت قوله تعالى وما اهل به لغير الله من سورة البقرة قال العلماء لو ان مسلما ذبح ذبيحة وقصد بذبحها التقرب الى غير الله صار مرتدا وذبيحته ذبيحة مرتد انتهى ما فيهما مختصرا وهكذا في تفسير جامع البيان واذا كان حال التفاسير المذكورة المعتبرة على هذا النمط وعلى ذلك النهج فكيف يصح قول المخالفين فهذه التفاسير صريحة في ان المراد بذكر اسم الله تعالى وغيره وقت الذبح يدل عليه قوله عند ذبحه بل هذه التفاسير صريحة فيما قلنا فلا انصاف من المتدين المنصف بامعان النظر ودقة الفكر ان يعلم الى اى الحق الى اى الباطل وهذا ما استفيد من خلاصة افادات جامع المشتات والبركات شاه عبد العزيز وغيره من اهل التميز رحمهم الله تعالى امين۔

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو کھانا اولیاء اللہ کی قبروں پر لے جا کر خواہ ایک یا دس یا بیس مساکین کو کھلاوے اور مساکین وہاں پر موجود نہ ہوں یعنی وہاں نہیں رہتے ہیں محض اس غرض سے دوسری جگہ سے مساکین کو طلب کر کے قبور مذکورہ پہ کھانا کھلانا کہ از دیاد ثواب کا موجب ہوگا درست ہے یا نہیں اگر منع ہے تو کہاں تک۔ بینوا توجروا۔

الجواب: اولیاء اللہ کی قبروں پر کھانا لے جانا اور مساکین کو دوسری جگہ سے بلا کر غرض مذکور سے وہاں کھانا کھلانا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں اور جب یہ ثابت

۱؎ ای الاہلال حرام مطلقا مدار الحرمۃ علی التقرب الی غیر اللہ تعالی ۲؎

نہیں تو اسے ثواب ہی کی امید نہیں ہے، چہ جائے کہ زیادہ ثواب ہو، اس بے اصل اور محدث بات سے احتراز لازم ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ عبدالرحیم اعظم گڈھی کوپوی

ربیع الاول ۱۳۱۲ھ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ما قولہم رحمہم اللہ در صورتے کہ کسے جاندارے را برائے تقرب لغیر اللہ ذبح سازد و عند الذبح تسمیہ ہم گوید آن جاندار بسبب ذکر تسمیہ حلال می شود یا بسبب تعظیم و تقرب لغیر اللہ حرام می شود، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ذبیحہ کہ تقرباً و تعظیماً لغیر اللہ ذبح کردہ شود حرام گردد، و ذکر تسمیہ بر خلاف نیت مفید نیست، بلکہ این چنین ذابح را اکثر علماء نسبت بکفر کردہ اند چنانچہ در تفسیر نیشاپوری مذکور است اجمع العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحہا التقرب الی غیر اللہ صار مرتدا وذبیحتہ ذبیحۃ مرتد انتہی، لیکن اگر کسے جاندارے را برائے ذبح لغیر اللہ مقرر سازد و عند الذبح قصد تقرب بغیر خدا از دل دور کند و خالصۃً للہ آنرا ذبح سازد آرے الآن نیت سابقہ حکم عدم و بطلان خواہد گرفت و ذبیحہ بے شک حلال خواہد شد، زیرا کہ دریں باب معتبر نیت ذبح نیت است و لہٰذا اکثر مفسرین در تفسیر وما اہل لغیر اللہ بہ قید عند الذبح بیان کردہ اند، فقال فی الدر المختار لو ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اہل بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ تعالی وایضاً ہکذا فی جامع الرموز وقرۃ الانظار وہدایۃ المبتدی والاشباہ وغیرہما

سید محمد نذیر حسین	محمد صدر الدین صدر الصدور	محمد قطب الدین	سید محبوب علی جعفری	ابو عبد الحی
محمد مخصوص اللہ	احمد بن بارک اللہ	فقیر غلام العلی خادم شرع جلی	محمد حسین بٹالوی	ممنوک علی عفی عنہ

سوال: اگر کوئی آدمی خدا کا نام لے کر جانور ذبح کرے، اور مقصود غیر اللہ کی تعظیم ہو، تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو ذبیحہ غیر اللہ کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے وہ حرام ہو جاتا ہے، اور نیت کے بر خلاف خدا کا نام لینے سے حلال نہیں ہوتا، بلکہ ایسے ذبح کرنے والے کو اکثر علماء نے کافر کہا ہے، چنانچہ تفسیر نیشاپوری میں مذکور ہے علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی مسلمان کوئی جانور ذبح کرے اور اس سے مقصود غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب ہو، تو وہ آدمی مرتد ہو جائے گا، اور یہ ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہوگا، ہاں اگر پہلے نیت غیر اللہ کی تھی، اور بعد میں توبہ کر کے نیت اللہ کے تقرب کی کر لی، اور خدا کا نام لے کر ذبح کیا، تو یہ جانور حلال ہوگا، کیونکہ پہلی نیت معدوم ہو گئی، اور ذبح کرنے کے وقت نیت صحیح ہو چکی تھی، اور معتبر نیت ذبح کرنے کے وقت کی ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے مفسرین نے عند الذبح کی قید لگائی ہے، در مختار میں ہے، اگر امیر یا کسی بڑے آدمی کے آنے پر جانور ذبح کرے تو وہ حرام ہو جائے گا کیونکہ وہ غیر اللہ کے نام پر پکارا گیا ہے، اگرچہ ذبح کرتے وقت اس پر اللہ کا نام لے، دوسری کتابوں میں بھی اسی طرح ہے۔

کتاب الفرائض والوصایا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مر گئی، اس نے وارث ذیل چھوڑے، ایک مادر، ایک دختر نابالغہ قریب پانچ سال کی، ایک شوہر دو برادر حقیقی، دو ہمشیرہ، اس میں ترکہ مرحومہ میں سے شرعی کون کون وارث اور کس قدر سہام ہوں گے، اور دختر نابالغہ کا ولی کون ہے، پدر یا نانی، دختر مذکورہ کے حصہ ترکہ کا مال کس کے پاس رکھا جاوے گا، باپ یا نانی، یا اس کی دادی کے پاس، اور اس کی پرورش، نان ونفقہ کا خرچ کس کے ذمہ ہوگا، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بعد تقدیم ما تقدم وطلے الارث ورفع موانع ترکہ مرحومہ بہتر سہام پر تقسیم ہو کر از ان جملہ اٹھارہ سہام اس کے شوہر کو اور چھتیس سہام اس کی دختر کو، اور بارہ سہام اس کی مادر کو، اور دو، دو سہام اس کے ہر ایک برادر کو، اور ایک ایک سہم اس کی ہر ایک ہمشیرہ کو ملیں گے، صورۃ المسئلۃ ھکذا:۔

میت — مسئلہ ۱۲ — ۷۲

زوج	بنت	ام	اخ	اخ	اخت	اخت
۱۸	۳۶	۱۲	۲	۲	۱	۱

دختر نابالغہ کی ولایت[1] باپ کو ہے، اور اس کے حصہ کا مال باپ کے پاس رکھا جاوے بشرطیکہ وہ امین ومحافظ تام ہو، ورنہ جہاں حفاظت تامہ ہو، وہاں اس کا حصہ امانت رکھا جاوے، رد المحتار میں ہے۔ الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی ونائبہ انتہی، اور دختر مذکورہ کی حضانت وپرورش کا حق نانی کو[2] ہے، ہدایہ میں ہے۔ فان لم تکن ام فام الام اولی من ام الاب وان بعدت انتہی۔ اور اس کی پرورش ونان و

[1] اس میں ولی اور وصی باپ ہے، اور اس کے بعد دادا ولی ووصی ہے، اور اس کے بعد قاضی اس کا نائب ہے۔

[2] اگر ماں نہ ہو، تو دادی سے نانی زیادہ حقدار ہے، اگرچہ اوپر کی نانی ہو ۱۲

نفقہ کا خرچ اس کے حصہ میں سے ہونا چاہیئے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔ نفقة الفطام اذا كان له مال فى ماله هكذا فى المحيط انتهى. والله اعلم بالصواب

حررہ السید ابو الحسن عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کسی شہر میں بغرض تجارت کارخانہ قائم کیا، اور لین دین کا معاملہ جاری کیا، بمشیت ایزدی کچھ عرصہ کے بعد کارخانہ مذکور آتشزدگی کی وجہ سے درہم برہم ہوگیا، زید کو خیال ہوا کہ لوگوں کا جو کچھ قرض اپنے ذمہ واجب ہے، اس کو جس طرح ممکن ہو ادا کیا جاوے، چنانچہ اس نے کوشش و جستجو کر کے انتظام کیا، لیکن کل روپیہ کا بندوبست نہ ہو سکا، بلکہ فی روپیہ بارہ آنے کے حساب سے ادا کیا گیا، قرضخواہوں نے بخیال خدا ترسی و ترحم بخوشی اس کو منظور کیا، اور باقی قرض کو صاف طور پر معاف کر دیا، اور اس کے متعلق تحریر بھی ہوگئی، مگر زید کی یہ تمنا رہی، کہ جس طرح ممکن ہو بقیہ قرض بھی ادا کیا جائے، اور معافی کی نوبت نہ پہنچائی جائے، اس کے بعد زید نے کچھ روپیہ فراہم کر کے پھر تجارت کا سلسلہ جاری کرنا چاہا، اور عمرو کو اپنا شریک قرار دے کر کل روپیہ اس کے حوالے کر دیا، چند روز کے بعد زید کا انتقال ہوگیا، اور روپیہ سب عمرو کے پاس رہا، اب وارثان زید عمرو سے وہ روپیہ طلب کرتے ہیں، عمرو کہتا ہے، کہ زید نے مجھے بقیہ قرض ادا کرنے کی وصیت کی ہے، اس لئے میں تم کو روپیہ نہیں دے سکتا، مگر وہ نہ قرض دیتا ہے اور نہ وارثان زید کے حوالے کرتا ہے، اور نہ وصیت کا کوئی ثبوت پیش کرتا ہے، پس اس حالت میں ورثہ کو مال زید کا استحقاق ہے یا نہیں اور وصیت کس طور پر جاری ہو سکتی ہے، بینوا توجروا۔

الجواب۔ یہ امر ظاہر ہے، کہ جب قرض باقی ماندہ بطیب خاطر زید کو معاف کر دیا تو زید عنداللہ و عندالناس بری الذمہ اور سبکدوش ہوگیا، جیسا کہ دلائل شرعیہ سے ظاہر ہے، اور جملہ علماء و فقہاء کا اس پر اتفاق ہے، بیان و تفصیل کی ضرورت نہیں، اس حالت میں زید کا اس کی جانب متوجہ ہونا بطور تبرع و تطوع ہوگا نہ بلحاظ ادائے واجب لہٰذا وصیت بھی صورت مسئولہ میں ثلث مال سے زائد پر جاری نہیں ہو سکتی، پس مناسب ہے کہ ثلث وصیت کے لحاظ سے عمرو کے حوالہ کیا جاوے، اور باقی مال وارث کو دیا جاوے اگر عمرو ورثہ کے دینے سے پہلو تہی کرتا ہے، تو سخت مجرم اور ظالم ہے، قال اللہ تعالیٰ

ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا[1] وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیۃ المنافق ثلاث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان او کما قال واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ الراجی رحمۃ ربہ الغفار محمد عبد الجبار رحمہ اللہ من عبادہ الابرار والاخیار۔

صح الجواب:۔ محمد عثمان

الجواب صحیح:۔ محمد یعقوب — المجیب مصیب:۔ احمد حسن یونکی عفی عنہ

جواب صحیح ہے، مگر یہ وصیت اسی وقت جاری ہو سکتی ہے، جب کہ اس وصیت کا ثبوت معتبر گواہوں سے ہو، ورنہ کل متروکہ کے مستحق زید کے ورثہ ہیں، واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید متوفی کے بڑے لڑکے نے اپنے چھوٹے حقیقی بھائیوں کے روبرو زید کے انتقال سے اٹھارہ برس پیچھے بیان کیا، کہ مکانات وچاہ واراضی وباغ وتنخواہ متروکہ کا زید نے مجھ کو مختار کیا، اور یہ کہا کہ اس لفظ سے مراد متوفی کی وصیت ہے یعنی متوفی نے ان چیزوں کی میرے لئے خاص وصیت کی ہے، چھوٹے بھائی کہتے ہیں، کہ یہ وصیت نہیں ہے بلکہ لفظ مختاری سے مراد کارکنی وکارپردازی ہے، پس لفظ مختار وصیت ہو سکتا ہے یا نہیں یا کارپردازی وکارکنی پر فقط مبنی ہوگا۔

الجواب: ہو الموفق للحق والصواب، متوفی کا بڑے بیٹے کی نسبت یہ کہنا کہ تو فلاں فلاں چیز کا مختار ہے، وصیت نہیں ہے۔ فی تنویر الابصار ورکنھا قولہ اوصیت ھکذا الفلان ویجری مجراہ من الالفاظ المستعملۃ فیھا انتہی۔ یعنے وصیت کا انعقاد لفظ وصیت سے اور ان الفاظ سے ہوتا ہے، جو وصیت کے معنی میں مستعمل ہیں، اور لفظ مختار کا استعمال وصیت کے معنی میں نہ اردو زبان میں ہے، نہ عربی زبان میں اور متوفی کا یہ کلام اردو زبان میں تھا، لہذا لفظ مختار سے وصیت منعقد نہیں ہو سکتی۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد اسحق عفی عنہ الخلاق۔

سید محمد نذیر حسین

---

[1] اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ امانتیں ان کے مالکوں کے سپرد کر دو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں، جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، وعدہ کرتا ہے تو خلاف کرتا ہے اور امانت میں خیانت کرتا ہے

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے انتقال کے بعد زید کے چھوٹے لڑکوں نے بڑے لڑکے کو متروکہ پدری کا منتظم قرار دیا، اب اگر بڑا لڑکا یہ کہے کہ میرے عرصہ کثیر کے قبضہ ہونے کے سبب ترکہ کی تقسیم کو تمادی عارض ہے اور تقسیم نہیں ہو سکتا میں مالک ہوں تو کیا شرعاً وہ مالک ہو سکتا ہے، اور تقسیم ترکہ کی کوئی میعاد تیس تیس برس رکھی گئی ہے، یا نہیں بینوا توجروا

الجواب:- ہو الموفق للحق والصواب، عرصہ کثیر تک کسی کے ترکہ پر قابض رہنا اور ترکہ کا مدت مدید تک تقسیم نہ ہونا مبطل جواز تقسیم ترکہ نہیں، اور نہ رافع حق ارث ہے، ترکہ پر مدت مدید تک قابض رہنا اسباب ملک سے نہیں ہے، کہ قابض مالک ہو جائے، اور ترکہ کی تقسیم جائز نہ ہو، شرع میں تقسیم ترکہ کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں ہے کہ اس مدت کے گذرنے سے پہلے تو تقسیم جائز ہو اور اس کے گذرنے کے بعد جائز نہ ہو امتداد مدت حق ثابت کی رافع نہیں ہے فقط۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد اسحٰق عفا عنہ الخلاق، یوم الثلاث۔

بے شک جب تک حق دار اپنا حق ساقط نہ کرے، اس وقت تک اس کا حق ساقط نہیں ہوتا ہے، اگرچہ مدت مدید گذر گئی ہو۔ وجہ قول ابی حنیفۃ وھو ظاھر المذھب وعلیہ الفتوی ان الحق متی ثبت واستقر لا یسقط الا باسقاطہ وھو التصریح بلسانہ کما فی سائر الحقوق انتھی ما فی الرد ایۃ الحق لا یسقط بتقادم الزمان قذفا او قصاصا او لعانا او حق العبد کذا فی لعان الجوھرۃ کذا فی الاشباہ والنظائر فی کتاب القضاء۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ السید محمد ابو الحسن عفی عنہ۔ جمادی الاولی ۱۳۱۶ھ سید محمد نذیر حسین

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے جس کا مذہب اہل سنت والجماعت تھا، وفات پائی، اور قرابت واران مندرجہ ذیل چھوڑے، ماں و تین بہنیں حقیقی و یک برادر علاتی و چار بہنیں علاتی و یک

ابو حنیفہ کے قول کی وجہ اور یہی ظاہر مذہب ہے، اور اسی پر فتوی ہے، کہ حق جب ثابت ہو جائے تو وہ صرف حقدار کے ساقط کرنے ہی سے ساقط ہو سکتا ہے، کہ وہ صراحۃً زبان سے بول کر حق ساقط کرے، حق زیادہ مدت گذر جانے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا، قذف ہو یا قصاص یا لعان یا حقوق العباد ۱۲

بہن اخیافی، پس متروکہ زید کا از روئے شرع شریف فرقہ اہل سنت والجماعت کے کیونکر تقسیم ہوگا، و قرابت مندان متذکرہ صدر میں سے کون کون قرابت مند مستحق پانے ترکہ متوفی مذکور کے ہے، اور کس قدر، اور اگر کوئی قرابت مند منجملہ قرابت مندان متذکرہ صدر مستحق پانے ترکہ کا شرعاً نہ ہو، تو وجہ عدم استحقاق اس کے کی بیان فرما دیں، اور اگر بہن اخیافی صحیح النسب نہ ہو، بلکہ نطفہ سے ایک کافر کے بلا نکاح شرعی تولد ہوئی ہو، اور ولادت اس کی ماقبل تزویج مادر اس کی ساتھ پدر متوفی کے وقوع میں آئی ہو، تو ایسی حالت میں بہن اخیافی مذکور کو استحقاق وراثت و پانے ترکہ کا حاصل ہے یا نہیں، اور اگر ہے، تو اثر اس کا بھائی و بہن علاتی پر متوفی کے کسی قسم کا مترتب ہے یا نہیں، اور اگر ہے تو کیا ہے، اور اگر بہن خیفی بوجہ متذکرہ بالا مستحق پانے ترکہ کی نہ ہو، تو اس حالت میں بھائی و بہن علاتی مستحق پانے ترکہ کے ہوں گے یا نہیں، اور اگر ہوں تو کس قدر ہوں گے بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مرقومہ میں بعد ادائے دیون وغیرہ کے ترکہ زید کا اٹھارہ سہام پر منقسم ہوگا، من جملہ اس کے تین سہام ام کو اور چار چار سہام ہر ایک بہن حقیقی کو اور تین سہام برادر علاتی کو دیئے جاویں گے، اور بہن اخیافی چونکہ ولد الزنا ہے، اس لئے صلاحیت ترکہ پانے کی نہیں رکھتی، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے صحیح الانساب کا ذکر کیا ہے، ولد الزنا کا حال مذکور نہیں ہے، سبب استحقاق ارث کا تین ہوتے ہیں، رحم یا نکاح صحیح یا موالات، چنانچہ اسی لئے اجماع ہے، کہ نکاح فاسد و باطل سے توارث نہیں ہوگا، و یستحق الارث احد ثلاثۃ برحم و نکاح صحیح و ولاء فلا توارث بفاسد و باطل اجماعاً کذا فی تنویر الابصار والدر المختار و حواشیہ، پس بہن اخیافی بوجہ ولد الزنا ہونے کے مستحق پانے ترکہ کی نہ ہوگی، واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید عبد الحفیظ عفی عنہ۔

صورت مسئولہ میں بوجہ موجود ہونے علاتی برادر کے علاتی بہنیں بھی مستحق میراث ہیں پس بعد تقدیم ما تقدم علی الارث و رفع موانع ترکہ زید متوفی کا چھتیس سہام پر تقسیم ہوکر از اں جملہ چھ سہام ماں کو، اور آٹھ آٹھ سہام ہر ایک بہن حقیقی کو اور دو سہام برادر علاتی کو اور ایک ایک سہم ہر ایک علاتی بہن کو ملے گا، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری، عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

[1] وراثت کے حقدار تین طرح کے آدمی ہیں یا رحم یا نکاح صحیح یا موالات والے اور نکاح فاسد یا باطل سے وراثت نہیں ہوتی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مسماۃ امیر النساء زوجہ حسین بخش کی بعد وفات اپنے شوہر کے مسماۃ امیر النساء اپنے دین مہر میں جائداد شوہری پر قابض اور مالک ہوئی، بر وقت انتقال حسین بخش دو دختران مسماۃ پیاری بیگم اور دوسری مسماۃ عمدہ بیگم زندہ موجود تھیں، بعد ازاں مسماۃ عمدہ بیگم بحیات اپنی والدہ مسماۃ امیر النساء کے ایک لڑکا مسمی نثار احمد چھوڑ کر فوت ہوگئی، اور مسماۃ پیاری بیگم اب تک زندہ موجود ہے مسماۃ امیر النساء نے اپنی جائداد کو جس پر قابض اور مالک ہوئی تھی، نصف اپنے نواسہ نثار احمد کے نام بطور ہبہ ثمن یعنے بعوض مبلغ ایک ہزار روپیہ کے بیع صاف کر کے روپیہ جائداد کو بوجہ خدمات و محبت قلبی کے معاف اور بخش دیا، اور اسی طرح باقی نصف جائداد کو مسماۃ پیاری بیگم کے نام جو اب زندہ ہے ہبہ ثمن کر کے بخش دیا ہے، غرضکہ مسماۃ امیر النساء نے ہر دو دستاویزات تحریر و مکمل کرا دیئے، اور قبضہ جائداد پر ہر دو فریق کا کرا دیا، پھر مسماۃ امیر النساء نے بترغیب مسماۃ پیاری بیگم کے ساڑھے سات سال کے بعد اس جائداد کو واپس لینے کی نیت سے جو کہ اپنے نواسہ نثار احمد کے نام کی تھی مقدمہ دائر عدالت عملداری سرکار بادشاہ وقت کے پیش کر کے کاغذی منسوخی کا دعوےٰ کیا، دوران مقدمہ میں اب مسماۃ امیر النساء کا انتقال ہوگیا، اور ایک دختر مسماۃ پیاری بیگم مذکورہ و سہ برادر یعنی تایا کے بیٹے میاں فضل حسین و محمد حسین و عمر دراز زندہ مسماۃ امیر النساء نے وارث چھوڑے، اب بخدمت علمائے دین التماس ہے کہ بموجب شرع کے کچھ حق و حصہ اس جائداد میں جو مسماۃ امیر النساء نے اپنے نواسہ نثار احمد کو ہبہ ثمن کی تھی، مسماۃ پیاری بیگم اور دیگر وارثان کو پہنچتا ہے یا نہیں، اور اگر پہنچتا ہے تو کس کس قدر پہنچتا ہے، اور نیز اب مسماۃ پیاری بیگم بجائے مسماۃ امیر النساء بیگم مرحومہ کے وارث مستحق واپس لینے جائداد مذکورہ متنازعہ کی ہوسکتی ہے، یا نہیں، فقط۔

الجواب: چونکہ ملک نثار احمد کی اس میں تام ہوگئی ہے، اب اس میں مسماۃ امیر النساء کا رجوع کرنا نادرست ہے، اب وہ مملوکہ نثار احمد کا منجملہ ترکہ مسماۃ امیر النساء شمار نہ ہوگا، اور وارثان امیر النساء کو اس میں سے کچھ نہ ملے گا، بلکہ میراث اسی میں جاری ہوگی جو اس مملوکہ نثار احمد کے سوا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

الجواب صحیح وھکذا فی تنویر الابصار فلو[1] وھبہ لذی رحم منہ لا یرجع ملخصا

نمقہ محمد یحییٰ عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک دختر نابالغہ بعمر دس سال کا عقد نکاح اس کے پدر نے بمہر مبلغ پانسو روپیہ کے ایک شخص کے ساتھ کیا تھا اور وداع بھی اس کے پدر نے کر دیا تھا، وہ اپنے شوہر کے گھر چلی گئی، اور لبعد میں دختر نابالغہ موصوفہ اپنے والدین کے گھر میں آ کے چل کر فوت ہوگئی، دختر متوفیہ آٹھ یا نو ماہ عقد نکاح میں رہی، اور دختر متوفیہ کے والدین اور شوہر موجود ہیں، اب جو کہ زر مہر اس کا اور قسم جہیز و چڑھاوا وغیرہ متوفیہ کا کیونکر حسب شرع شریف تقسیم ہونا چاہیئے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بعد تقدیم ما تقدم علی الارث و رفع موانع کل ترکہ یعنی جہیز و چڑھاوا و کل مہر دختر مذکورہ متوفیہ کا چھ سہام پر منقسم ہو کر ازاں جملہ تین سہام اس کے شوہر کو، اور ایک سہم اس کی والدہ کو، اور دو سہام اس کے والد کو پہنچیں گے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

حررہ السید محمد ابو الحسن۔　　سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مسماۃ ہندہ کی جائداد غیر منقولہ مکان و دو دکانیں تھیں، ہندہ نے دکانیں برضا و رغبت خود بحالت صحت و تندرستی دکانیں زر خرید خود اپنے خویش کو دے دیں، اور ہبہ نامہ باضابطہ رجسٹری کرا کر قبضہ دکانوں کا فی الفور کرا دیا، اب موہوب لہ دکانوں پر مالکانہ قابض ہوگیا، ایک سال کے بعد ہندہ بعارضہ فالج بیمار ہوگئی، اور تین سال اسی عارضہ میں مبتلا رہی، اور پھر فوت ہوگئی، اب اس نے دو بیٹیاں شکمی اور ایک بھائی چچازاد اور ایک بہن چچازادی اور ایک مکان متروکہ اپنا چھوڑا، الحال ورثائے ہندہ کے خویش ہندہ سے یہ کہتے ہیں، کہ جو دکانیں ہندہ نے ہبہ کی ہیں، یہ دکانیں اور مکان ملا کر حصہ شرعی کر دو، اور مالک دکانوں کا یعنی خویش ہندہ کہتا ہے، کہ مجھ کو ہندہ نے بحالت صحت و تندرستی اپنی رضا و رغبت سے یہ ہبہ کر کے قابض و متصرف کرا دیا تھا، اب میں دکانیں نہیں دے سکتا، ورثائے ہندہ کے اس بات کو منظور نہیں کرتے، اور فیما بین تنازع واقع ہے، پس سوال یہ ہے، کہ ہندہ دکانیں جو اپنے خویش کو دے گئی تھی، ان میں سے کچھ حق ورثائے ہندہ کا پہنچتا ہے یا نہیں، اور دکانیں ہمراہ مکان متروکہ شامل ہو کر ورثائے ہندہ پر تقسیم ہونا چاہیئے۔

---

[1] ذی الارحام میں سے اگر کسی کو ہبہ کرے تو اس سے رجوع نہیں ہوگا ۱۲

یا کہ فقط مکان ورثاء ہندہ تقسیم کر سکتے ہیں اور دکانیں متروکہ ہندہ کی متصور نہ ہوں گی، اور متروکہ ہندہ ورثاء میں کیونکر تقسیم ہونا چاہیے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورتے کہ ہندہ نے دکانیں مذکورہ زر خرید خود اپنی عین حیات میں برضا و رغبت و بحالت صحت و تندرستی اپنے خویش یعنی داماد کو ہبہ کر دیں، اور ملک تام یعنی ہبہ نامہ باضابطہ رجسٹری کرا کر قبضہ و تصرف مالکانہ دلا دیا، اور موہوب لہ نے مذکورہ دکانوں پر دخل و قبضہ مالکانہ کر لیا، تو بلا اشتباہ دکانیں مذکورہ ملک واہبہ سے خارج ہو کر ملک موہوب لہ میں آگئیں، اب دعوے وارثان ہندہ کا بابت دکانوں کے باطل و ناممسموع ہے، شرعاً، اور موت احد المتعاقدین مانع رجوع ہے شرعاً پس ہبہ مذکورہ قابل استرداد کے نہیں ہو سکتا وَمن موانع الرجوع فی الهبة موت احد العاقدين كذا فی تنوير الابصار۔ باقی رہا مکان مذکور اس میں دونوں بیٹیاں اور بھائی چچا زاد مستحق ہیں شرعاً، اور چچا زاد بہن ترکہ ہندہ سے محروم الارث ہے، کل مکان کے تین حصہ کر کے ان میں سے ایک ایک حصہ ہر ایک بیٹی کو بطور فرضیت کے، اور باقی رہا ایک حصہ وہ بھائی چچا زاد کو بطور عصوبت کے دینا چاہیے، هكذا فی کتب الفقه والفرائض۔ حررہ السيد محمد عبد السلام، ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۱۶ھ

سید محمد عبد السلام غفر لہ	سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ہندہ بحالت مرگ بسلامت حواس زیور ملکیہ خود کہ از ثلث متروکہ وے کم است جدا ساختہ بحضور زوج و خواہرات خود بدست شخصے ابن متدین داد و گفت کہ اگر حیات من مقدر است واپس گیرم ورنہ این را للہ صرف کنید بعد دو روز آن موصیہ وفات یافت اکنون زوج او از وصی ہندہ زیور طلب می کند و می گوید کہ وصیت را جائز ندارم و اگر للہ صرف کردنیست من مسکینم ہمرا بدہ۔ پس امر ضروری الاستفسار این کہ این وصیت را جاری نمودن ضروری

لہ ہبہ میں رجوع کے موانعات میں سے عاقدین میں سے ایک کی موت بھی ہے ۱۲

سوال:۔ ہندہ نے بحالت موت بسلامتی ہوش و حواس اپنے خاوند و بہنوں کے روبرو اپنا ملکیتی زیور جو اس کے ترکہ کی تہائی سے کم ہے، ایک متدین دانا آدمی کے سپرد کیا، اور کہا کہ اگر خدا نے میری زندگی رکھی تو لے لوں گی، اگر مر گئی، تو اسے خدا کی راہ میں خرچ کر دینا، دو روز کے بعد ہندہ فوت ہو گئی، اب اس کا خاوند زیور طلب کرتا ہے اور کہتا ہے، کہ میں اس کی وصیت کو جائز نہیں سمجھتا، اور اگر اسے خرچ کرنا ہی ہے تو مجھے دے دو، میں خود غریب ہوں، سوال یہ ہے کہ اس وصیت کو پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں، اور تعیین مصارف وصی کے اختیار میں ہے یا نہیں؟

است یا نہ، اگر ضروری است پس تعیین مصارف باختیار وصی است یا نہ، بینوا توجروا۔

الجواب: انفاذ وصیت باتفاق محدثین وفقہاء واجب است، مادام کہ بحد ضرار نرسد، وزائد از ثلث مال نبود۔ قال اللہ تعالیٰ فمن بدله بعد ما سمعه فانما اثمه على الذين يبدلونه ان الله سميع عليم۔ در تفسیر خازن وغیرہ است بدله اى غير الوصية من الاولياء والاوصياء بعد سمعه اى الموصى وتحققه فانما اثمه اى اثم ذلك التبديل لا يعود الا على المبدل قال وذلك التغيير اما فى الكتابة او فى قسمة الحقوق او الشهود بان يكتموا الشهادة او يغيروها الخ۔ معلوم است کہ در صورت مسئولہ نہ زیادت بر ثلث است و نہ این صورت ضرار است، بلکہ وصیت بقربت غیر واجبہ است کہ یعنی موصیہ این تصرف در مال خود کردہ کہ حق تعالےٰ اورا اذن تصرف دادہ، پس انفاذ این وصیت بہر صورت لازم است ورثہ وغیرہ را در وحق تعرض اصلاً نیست وقبل از میراث اور اجاری نمودن اقدم والزم است قال اللہ تعالیٰ من بعد وصية يوصى بها او دين وبہمیں وجہ وصیت را بر دین مقدم فرمودہ کہ انفاذ وصیت بر ورثہ بہ نسبت دین مشکل است قال فى الفتح قدمت الوصية لانها شئ يوخذ بغير عوض فكان اخراج الوصية اشق على الوارث من اخراج الدين قال وايضا فهى حق فقير ومسكين غالبا والدين حظ غريم يطلبه بقوة له فيه مقال اھ وازان کہ اعظم مقاصد موصیہ این است، کہ انفاذ وصیت از دست وصی باشد ازان تنفیذ وصایا وقضاء دیون تنہا بدست وصی است احدے را دران مدخلے نیست، کہ موصی اورا قائم مقام خود مقرر کردہ پس

الجواب: اگر وصیت تہائی مال سے کم ہو، اور کسی کو نقصان نہ پہنچے اور وارث کے لئے وصیت نہ ہو تو اس کا نافذ کرنا باتفاق محدثین وفقہاء واجب ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "جو آدمی وصیت کو سننے کے بعد بدل دے، تو اس کا گناہ ان پر ہے جو ان کو بدل دیں گے اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے" تفسیر خازن میں ہے، کہ ولی یا وصی وصیت کو بدل دیں، خواہ تحریر میں کمی بیشی کریں یا حقوق کی تقسیم میں یا شہادت کو بدل دیں یا گواہوں کو گواہی سے روک دیں، اور اس صورت میں چونکہ وصیت ثلث مال سے کم ہے، اور اس میں ضرر بھی نہیں ہے تو اس کا نفاذ لازمی ہے، ورثاء کو اس میں تبدیلی کا کوئی حق نہیں ہے، اور اس کو قرضہ اور وراثت سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وصیت یا قرضہ کے بعد، اور وصیت کو قرضہ پر اس لئے مقدم رکھا، کہ چونکہ وصیت کا مال بلا معاوضہ دینا پڑتا ہے، اور یہ غرباء و فقراء کا حق ہوتا ہے، جس کا زور سے مطالبہ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، لہٰذا اس کا دینا ورثاء کو قرضہ کی نسبت سے زیادہ شاق گذرتا

وکیل وے باشد، در عالمگیریہ فرمودہ الاوصیاء ثلاثۃ امین قادر علی القیام لما وصی الیہ فانہ یقرر ولیس للقاضی عزلہ اھ ونیز درواست، واذا شکت الورثۃ او بعضہم الوصی الی القاضی فانہ لا ینبغی لہ ان یعزلہ حتی یبدو لہ منہ خیانۃ کذا فی الکافی والھدایۃ اھ ونیز درہدایہ است القسمۃ حق الوصی، و تعیین مصارف باختیار وصی است واگر زوج فقیر و مسکین است اورا نیز دادن جائز است، از انکہ بالاتفاق صدقہ تطوع حین حیات زوجہ زوج را دادن جائز است، پس بعد الموت بالاولی جائز است، ہذا واللہ اعلم۔

حررہ محمد عبد الحق ملتانی، ۲۴ رذی الحجہ ۱۳۱۷ھ سید محمد نذیر حسین

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے حالت حمل میں نکاح کیا، اور وہ حمل اس کے شوہر متوفی سے تھا، اور نکاح بعد گذرنے چار ماہ دس روز کے ہوا، اور زید نے بعد نکاح قبل وضع ہندہ سے وطی بھی کی، اور بعد وضع حمل کے اسی نکاح سے زید کی طرف سے حمل قرار پکڑا اور اسی حمل سے ایک لڑکا پیدا ہوا، اب وہ لڑکا زید کا وارث ہوگا یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:- صورت مذکورہ میں واضح ہو کہ یہ لڑکا زید کا وارث نہیں ہوگا، وراثت کے لئے ثابت النسب ہونا شرط ہے، اور ثبوت نسب نکاح صحیح سے ہوتا ہے، اور صورت مرقومہ میں زید کا نکاح اصلاً منعقد نہ ہوا، کیونکہ حاملہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت وضع حمل ہے کما قال اللہ تعالیٰ واولات الاحمال اجلہن ان یضعن حملہن اور روضۃ الندیہ میں ہے قال ابن القیم وقد کان بین السلف نزاع فی المتوفی عنہا انہا تتربص ابعد

ہے، اسی لئے اسے قرضہ پر مقدم کیا ہے، اور قرضہ اور وصیت کے نفاذ کا حق دار صرف وصی ہے، اور کسی کا اس میں حق نہیں ہے، کیونکہ وصیت کرنے والے نے اس کو اپنے قائم مقام مقرر کیا، پس وہ اس کا وکیل ہوا، عالمگیری میں ہے، کہ وصی میں تین صفات ہونے چاہئے، امین ہو، وصیت نافذ کرنے پر قادر ہو، اسے مقرر کیا گیا ہو، قاضی ایسے وصی کو معزول نہیں کرسکتا، اگر وارث وصی کی شکایت کریں، تو جب تک اس کی خیانت معلوم نہ ہو، قاضی اس کو معزول نہیں کرسکتا، اور ہدایہ میں ہے، کہ تقسیم کرنا وصی کا حق ہے، اور تعیین مصارف وصی کے اختیار میں ہے، ہاں اگر خاوند غریب ہو تو اس کو بھی دیا جاسکتا ہے، کیونکہ خاوند کو بیوی اپنی زندگی میں بھی دے سکتی ہے اور موت کے بعد تو اسے بالاولیٰ دیا جاسکتا ہے ۱۲

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا "حمل والی عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل وضع کرلیں ۱۲

[2] ابن قیم نے کہا ہے، کہ سلف میں اختلاف تھا، کہ بیوہ حاملہ کی

الاجلین ثم حصل الاتفاق علی انقضائہا بوضع الحمل اور اثنائے عدت میں نکاح صحیح نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ وقد اجمع العلماء علی ان لا یصح العقد فی مدۃ العدۃ جب ثابت ہوا کہ زید کا نکاح ہندہ سے صحیح نہیں ہوا تو اس نکاح غیر صحیح و باطل سے جو لڑکا پیدا ہوا اس کا نسب زید سے ثابت نہ ہوا تو وہ لڑکا حسب حدیث ذیل اس کا وارث نہ ہوگا، مشکوٰۃ شریف میں ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایما رجل عاہر بحرۃ او امۃ فالولد ولد الزنا لا یرث ولا یورث رواہ الترمذی۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

العبد محمد عبد العزیز عفی عنہ ۶ رشعبان ۱۳۱۸ھ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بعد مرنے اپنے کے ایک ماں سگی و ایک ماں سوتیلی و ایک بھائی جو ماں میں شریک ہے، دو بھائی و چار ہمشیرہ جو باپ میں شریک ہیں چھوڑے میراث زید کی کیونکر تقسیم ہوگی، بینوا توجروا۔

الجواب: بعد تقدیم ما تقدم علی الارث ورفع موانع ترکہ زید بارہ سہام پر منقسم ہو کر ان جملہ دو سہام اس کی حقیقی ماں کو اور دو سہام اس کے اخیافی بھائی کو جو ماں میں شریک ہے، اور دو دو سہام اس کے ہر ایک علاتی بھائی کو جو باپ میں شریک ہیں، اور ایک ایک سہم اس کی ہر ایک علاتی بہن کو جو باپ میں شریک ہیں ملے گا، اور اس کی سوتیلی ماں محروم ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مسئلہ ۶ تصحیح ۱۲

میت

ام حقیقی	اخ اخیافی	اخ علاتی	اخ علاتی	اخت علاتی	اخت علاتی	اخت علاتی	اخت علاتی
۲	۲	۲	۲	۱	۱	۱	۱

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بعد مرنے اپنے کے وارث ذیل چھوڑے ایک ہمشیرہ حقیقیہ ایک ہمشیرہ علاتیہ و ایک ہمشیرہ اخیافیہ اب

عدت سب سے دور کی عدت ہے یا وضع حمل، پھر سب کا اتفاق ہو گیا کہ اس کی عدت وضع حمل ہے ۱۲۔

۱ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جب تک عدت پوری نہ ہو جائے نکاح نہ کرو ۱۲۔ ۲ علماء کا اتفاق ہے کہ عدت کی عدت کے اندر نکاح صحیح نہیں ہوتا ۱۲۔ ۳ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کسی آزاد یا لونڈی سے زنا کرے تو بچہ حرامزادہ ہوگا، وہ نہ باپ کا وارث ہوگا نہ باپ اس کا وارث ہوگا ۱۲۔

ترکہ زید کا ان وارثین پر کیونکر تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بعد تقدیم ما تقدم علے الارث ودفع موانع ترکہ زید پانچ سہام پر تقسیم ہوکر ازاں جملہ تین سہام اس کی اخت عینیہ کو اور ایک ایک سہم اس کی ہر ایک ہمشیرہ علاتیہ اور ہمشیرہ اخیافیہ کو ملے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

صورۃ المسئلۃ ھکذا ۔ مسئلۃ الردمیہ ۵

اخت عینیہ — اخت اخیافیہ — اخت علاتیہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شخص مسمی زید کی دو بیویوں سے دو لڑکے حامد اور محمود پیدا ہوئے، بعد از وفات زید دونوں لڑکے جائداد زید متوفی کو بحصہ مساوی باہم تقسیم کرکے جدا ہوگئے۔ حامد کی اولاد نرینہ موجود ہے مگر محمود لاولد مرگیا، محمود کی والدہ نے حامد کی اولاد کی حق تلفی کرکے محمود مرحوم کی جائداد کو محمود کی بیویوں حسینہ وجمیلہ کے نام بذریعہ وصیت نامہ منتقل کردی، بتقضائے الٰہی حسینہ کا انتقال ہوگیا، بعد ازاں محمود کی والدہ نے بحالت جان کندنی محمود کی زوجہ ثانیہ جمیلہ کے نام جائداد محمود متوفی کو ہبہ کردیا، اور ہبہ نامہ تحریر کردیا، اور صبح کو ملک عدم کو روانہ ہوگئی، اس کی وفات کے تھوڑے عرصہ کے بعد جمیلہ نے نکاح ثانی کرلیا، اب امور دریافت طلب یہ ہیں:۔

(۱) ہبہ نامہ والدہ محمود جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بحالت نکاح ثانی مسماۃ جمیلہ مستحق جائداد شوہر سابق رہی یا نہیں؟

(۳) حامد کی اولاد مستحق وراثت جدی عم خود اس حالت مذکورہ میں ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ (۱) ہبہ نامہ والدہ محمود ناجائز ہے، اس واسطے کہ محمود متوفی کے جائداد کے ہبہ کرنے کا والدہ محمود کو کوئی اختیار نہیں ہے، محمود متوفی کی جائداد کے وارث حامد کی اولاد نرینہ ہے، اور محمود کی بیویاں ہیں، اور محمود کی والدہ ہے، پس قبل تقسیم جائداد محمود متوفی کے کسی وارث کو بذریعہ ہبہ یا بذریعہ وصیت اس کے منتقل کرنے کا اختیار نہیں ہے، اور محمود کی والدہ نے جو بذریعہ وصیت نامہ محمود کی بیویوں کے نام محمود کی جائداد کو منتقل کردیا ہے، سو اس کا یہ وصیت نامہ بالکل لغو وبے کار وناجائز ہے۔

(۲) بحالت نکاح ثانی مسماۃ جمیلہ اپنے شوہر اول کی جائداد سے اپنے حصہ شرعی پانے

کی ضرور مستحق ہے، اس کا حصہ نکاح ثانی کرنے کی وجہ سے ساقط نہیں ہو سکتا۔

(۳) حامد کی اولاد حالت مذکورہ میں اپنے چچا محمود متوفی کی جائداد متروکہ سے میراث پانے کی ضرور مستحق ہے، محمود متوفی کی کل جائداد متروکہ بعد تقدیم ما تقدم علی الارث و رفع موانع بارہ سہام پر تقسیم ہو کر ازاں جملہ چار سہام اس کی والدہ کو ملیں گے، اور تین سہام اس کی دونوں بیوہاں حسینہ و جمیلہ کو ملیں گے، اور ان تین سہام کو یہ دونوں باہم نصفا نصف بانٹ لیں، اور پانچ سہام اس کے بھتیجوں کو یعنی حامد کی اولاد ذکور کو ملیں گے پھر حسینہ کے انتقال کے بعد جو اس کے وارث ہوں گے، وہ اس کا ترکہ لیں گے، اور محمود کی والدہ کے انتقال کے بعد جو اس کے وارث ہوں گے، وہ اس کا ترکہ لیں گے، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری، عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید دادا، عمرو باپ، بکر پوتا زید قوم ہنود سے سکھ مذہب رکھتا تھا، عمرو بعمر پچیس سال مشرف باسلام ہوا مع زوجہ خود عمرو اپنے باپ کے یہاں صرف ایک ہی فرزند ہے، زید نے چاہا کہ عمرو جائداد کا وارث ہو جاوے عمرو نے جواب دیا کہ شرعا پدر کافر کی جائداد پسر مسلم کو نہیں پہنچتی ہے، اب زید مر گیا، جدی قریبوں نے چاہا کہ ہم اس جائداد کے وارث ہو جاویں، سرکار کی طرف سے ان سے دریافت کیا گیا کہ تم کیوں نہیں لینا چاہتے ہو، عمرو نے شرعی عذر پیش کر کے لینا گوارا نہیں کیا، پھر دوبارہ سرکار کی طرف سے کہا گیا، کہ تم اپنے فرزند کو دلوادو، عمرو نے کہا جس شئے کا میں وارث نہیں ہوں، میرا فرزند اس کا وارث کیونکر ہو سکے گا، یہ بکر پوتا زید بعد مشرف باسلام ہونے عمرو کے یہاں پیدا ہوا ہے، اب سرکار انگریزی کی طرف سے مجبور کیا جاتا ہے کہ عمرو مسلم جائداد زید کافر کو اول تو خود سنبھالے، ورنہ اپنے فرزند بکر یعنی پوتے زید کے حوالے کر دے، عمرو کہتا ہے کہ جب مجھ کو شرعا اس کے لینے کی اجازت نہیں ہے، تو میرا فرزند بکر کس طرح مالک ہو سکتا ہے اب سوال یہ ہے، کہ اگر بکر پوتا زید بلا رضامندی عمرو پدر خود اس جائداد کا لینا منظور کرے تو جائز ہے یا نہیں، اور عمرو پدر بکر پر تو اس میں کچھ گرفت نہیں ہے، موافق فتوے کے جواب سے بہت جلد مشرف فرما کر داخل ثواب ہوں گے۔

الجواب:۔ ہو الملہم للصواب، صورت مسئولہ میں اگر بکر بلا رضامندی اپنے پدر عمرو کے اس جائداد کا لینا منظور کرے، تو جائز ہے، اور عمرو پر اس میں کچھ گرفت شرعی نہیں ہے، بلکہ

کو اس جائداد کا لینا جائز اس لئے ہے، کہ در صورت نہ لینے عمرو کے اس جائداد پر قبضہ و اختیار سرکار انگریزی کا ہوگا، اور جب کہ سرکار انگریزی کی طرف سے عمرو مجبور کیا جاتا ہے، کہ اس جائداد کو اول خود سنبھالے، ورنہ بکر کے حوالے کرے، تو اس صورت میں بکر کو اس جائداد کے لینے کی سرکار انگریزی کی طرف سے اجازت دی جاتی ہے، پس بکر کو بلا رضامندی اپنے پدر عمرو کے اس جائداد کے لینے میں کوئی محذور شرعی نہیں ہے، کیونکہ اس کا لینا میراث کے اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ سرکار انگریزی کی طرف سے یہ اس کو ایک عطیہ ہے، اور عمرو پدر بکر پر اس میں کچھ گرفت شرعی اس وجہ سے نہیں ہے، کہ وہ خود اس جائداد کو بکر کے حوالے نہیں کرتا ہے، اور نہ یہ جائداد بکر کو میراث کے طور پر ملتی ہے، بلکہ سرکار انگریزی کی طرف سے اس کو مل رہی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کو جو کچھ اسباب و زیورات شوہر کی جانب سے ملا ہے، نیز جو کچھ اسباب و زیورات ماں باپ کی طرف سے ملا ہے وہ اس کی ملک ہے یا نہیں، اور اب ہندہ فوت ہوئی اور وہ اسباب و زیورات چھوڑ مری، اور وارثان ذیل چھوڑے، زوج، اب، ام، دو بھائی ایک بہن حقیقی اور اولاد کوئی نہیں پس ان اسباب و زیورات کا وارث کون ہے؟

الجواب: ان زیورات و اسباب کی مالک ہندہ ہے اور اس کے مرنے کے بعد ان اسباب و زیورات کا مالک زوج ہے اور اب اور ام بعد تقدیم ما تقدم علے الارث و رفع موانع ان اسباب و زیورات کو چھ سہام پر تقسیم کر کے تین سہام زوج کو اور ایک سہم ام کو اور دو سہام اب کو ملیں گے اور بھائی بہن محروم ہیں، واللہ اعلم بالصواب

حررہ السید ابو الحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: زید[1] در حالت بیماری بہ سبب انقطاع امید خود در حین حیات و سلامتی عقل و حواس از مال مملوکہ خود ثمن مفروضہ زوجہ خود ادا کردہ بوے دادہ و آن زن قابض شدہ پس زید از آں بیماری بہ سبب شفا یافت اور ارسد کہ آں چہ زن را دادہ بود باز سترد کند یا

[1] زید نے بیماری میں مایوس ہو کر اپنے ہوش و حواس میں بیوی کو آٹھواں حصہ دے دیا، بیوی اس پر قابض ہو گئی اب زید تندرست ہو گیا ہے، وہ بیوی سے دیا ہوا مال واپس لے سکتا ہے، یا وہ ہبہ ہو گیا ہے اور اگر بالفرض

در حکم ہبہ است، اگر بالفرض زید مذکور قبل زوجہ خود وفات یابد آن ثمن مذکور کفایت کند، یا از متروکہ زید حقدار دیگر ثمن است؟

الجواب — در صورت مرقومہ واضح ہو کہ وارث حین حیات مورث کے مستحق ترکہ کا نہیں ہو سکتا، کہ تقسیم ترکہ کی مورث پر واجب ہو لیکن بطریق اباحت کے روا ہے تو اس صورت میں بعد تقسیم کے رد کرنا اور واپس کرنا حصہ مقسومہ کا ممنوع نہ ہوگا، اور اگر زید بالفرض قبل زوجہ کے وفات پائے، تو وہی ثمن سابق کفایت کرتا ہے بشرطیکہ اس اثنا میں اس کے مال میں کوئی اضافہ نہ ہوا ہو، اگر اضافہ ہوا ہو تو باقی اضافہ شدہ میں سے ثمن کی مستحق ہے کما لا یخفی علی الماہر بالشریعۃ واللہ اعلم۔ الراقم سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال — کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی ایک لڑکی اور ایک زوجہ اور ایک ہمشیرہ چھوڑ کر انتقال کیا اور انتقال سے دو ایک دن پیشتر اپنی زوجہ اور لڑکی کو اپنا کل مال نیز دین مہر ترک کے اپنی زوجہ کو وصیت کر دی تھی، کہ تم میری اس لڑکی کو میرے بعد اپنوں میں نہ میرے لوگوں میں ہمشیرہ وغیرہ کے یہاں بیاہ دینا، بلکہ میری لڑکی کو غیر جگہ آسودہ گھر دیکھ کر بیاہ کر دینا، خصوصاً اپنی ہمشیرہ سے جب کبھی اس نے اپنے لڑکے کے بارے میں ذکر کیا صاف انکار ہو گیا، اس سبب سے بھائی بہن دونوں میں مرتے دم تک تنازع رہا، یہاں تک کہ اس کی ہمشیرہ اس کی موت میں بھی شریک نہ ہوئی، بعد انتقال شخص مذکور کے زوجہ جمیع مال پر حاوی رہ کر اپنی ایک لڑکی اور دو بھائی اور ایک ہمشیرہ چھوڑ کر فوت ہو گئی، اس نے بھی انتقال سے ایک دن پیشتر اپنا کل مال اپنے بھائی اور لڑکی کو دے کر لڑکی کے حق میں اپنے شوہر کے مطابق وصیت کر دی اور کہہ دیا کہ تم اس مال اور لڑکی کے مالک ہو، اس کا بیاہ اپنوں میں تو کرنا نہیں، غیر جگہ پڑھے لکھے لڑکے کے ساتھ بیاہ دینا، اور بیاہ میں جو کچھ تم سے ہو سکے سلوک کر دینا، اب عمر لڑکی کی آٹھ سال کی ہے، اب پھوپھی اپنے لڑکے کے بیاہ کی غرض سے دل لیتی ہے، ایسی صورت میں خلاف وصیتوں کے لڑکی کو اس کی پھوپھی اپنے لڑکے سے بیاہ سکتی ہے یا نہیں، ولایت نکاح اور مال اس لڑکی کا کس کو حاصل ہے، آیا ماموں کو ہے یا پھوپھی کو، بینوا توجروا۔

زید اپنی بیوی کی زندگی میں مر جائے تو کیا یہی آٹھواں حصہ اس کو کافی ہوگا، یا اور آٹھواں حصہ دینا پڑے گا ۱۲۔

الجواب : صورت مسئولہ میں نکاح کی ولایت پھوپھی کو نہیں ہے بلکہ ماموں کو ہے کیونکہ نکاح کی ولی عورت نہیں ہو سکتی اور مال کی ولایت بھی ماموں ہی کو حاصل ہے کیونکہ وہ وصی الوصی ہے، پس ماموں کو چاہیئے کہ اس لڑکی کا نکاح نہ تو پھوپھی کے لڑکے سے کرے اور نہ اپنے بیٹوں میں سے کسی سے بلکہ مطابق وصیت کے غیر جگہ کسی صالح دیندار لڑکے سے کردیوے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید لاولد فوت ہوا، اس نے ایک زوجہ اور والدین اور تین برادر اور چار ہمشیرہ حقیقی یہ دس وارث چھوڑے اور مبلغ دس سو دس روپیہ نقد اور دو سو روپیہ کا پارچہ وغیرہ اسباب شیشہ آلات نوائی اپنا چھوڑا اور مہر زوجہ زید مبلغ پانچسو پچیس روپیہ کا ہے، والدین زید متوفی کہتے ہیں کہ زید کی وصیت ہے کہ میرا کل متروکہ عبداللہ دے دیا ہم متروکہ زید کو للہ دیویں گے، اور والدین زید متوفی دولت مند ہیں ہزار ہا روپیہ کا ان کو مقدور ہے ان کو اور برادران و ہمشیرہ زید کو کچھ حاجت یعنی حصہ کی نہیں ہے کیونکہ دولت مند ہیں، شرعاً متروکہ زید سے حصہ بیوہ و والدین و برادر و ہمشیرہ زید کا کیونکر ہونا چاہیئے، اور جو زیور وغیرہ جہیز چڑھاوا بیوہ زید کا ہے، وہ کس کو ملنا چاہیئے آیا زید اس کا مالک ہے یا دیگر ورثا بھی اس میں شامل ہیں۔

الجواب : صورت مسئولہ میں بعد تقدیم ما تقدم علی الارث و رفع موانع ترکہ زید متوفی بارہ سہام پر منقسم ہو کر ازاں جملہ تین سہام زوجہ کو اور دو سہام والدہ کو، اور باقی سات سہام والد کو ملیں گے اور کل بہن بھائی محروم الارث ہیں، اور چونکہ سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ ترکہ زید اس کے دین مہر سے کم ہے، لہٰذا زید متوفی کا کل ترکہ اس کی زوجہ اپنے مہر میں لینے کی مستحق ہے، اور وصیت زید کی باطل و لغو ہے، اور کل ورثہ محروم، خلاصہ یہ کہ زید کے ترکہ سے پہلے اس کی زوجہ کا دین مہر ادا کرنا چاہیئے، پس دین مہر ادا کرنے کے بعد اگر کچھ بچ رہے تو اس کی تہائی سے زید کی وصیت جاری کرنا چاہیئے پھر اجرائے وصیت کے بعد مطابق تقسیم مذکور کے ورثہ میراث پانے کے مستحق ہوں گے، اور اگر ادائے دین مہر کے بعد کچھ نہ بچے، تو وصیت بھی باطل ہے، اور کل ورثہ بھی محروم ہیں، اور جو زیور وغیرہ زوجہ زید کو ملا ہے، وہ زوجہ ہی کی ملک ہے، اسی کو ملنا چاہیئے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع

والمآب۔ حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی دو زوجہ اور جدہ اور وارث کو چھوڑ کر وفات پائی، اب اس کی دونوں زوجہ اپنے اپنے مہر کا دعوے کرتی ہیں، اور وارث دعوے ترکہ کا۔ اور جائداد متوفی اس قدر نہیں، کہ ہر دو زوجہ کے مہر کو اکتفا کر سکے، پس اول ادائے مہر چاہیے یا تقسیم ترکہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ بعد تجہیز و تکفین کے ادائے دین مقدم ہے۔ تقسیم میراث پر بعد ادائے دین مہر کے جو باقی رہے اس پر میراث جاری ہوگی۔[1] الدین مقدم علی المیراث والمہر کسائر الدیون کما فی کتب الفقہ والفرائض واللہ اعلم بالصواب

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اس امر میں کہ حکومت گاہ انگریزی میں یعنی نواح دہلی میں کوئی عورت بذریعہ بیع یا ہبہ زید کے قبضہ میں آئی، اور زید نے بے نکاح کے اس کو اپنے تصرف میں لایا، اور رو دہلی کی، اور اس سے اولاد پیدا ہوئی اس اولاد کو یا اس عورت کو ترکہ زید میں کچھ حق و حصہ یا دعوے گذارہ نان و پارچہ کا وارث زید کے اور پہنچ سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ [2] درصورت مرقومہ آدمی حربی غلام و کنیز میتواند شد نہ غیر او مگر بہ تبعیت مادر خود کہ کنیز باشد و سبب غلام و کنیز شدن ابتدا استیلاء است حالا و مالاً نہ غیر آن از بیع وغیرہ زیرا کہ سبب ملک در ہر چیز استیلاء است، نہ غیر آن و محل آن مال مباح است نہ غیر او و در آدمی مال مباح غیر از حربی نیست و معنی استیلاء قدرت یافتن است بر چیزے بر فعل و ہم در آئندہ یعنی بہ نہجے در پناہش آمدہ و کسے از وے رہا نتواند کرد و مستولی حربی کہ باشد مسلم یا کافر ذمی یا حربی مالک آن می شود قال فی الہدایہ ولا یملک علینا

---

[1] قرض میراث سے مقدم ہے، اور حق مہر بھی دوسرے قرضوں کی طرح ہے، کتب فقہ و فرائض میں اسی طرح ہے

[2] مندرجہ صورت میں غلام و کنیز صرف حربی ہو سکتا ہے، اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہاں ماں کی تبعیت میں اس کی اولاد غلام لونڈی بنے گی، اور اس کا سبب ابتدائی طور پر غلبہ ہے، خرید و فروخت نہیں کیونکہ سبب ملک ہر چیز میں استیلاء (غلبہ) ہوتا ہے اور اس کا محل مال مباح ہے، نہ کوئی اور، اور آدمیوں میں مال مباح صرف حربی ہے اور استیلاء کا مطلب یہ ہے، کہ وہ مسلمان کی پناہ میں آ چکا ہو اور کوئی اس کو اس سے رہا نہ کرا سکتا ہو، اور حربی پر غالب کون ہوگا

اھل الحرب مدبرنا وامہات اولادنا ومکاتبنا واحرارنا نملک علیھم جمیع ذلک لان السبب انما یفید الحکم فی محلہ والمحل المال المباح والحر معصوم بنفسہ وفیہا ایضا واذا غلب الترک علی الروم فسبوھم واخذوا اموالھم ملکوھا لان الاستیلاء قد تحقق فی مال مباح وھو السبب ھدایہ وفی البحر الرائق فالاسباب ثلاثۃ مثبتۃ للملک الاستیلاء ناقل للملک وھو البیع ونحوہ وخلافۃ وھو الارث والوصیۃ انتہی۔ ودر ملک حکومت انگریزی استیلاء یعنی قدرت حالی ومآلی ہرگز متحقق نیست پس کفار اینجا غلام وکنیز نمی تواند شد بیع وشراء پس اولاد بے نکاح را از ترکہ زید ہیچگونہ ترکہ نخواہد رسید وہم چنین زن غیر منکوحہ را ہیچ نخواہد رسید زیرا کہ منکوحہ نیست چہ استحقاق میراث بسہ وجہ می شود یا بہ سبب عقد نکاح یا بہ سبب قرابت رحم یا بالولا پس ازین جہت اولاد بے نکاح وزن مذکورہ غیر منکوحہ از ترکہ زید محروم الارث بلاریب خواہد بود، چنانکہ در در مختار وغیرہ مذکور است۔ ویستحق الارث باحد ثلاثۃ برحم ونکاح صحیح فلا توارث بفاسد ولا باطل اجماعا وبولاء کذا فی الدر المختار و نیز دعوے ایشان بابت نان وپارچہ بر زید باطل ولغو است شرعا در کتب شرعیہ ہمیں است کہ تحریر یافتہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

مسلمان یا کافر ذمی یا حربی، ہدایہ میں ہے اہل حرب ہمارے مالک نہیں ہو سکتے نہ ہمارے مدبر کے نہ امہات الاولاد کے نہ مکاتب کے نہ آزاد کے، اور ہم ان تمام کے مالک ہو سکیں گے کیونکہ سبب حکم کا فائدہ اپنے محل میں دیتا ہے اور محل مال مباح ہے، اور آزاد معصوم بنفسہ ہے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے، کہ اگر ترک رومیوں پر غالب آجائیں، اور ان کو قیدی بنالیں، اور ان کے مال لے لیں تو وہ اس کے مالک ہوں گے، کیونکہ غلبہ مال مباح میں ہو چکا ہے، اور وہی سبب ہے بحر میں ہے اسباب تین ہیں جو مثبت ملک ہیں، استیلاء یہ ناقل ملک ہے یعنی بیع وغیرہ اور خلافت یعنی وراثت اور وصیت، اور انگریزی حکومت میں غلبہ حالی ومآلی نہیں ہے اس جگہ کے کفار غلام اور کنیز نہیں ہو سکتے، نہ ان کی خرید وفروخت ہو سکتی ہے، زید کی بے نکاح کی اولاد اس کی وارث نہیں ہوگی اور نہ اس کی بے نکاح عورت کو وراثت میں سے حصہ ملے گا کیونکہ وراثت تین وجوہ سے ثابت ہوتی ہے، یا عقد نکاح سے، یا قرابت رحم سے یا ولاء سے، اس کے علاوہ اگر وہ عورت یا بچے زید پر نان ونفقہ کا دعوے کریں، تو وہ بھی لغو ہوگا، ان کو خرچ بھی نہ مل سکے گا؟

سوال:۔ زید مرد ویک زوجہ بگذاشت پس ترکہ کل زید متوفی بزوجہ میرسد یا چہارم حصہ۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ دریں زمان رد بزوجین ضرور باید کرد بسبب فساد بیت المال وقطع نظر ازین نزد حضرت عثمان رد بزوجین میرسد۔ وعند عثمان یرد علی الزوجین ایضا قال ابن الفناری قیل والفتوی فی زماننا علی ھذا الفساد بیت المال دفی الخیرۃ ان الفاضل من سھام الزوجین لا یوضع فی بیت المال بل یدفع الیھما لانھما اقرب الی المیت من جھۃ السبب من غیرھما انتھی ردح الشروح ونقل عن المرصاد ان الفتوی الیوم علی ھذا انتھی ما فی الطحطاوی مختصرا۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرح متین شخصے دو دختران زوجہ اولے ویک زوجہ ثانی وسہ برادران گذاشتہ وفات یافت بموجب شرع شریف چگونہ تقسیم حصص کردہ آید، واشیاہائے خانہ داری حصص کردہ آید ویا زوجہ را از حیات شوہر خود قابض بودہ میرسد فقط۔

الجواب:۔ مسئلہ ۲۴ تصحیح ۱۴۴

زوجہ	زوجہ	دختر	دختر	دختر	برادر	برادر	برادر
۹	۹	۳۲	۳۲	۳۲	۱۰	۱۰	۱۰

بعد تجہیز وتکفین وادائے دین ومہر ہر دو زوجہ وغیرہ کے کل متروکہ متوفی مذکور کا اوپر ایک سو

سوال:۔ زید مر گیا ہے، وارث صرف ایک بیوی چھوڑی ہے، کیا بیوی کو صرف چوتھا حصہ ملے گا یا زید کا کل مال اس کو دیا جائے گا؟

الجواب:۔ اس زمانہ میں چونکہ بیت المال نہیں ہے، لہذا تمام مال زوجین ہی کو دیا جائے گا، حضرت عثمان کا یہی فتوےٰ ہے، ردح الشروح میں ہے، کہ حضرت عثمان کے فتوے کے مطابق بیت المال کی عدم موجودگی اور دیگر ورثاء کے نہ ہونے کی صورت میں زوجین ہی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، اور چونکہ اس زمانہ میں بیت المال نہیں ہے، اور دوسرا کوئی وارث بھی نہیں ہے، لہذا کل مال اس کی بیوی ہی کو دیا جائیگا اور آج فتوی اسی پر ہے، ذخیرہ اور طحطاوی میں اسی طرح ہے

لہ ایک آدمی دو لڑکیاں دو بیویاں اور تین بھائی چھوڑ کر مر گیا ہے، اس کا ورثہ کیسے تقسیم ہوگا، اور گھر کے استعمال کی چیزیں بھی تقسیم ہوں گی، یا ان پر جو قبضہ بیویوں کا شوہر کی زندگی سے چلا آتا ہے، وہی چلتا جائے گا؟

چوالیس سہام پر تقسیم کرکے نو نو سہام دونوں زوجہ کو اور تیس تیس سہام تینوں بیٹیوں کو اور دس دس سہام تینوں بھائیوں کو دینا چاہیئے، اور جو اسباب خانہ داری کا ہے اس میں سے جو چیز عادتاً عورت کی ہوتی ہے، وہ ملکیت عورت کی قرار دی جاتی ہے، اور جو اشیاء عادتاً مرد کی ہوتی ہیں، وہ اس کی ملکیت قرار دی جاویں گی، اور وہ داخل متروکہ ہوں گی جیسا کہ فتاوے عالمگیری وغیرہ میں مذکور ہے۔ واذا مات احدهما ثم وقع الاختلاف بين الباقي وورثة الميت فعلى قول ابي حنيفة ومحمد رح ما يصلح للرجال فهو للرجل ان كان حيا ولورثته ان كان ميتا وما يصلح للنساء فهو على هذا۔ انتهى ما في الهندية وغيرها واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین | از شرف سید کونین شد شریف حسین ۱۲۹۳

سوال:۔ درصورتے کہ زید دختر اور زوجہ چھوڑ کر مر گیا، تو آٹھواں حصہ زوجہ کا ہوتا ہے شرع میں اور باوجود اس کے جو کوئی زوجہ کو نصف دلوا دے بغیر رضا و رغبت دوسرے کے، تو یہ درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ نصف حصہ دلوانا بدون رضا مندی دوسرے وارث کے حرام اور ناجائز ہے شرعاً۔ کذا فی کتب الفقہ۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ایک شخص کی ماں مرگئی اور ایک بیٹا چھوڑا، اور نواسہ و نواسی چھوڑی، اب کس کو متروکہ متوفیہ ملنا چاہیئے۔ فقط۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ کل مال اپنی ماں کا بیٹا لیوے گا، اور نواسہ و نواسی کو نانی کے مال سے کچھ نہیں پہنچتا، کیونکہ بیٹے کے ہوتے نواسہ و نواسی محروم الارث ہیں، جیسا کہ کتب فرائض میں مذکور ہے، واللہ اعلم۔ حررہ سید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بقضائے الٰہی

---

[1] جب عورت مرد میں سے کوئی فوت ہو جائے، پھر زوجین میں سے باقی اور دوسرے ورثاء میں اختلاف ہو جائے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جو چیزیں مرد کے لئے مخصوص ہیں وہ اس کو مل جائیں گی یا اس کے وارثوں کو ملیں گی، اور جو عورت کے لئے مخصوص ہیں، وہ اس کی ہوں گی یا اس کے وارثوں کی ۱۲

فوت ہوگیا، اور ایک بہن حقیقی اور ایک بھانجہ و بھانجی، اور ایک پھوپھی اور ایک بہن چچازاد یہ وارث اپنے بعد اس نے چھوڑے، اس صورت میں مال متوفی کا کیونکر تقسیم ہوگا، بینوا توجروا۔

الجواب :۔ درصورت مرقومہ بر تقدیر صدق مسئول عنہا بعد تجہیز و تکفین و ادائے دین وغیرہ کے کل مال متوفی مذکور کا بہن حقیقی کو بالفرض والرد پہنچے گا، باقی ورثہ محروم الارث ہیں، اس لئے کہ ذوی الارحام ہیں، ذوی الفروض وغیرہ کے ہوتے سوائے زوجین کے مستحق نہیں، جیسا کہ تنویر الابصار و درمختار سے معلوم ہوتا ہے۔ ھو کل قریب لیس بذی سہم ولا عصبۃ ولا یرث مع ذی سہم ولا عصبۃ سوی الزوجین لعدم الرد علیہما کذا فی تنویر الابصار والدر المختار وغیرہ من کتب الفقہ۔ واللہ اعلم

حررہ سید شریف حسین عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زینب لاولد فوت ہوئی ایک دختر تھی، سو اس کی حیات میں مرگئی، اب والدین زینب اور شوہر، اور دو بھائی، اور ایک بہن حقیقی موجود ہیں، اور مہر پانسو روپیہ مذمہ شوہر اور زیور و پارچہ دخطر دفت جہیز و چڑھاوا سب قبضہ میں شوہر کے باپ کے ہے، جو حکم ہو علمائے دین ارشاد فرماویں، بینوا توجروا

الجواب :۔ درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے کہ بعد تجہیز و تکفین و ادائے دین و تنفیذ وصیت کل زیور وغیرہ حسب مرقوم بالا کل مال متوفیہ کا ہے، اب تقسیم کل متروکہ متوفیہ کی مع زر مہر کہ مبلغ پانسو روپیہ ہیں، اس طور پر چاہیئے کہ نصف مال کل متروکہ میں سے شوہر متوفیہ کو پہنچتا ہے، پھر جو مال باقی بچے اس کے تین حصہ کرنا چاہیئے، ایک حصہ ماں کو اور دو حصہ باپ کو دینا ضرور ہے، اور بہن و بھائی خواہ حقیقی ہوں یا سوتیلے بباعث باپ کے محروم الارث ہیں، ان کا کچھ حق نہیں۔ کذا فی کتب الفقہ۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ سید شریف حسین عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں صورت کہ مثلاً درمیان ہندہ اور زید کے چند مدت بدون نکاح کے ہم صحبتی رہی، اور ہندہ کے زید سے ایک لڑکا پیدا ہوا، لیکن

۵؎ وہ ایسا قریبی ہے، کہ نہ تو معین حصہ ہی رکھتا ہے، اور نہ عصبہ ہے، اور ذوالفرائض اور عصبہ کی موجودگی میں سوائے مرد و عورت کے اور کوئی وارث نہیں ہوسکتا۔

از روئے شرع شریف کے وہ لڑکا جو کہ زنا سے پیدا ہوا ہے بعد وفات زید کے مالک ترکہ زید کا ہوگا یا نہیں، اور ہندہ جو بدون نکاح زید کے گھر میں رہی ہے اس کو کچھ حصہ زید کے ترکہ سے وصول ہوگا یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب :- درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے کہ لڑکا جو کہ زنا سے پیدا ہوا ہے وہ اور ہندہ مذکورہ دونوں متروکہ زید سے محروم الارث ہیں، ان دونوں کا زید کے مال میں کچھ حق نہیں ہے اس لئے کہ ہندہ کا نکاح ثابت نہیں اور نہ لڑکے کا نسب ثابت ہے پس استحقاق میراث کا کہ مرتب اوپر ثبوت نسب اور نکاح صحیح کے ہے پایا نہیں جاتا، عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایما رجل عاھر بحرۃ او امۃ فالولد ولد زنا لا یرث ولا یورث رواہ الترمذی ھکذا فی المشکوٰۃ ویستحق الارث برحم و نکاح صحیح فلا توارث بفاسد و باطل اجماعا کذا فی الدر المختار وغیرہ یترتب علی النسب انتہی حکما توریث المال و لولا دو عدم صحۃ الوصیۃ عند المزاحمۃ انتہی ما فی الاشباہ والنظائر وغیرہ واللہ اعلم بالصواب ۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ [سید محمد نذیر حسین]

سوال :- چہ می فرمایند علمائے دین محمدی ومتقیان شرع مبین احمدی دریں صورت کہ زید با کنیزک خرید کردہ زوجہ منکوحہ خود بدون نکاح مجامعت وخانہ داری کردہ ودریں حالت زوجہ منکوحہ زید فوت شد بعد وفاتش زید مبلغان قیمت کنیزک مذکورہ بوارثان زوجہ خود دادہ بعدہ از بطن کنیزک مذکورہ یک پسر از نطفہ زید پیدا شد، بعد ازاں زید فوت گردید پس دریں صورت کنیزک وپسر مذکورین وارث شرعی متروکہ زیدی شوند یا نہ وعصبات زید دراں ترکہ نصیبے دارند یا نہ، بینوا توجروا، واضح دلائح باد کہ کنیزک مذکورہ خرید کردہ بموجب شرا نفے

لے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو آدمی کسی آزاد یا لونڈی سے زنا کرے، تو وہ بچہ حرامزادہ ہوگا، نہ وہ باپ کا وارث ہوگا، نہ باپ اس کا وارث ہوگا (ترمذی)، وراثت کا حق یا تو رحم سے ہوتا ہے، یا صحیح نکاح سے، فاسد اور باطل نکاح سے بالاتفاق وراثت نہیں ہے، نسب پر بارہ حکم مرتب ہوتے ہیں، مال کی وراثت، ولا اور مزاحمت ہو تو عدم صحت وصیت ۱۲

سوال :- زید کی بیوی نے ایک لونڈی خریدی، زید نے نکاح کے بغیر بیوی کی لونڈی سے میل ملاپ پیدا کر لیا اور عورت مرد کے تعلقات قائم کر لئے اس کے بعد زید کی منکوحہ بیوی فوت ہو گئی اس کے بعد لونڈی

زمانہ است یعنی در قحط سالی خریده بود، فقط۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ کنیز و پسرش وارث متوکہ زید نیستند چہ کنیز بعدم ثبوت نکاح صحیح مستحق میراث زید نہ شد، اما پسرش بنا بر ثبوت نبودن نسب او از زید اجنبی محض است بہ نسبت ترکہ زید متوفی چراکہ وطی کردن زید کنیز زوجہ خود زنا است و ولد الزنا وارث از طرف زانی نمی شود شرعاً، و ہر گاہ کہ ثبوت نسب پسرش از زید نگشت پس استحقاق میراث کہ مرتب بر ثبوت نسب است ہم نخواہد بود، و ایں حکم در کنیز شرعی است، کہ زوج کنیز شرعی زوجہ را وطی کند چہ جائے کہ در وطی بکنیز غیر شرعی کہ بطریق اولی ثبوت نسب نہ شود بلکہ زنا از و متحقق گردد، عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایما رجل عاھر بحرۃ او امۃ فالولد ولد زنا لایرث ولا یورث رواہ الترمذی کذا فی المشکوٰۃ۔ ویستحق الارث برحم ونکاح صحیح فلا توارث بفاسد وباطل اجماعاً کذا فی الدر المختار ثم الشبہۃ نوعان شبہۃ فی الفعل ویسمی شبہۃ اشتباہ وشبہۃ فی المحل ویسمی شبہۃ حکمیۃ والنسب یثبت فی الثانیۃ اذا ادعی الولد ولا یثبت فی الاول وان ادعاہ لان الفعل تمحض زنا فی الاول وان سقط لامر راجع الیہ وھو اشتباہ الامر علیہ ولم یمحض فی الثانیۃ فشبہۃ الفعل فی ثمانیۃ مواضع جاریۃ ابیہ وامہ وزوجتہ والمطلقۃ ثلاثا وھی فی العدۃ الی آخر ما

کی قیمت زید نے منکوحہ بیوی کے وارثوں کو دے دی، اس کے بعد اس لونڈی سے زید کا ایک لڑکا پیدا ہوا اور اس کے بعد زید مر گیا، بتایا جائے کہ یہ لونڈی اور اس کا بیٹا زید کے وارث ہوں گے یا نہیں؟ اور زید کے عصبات کا اس کے ترکہ میں کوئی حصہ ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس صورت میں لونڈی اور اس کا بیٹا دونوں زید کے وارث نہیں ہیں، کنیز اس لئے وارث نہیں کہ اس کا نکاح صحیح نہیں ہے، اور لڑکا اس لئے کہ اس کا نسب زید سے ثابت نہیں ہے، کیونکہ زید کا لونڈی سے صحبت کرنا محض زنا ہے، اور حرامی بچہ زانی کا وارث نہیں ہو سکتا، اور یہ اس صورت میں ہے کہ لونڈی زید کی منکوحہ بیوی کی شرعی لونڈی ہوتی، اور جس صورت میں کہ وہ منکوحہ زید کی شرعی لونڈی بھی نہیں تھی تو بطریق اولی اس کا نسب ثابت نہ ہوگا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کسی لونڈی یا آزاد عورت سے زنا کرے تو وہ بچہ زنا کا بچہ ہوگا، نہ وہ زانی کا وارث ہوگا نہ زانی اس کا وارث ہوگا (ترمذی) وراثت کا حق یا رحم سے ہے یا صحیح نکاح سے، اور باطل و فاسد نکاح سے وراثت نہیں ہوتی، پھر شبہ دو قسم کا ہے، شبہ فی الفعل اور شبہ فی المحل

فی الهدایة وهكذا فی شرح الوقایة وغیرهما من كتب الفقه فائدة یترتب علی النسب اثنا عشر حكما توریث المال والولاء وعدم صحة الوصیة عند المزاحمة الی آخر ما فی الاشباه والنظائر، درین صورت مستحق میراث زید عصبات زید خواہند شد، وکنیزو پسرش راہم نصیبے از ترکہ زید نیست، بدانکہ آدمی حربی غلام وکنیز می تواند شد نہ غیر او مگر بتبعیت مادر خود کہ کنیز باشد وسبب غلام وکنیز شدن ابتداء استیلا ماست حالاً ومآلاً نہ غیر آن از ہبہ وبیع وغیرہ زیراکہ سبب ملک در ہر چیز استیلاء است نہ غیر آن ومحل آن مال مباح است نہ غیر آن ودر آدمی مال مباح غیر از حربی نیست ومعنی استیلاء قدرت یافتن است بر چیزے بالفعل وہم در آئندہ یعنی نہجے در میانش آمدہ کہ کسے از وے رہا تواند کرد، ومستولی بر حربی ہر کہ باشد مسلم یا کافر ذمی یا حربی مالک آن می شود قال فی الهدایة لا یملك علینا اهل الحرب مدبرنا وامهات اولادنا ومكاتبنا واحرارنا ونملك علیهم جمیع ذلك لان السبب انما یفید الحكم فی محله والمحل المال المباح والحر معصوم بنفسه وفیها ایضا الاستیلاء لا یتحقق الا بالاحراز بالدار لانه عبارة عن الاقتدار علی المحل حالا ومآلا انتهی ما فی الهدایة مختصرا فالاسباب ثلاثة مثبت للملك هو الاستیلاء وناقل للملك وهو البیع ونحوه وخلافة هو الارث والوصیة انتهی، ما فی بحر الرائق وفی خزانة الروایات مسلم دخل دار الحرب بامان فاشتری من

دوسرے میں نسب ثابت ہو جاتا ہے، بشرطیکہ بیٹا دعوے کرے، اور پہلے میں دعوے کے باوجود نسب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ وہ خالص زنا ہے، اگرچہ شبہ امر کی بنا پر اس سے حد ساقط ہو جائے گی، اور دوسری صورت میں زنا خالص نہیں ہے، اور شبہ فعل آٹھ جگہ ہے باپ، ماں اور بیوی کی لونڈی، اور مطلقہ ثلاثہ جو عدت میں ہو وغیرہ، اور نسب پر بارہ حکم مرتب ہوتے ہیں، مال کی وراثت، ولاء اور مزاحمت کے وقت عدم صحت وراثت، اس صورت میں زید کے عصبات اس کے وارث ہوں گے، اور کنیز اور اس کے بیٹے کا کوئی حق نہیں ہوگا، یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے، کہ حربی آدمی ہی غلام لونڈی بن سکتا ہے، اس کے علاوہ کوئی نہیں بن سکتا، البتہ ماں کی تبعیت میں اس کی اولاد غلام لونڈی ہوگی، اور غلام ہونے کا ابتدائی سبب استیلاء ہے، حالی اور مآلی غلبہ ہو، کیونکہ سبب ملک ہر چیز میں استیلاء ہے نہ کچھ اور اور اس کا محل مال مباح ہے، اور آدمیوں میں مال مباح صرف حربی ہے، اور غلبہ کا مطلب یہ ہے، کہ کوئی اس کو اس سے چھڑا نہ سکے، اور حربی پر جو بھی غالب آجائے گا وہ اس کا مالک ہوگا، مسلمان ہو کافر ذمی یا حربی، ہدایہ، بحر اور خزانۃ الروایات میں اسی طرح ہے۔

احدھما ابنہ او اخاہ الصحیح انہ لا یجوز البیع لکنہ ھو اذا دانوا جواز ھذا البیع ملک بالقہر لا بالشراء انتہی. پس موجب این روایات کنیز خریدہ این زمانہ کنیز شرعی نمیشود کہ وطی بدون نکاح حلال گردد ونسب ولد از واطی ثابت نہ شود۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ زید ایک نابالغ لڑکا اور چند دیگر ورثا چھوڑ کر مر گیا، اور منجملہ ان ورثا کے ایک وارث کے لئے اپنے کل مال کی وصیت کر گیا پس یہ وصیت اس کی صحیح ہے یا باطل اور اگر زید کے مال متروکہ میں کسی ایک وارث نے تجارت کی تو نفع ونقصان میں سب ورثا شریک ہوں گے یا نہیں، اور لڑکے نابالغ کے مال کا متولی کون ہوگا اس کا بھائی یا چچا یا ماں یا کوئی اور، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بموجب حدیث لا وصیۃ لوارث[1] کے وصیت زید کی باطل ہے مال متروکہ اس کا حسب فرائض اللہ تعالیٰ تقسیم کیا جائے گا، اور زید کے مال متروکہ میں سب وارثوں کی اجازت ورضامندی سے ایک وارث نے تجارت کی ہے، تو نفع ونقصان میں سب وارث شریک ہوں گے، اور اگر بغیر اجازت کے تجارت کی ہے تو نفع میں سب شریک ہوں گے، اور نقصان میں نہیں بلکہ نقصان اسی تجارت کرنے والے پر عاید ہوگا، لا یجوز[2] التصرف فی الملک المشترک الا برضاء الآخر کذا فی الفتاوی السراجیۃ وغیرھا۔ اور تولیت نابالغ کی باپ کو ہے، اور درصورت نہ ہونے باپ کے دادا کو ہے اور بعد دادا کے قاضی اور حاکم کو ہے، اور بھائی اور ماں اور چچا وغیرہ متولی مال نہیں ہو سکتے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ ایک دختر و مادر و یک برادر و شوہر چھوڑ کر فوت ہوئی، متروکہ اس کا ان وارثوں پر کیونکر تقسیم ہوگا، اور جو کچھ کہ سوائے تجہیز وتکفین کے ماں نے یا شوہر نے للہ فی اللہ اس کے ترکہ میں سے فقرا و مساکین کو کھلایا ہو یا نقد دیا ہو وہ حصہ ترکہ دختر شش سالہ ہفت سالہ سے بھی وضع ومجرا ہوگا یا نہیں، اور دختر

---

[1] وارث کے لئے وصیت نہیں ہے ۱۲ [2] ملکیت مشترک میں دوسرے کی رضامندی کے بغیر تصرف جائز نہیں ہے ۱۲

مذکور نانی کے پاس رہے یا باپ کے پاس اور مکان نانی اور باپ کا قریب قریب ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بعد تجہیز و تکفین و وصیت کے اگر وصیت کی ہو کل ترکہ مسماۃ ہندہ متوفیہ کا بارہ سہام پر منقسم ہو کر چھ سہام دختر کو اور تین سہام شوہر کو اور دو سہام ماں کو پہنچے گا اور ایک سہم باقی برادر کو اس کے دینا چاہیئے، اور حصہ دختر نابالغہ کا باپ کے پاس امانت رہے گا، کہ وہ ولی اس کا ہے، اور جس قدر سوائے گور و کفن کے ماں اور شوہر نے تعدد یا ہے، وہ حصہ میں سے ماں و شوہر کے مجرا ہو گا، اور دختر نابالغہ کے حصہ میں سے وضع نہ ہو گا شرعاً، اور دختر آٹھ برس تک نانی کے پاس رہے گی، اور جب نو دس برس کی حد مشتہاۃ کو پہنچے، تو باپ کو لے لینے کا اختیار ہے۔ اذا بلغت حد الشهوة فالاب احق وهذا صحيح هكذا في العالمگيرية وغيرها۔ لیکن جب کہ مکان نانی اور باپ کا قریب ہے تو مصلحت یہ ہے، کہ دن کو باپ کے پاس آ دے جاوے، اور رات کو نانی کے پاس سو رہے، کہ دونوں کا دل خوش رہے۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اخیافی بھائی یا بہن جو زنا سے ہو مستحق ترکہ کا شرعاً ہو گا یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: اخیافی بھائی یا بہن جو زنا سے ہو مستحق ترکہ کا نہ ہو گا، کیونکہ اخیافی بھائی یا بہن ہونا شرعاً موقوف ہے اوپر نکاح صحیح کے، اور صورت مرقومہ میں نکاح نہیں پایا جاتا۔ يستحق[1] الارث باحد ثلاثة برحم ونكاح صحيح فلا توارث بفاسد ولا باطل اجماعا كذا في تنوير الابصار والدر المختار۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ تخمیناً تین برس کا ہوا کہ منشی نذر محمد خان نے مسماۃ رحیم النساء زن منکوحہ اور مسماۃ جمیعت کنیزک بے نکاحی، کہ جس کے پیٹ سے ایک بیٹا نور محمد ہے، اور ایک گیندا کنیزک بے نکاحی کہ جس کے بطن

---

[1] جب لڑکی جوانی کی حد کو پہنچ جائے، تو باپ اس کا زیادہ حقدار ہے ۱۲ [2] وراثت کا حق تین چیزوں سے ہوتا ہے، رحم، ولا اور صحیح نکاح سے باطل اور فاسد نکاح سے بالاتفاق وارث نہیں ہو گا ۱۲

سے ایک دختر مسماۃ امانی بیگم ہے، اور ایک بھائی حقیقی مسمی علی محمد خان اور تین بہنیں حقیقی مسماتان مغلانی بیگم وگمانی بیگم وبادشاہ بیگم وجائداد منقولہ وغیر منقولہ چھوڑ کر اس جہان سے انتقال کیا، تخمیناً عرصہ ایک برس کا ہوا کہ ایک ہمشیرہ متوفی موصوف مسماۃ بادشاہ بیگم بھی تین پسر نیاز علی ومستاز علی وامتیاز علی اور ایک دختر اولیا بیگم نامی چھوڑ کر وفات کر گئی اس صورت میں جس جس کو از روئے حدیث وشرع شریف جس طور سے حصہ پہنچتا ہے ارقام فرماویں، فقط۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ کل متروکہ شخص متوفی کا بعد تقدیم ما یتقدم علی المیراث من التجہیز والتکفین والدیون والوصیۃ بیس سہام پر تقسیم ہوگا، چوتھائی پانچ سہام زوجہ کو پہنچیں گے اور چھ سہام بھائی کو اور تین تین سہام ہر بہن کو اور بہن متوفیہ کا حصہ اس کی اولاد پر للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہوگا، اور کنیزگان بے نکاحی اور اولاد اس کی محروم ہے شرعاً، اور اگر اولاد کنیز شرعی سے ہوتی، تو مستحق میراث کی ہوسکتی تھی، اور لونڈی اور غلام عرفی اس دیار کے حکم لونڈی اور غلام شرعی کا ہرگز نہیں رکھتے، اس لئے کہ لونڈی غلام شرع میں اس طرح سے ہوتے ہیں کہ اہل اسلام بزور اور غلبہ جہاد کر کے ان کو پکڑ لاویں اپنے ملک دار الاسلام میں یا کفار ایک ملک کے اوپر کفار دوسرے ملک کے غلبہ کر کے اولاد کفار کو پکڑ لادیں، اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں لے جاویں مالک ہوتے ہیں، اگر ایسے لونڈی غلام کو بیچیں کسی مسلمان کے ہاتھ، یا ہدیۃ بھیجیں کسی مسلمان کو تو مسلمان اس قسم کے لونڈی غلام کا مالک ہوجاتا ہے پس اس طرح کی لونڈی شرعی ہیں، بغیر نکاح کے صحبت کرنی ان سے جائز ہے، اور اوپر حرہ کے نکاح کرنا اس طرح کی لونڈیوں سے درست نہیں، استیلاد اور غلبہ اس طرح پر کہ اس کے قبضہ سے بالفعل اور آئندہ لے نہیں سکے سبب ملک کا ہوتا ہے مال مباح پر اور آدمی میں سے کفار حربی مال مباح ہیں جیسا کہ کتب فقہ مانند ہدایہ وبحر الرائق وغیرہ میں مذکور ہے وإذا غلب[1] الترك علی الروم فسبوهم وأخذوا أموالهم ملكوها لأن الاستيلاء قد تحقق في مال مباح وهو السبب انتہی ما في الهداية مختصرا والاستيلاء كما هو طريق الملك في جميع الأموال والبيع والهبة ونحوهما ينقل الملك الحاصل بالاستيلاء

---

[1] جب ترک رومیوں پر غالب آجائیں، اور ان کو گرفتار کریں اور ان کے مال لوٹ لیں تو وہ ان کے مالک ہونگے کیونکہ غلبہ مال مباح پر متحقق ہوچکا ہے، اور یہی ملکیت کا سبب ہے اور غلبہ جمیع اموال میں سبب ملک ہے

الیہ فمن شرط البیع الملک حالۃ البیع حتی لم یصح فی مباح قبل الاستیلاء لخلو المحل عن الملک فالاسباب ثلاثۃ مثبت للملک وھو الاستیلاء وناقل للملک وھو البیع ونحوہ وخلافۃ وھو الارث والوصیۃ کذا فی البحر الرائق۔ پس بموجب روایات فقہیہ معتبرہ کے لونڈی غلام اس دیار کے بیع و شراء سے لونڈی غلام شرعی نہیں ہو سکتے کہ کہ لوازم مملوکیت کا ان پر جاری ہو، پھر جب اولاد اس قسم کی لونڈی کے خرید کرنے والے سے ثابت النسب نہ ہوئی تو محروم الارث بے شک و شبہ ہوں گے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین ۱۲۷

جواب صحیح ہے، اور متروکہ منشی نذر محمد خان کا بحسب قاعدہ فرائض کے ایک سو چالیس سہام پر منقسم ہوگا، اس طرح کہ پینتیس سہام ان کی بیوی کو اور بیالیس سہام ان کے بھائی کو اور اکیس اکیس سہام ان کی دونوں بہنوں کو اور ایک بہن جو مرگئی ہے اس کے اکیس سہام یوں منقسم ہوں گے، کہ چھ چھ سہام ان کے ہر بیٹے کو اور تین سہام ان کی بیٹی کو غرض کہ حقیقت میں بات اصل وہی ہے جو مفتی صاحب نے لکھی، اور ان کو بانٹنا چاہیئے، تو بموجب قاعدہ فرائض کے یوں تقسیم ہوگی، اور واقع میں کنیز غیر منکوحہ اور اس کی اولاد کو کچھ نہیں پہنچے گا، کہ وہ لونڈی شرعی نہیں ہے، کما حررہ فی الجواب فقط

محمد قطب الدین ۱۲

فی الحقیقت جس طرح دونوں حضرات نے ارقام فرمایا ہے بے کم و کاست یوں ہی ہے حسب قواعد فرائض کے بلا اشتباہ، حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ

ھو الموفق:۔ جو کچھ ان حضرات نے فرمایا وہ صحیح ہے، مگر نواب قطب الدین خان صاحب کی تحریر کی یہ عبارت کہ "ایک بہن جو مرگئی ہے اس کے اکیس سہام یوں منقسم ہونگے" قاعدہ فرائض کے خلاف ہے، اس واسطے کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ بہن متوفیہ کو قبل مرنے کے اس کے بھائی منشی نذر محمد خان متوفی کے ترکہ سے اکیس سہام ملے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ قانون فرائض کی رو سے اس کو تین سہام ملے ہیں، جیسا کہ حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب غفر لہم نے تحریر فرمایا ہے، پس واضح ہو کہ مجمل اور مختصر جواب قانون فرائض کے مطابق تو وہی ہے، جو حضرت ممدوح نے لکھا ہے، اور تفصیلی جواب جس کا طرز تحریر قانون فرائض کے پورا پورا مطابق ہو اس طرح پر ہے، کہ بعد تقدیم ما تقدم علی الارث و رفع موانع ترکہ منشی نذر محمد خان متوفی ایک سو چالیس سہام پر تقسیم ہو کر ان جملہ پینتیس سہام ان کی زوجہ کو

اور بیالیس سہام ان کے بھائی علی محمد خان کو اور اکیس سہام ان کی بہن مسماۃ مغلانی بیگم کو اور اسی قدر مسماۃ گمانی بیگم کو اور چھ چھ سہام بادشاہ بیگم کے ہر ایک بیٹے نیاز علی ممتاز علی اور امتیاز علی کو، اور تین سہام اس کی بیٹی اولیاء بیگم کو ملیں گے، اور کنیزگان بے نکاحی اور ان کی اولاد کو کچھ نہیں ملے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

میت مسئلہ ۴ تصحیح ۲۰ تصحیح ۱۴۰

صورۃ المسئلۃ ہکذا

زوجہ	اخ علی محمد		اخت مغلانی بیگم	اخت گمانی بیگم	اخت بادشاہ بیگم
۱/۵ ۳۵	۶/۴۲	۵/۱	۳/۲۱	۳/۲۱	۳

میت مسئلہ ۷ بناتی مافی الید

نیاز علی	ممتاز علی	امتیاز علی	اولیاء بیگم
ابن	ابن	ابن	اخت
۲/۶	۲/۶	۲/۶	۱/۳

المبلغ ۱۴۰

الاحیاء

زوجہ نذر محمد	علی محمد	مغلانی بیگم	گمانی بیگم	نیاز علی	ممتاز علی	امتیاز علی	اولیاء بیگم
۳۵	۴۲	۲۱	۲۱	۶	۶	۶	۳

الحاصل حضرات مجیبین میں سے ہر ایک کا جواب صحیح و حق ہے مجیب ثانی کے صرف طرز بیان میں ایک بات تھی جس کو ہم نے ظاہر کیا ہے۔

کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بقضائے الٰہی فوت ہوگئی، اور ایک متبنی مسمی نادر سلطان اور ایک سوتیلی ماں، ایک سوتیلا بھائی مسمی عبدالرحیم علاتی اور بہن خالہ زاد، اور ایک بیٹا اس کا یعنی بھانجہ متوفیہ کا، اور ایک کنیزک مسماۃ مبارک النساء، اور شوہر بعد اپنے یہ سب وارث چھوڑے اور ترکہ ہندہ متوفیہ کا زیور و پارچہ فقط ہے، اپنی عین حیات میں ہندہ مذکورہ نے برضا و رغبت خود تین چار آدمیوں کے روبرو دو تین سال پہلے مرنے سے ہزار روپیہ مہر کا شوہر کو بخش دیا تھا، چنانچہ اقارب وغیرہ اس امر سے واقف اور شاہد ہیں، اور نیز اپنی حیات میں ہندہ نے بحالت صحت و ثبات عقل چند مرتبہ شوہر کو یہ وصیت کی تھی کہ بعد میرے نادر سلطان متبنی کو اگر میں مرجاؤں تو بالیاں طلائی اور چار حلقہ نقرئی کہ جو میری والدہ مرنے کے بعد اس کو دے مری ہے، وہ اور

ایک جوڑا کپڑا گوٹے کناری کا میرے کپڑوں میں سے لے کر اسے وقت نکاح کے دے دینا اور اس کا نکاح کر دینا، شرعاً یہ وصیت جائز ہے یا نہیں اور مال متروکہ متوفیہ مذکورہ کا کیونکر تقسیم ہوگا، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ واضح ہو کہ وصیت مذکورہ تہائی مال میں جاری ہوگی، پس ایک جوڑا گوٹا کناری کا اور نیز خرچ نکاح نادر سلطان مذکور کا تہائی میں بموجب وصیت ہندہ مذکورہ کے محسوب ہوگا، زیادہ میں جائز نہیں، مگر وارث زیادہ کو جائز رکھیں، تو جائز ہے، ولا تجوز بما زاد علی الثلث الا ان یجیزھا الورثۃ بعد موتہ وھم کبار کذا فی الھدایۃ ھکذا فی العالمگیریۃ وغیرھا۔ اور دو بالیاں طلائی اور چار حلقہ نقرئی جو ہندہ کی ماں نادر سلطان کو دے مری ہے، وہ مال خالص نادر سلطان کا ہے، اور وہ ہندہ کے متروکہ میں داخل نہیں ہے اور نہ کسی وارث کا اس میں حق ہے اور بعد تجہیز و تکفین و اجرائے وصیت کے متروکہ مذکورہ ہندہ متوفیہ کو دو سہام پر تقسیم کر کے نصف شوہر کو اور نصف آخر برادر عبدالرحیم علاتی کو بطریق عصوبت، اور شوہر مذکور کو بطور فرض دینا چاہیئے، اور باقی وارث بسبب ذوی الارحام ہونے کے محروم الارث ہیں، کیونکہ ذوی الارحام ذوی الفروض اور عصبہ کے ہوتے مستحق ارث کے نہیں ہوتے، اور مغلسان کے نادر سلطان اور سوتیلی ماں اور مبارک النساء یہ تینوں نہ ذوی الفروض میں داخل ہیں، نہ عصبہ میں نہ ذوی الارحام میں اسی واسطے ترکہ مذکورہ سے یہ محروم رہے۔ ھکذا فی کتب الفرائض۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مر گیا اور قبل تقسیم ترکہ کے اس کی زوجہ نے دوسرا نکاح کر لیا، اب سوال یہ ہے، کہ زوجہ زید متوفی بسبب کرنے نکاح ثانی کے ترکہ زید شوہر اول سے محروم المیراث ہو جاوے گی یا نہیں بینوا توجروا

الجواب:۔ درصورت مرقومہ زوجہ زید متوفی بسبب کرنے نکاح ثانی کے ترکہ زید شوہر اول سے محروم المیراث ہرگز نہ ہوگی، اس لئے کہ موجب میراث زوجہ کا بقاء نکاح ہے تا وقت موت زید کے، یستحق الارث بلحد ثلثۃ برحم و نکاح صحیح و

ا: تیسرے حصہ سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں ہے، مگر اس صورت میں کہ وارث جوان بالغ ہوں، اور وہ اپنی رضامندی سے اس کی اجازت دے دیں ۱۲ ۲: وراثت کا حق تین میں سے ایک چیز سے ہوتا ہے، یا تو رحم سے یا نکاح

ولاکذا فی تنویر الابصار والدر المختار۔ لان الزوجیۃ سبب لارثہا کذا فی الطحطاوی وغیرہا من کتب الفقہ۔ پس جب زوجہ زید متوفی اولاً مستحق میراث ترکہ زید سے ہو چکی تو پھر بعد ازاں نکاح دوسرا مسقط حق میراث اس کے کا نہ ہوگا شرعاً۔ لان الحق اذا ثبت و استقر لایسقط الا باسقاط صاحب الحق کذا یستفاد من الھدایۃ وغیرھا۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد شریف حسین — سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص دو دختر و ایک زوجہ اور چند بھتیجے رکھتا تھا قبل از موت ایک روز پیشتر ہر دو دختر اپنی کو بقدر پانسو روپیہ نقد و غلہ و گاؤ و میش و مادہ گاؤ بموجودگی چند اشخاص برادری و زوجہ دیگر یہ وصیت کی، کہ تمہارا حق و حصہ میرے ترکہ میں کچھ نہیں رہا، اور بعد میرے جب تک زوجہ زندہ رہے مثل میرے آمدنی اراضیات پر قابض و متصرف رہ کر اوقات بسر کرتی رہے ہاور بعد انتقال زوجہ جملہ بھتیجے ہمہ جائداد کے مالک ہو ویں، اور بھتیجے تاحیات زوجہ بسر براہ کاری کرتے رہیں اور جو بھتیجہ کلان ہو وہ کسی قدر زمین سوائے حصہ کے واسطے خرچ صادر و وارد و چراغ مسجد کے زیادہ پا دے، چنانچہ جملہ بھتیجوں نے موافق وصیت کے عمل کیا، کہ تاحیات زوجہ متوفی کے سربراہی کرتے رہے، اب بعد انتقال اس کے کے جملہ جائداد پر قابض و مالک ہوئے، اب دختران معترض ہیں، کہ مورث سے ترکہ زوجہ کو، اور زوجہ سے ہر کو بنات کو پہنچتا ہے، لہذا یہ وصیت اس وقت کی نسبت بھتیجوں کے جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب۔ درصورت مرقومہ واضح ہو کہ وصیت وارث کے حق میں شرعاً جائز نہیں ہے، در مختار میں ہے۔ ولا لوارثہ الخ لقولہ علیہ السلام لاوصیۃ لوارث انتہی۔ اب چاہیے کہ تمام مال منقولی اور غیر منقولی شخص متوفی کا مع پانسو روپیہ نقد جو شخص مذکور اپنی لڑکیوں کو دے مرا ہے، وہ سب ملا کر اول اس میں سے تجہیز و تکفین وادائے دین مہر زوجہ متوفی میں صرف کرنا چاہیے، پھر جو کچھ بچے اس کو چوبیس سہام پر منقسم کر کے تین سہام یعنی ثمن زوجہ متوفی کو، اور سولہ سہام یعنے ثلثان دونوں بیٹیوں کو اور باقی پانچ سہام بھتیجوں کو دینا چاہیے، بعد اس کے زوجہ مذکورہ کا انتقال ہو گیا، اور وارث اس کے سوائے دونوں بیٹیوں

لہ کیونکہ زوجیت وراثت کا سبب ہے ۱۲ ۔ کیونکہ جب حق ثابت ہو جائے، تو پھر وہ صاحب حق کے ساقط کرنے کے سوا کسی صورت میں ساقط نہیں ہوتا ۱۲

۲ ؎ حضور نے فرمایا، وارث کے لئے وصیت نہیں ہے صحیح سے یا دلائے،

کے کوئی نہیں، جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے، تو اس حالت میں کل متروکہ میت ثانی کا دونوں بیٹیاں بالفرض والرد لیویں گی، اور بھتیجوں کا اس میں کچھ حق نہیں۔ ھکذا فی کتب الفقہ والفرائض۔ حررہ سید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ زوجہ بعد وفات زوج کے متروکہ زوج کو اپنے دین مہر میں استغراق کر سکتی ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ زوجہ متروکہ زوج کو اپنے دین مہر میں استغراق کر سکتی ہے، بحکم قضاء قاضی وحاکم وقت کے، کیونکہ حق غرماء یعنی قرضخواہوں کا ساتھ مالیت کے متعلق ہے، نہ کہ عین متروک کے، چنانچہ ہدایہ میں درباب اقرار مریض ودرباب وصی مذکور ہے۔ لان[1] حق الغرماء یتعلق بالمالیۃ لا بالصورۃ انتہی۔ وقال فی فتح القدیر لان حق الغرماء یتعلق بالمالیۃ لا بالصورۃ والمالیۃ باقیۃ فی المبایعۃ بمثل القیمۃ وان فاتت الصورۃ انتہی مختصرا۔[2] اور حق ورثہ کا ساتھ عین ترکہ میت کے متعلق ہے، بشرط فراغ حاجت میت سے، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ وحق الورثۃ یتعلق بالترکۃ بشرط الفراغ ولھذا یقدم حاجتہ فی التکفین۔[3] اب واضح ہو کہ جب حق غرماء کا ساتھ مالیت کے متعلق ہو، نہ عین ترکہ میت سے تو تقویم وتشخیص قیمت متروکہ میت کی واسطے ادائے دین مہر ودیگر دیون عباد کے ضرور چاہیئے، اور ولایت بیع ترکہ مستغرقہ فی الدین کی قاضی اور حاکم وقت کو ہے، نہ قرضخواہ کو اور نہ ورثہ کو طحطاوی حاشیہ در مختار میں بیچ کتاب الفرائض کے مذکور ہے قال المؤلف فی شرح الملتقی وقدمنا ان ولایۃ بیع الترکۃ المستغرقۃ بالدین للقاضی لا للورثۃ لعدم ملکھم حینئذ انتہی۔[4] پس معلوم ہوا کہ بحکم قضاء قاضی وحاکم وقت کے زوجہ متروکہ زوج کو اپنے دین مہر میں استغراق کر سکتی ہے، اور بعد تقویم اور تشخیص قاضی کے وارثان میت اگر چاہیں، کہ کل قرضہ مستغرقہ کو یا بعض کو بعوض ادا سے

---

[1] کیونکہ قرضخواہوں کا تعلق مالیت سے ہے، نہ کہ کسی خاص متروکہ سے ۱۲ [2] کیونکہ قرضخواہوں کا تعلق حق مالیت سے ہے، نہ کہ کسی خاص صورت سے، اور مالیت خرید و فروخت میں باقی ہے، اگرچہ صورت فوت ہو چکی ہے ۱۲ [3] اور وارثوں کا حق ترکہ سے تعلق رکھتا ہے، بشرطیکہ اس کی تکفین وتجہیز کی ضرورتیں پوری ہو چکیں ہوں ۱۲ [4] اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، کہ ترکہ مستغرقہ بالدین کی بیع کا حق قاضی کو ہے، نہ وارثوں کو کیونکہ وہ ابھی اس کے مالک ہی نہیں ہیں ۱۲

دلوں کے دین مہر ہو، خواہ کوئی دوسرا دین) ترکہ میت کو واگذاشت کرالیں، تو واگذاشت کرا سکتے ہیں، اور اگر قرض خواہ اپنے دین میں عین ترکہ لینے کو کہیں، اور ورثہ عوض ترکہ کے ادائے دین کرنے کو کہیں، تو قول ورثہ کا معتبر ہوگا۔[1] لما مر من ان حق الورثۃ یتعلق بعین الترکۃ وحق الغرماء یتعلق بالمالیۃ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ زید مقروض مرا، اور کچھ بھی ترکہ نہیں چھوڑا، اس کے ورثہ بیٹے یعنی ابن تین اور بھائی ایک، اور بی بی ایک ہے، ان ورثہ میں سے کون کون کتنا کتنا قرضہ ادا کرنے کا ذمہ دار ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ وارثان زید میں سے کوئی بھی اس کے قرضہ کے ادا کرنے کا شرعا ذمہ دار نہیں ہے، ہاں اگر وہ تبرعا و احسانا اپنی اپنی حسب لیاقت قرضہ ادا کردیں، اور اس کو بار قرض سے سبکدوش کردیں، تو بہت اچھی بات ہے، اور اس صورت میں کچھ متعین نہیں ہے، کہ فلاں اس قدر دے، اور فلاں اس قدر دے، اگر ایک ہی کل قرضہ ادا کردے، تو بھی ادا ہو جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید عبد الحفیظ عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

[1] کیونکہ وارثوں کا حق عین ترکہ سے ہے اور قرضخواہوں کا تعلق مالیت سے ہے ۱۲

کتاب الاضحیۃ والعقیقۃ

سوال: گائے میں سات آدمی اور اونٹ میں دس آدمی کے شریک ہونے کا حکم خاص ہدی میں ثابت ہے، یا قربانی میں بھی ثابت ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: قربانی میں بھی ثابت ہے سبل السلام جلد ۲ صفحہ ۷۶ میں ہے کہ

یندب لبس احسن الثیاب والتطیب باجود الاطیاب فی یوم العید ویندب فی الاضحی التضحیۃ باسمن ما یجد لما اخرجہ الحاکم من حدیث الحسن السبط قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی العیدین ان نلبس اجود ما نجد وان نتطیب باجود ما نجد وان نضحی باسمن ما نجد البقرۃ عن سبعۃ والجزور عن عشرۃ وان نظہر التکبیر والسکینۃ والوقار قال الحاکم بعد اخراجہ من طریق اسحق بن برزخ لولا جہالۃ اسحق ہذا لحکمت للحدیث بالصحۃ قلت ولیس بمجہول فقد ضعفہ الازدی ووثقہ ابن حبان ذکرہ فی التلخیص انتہی واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھال قربانی کی قیمت سے مسجد کی مرمت کرانی یا فرش بنوانا درست ہے یا نہیں، اور زیادہ تر ثواب کیا ہے مسکین کو دینے میں یا مسجد کی مرمت اور فرش وفروش کے بنوانے میں یا مدرسہ اسلامیہ میں

---

[1] بہترین کپڑے پہننا، اور بہترین خوشبو لگانا عید کے روز مستحب ہے، اور قربانی کی عید میں یہ بھی مستحب ہے کہ بہت موٹی تازی قربانی کی جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کے متعلق ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنے بہترین کپڑے پہنیں، اپنی بہترین خوشبو لگائیں اور سب سے موٹی قربانی کریں۔ گائے سات آدمیوں کی طرف سے اور اونٹ دس آدمیوں کی طرف سے اور تکبیریں بلند آواز سے پڑھیں، اور سکینت اور وقار کو ہاتھ سے نہ جانے دیں ۱۲

داخل کر دیتے ہیں۔

الجواب:۔ کھال قربانی کے مصرف و مستحق فقراء و مساکین ہیں۔ بلوغ المرام میں ہے۔ عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اقوم علی بدنہ وان اقسم لحومہا وجلودہا وجلالہا علی المساکین ولا اعطی فی جزارتہا منہا شیئا متفق علیہ۔ قال فی سبل السلام دل الحدیث علی انہ یتصدق بالجلود والجلال الی قولہ وحکم الاضحیۃ حکم الہدی فی انہ لایباع لحمہا و لاجلدہا وانہ لا یعطی الجزار منہا شیئا اجرۃ انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ فقراء کو قربانی کی کھال دینا چاہیئے، یا اس کو بیچ کر قیمت بھی دینا جائز ہے اگر وقت پر مساکین نہ ہوں تو کیا کرے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ قربانی کی کھال کو بیچ کر فقراء کو نہ دے، کیونکہ صاحب قربانی کو بیچنا کھال قربانی کو باتفاق ائمہ اربعہ نادرست ہے، اور یہی امر بنص حدیث ثابت ہے، مسند امام احمد میں ہے۔ واستمتعوا بجلودہا ولا تبیعوہا۔ اور بیہقی کے سنن کبریٰ میں ہے من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ[۲] ان کے علاوہ اور بھی دلائل ہیں۔ لیکن جس جگہ فقراء میسر نہ آتے ہوں، اور چمڑے کے تلف کا خوف ہو تو کھال کو بیچ ڈالنا مضائقہ نہیں، اس واسطے کہ بناء شرع کی جلب مصالح و دفع مفاسد پر ہے، واللہ اعلم

کتبہ محمد علی ابوالمکارم غفر اللہ لہ ولوالدیہ۔ ۶ ربیع الاول ۱۳۱۴ ہجری

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ہرن اور بکری سے جو بچہ پیدا ہوا، اور برس روز کا یا زیادہ کا ہو گیا، تو قربانی

---

[۱] حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، کہ میں آپ کے قربانی کے اونٹوں کی حفاظت کروں، اور ان کا گوشت اور ان کی کھالیں، ان کے پالان مسکینوں میں تقسیم کردوں، اور قصابوں کو اس میں سے اجرت نہ دوں (متفق علیہ) سبل السلام میں ہے اس حدیث میں دلیل ہے، کہ قربانی کے جانوروں کے چمڑے اور پالان وغیرہ بھی صدقہ کئے جائیں، اور اضحیہ کا حکم ہدی کا سا ہے، کہ ان کا گوشت اور چمڑے بیچے نہیں جا سکتے، اور نہ ہی قصاب کو اس سے مزدوری دی جا سکتی ہے ۱۲ [۲] اس کے چمڑے سے فائدہ اٹھاؤ، لیکن بیچو نہیں ۱۲ [۳] جس نے قربانی کا چمڑا بیچا، اس کی قربانی نہیں ہے۔

وعقیقہ اس بچہ کا درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ہرن اور بکری سے جو بچہ پیدا ہوا، اگر وہ مشابہ ہرن کے ہے تو اس کی قربانی وعقیقہ ناجائز ہے، اور اگر وہ مشابہ ہرن کے نہ ہو تو اس کی قربانی وعقیقہ جائز ہے، لیکن دو برس سے کم کا نہیں ہونا چاہیے۔ ولا یجزی[1] حذف الثنی من المعز وھو ما استکمل سنتین وطعن فی الثالثۃ ھکذا فی الروضۃ الندیۃ۔ واللہ اعلم

حررہ السید عبد الحفیظ عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق:۔ واضح ہو کہ ہرن اور بکری سے جو بچہ پیدا ہوا، وہ اگر بکری ہے، تو قربانی درست ہے، اور اگر بکری نہیں ہے، تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے۔ وقیل[2] اذا نزا ظبی علی شاۃ اھلیۃ فان ولدت شاۃ تجوز التضحیۃ و ان کانت ظبیا لا تجوز انتہی۔ یہی قول حق معلوم ہوتا ہے، کیونکہ بکری کی قربانی کا حکم ہے اور ہرن کی قربانی جائز نہیں، اور اگر ایسا بچہ ہوا کہ نہ اس کو بکری کہہ سکتے ہیں، اور نہ ہرن تو اس کی بھی قربانی جائز نہیں ہے۔ ھذا ما عندی واللہ تعالی اعلم بالصواب

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت کھال قربانی کی اپنے مصرف میں لانا چاہیے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:۔ قیمت کھال قربانی کی اپنے مصرف میں ہرگز نہیں لانا چاہیے، یہ حق فقراء ومساکین کا ہے، بلکہ اس میں سے قصاب کو اجرت بھی نہیں دینا چاہیے، واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید ابو الحسن عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق:۔ کھال قربانی کی قیمت اپنے مصرف میں لانا ہرگز جائز نہیں ہے، بلکہ ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے، کہ جو شخص قربانی کی کھال کو فروخت کرے گا (یعنی اپنے مصرف میں لانے کے لیے) تو اس شخص کی قربانی ہی نہیں، درایہ تخریج ہدایہ میں ہے، حدیث[3] من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ الحاکم والبیہقی من حدیث ابی ھریرۃ

---

[1] اور بکری کا بچہ ثنی ہی جائز ہے، اس سے کم عمر کا جائز نہیں، اور ثنی وہ ہے جس کے دو سال پورے ہو چکے ہوں اور تیسرا سال شروع ہو۔

[2] اگر ہرن بکری سے مجامعت کرے، تو اگر بکری کا بچہ بکری کے مشابہ ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے، اور اگر ہرن کے مشابہ ہو تو جائز نہیں ہے۔

[3] جو آدمی اپنی قربانی کی کھال بیچ دے

بھذا اوردہ الحاکم فی تفسیر سورۃ الحج۔ درایہ کے حاشیہ میں ہے وصححہ[1] لکن فیہ عبداللہ بن عیاش قال الذہبی فی مختصرہ ضعفہ ابوداود انتہی، ہاں قربانی کی کھال کو بغیر فروخت کئے اپنے مصرف میں لانا ہر طرح درست ہے اور جائز مثلاً اس کا بستر بنانا، اور مشک اور ڈول بنوانا، اور اپنے مصرف میں لانا بلاشبہ درست ہے منتقی میں ہے۔ عن ابی سعید ان قتادۃ بن النعمان اخبرہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قام فقال انی کنت امرتکم الحدیث وفیہ واستمتعوا بجلودھا ولا تبیعوھا رواہ احمد قال الشوکانی قال فی مجمع الزوائد انہ مرسل صحیح الاسناد انتہی

کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میت کی طرف سے جو وارث لوگ قربانی بقر عید میں دیتے ہیں، اس کا گوشت صاحب نصاب کو، اور میت کے وارث کو کھانا بموجب شرع شریف کے درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جامع ترمذی میں عبداللہ بن مبارک کا یہ فتوی لکھا ہے، کہ اگر میت کی طرف سے قربانی کی جاوے، تو قربانی کرنے والا اس میں سے کچھ بھی نہ کھائے بلکہ کل گوشت صدقہ کر دے۔ واللہ اعلم بالصواب

المجیب سید عبدالوہاب عفی عنہ

میرے نزدیک میت کی طرف سے جو قربانی کی جائے، اس کا گوشت صاحب نصاب کو اور قربانی کرنے والے کو کھانا درست ہے، نادرست ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث سے ثابت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے اور اپنی آل کی طرف سے اور اپنی امت کی طرف سے قربانی کرتے تھے، اور آپ کی امت میں بعض لوگ وفات بھی پا گئے تھے، لیکن ہرگز یہ ثابت نہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قربانی کا گوشت خود نہیں کھایا، اور کل گوشت یا بقدر حصہ

اس کی قربانی نہیں ہے، حاکم نے اپنی تفسیر میں اور بیہقی نے اسے روایت کیا ہے ۱۲ ۔ [2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا میں نے تم کو حکم دیا تھا، اور اس میں یہ بھی ہے کہ اس کے چمڑہ سے فائدہ اٹھاؤ اور ان کو فروخت نہ کرو، احمد۔ امام شوکانی نیل میں فرماتے ہیں، کہ یہ روایت صحیح الاسناد ہے ۱۲

[1] ای صححہ الحاکم ۱۲

سوا ت کے صدقہ کر دیا" حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک قربانی کرتے تھے لیکن حضرت علی کا اس قربانی کے گوشت کو خود نہ کھانا اور کل گوشت کو صدقہ کر دینا ہرگز ثابت نہیں، رہا فتوے عبداللہ بن مبارک کا سو یہ ان کی رائے ہے اوران کی اس رائے پر کوئی دلیل صحیح قائم نہیں ہے، عون المعبود شرح ابوداود جلد ثالث صفحہ ۵۰ میں اس کی بحث تفصیل سے لکھی گئی ہے۔ من شاء الاطلاع علیہ فلیراجع الیہ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ (۱) عقیقہ اگر سات روز میں کسی باعث سے نہ ہو سکا، تو بعد اس کے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) عیدالضحیٰ میں قربانی ہر متنفس کی جانب سے کرنا چاہیئے یا گھر بھر کے لئے ایک جانور کرنا کافی ہوگا، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ (۱) جامع ترمذی میں ہے، کہ اہل علم ساتویں روز عقیقہ کرنے کو مستحب جانتے ہیں، اگر ساتویں روز نہ ہو سکا، تو چودھویں روز کرنا چاہیئے، اور نہ اگر چودھویں روز نہ ہو سکا، تو اکیسویں روز کرنا چاہیئے، قاضی شوکانی نیل الاوطار میں ترمذی کے اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔ ویدل علی ذلک ما اخرجہ البیہقی عن عبداللہ بن بریدۃ عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال العقیقۃ تذبح لسبع ولاربع عشرۃ ولاحدی وعشرین یعنی اس قول پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے، جس کو عبداللہ بن بریدہ نے اپنے باپ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، کہ آپ نے فرمایا، کہ عقیقہ ذبح کیا جائے، ساتویں روز، اور چودھویں روز، اور اکیسویں روز، مگر شوکانی نے نہ اس کی سند لکھی ہے، اور نہ اس کا صحیح یا ضعیف ہونا ظاہر کیا ہے۔ سبل السلام صفحہ ۲۰۸ میں ہے۔ قال النووی انہ یعق قبل السابع وکذا عن الکبیر فقد اخرج البیہقی من حدیث انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عق عن نفسہ بعد البعثۃ ولکنہ قال منکر وقال النووی حدیث باطل۔ یعنی نووی نے کہا، کہ ساتویں روز کے قبل بھی عقیقہ کرنا درست ہے، اور اسی طرح بڑے ہونے کے بعد بھی عقیقہ کرنا درست ہے اس واسطے کہ بیہقی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے بعثت کے بعد اپنا عقیقہ کیا ہے، لیکن بیہقی نے کہا، یہ حدیث منکر ہے، اور نووی نے کہا کہ یہ حدیث باطل ہے، الحاصل عقیقہ کا وقت جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، وہ ساتواں روز ہے، پس ساتویں ہی روز عقیقہ کرنا متعین ہے، ہاں بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت مذکورہ اگر صحیح و لائق اعتبار ہے، تو چودھویں روز اور اکیسویں روز بھی عقیقہ کرنا حدیث سے ثابت ہوگا، اور اکیسویں روز کے بعد یا بڑے ہونے کے بعد عقیقہ کرنا کسی حدیث معتبر سے ثابت نہیں ہے، اور علماء کی رائیں اس بارے میں مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ اکیسویں روز کے بعد بھی ہو سکتا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب،

(۲) ہر متنفس کی طرف سے ایک ایک جانور کی قربانی ضروری نہیں ہے ایک بکری بھی گھر بھر کی طرف سے کافی ہو سکتی ہے، منتقی الاخبار میں ہے۔ عن عطاء بن یسار قال سالت ابا ایوب الانصاری کیف کانت الضحایا فیکم علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کان الرجل فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم یضحی بالشاۃ عنہ وعن اھل بیتہ فیاکلون ویطعمون حتی تباھی الناس فصار کما تری رواہ ابن ماجہ والترمذی وصححہ اور ابوداؤد میں ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ قال شھدت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاضحی بالمصلی فلما قضی خطبتہ نزل عن منبرہ واتی بکبش فذبحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ وقال بسم اللہ واللہ اکبر ھذا عنی وعن من لم یضح عن امتی۔ قاضی شوکانی پہلی حدیث کے تحت میں نیل الاوطار میں لکھتے ہیں فیہ دلیل علی ان الشاۃ تجزی عن اھل البیت لان الصحابۃ کانوا یفعلون ذلک فی عہدہ صلی اللہ علیہ وسلم والظاھر اطلاعہ فلا ینکر علیھم ویدل

لے عطاء بن یسار نے ابوایوب انصاری سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تمہاری قربانیاں کیسی ہوا کرتی تھیں، کہنے لگے ایک آدمی اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری ذبح کرتا تھا خود بھی کھاتے اور لوگوں کو بھی کھلاتے، پھر لوگ اس میں فخر کرنے لگے، اب جو حالت ہے وہ تم دیکھ ہی رہے ہو (ابن ماجہ ترمذی) ۱۲

ے۲ جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدگاہ میں گیا جب آپ نے خطبہ پڑھ لیا، تو منبر سے اترے ایک مینڈھا لایا گیا، آپ نے اپنے ہاتھ سے اسے ذبح کیا اور کہا، بسم اللہ واللہ اکبر یہ میری طرف سے اور میری امت کے ہر اس آدمی کی طرف سے جو قربانی نہ کر سکے (ابوداؤد)

ے۳ اس میں دلیل ہے، کہ ایک بکری ایک گھر کی طرف سے کافی ہے، کیونکہ صحابہ ایسا کیا کرتے تھے، اور ظاہر ہے

علی ذلک ایضا حدیث علی کل اھل بیت فی کل عام اضحیۃ (الی قولہ) والحق انھا تجزی عن اھل البیت وان کانوا مائۃ نفس او اکثر کما قضت بذلک السنۃ انتہی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ عقیقہ کرنا واجب ہے، یا سنت یا مستحب، اور کیا کیا اس کے احکام ہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ عقیقہ جمہور کے نزدیک سنت ہے، واجب نہیں، اور امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک مستحب ہے، اور بعض لوگوں کے نزدیک واجب ہے، مگر قول جمہور اصح واصوب ہے، کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ ثابت ہے، اور اس کا ترک ثابت نہیں ہے، اور وجوب کی کوئی دلیل نہیں ہے تو سنت ہوا اس لئے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیز ثابت ہے بغیر ترک کے وہ سنت ہے جب تک وجوب کی کوئی دلیل نہ ہو، اور یہ جو حدیث میں بلفظ امر آیا ہے، کہ لڑکے کی طرف سے عقیقہ کرو۔ عنؓ سلیمان بن عامر الضبی رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع الغلام عقیقۃ فاھریقوا دما واميطوا عنہ الاذی رواہ الجماعۃ الا مسلما کذا فی المنتقی، یہ امر وجوب کے لئے نہیں ہے، کہ اس سے وجوب عقیقہ پر دلیل لائی جاوے، کیونکہ دوسری حدیث میں (جو آگے آتی ہے) یہ ہے، کہ جو شخص عقیقہ کرنا چاہے کرے، اس اختیار دینے سے صراحۃ معلوم ہوتا ہے، کہ عقیقہ واجب نہیں ہے تو ضرور ہوا، کہ حدیث سابق کے امر کو وجوب کے لئے نہ لیں، تاکہ دونوں حدیثوں میں مطابقت ہو جائے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اس بات پر کہ عقیقہ مستحب ہے سنت نہیں مگر یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ اختیار کسی فعل میں شارع کی طرف سے مخالف اس کی سنت

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع تھی، آپ نے ان پر انکار نہیں کیا اور یہ حدیث بھی دلیل ہے، کہ ہر سال میں ہر اہل بیت پر ایک قربانی ہے، اور سچ یہ ہے، کہ گھر والوں سے ایک ہی بکری کافی ہے، اگرچہ وہ سو یا سو سے بھی زیادہ افراد ہوں، سنت نے یہی فیصلہ کیا ہے ۱۲

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر لڑکے کا عقیقہ پر خون گراؤ، اور اس کی گندگی دور کرو ۱۲

کے نہیں ہے، اس لئے کہ سنت میں بھی اختیار حاصل ہوتا ہے، بلکہ مستحب وہ ہے جس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑ دیا ہو، کما لا یخفی علی الماھر بالاصول۔ قولہ فاھریقوا عنہ دما نسلک بھذا وبقیۃ الاحادیث القائلون بانھا واجبۃ وھم الظاھریۃ والحسن البصری وذھب الجمھور من العترۃ وغیرھم الی انھا سنۃ وذھب ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ الی انھا لیست فرضا ولا سنۃ وقیل انھا عندہ تطوع احتج الجمھور بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم من احب ان ینسک عن ولدہ فلیفعل وسیاتی وذلک یقتضی عدم الوجوب لتفویضہ الی الاختیار فیکون قرینۃ صارفۃ للامر ونحوھا عن الوجوب الی الندب وھذا الحدیث احتج علی عدم الوجوب والسنیۃ ولکنہ لا یخفی انہ لا منافاۃ بین التفویض الی الاختیار وبین کون الفعل الذی وقع فیہ التفویض سنۃ انتھی ما فی نیل الاوطار اور لڑکے کے پیدا ہونے کے ساتویں دن یا چودھویں دن یا اکیسویں دن عقیقہ کرنا بہتر ہے۔ عن سمرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل غلام رھینۃ بعقیقۃ تذبح عنہ یوم سابعۃ ویسمی فیہ ویحلق راسہ رواہ الخمسۃ وصححہ الترمذی کذا فی منتقی الاخبار ویدل علی ذلک ما اخرجہ البیھقی عن عبد اللہ بن بریدۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال العقیقۃ تذبح[1]

لہ اس حدیث اور باقی احادیث سے بعض نے استدلال کیا ہے، کہ عقیقہ واجب ہے، ظاہریہ اور حسن بصری کا یہی مذہب ہے، اور تمام اہل بیت اس کو سنت کہتے ہیں، اور امام ابو حنیفہ مستحب یا نفل جمہور نے حضور کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے، کہ آپ نے فرمایا، جو اپنے بچے کی طرف سے ذبح کرنا چاہئے وہ کرے، اس سے عدم وجوب ثابت ہوا، کیونکہ آپ نے اختیار دیا، تو یہ ایک قرینہ صارفہ ہے، کہ یہاں امر وجوب کے لئے نہیں ہے، بلکہ استحباب کے لئے ہے، لیکن یہ مخفی نہیں ہے، کہ اختیار تفویض کرنے اور سنت ہونے میں کوئی منافات نہیں ہے ۱۲ ؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر لڑکا عقیقہ میں رہن ہے، ساتویں دن اس سے ذبح کیا جائے، اور اس کا سر منڈایا جائے، ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے، احمد، نسائی، ابن ماجہ، ابوداود نے اسے روایت کیا ہے، دوسری روایت یہ ہے، کہ آپ نے فرمایا،

---

(۱) قولہ العقیقۃ تذبح الخ اخرجہ ایضا الطبرانی فی الاوسط والضیاء وضعفہ فی فتح الباری وجامع الصغیر وللسراج المنیر لانہ تفرد بہ اسمعیل وھو ضعیف متروک والا کما فی المیزان ۱۲ ابو سعید محمد شرف الدین

لسبع ولا لاربع عشر ولا لاحدی عشرین انتہی۔ کذا فی نیل الاوطار، اور اگر اکیسویں دن بھی نہ کرے اس سبب سے کہ مقدور نہیں یا کسی دوسرے سبب سے تو جب مقدور ہو کرے کیونکہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا، اور بعد بلوغ کے باپ وغیرہ سے طلب کرنے کا حق نہیں ہے، خود آپ اپنی طرف سے کرے، کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد اپنا عقیقہ خود کیا ہے۔ العقیقۃ[1] سنۃ مؤکدۃ ووقتہا من الولادۃ الی البلوغ ویسقط الطلب عن الاب والاحسن ان یعق عن نفسہ تدارکا لما فاتہ والخبر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عق عن نفسہ بعد النبوۃ لما رواہ البیہقی و تکلم بعض العلماء بصحۃ ھذا الخبر وسبع البدنۃ والبقر کشاۃ انتہی ما فی شرح القویم فی شرح مسائل التعلیم لابن حجر الہیثمی الشافعی، اور لڑکے کی طرف سے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا کرنا چاہیے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ[2] قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن العقیقۃ فقال لا احب العقوق وکانہ کرہ الاسم فقالوا یا رسول اللہ انما نسئلک عن احدنا یولد لہ قال من احب منکم ان ینسک عن ولدہ فلیفعل عن الغلام شاتان مکافاتان وعن الجاریۃ شاۃ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی کذا فی منتقی الاخبار وعن ابن عباس رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عق عن الحسن رض والحسین رض کبشا کبشا رواہ ابوداؤد والنسائی

---

[1] عقیقہ سنت مؤکدہ ہے، اور اس کا وقت ولادت سے بلوغت تک ہے، اور اس وقت باپ سے مطالبہ ساقط ہو جاتا ہے، اور بہتر یہ ہے کہ خود اپنا عقیقہ آپ کرے تاکہ تلافی مافات ہو جائے، اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ نبوت کے بعد کیا، اس کی سند میں کچھ گفتگو ہے، اور گائے یا اونٹ کا ساتواں حصہ ایک بکری کے قائم مقام ہے ۱۲

عقیقہ ساتویں یا چودھویں یا اکیسویں دن کیا جائے ۱۲

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا، میں تو عقوق کو ناپسند کرتا ہوں، گویا آپ نے یہ نام پسند نہ فرمایا (کیونکہ اس کا مادہ عق ہے، جس کے معنی کاٹنے کے ہیں)، لوگوں نے کہا، یا رسول اللہ ہم پوچھتے ہیں کہ جب ہم میں سے کسی کے بچہ پیدا ہوتا ہے، تو عقیقہ کیا جاتا ہے، آپ نے فرمایا، جو کرنا چاہے کرے، لڑکے سے دو بکریاں اور لڑکی سے ایک لڑکی کافی ہے (احمد ابوداؤد نسائی)، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھا ذبح کیا تھا (منتقی الاخبار)

وقال بكبشين كذا في المنتقى الاخبار) اور جمیع احکام اس کے مثل احکام جانور قربانی کے ہیں کیونکہ حدیث سے کچھ فرق دونوں میں ثابت نہیں ہوتا، مگر جن جن عیوب سے جانور قربانی کا مبرا یعنے پاک ہونا ضروری ہے، جس کی تفصیل گذر چکی ان سے جانور عقیقہ کا مبرا ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔ الثاني[1] هل يشترط فيها ما يشترط في الاضحية فيه وجهان للشافعية وقد استدل باطلاق الشاتين على عدم الاشتراط وهو الحق لكن لا لهذا الاطلاق بل لعدم ورود ما يدل ههنا على تلك الشروط والعيوب المذكورة في الاضحية وهي احكام شرعية لا تثبت بدون دليل انتهى ما في نيل الاوطار اور اس کے کھانے کا بھی حکم گوشت قربانی کا حکم ہے، یعنی کرنے والا کھا دے، اور دوسروں کو کھلا دے، اور یہ جو مشہور ہے کہ ماں باپ عقیقہ کا گوشت نہ کھاویں بالکل بے اصل ہے اور اسی طرح سے عقیقہ میں سے دائی کو دینا جیسا کہ مروج ہے ضروری (۱) نہیں ہے لیکن اگر وہ محتاج ہو، تو بزمرہ محتاجان وہ بھی مستحق ہے، چنانچہ اس بارہ میں شاہ عبد العزیز صاحب کا فتوی ایسا ہی ہو چکا ہے، اور لڑکے کا سر منڈا دے، اور اس کے بالوں کے برابر چاندی تول کر کے خیرات کرے، اور اسی دن نام رکھے یہ بھی سنت ہے، اور عقیقہ کے لوازمات میں سے ہے، وعن[2] ابي رافع ان حسن بن علي رضي الله عنهما لما ولد ارادت امه فاطمة ان تعق بكبشين فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تعقي عنه ولكن احلقي شعر رأسه فتصدقي بوزنه من الورق ثم ولد حسين رض فصنعت مثل ذلك رواه احمد كذا في منتقى الاخبار

---

[1] دوسری بات یہ ہے، کہ اس جانور میں بھی وہ شرطیں ہیں، جو قربانی کے جانور میں ہوتی ہیں، اس میں شافعیہ کے دو قول ہیں، چونکہ یہاں مطلق بکریاں فرمایا ہے اور کوئی شرط نہیں لگائی، اور یہی صحیح ہے، لیکن مطلق ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس لئے کہ یہاں کسی شرط اور عیب کا ذکر نہیں کیا، جو قربانی میں کیا ہے، اور یہ شرعی احکام ہیں، جو بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتے ۱۲

[2] جب حسن بن علی رض پیدا ہوئے، تو حضرت فاطمہ نے دو مینڈھے ذبح کرنے چاہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو عقیقہ نہ کر بلکہ اس کے سر کے بال منڈا اور ان کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دے، پھر حضرت حسین پیدا ہوئے، تو حضرت فاطمہ نے ایسا ہی کیا (احمد)

---

(۱) اقول روى الحاكم من حديث علي قال امر رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة فقال زني شعر الحسين وتصدقي بوزنه فضة واعطي القابلة رجل العقيقة ورواه حفص بن غياث عن جعفر بن محمد عن ابيه مرسلا انتهى التلخيص الحبير جلد ۲ صفحه ۱۴۸ ابو سعید محمد شرف الدین

اور حضرت فاطمہ کو حضرت حسن کے عقیقہ کرنے سے جو منع فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کا عقیقہ کر چکے تھے، جیسا کہ حدیث سابق میں گذرا۔ قولہ لا تعقی عنہ قیل یحمل ھذا علی انہ قد کان صلی اللہ علیہ وسلم عق عنہ وھذا ھو المتعین لما ذکرنا فی روایۃ الترمذی والحاکم عن علی علیہ السلام انتہی ما فی نیل الاوطار وعن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بتسمیۃ المولود یوم سابعۃ ووضع الاذی والعق وقال حدیث حسن غریب کذا فی منتقی الاخبار

اور عقیقہ کے مناسبات سے یہ بھی ہے اس لئے ذکر کرتا ہوں کہ لڑکے کے پیدا ہونے کے دن کان میں اذان دینی چاہیئے اس میں لڑکے اور لڑکی کا ایک ہی حکم ہے یعنی داہنے کان میں دونوں کے اذان دینی چاہیئے۔ وعن[2] ابی رافع قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذان فی اذن الحسین رض حین ولدتہ فاطمہ رض بالصلوۃ رواہ احمد وکذلک ابوداؤد والترمذی وصححہ وقال الحسن کذا فی منتقی الاخبار۔

قد حررہ ابو الخیر محمد یٰس الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی عفی عنہ

فقیر محمد عبد الحق	نائل شد در شان محمد یٰس

الجواب صحیح:۔ حمید اللہ عفی عنہ مدرس مدرسہ مطلع العلوم میرٹھ

الجواب صحیح۔ محمد طاہر سلہٹی۔ محمد عبید اللہ مصنف تحفۃ الہند | محمد عبید اللہ ۱۲۹۱

اصاب من اجاب:۔ حمید اللہ بن حفیظ اللہ

عقیقہ سنت ہے اگر کیفیت وکمیت میں سہولت ہے | امیر احمد | پشاوری

یہ جواب صحیح ہے۔ حررہ ابو العلی محمد عبد الرحمٰن الاعظم گڈھی المبارکفوری عفی عنہ

الجواب صحیح۔ ابو القاسم محمد عبد الرحمٰن۔ الجواب صحیح والمجیب نجیح

حررہ ابو عبد اللہ نفیر اللہ متوطن ضلع شاہپور پنجاب

مجیب صاحب نے جواب محققانہ دیا ہے اور بہت صحیح ہے لیکن یہ ضرور معلوم

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو اس لئے عقیقہ سے منع فرمایا کہ آپ خود ان کا عقیقہ کر چکے تھے جیسا کہ حضرت علی رض کی حدیث میں ہے ۱۲ [2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ساتویں دن بچے کا نام رکھا جائے اور سر منڈایا جائے (منتقی الاخبار) ۱۲ [3] حضرت حسین جب حضرت فاطمہ کے ہاں پیدا ہوئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کانوں میں نماز کی سی اذان کہی (ابوداؤد، ترمذی)

کرنا چاہیے، کہ یہ جو عوام الناس میں بلکہ بعض بعض خواص میں بھی مشتہر ہو رہا ہے کہ لڑکے کے لئے نر چاہیے اور لڑکی کے لئے مادہ، سو یہ بات بالکل غلط اور بے اصل ہے، حدیث شریف میں آیا ہے، کہ کچھ حرج و مضائقہ نہیں خواہ نر ہو یا مادہ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یضرکم ذکراناً او اناثاً کن انتہی ابو داؤد والترمذی والنسائی والمشکوۃ وغیرھا وکذا فی الشروح الکبار مثل فتح الباری وغیرہ اور اذان کا حکم یہ ہے، کہ داہنے کان میں اذان کہنی چاہیے، اور بائیں میں تکبیر، حضرت فرماتے ہیں، کہ مولود ام صبیان سے محفوظ رہے گا فی مسند ابو یعلی الموصلی عن حسین رضی مرفوعاً من ولد لہ ولد فاذن فی اذنہ الیمنی واقام فی اذنہ الیسری لم تضرہ ام الصبیان رواہ فی جامع الصغیر وکذا فی المرقاۃ و فی شرح السنۃ ان عمر بن عبد العزیز کان یوذن فی الیمنی ویقیم فی الیسری اذا ولد الصبی انتہی، فقط واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ العاجز ابو محمد عبد الوہاب الفنجابی الجھنگوی ثم الملتانی نزیل الدھلی تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والجلی۔

الجواب صحیح۔ محمد امیر الدین حنفی واعظ جامع مسجد دھلی (محمد امیر الدین ۱۳۰۰)

خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین — خادم شریعت رسول الاواب ابو محمد عبد الوہاب

الجواب صحیح۔ عبد اللطیف عفی عنہ سہسپوری (عبد اللطیف ۱۲۹۵)

الجواب صحیح۔ ابو محمد عبد الرؤف بہاری عفی عنہ (عبد الرؤف ۱۳۰۳)

سید محمد عبد السلام غفرلہ — عبد الجلیل عربی — محمد شمس الدین ۱۳۰۵

ابو محمد عبد الحق ۱۳۰۵ لودیانوی

اصل عقیقہ ساتویں روز ہی ہے۔

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین و مفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز و درست ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب: واضح رہے، کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز و درست ہے

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کہ عقیقہ کی بکریاں نر ہوں یا مادہ (ابوداؤد ترمذی، نسائی)

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا، تو اس کے دائیں کان میں اذان کہے اور بائیں میں تکبیر، تو اس بچے کو ام صبیان کی بیماری نہ ہوگی، عمر بن عبد العزیز کے ہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اس کے دائیں کان میں اذان کہتے، اور بائیں میں اقامت (جامع الصغیر)

یدل علیہ ماروی عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بکبش اقرن یطأ فی سواد ویبرک فی سواد وینظر فی سواد فاتی بہ لیضحی بہ فقال لہا یا عائشۃ ھلمی المدیۃ ثم قال اشحذیہا بحجر ففعلت ثم اخذھا واخذ الکبش فاضجعہ ثم ذبحہ ثم قال بسم اللہ اللھم تقبل من محمد وآل محمد ومن امۃ محمد ثم ضحی بہ رواہ مسلم وفی المشکوۃ وفی روایۃ احمد وابی داود والترمذی ذبح بیدہ وقال بسم اللہ واللہ اکبر اللھم ھذا عنی وعن من لم یضح من امتی انتہی۔ اور ظاہر ہے کہ امت کا لفظ شامل ہے حی اور میت دونوں کو کما قال صاحب رد المحتار وسیاتی قولہ فانظر۔ اور نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے، حسب وصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ کذا فی المشکوۃ۔ عن حنش قال رایت علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ یضحی بکبشین فقلت لہ ما ھذا فقال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ رواہ ابوداود وروی الترمذی نحوہ انتہی۔ اور لفظ ترمذی کا یہ ہے عن حنش عن علی رضی اللہ عنہ انہ کان یضحی بکبشین احدھما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم والآخر عن نفسہ فقیل لہ فقال امرنی بہ یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا ادعہ ابدا انتہی۔ وقال فی الھدایۃ واذا اشتری سبعۃ بقرۃ لیضحوا بہا فمات احدھم قبل النحر وقالت الورثۃ اذبحوھا عنہ وعنکم اجزاھم وان کان شریک الستۃ نصرانیا

لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ایک سینگ والا مینڈھا لایا جائے جس کے پاؤں سینہ اور منہ سیاہ ہوں، وہ لایا گیا، تو آپ نے فرمایا اے عائشہ چھری لانا، پھر فرمایا اسے کسی پتھر پر رگڑ کر تیز کر کے لانا، جب وہ لائیں، تو آپ نے چھری بھی پکڑ لی، اور مینڈھے کو بھی لٹا دیا، پھر ذبح کیا اور کہا بسم اللہ اے اللہ اسے محمد اور امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قبول فرما، پھر چھری چلائی، ایک روایت میں ہے کہا پھر فرمایا بسم اللہ واللہ اکبر اے اللہ یہ میری طرف سے ہے، اور ان کی طرف سے جو میری امت میں سے قربانی نہ کر سکیں (مسلم)

کے حنش کہتے ہیں کہ حضرت علی نے دو مینڈھے ذبح کئے ہیں میں نے پوچھا یہ کیسے ہیں تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کرتا رہوں سو میں ذبح کرتا ہوں (ترمذی)

سے ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی دو مینڈھے ذبح کیا کرتے تھے ایک اپنی طرف سے اور دوسرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے، جو آپ نے ان کو حکم دیا تھا کے ہدایہ میں ہے کہ سات آدمیوں نے قربانی

ورجل يريد اللحم لم يجز عن واحد منهم ووجهه ان البقرة تجوز عن سبعة لكن من شرطه
ان يكون قصد الكل القربة وان اختلف جهاتها كالاضحية والقران والمتعة عندنا لاتحاد
المقصود وهو القربة وقد وجد هذا الشرط في الوجه الاول لان التضحية عن الغير
عرفت قربة الا ترى ان النبي عليه السلام ضحى عن امته على ما روينا من قبل ولم
يوجد في الوجه الثاني لان النصراني ليس من اهلها وكذا قصد اللحم ينافيها واذا لم
يقع البعض قربة والاراقة لا تتجزى في حق القربة لم يقع الكل ايضا فامتنع الجواز
وهذا الذي ذكره استحسان والقياس ان لا يجوز وهو رواية عن ابي يوسف لانه تبرع
باتلاف فلا يجوز عن غيره لان فيه الزام الولاء على الميت انتهى وقال في الدر المختار
وان مات احد السبعة المشتركين في البدنة وقال الورثة اذبحوا عنه وعنكم صح
عن الكل استحسانا لقصد القربة من الكل انتهى وقال ابن العابدين تحت هذا القول
هذا وجه الاستحسان قال في البدائع لان الموت لا يمنع التقرب عن الميت بدليل
انه يجوز ان يتصدق عنه ويحج عنه وقد صح ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحى
بكبشين احدهما عن نفسه والآخر عمن لم يذبح من امته وان كان منهم من قد
مات قبل ان يذبح انتهى وقال في رد (فرع) من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع في
ضحية نفسه من التصدق والاكل والاجر للميت والملك للذابح انتهى وفي الفتاوى

کے لئے گائے خریدی، ایک قربانی دینے والا ذبح کرنے سے پہلے فوت ہو گیا اور وارثوں نے اس کی اجازت
دے دی تو سب کی قربانی ہو جائے گی اور اگر ساتواں آدمی عیسائی ہو یا کوئی محض گوشت کے لئے حصہ دار ہو تو کسی
کی قربانی نہ ہو گی، وجہ یہ ہے کہ گائے سات آدمیوں کی طرف سے جائز ہے، بشرطیکہ سب کی نیت قربت الٰہی
کی ہو اگرچہ ان کی نیتیں مختلف ہوں، کوئی قربانی کرے، کوئی تمتع یا قران کی وجہ سے حصہ دار ہو کیونکہ مقصود سب
کا قربت خداوندی ہے، اور قربانی غیر کی طرف سے جائز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی امت کی
طرف سے قربانی کی ہے، اور عیسائی یا گوشت شریک قربت خداوندی کے لئے شریک نہیں ہوئے، جب قربانی
کا کچھ حصہ قربت کے لئے نہ ہوا تو ساری قربانی نہیں ہو گی، اور میت کی طرف سے قربانی کا جواز استحسان ہے قیاس
یہ کہتا ہے کہ یہ جائز نہ ہو، اور ابو یوسف اسی کے قائل ہیں، کیونکہ یہ نیکی ہے، اور اس میں مال کا نقصان ہے، تو یہ
غیر کی طرف سے جائز نہ ہونی چاہئے، درمختار میں بھی ایسا ہی ہے، اور لکھا ہے کہ غیر کی طرف سے قربانی کی ہو تو اس کا
حکم بھی وہی ہے، جو اپنی قربانی کا ہے، یعنی اس کا گوشت بھی اسی طرح تقسیم کرے، جس طرح اپنی قربانی کا کرے گا یعنی

العالمگیریۃ ولو اوصی ان یشتری بقرۃ بجمیع مالہ ویضحی بہا عنہ فرات ولم تجز الورثۃ فالوصیۃ جائزۃ بالثلث بلا خلاف ویشتری بالثلث شاۃ ویضحی بہا عنہ ولو اوصی ان یشتری بقرۃ بعشرین درہما من مالہ ویضحی بہا عنہ فمات وثلث مالہ اقل من عشرین فانہ یضحی عنہ فی مذہبنا بما بلغت کذا فی الذخیرۃ انتہی وہکذا فی غیرہا من کتب الفقہ۔ یہ احادیث مذکورہ اور روایات فقہیہ جواز قربانی از طرف میت پر صاف دلالت کرتی ہیں۔ کما لا یخفی علی من لہ ادنی درایۃ فی الفقہ والروایۃ واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب فقط۔ المجیب العبد المعیب الراجی فضل رب الثقلین ابو الخیر محمد انور حسین ابن السید محمد عنایت حسین المولوی المونگیری صانہما اللہ تعالیٰ عن موبقات الدارین

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ در قربانی گاؤ یا شتر ہفت آدم شریک میشوند ویک کس ازاں یک حصہ خود و دو حصہ از طرف والدین دراں قربانی ارادہ نمودہ قربانی کند جائز خواہد بود از طرف والدین یا نے بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جائز است چنانچہ در کتب فقہ مذکور است وان مات احد السبعۃ المشترکین فی البدنۃ وقال الورثۃ اذبحوا عنہ وعنکم صح عن الکل استحسانا لقصد القربۃ من الکل کذا فی الدر المختار۔ قال المصنف والتضحیۃ عن الغیر عرفت قربۃ لانہ علیہ السلام والصلوۃ ضحی عن امتہ کذا فی الطحطاوی وہکذا فی

اجر میت کو ہوگا، اور قربانی ملک ذبح کرنے والے کی ہوگی، عالمگیری میں ہے، کہ اگر وصیت کر جائے کہ میرے تمام مال سے گائے خرید کر قربانی کردیں، اور وارثا اس کی اجازت نہ دیں، تو تہائی سے خریدی جائے، اگر اس کی نہ آئے تو بکری خرید کر ذبح کردی جائے، اگر بیس روپے کی گائے کی وصیت کرے اور اس کا تہائی مال بیس روپے سے کم ہو تو جتنا مال تہائی ہو اس کی خریدلی جائے۔

سوال:۔ گائے یا اونٹ کی قربانی میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں، اگر ان میں سے ایک آدمی ایک حصہ تو اپنا رکھے، اور دو حصے اپنے مردہ والدین کی طرف سے تو یہ قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ جائز ہے، کتب فقہ میں مذکور ہے، اگر اونٹ یا گائے کے سات حصہ داروں میں سے کوئی مرجائے، اور وارث کہیں کہ اپنے اور اس کی طرف سے ذبح کرو، تو سب کی طرف سے قربانی جائز ہوگی کیوں کہ نیت سب کی تقرب خداوندی ہے، اور غیر کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الهداية وغيرها من كتب الفقه والحديث۔ والله اعلم بالصواب

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین
محمد قطب الدین
نوازش علی
محمد صدر الدین

سوال: احکام قربانی کے کیا کیا ہیں تفصیلاً بیان فرمادیں؟

الجواب: اضحیہ یعنی قربانی میں اختلاف ہے، کہ واجب ہے یا سنت مؤکدہ، مگر مذہب صحیح وتحقیق یہی ہے، کہ سنت مؤکدہ ہے، اور یہی مذہب ہے جمہور کا، اور بخاری نے ایک باب اس کی سنیت کا منعقد کیا ہے، اور یہی دلائل اس کی سنیت پر ہیں بخوف تطویل اختصار کیا، واجب نہیں ہے، کیونکہ وجوب پر کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ کسی صحابی سے وجوب منقول ہے، اور حدیث جو ابن ماجہ میں ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص باوجود قدرت کے قربانی نہ کرے، وہ ہمارے مصلے میں نہ حاضر ہو۔ عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا رواه ابن ماجه۔ اول تو اس کے مرفوع ہونے میں اختلاف ہے، اصوب یہی ہے، کہ موقوف ہے، دوسرے اس سے وجوب نہیں نکلتا بلکہ تاکید نکلتی ہے، جیسا کہ کچے پیاز وغیرہ کے کھانے میں فرمایا، کہ مسجد میں کھا کر نہ آؤ، حالانکہ بالاتفاق اس سے حرمت نہیں نکلتی اسی واسطے حضرت سے حلت ثابت ہے، کما لا يخفى على من له فهم سليم، اور سنیت دلائل سے ثابت ہے جن کی تفصیل یہاں اختصاراً نہیں کی گئی۔ قال الحافظ ابن حجر فی فتح الباری وكانه ترجم بالسنة اشارة الى مخالفة من قال بوجوبها قال ابن حزم لا يصح عن احد من الصحابة انها واجبة وصح انها غير واجبة عن الجمهور وعن محمد بن الحسن هي سنة غير مرخصة فى تركها وقال الطحاوي وبه ناخذ وليس فى الآثار ما يدل على وجوبها انتهى واقرب ما يتمسك به للوجوب حديث ابى هريرة رفعه من وجد سعة فلم يضح فلا يقربن مصلانا اخرجه ابن ماجه واحمد ورجاله ثقات

نے اپنی امت کی طرف سے قربانی کی ۱۲ لے ابن حجر نے فتح الباری میں کہا، کہ قربانی کو سنت کہہ کر ان لوگوں کی مخالفت کی ہے، جو اس کو واجب کہتے ہیں، ابن حزم نے کہا کوئی صحابی بھی وجوب کا قائل نہیں ہے اور جمہور اس کو غیر واجب کہتے ہیں، محمد بن حسن نے کہا یہ سنت ہے لیکن چھوڑنا نہ چاہیے طحاوی نے کہا، ہمارا یہی مذہب ہے، اور کوئی حدیث اس کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی، زیادہ سے زیادہ ابو ہریرہ کی حدیث ہے، کہ جس کو طاقت ہو اور

لکن اختلف فی رفعہ ووقفہ والموقوف اشبہ بالصواب۔ قال الطحاوی وغیرہ ومع ذلک فلیس صریحا فی الایجاب انتہی ملخصا اور اس کے لیے صاحب نصاب زکوۃ ہونا بھی شرط نہیں، کیونکہ کوئی دلیل اس شرط پر نہیں ہے بلکہ صرف استطاعت یعنی قدرت ہونی چاہیے، جیسا کہ حدیث ابو ہریرہ رض مذکور میں ہے کما لا یخفی، اور اقامت یعنی مسافر نہ ہونا بھی شرط نہیں ہے، کیونکہ اس پر بھی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ دلیل سے اس کا خلاف ثابت ہے کہ بخاری نے مسافر کی قربانی کرنے کا ایک باب منعقد کیا ہے اور اس میں حدیث لایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر مکہ میں قربانی کی۔ باب الاضحیۃ للمسافر والنساء، فیہ اشارۃ الی خلاف من قال ان المسافر لا اضحیۃ علیہ انتہی ما فی فتح الباری اسی سے صراحۃ مستفاد ہوتا ہے، کہ اقامت شرط نہیں ہے کما لا یخفی، اور مذہب حنفی میں واجب ہے، صاحب نصاب زکوۃ پر جیسا کہ صدقہ فطر میں بشرطیکہ مسافر نہ ہو، الاضحیۃ واجبۃ علی کل مسلم مقیم موسر فی یوم الاضحی علی نفسہ وعن ولدہ الصغار ولنا ما روینا من اعتبار السعۃ ومقدارہ ما یجب بہ صدقۃ الفطر انتہی ما فی الہدایۃ ملخصا بقدر الحاجۃ۔ اور جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ رکھے اس کو چاہیے، کہ جب سے ذی الحجہ کا چاند دیکھے، تب سے قربانی تک سر و ریش کا بال و ناخن نہ لے۔ عن ام سلمۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رأیتم ہلال ذی الحجۃ واراد احدکم ان یضحی فلیمسک عن شعرہ واظفارہ رواہ الجماعۃ الا البخاری کذا فی منتقی الاخبار۔ اور وقت اس کا بعد نماز کے ہے قبل نماز کے جائز نہیں، اور اگر کوئی قبل نماز کے کرے گا، تو صحیح نہ ہوگا، دوسرا کرنا ہوگا، کیونکہ بخاری میں روایت ہے، کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنت یہ ہے، کہ پہلے نماز پڑھے، پھر قربانی کرے، اور جس نے پہلے نماز کے قربانی کی، اس کی قربانی صحیح نہ ہوئی، وہ اس کے کھانے کا گوشت ہے، دوسری قربانی

قربانی نہ کرے، تو وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے رواہ ابن ماجہ، احمد، لیکن اس کے مرفوع یا موقوف ہونے میں اختلاف ہے اور اس کا موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے، اور پھر یہ وجوب میں صریح بھی نہیں ہے ۱۲

سلہ مسافر کی قربانی کا باب باندھ کر ان لوگوں کا رد کیا ہے، جو کہتے ہیں کہ مسافر پر قربانی نہیں ہے ۱۲

سلہ قربانی واجب ہے ہر ایک مسلمان مقیم، دولت مند پر اضحی کے دن اپنے نفس سے بھی اور اپنے بچوں اور عورتوں کی طرف سے بھی کیونکہ ہمیں اتنی دولت مندی کی روایت پہنچی ہے جس سے صدقہ فطر واجب ہو جاتا ہے ۱۲

کرے۔ عن البراء قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اول ما نبدأ فی یومنا هذا ان نصلی ثم نرجع فننحر من فعله فقد اصاب سنتنا ومن ذبح قبل فانما هو لحم قدمه لاهله لیس من النسك فی شیء الحدیث رواہ البخاری۔ اور حنفی مذہب میں بھی یہی وقت ہے، مگر دیہاتی لوگوں کے لئے وقت الاضحیۃ یدخل بطلوع الفجر من یوم النحر الا انه لا یجوز لاهل الامصار الذبح حتی یصلی الامام العید فاما اهل السواد فیذبحون بعد الفجر کذا فی الهدایۃ، اور مسن بکری کا ایک سال یعنی ایک سال پورا اور دوسرا شروع اور گائے اور بھینس کا دو سال یعنی دو سال پورے اور تیسرا شروع اور اونٹ کا پانچ سال اور چھٹا شروع ہونا چاہیئے اور بھیڑ ایک سال سے کم کی بھی جائز ہے، بشرطیکہ اس کے کہ خوب موٹی اور تازی ہو کہ سال بھر کی معلوم ہوتی ہو، اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے، کہ سال سے کم کی قربانی نہ کرو، اور ضرورت کے وقت بھیڑ کا جذعہ کر لو، عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجوز الا مسنة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضان رواہ الجماعة الا البخاری کذا فی منتقی الاخبار اور مسنہ ہر جانور میں سے ثنی کو کہتے ہیں، اور ثنی کہتے ہیں بکری میں سے جو ایک سال کا ہو اور دوسرا شروع، اور گائے بھینس میں جو دو سال کی ہو تیسرا شروع، اور اونٹ کا جو پانچ سال کا ہو اور چھٹا شروع ہو، قوله الا مسنة قال العلماء المسنة هی الثنیة من کل شیء من الابل والبقر والغنم انتهی، مافی نیل الاوطار والثنی من الشاة ما دخل فی السنة الثانیة کذا فی مفردات القرآن للامام الراغب القاسم الحسین وهو المقدم علی الغزالی والقاضی ناصر الدین البیضاوی۔ منتہی الارب میں ہے ثنی کغنی شتر در سال ششم در آمدہ انتہی،

ل۱ قربانی کا وقت یوم النحر کی فجر طلوع ہونے سے شروع ہو جاتا ہے، لیکن شہر والے اس وقت تک قربانی ذبح نہ کریں جب تک کہ عید کی نماز نہ پڑھی جائے، اور دیہات والے فجر کے بعد ذبح کر سکتے ہیں ۱۲

ل۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قربانی میں مسنہ کے سوا جانور جائز نہیں ہے، اگر نہ مل سکے تو بھیڑ کا جذعہ ذبح کر لو (منتقی الاخبار)

ل۳ علماء نے کہا مسنہ وہ ہے، جس کے سامنے کے دو دانت بدل چکے ہوں، خواہ اونٹ ہو یا گائے یا بکری، بکری کا مسنہ وہ ہے، جو دوسرے سال میں لگا ہو ۱۲

ل۴ بھیڑ اور بکری کا مسنہ وہ ہے، جو ایک سال کا ہو، اور گائے سے وہ ہے جو دو سال کا ہو، اور اونٹ سے جو پانچ سال کا ہو، بھینس گائے کے حکم میں ہے ۱۲

والثنی منہا ومن المعز ابن سنۃ ومن البقر ابن سنتین ومن الابل ابن خمس سنین ویدخل فی البقر الجاموس لانہ من جنسہ انتہی ما فی الھدایۃ۔ اور جذعہ بھیڑ میں سے اس کو کہتے ہیں، جو سال سے کم ہو۔ الجذع من الضان ما تمت لہ ستۃ اشہر فی مذھب الفقہاء وذکر الزعفرانی رحمۃ اللہ علیہ انہ ابن سبعۃ اشہر انتہی ما فی الھدایۃ۔ مگر بشرط مذکور قالوا ھذا اذا کانت عظیمۃ بحیث لو خلط بالثنایا یشتبہ علی الناظر من بعید انتہی ما فی الھدایۃ۔ اور شرط یہ ہے، کہ جانور قربانی اتنے عیوب سے خالی ہو۔ اول یہ کہ اس کا سینگ آدھا یا آدھے سے زیادہ کٹا نہ ہو، دوسرے اسی طرح کان کٹا نہ ہو، تیسرے کانا یا اندھا نہ ہو، چوتھے یہ کہ ظاہر لنگڑا نہ ہو، پانچویں یہ کہ بہت بیمار نہ ہو، چھٹے یہ کہ اتنا بوڑھا نہ ہو کہ اس کی ہڈی کا گودا باقی نہ رہا ہو، ساتویں یہ کہ اس کا کان پھٹا نہ ہو، عن علی علیہ السلام قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یضحی باعضب القرن والاذن قال قتادۃ فذکرت لسعید بن مسیب فقال العضب النصف فاکثر من ذلک رواہ الخمسۃ وصححہ الترمذی ولکن ابن ماجہ لم یذکر قول قتادۃ الی اخرہ وعن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع لا یجوز فی الاضاحی العوراء البین عورھا والمریضۃ البین مرضھا والعرجاء البین ضلعھا والکسیر التی لا تنقی رواہ الخمسۃ وصححہ الترمذی کذا فی منتقی الاخبار وعن علی رضی اللہ عنہ قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نستشرف العین والاذن وان لا نضحی بمقابلۃ ولا مدابرۃ ولا شرقاء ولا خرقاء رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی وابن ماجہ وانتہت روایتہ الی قولہ والاذن کذا فی المشکوۃ۔ اور حنفی مذہب میں بھی ان سب عیوب سے خالی ہونا چاہیے

لہ بھیڑ اور بکری سے مسنہ وہ ہے، جو ایک سال کا ہو اور گائے سے وہ ہے جو دو سال کا ہو اور اونٹ سے جو پانچ سال کا ہو، اور بھینس گائے کے حکم میں ہے ۱۲ لہ بھیڑ کا جذعہ وہ ہے، جو چھ یا سات ماہ کا ہو چکا ہو، بشرطیکہ اتنا موٹا تازہ ہو، کہ اگر اسے سال بھر کے گلہ میں کھڑا کیا جائے، تو فرق محسوس نہ ہو ۱۲ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگ اور کان کٹے ہوئے کی قربانی سے منع فرمایا ہے، سعید بن مسیب نے کہا، اگر نصف سے زیادہ کان یا سینگ موجود ہوں، تو درست ہے (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی) اور آپ نے فرمایا چار طرح کا جانور قربانی میں جائز نہیں، کانا، بیمار، لنگڑا اور بوڑھا یا کمزور جس کی یہ بیماریاں صاف ظاہر ہوں، اور آپ نے فرمایا آنکھ، کان اچھی طرح دیکھ لیا کرو، اور آگے یا پیچھے یا عرض اور طول میں کان کٹا یا پھٹا قربانی نہ کیا کرو (منتقی الاخبار)

اور سوا اس کے دم بھی اس کی نصف سے زیادہ کٹی نہ ہو، مگر یہ کہ سینگ کٹے ہوں یا کان پھٹا، یہ حنفی مذہب میں عیب نہیں ہے، اور کان آدھے سے زیادہ کٹا ہو تب عیب ہے، ورنہ نہیں، ولا یضحی بالعمیاء والعوراء والعرجاء التی لا تمشی الی المنسك ولا العجفاء ولا تجزی مقطوعة الاذن والذنب ولا التی ذهب اکثر اذنها وذنبها وان بقی اکثر الاذن والذنب جاز ویجوز ان یضحی بالجماء انتہی ما فی الهدایة، اور یہ عیوب جب معتبر ہیں، کہ وقت خریدنے کے موجود ہوں، اور جب وقت خریدنے کے جمیع عیوب مذکورہ سے مبرا تھا، اور بہ نیت قربانی کے جمیع عیوب سے سالم خرید لیا، تب کوئی نیا عیب حادث ہوا، تو اس کی قربانی صحیح ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ عن ابی سعید رض قال اشتریت کبشا اضحی به فعدی الذئب فاخذ الالیة قال فسألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ضح به رواه احمد وهو دلیل علی ان العیب الحادث بعد التعیین لا یضر انتہی کذا فی المنتقی، اور حنفی مذہب میں امیر تو دوسری بدلے، اور غریب کے لئے وہی صحیح و کافی ہے۔ وهذا الذی ذکرنا اذا کانت هذه العیوب قائمة وقت الشراء ولو اشتراها سلیمة ثم تعیبت بعیب مانع ان کان غنیا علیه غیرها وان کان فقیرا تجزیه هذه لان الوجوب علی الغنی بالشرع ابتداء لا بالشراء فلم تتعین به وعلی الفقیر بشرائه بنیة الاضحیة فتعینت انتہی ما فی الهدایة، اور خصی کی قربانی جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی کی قربانی کی ہے۔ عن عائشة رض قالت ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکبشین سمینین عظیمین املحین اقرنین موجوئین رواه احمد انتہی ما فی منتقی الاخبار، اور بہت سی حدیثیں اس مضمون کی آئی ہیں بخوف تطویل ایک ہی پر اکتفا کیا حنفی مذہب میں بھی ہے۔ ویجوز ان یضحی بالجماء والخصی لان لحمها اطیب وقد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه ضحی بکبشین املحین موجوئین انتہی ما فی الهدایة

---

۱ اندھا، کانا، لنگڑا جانور قربانی میں ذبح نہ کیا جائے، جو چل بھی نہ سکتا ہو، کان اور دم کٹا نہ ہو، اگر ان کا اکثر حصہ کٹا ہوا ہو، تو جائز نہیں ہے، اور اگر اکثر حصہ موجود ہو، تو جائز ہے"

۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے، بڑے موٹے، بڑے قد آور، سیاہ آنکھ، سینگدار خصی ذبح کئے"

۳ اور قربانی میں خصی جانور جائز ہے، کیونکہ اس کا گوشت زیادہ مزے دار ہو جاتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خصی مینڈھے قربانی میں ذبح کئے"

ملخصا بقدر الحاجۃ۔ اور قربانی میں سے ازروئے قرآن و حدیث کے خود کھاوے اور فقیروں محتاجوں کو کھلائے کوئی تقید نہیں، کہ کس قدر کھاوے، اور کس قدر فقیروں کو دے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے کلوا منھا واطعموا القانع والمعتر۔ ترجمہ، کھاؤ ان میں سے اور کھلاؤ بے سوال فقیر اور سوال کرنے والوں کو، اور حنفی مذہب میں مستحب ہے، کہ تہائی فقیروں، محتاجوں کو دے، یاکل[1] من لحم الاضحیۃ ویطعم الاغنیاء والفقراء ویدخر ویستحب ان لا ینقص الصدقۃ عن الثلث انتھی مافی الھدایۃ ملخصا۔ اور قصاب کی اجرت قربانی سے نہ دے، اپنے پاس سے علیحدہ دے۔ عن علی قال بعثنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقمت علی البدن فامرنی فقسمت لحومھا ثم امرنی فقسمت جلالھا وجلودھا وقال سفیان حدثنی عبد الکریم عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن علی رض قال امرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اقوم علی البدن ولا اعطی منھا شیئا فی جزارتھا رواہ البخاری (ترجمہ) حضرت علی رض سے روایت ہے، کہ فرمایا آپ نے بھیجا مجھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پس کھڑا ہوا میں قربانیوں پر پس حکم کیا مجھ کو پس تقسیم کیا میں نے گوشت ان کا پھر حکم کیا مجھ کو پس تقسیم کی میں نے جھولیں ان کی اور چمڑے ان کے، اور سفیان رحمہ اللہ نے کہا، حدیث سنائی مجھ کو عبد الکریم نے مجاہد سے، اور اس نے عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، فرمایا حضرت علی رض نے حکم کیا مجھ کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہ کھڑا ہوں میں قربانیوں پر اور نہ دوں ان سے قصائی کی اجرت میں کچھ، اور قربانی کے چمڑوں کو یا تو صدقہ کر دے (جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا سے ظاہر ہے) یا اس سے کوئی چیز استعمال کی مثل مشک، ڈول وغیرہ کے بنا لے بیچے نہیں، جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا سے ظاہر ہے، اور حنفی مذہب میں بھی یہی ہے۔ ویتصدق بجلدھا لانہ جزء منھا او یعمل منھا الۃ یستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال وغیرھا انتھی مافی الھدایۃ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ العاجز المھین محمد یس الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی عفی عنہ۔ محمد عبد الحمید غفر اللہ عنہ

---

[1] قربانی کے گوشت میں سے خود بھی کھائے اغنیاء اور فقراء کو بھی کھلائے، ذخیرہ بھی کرے، اور مستحب ہے، کہ تیسرے حصے سے کم فقراء میں تقسیم نہ کرے (بخاری) [2] اس کی کھال کو صدقہ کر دے، کیونکہ وہ بھی قربانی کا حصہ ہے اور اس سے گھر کے استعمال کی چیزیں بنا سکتا ہے، مثلاً مشک، تھیلا، چھلنی وغیرہ ۱۲

محمد عبید اللہ مصنف تحفۃ الہند | فقیر محمد عبد الحق | امیر الدین ۱۳۰۱

خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبد الوہاب ۱۳۰۰

یہ جواب صحیح ہے
حررہ ابو العلی محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

نعم الجواب :۔ ابو القاسم محمد عبد الرحمن عفی عنہ | محمد طاہر ۱۳۰۰

خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین | سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹

سید محمد نذیر حسین

سوال :۔ دعوے قربانی گائے کے جواب میں ہنود نے اپنا یہ بیان پیش کیا ہے کہ قرآن شریف میں اس فعل کی اجازت نہیں، نہ یاد مذہب مدعی کی اور قرآن شریف کے ہے، کتاب مذکور میں قربانی گائے کی ہدایت نہیں ہے، مدعی خلاف اس کے بحیلہ مذہب بغرض دل دکھانے مذہب ہنود کے، کہ جس کے دھرم شاستر میں سخت ممانعت ہے، یہ فعل خلاف استحقاق کرنا چاہتا ہے، فقط چونکہ یہ بیان ان کا متعلق قرآن شریف مسائل مذہب کے ہے، لہذا علما کی خدمت میں استفسار ہے، کہ یہ بیان ہنود صحیح ہے یا غلط بینوا توجروا

الجواب :۔ بیان ہنود سراسر غلط ہے، ہم مسلمانوں کی آسمانی کتاب قرآن مجید اور ہمارے سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے قربانی گائے کی اجازت بخوبی ثابت ہے (۱) اللہ تعالی قرآن مجید کے سترھویں پارے بائیسویں سورہ حج کے پانچویں رکوع میں فرماتا ہے۔ والبدن جعلناها لكم من شعائر الله لكم فيها خير فاذكروا اسم الله عليه صواف فاذا وجبت جنوبها فكلوا منها واطعموا القانع والمعتر كذلك سخرناها لكم لعلكم تشكرون (ترجمہ) اور قربانی کے ڈیل دار جانوروں کو کیا ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں سے تمہارے لئے ان میں بھلائی ہے، تو اللہ کا نام لو ان پر کھڑے ہوئے، پھر جب گر جائیں کروٹیں ان کی تو خود کھاؤ ان میں سے اور کھلاؤ صبر سے بیٹھنے والے اور مانگنے والوں کو، یوں ہی تمہارے بس میں کر دیا ہے ہم نے ان جانوروں کو تاکہ تم احسان مانو" قربانی کے ڈیل دار جانور اونٹ اور گائے ہے، تفسیر قادری جو ہنود کے ایک معزز رئیس منشی نولکشور سی، آئی، ای نے اپنی فرمائش سے منجانب مطبع تصنیف کرائی اور داخل رجسٹری کرا کر اپنے مطبع میں چھ بار چھاپی، اور بیچی اس کی جلد دوم سطر اخیر صفحہ ۷۹ و سطر اول صفحہ ۸۰ میں آیت کے ان لفظوں کا ترجمہ یوں لکھا والبدن اور اونٹ اور گائے

جو قربانی کے واسطے ہانکے لئے جاتے ہیں جعلنا ھا لکم کر دیا ہم نے انہیں یعنی ان کے ذبح کو تمہارے واسطے من شعائر اللہ دین الٰہی کے نشانوں میں سے، اور بے شک ہم حنفی مذہب والوں کے تینوں امام یعنی امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہم اور ان کے سب پیروؤں کا یہی مذہب ہے، کہ بدنہ یعنی قربانی کے ڈیل دار جانور میں اونٹ اور گائے دونوں داخل ہیں، انہیں اماموں کا مذہب ہندوستان کے تمام شہروں میں جاری ہے، اور یہاں انہیں کے مذہب پر فتوے وعمل ہوتا ہے، ہدایہ، اور مختار قاضی خاں، عالمگیری وغیرہ مشہور کتابیں اسی مذہب کی ہیں، در مختار مطبع ہاشمی جلد ۲ صفحہ ۵۸۴ سطرا میں ہے۔ البدنۃ ھی الابل والبقر سمیت بہ لضخامتھا (ترجمہ) بدنہ اونٹ اور گائے ہے ان کے ڈیل دار ہونے کے سبب ان کا یہ نام ہوا، ہدایہ مطبع مصطفائی جلد اول صفحہ ۲۳۷ میں ہے والبدن من الابل والبقر الخ وفیہ ایضا ان البدنۃ تنبئی عن البدانۃ وھی الضخامۃ انتہی مختصرا (ترجمہ) بدن اونٹ اور گائے سے الخ تحقیق بدنہ بدانت سے خبر دیتا ہے اور وہ ضخامت ہے یعنی ڈیل دار ہونا، فتاوی عالمگیری مطبع احمدی جلد اول صفحہ ۴۹ میں ہے البدنۃ من الابل والبقر (ترجمہ) بدنہ اونٹ اور گائے دونوں سے ثابت ہے اور یہ مضمون حدیث سے بھی ثابت ہے، کہ عنقریب مذکور ہوگا

(۲) ولکل امۃ جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام (ترجمہ) اور ہر گروہ کے لئے ہم نے مقرر کر دی قربانی کہ اللہ کا نام لیں چوپاؤں کے ذبح پر جو اللہ نے انہیں دیئے، یہاں فرمایا کہ چوپاؤں کو اللہ تعالیٰ نے قربانی کے لئے بنایا ہے اور آٹھویں پارہ، چھٹی سورت، سورہ انعام کے سترھویں رکوع میں چوپاؤں کی تفصیل یہ بیان فرمائی ہے ثمانیۃ ازواج من الضان اثنین ومن المعز اثنین (الی قولہ تعالیٰ) ومن الابل اثنین ومن البقر اثنین قل آلذکرین حرم ام الانثیین اما اشتملت علیہ ارحام الانثیین (ترجمہ) چوپائے آٹھ نر و مادہ ہیں، بھیڑ سے دو اور بکری سے دو اور اونٹ سے دو اور گائے سے دو، تو کہہ کیا اللہ نے دونوں نر حرام کئے ہیں، یا دونوں مادہ، یا وہ جسے اپنے پیٹ میں رکھا دونوں مادہ نے، ان آیتوں سے صاف معلوم ہوا کہ اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ سب کی قربانی اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے، اس لئے تفسیر مذکور فرمائیے منشی نولکشور کی جلد مسطور صفحہ ۸۷ سطر ۱۱ و ۱۲ میں چوپاؤں پر اللہ کا نام لینے کی تفسیر میں لکھا ہے، بے زبان چار پایوں میں سے

یعنی اونٹ، گائے، بکرا اس سے قربانی مراد ہے، کہ خدا کے نام پر ذبح کریں، اور پچھلی آیت سے یہ بھی کھل گیا کہ گائے، بیل، بچھیا، بچھڑا سب کا کھانا حلال ہے، جس کی حلت قرآن شریف میں صراحتہً مذکور ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے پہلے پارے، دوسری سورت، سورہ بقرہ کے آٹھویں رکوع میں فرماتا ہے۔ واذ قال موسیٰ لقومہ ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ (ترجمہ) اور جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے بے شک اللہ تمہیں حکم فرماتا ہے، کہ گائے ذبح کرو، اور ساتویں پارے چھٹی سورت، سورہ انعام کے دسویں رکوع میں موسیٰ و ہارون وغیرہما انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کر کے مسلمانوں کو حکم دیتا ہے اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ (ترجمہ) یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ٹھیک راستہ پر چلایا، تو تو انہیں کی راہ چل، اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اگلے انبیاء کی شریعت میں جو کچھ تھا، وہی ہمارے لئے بھی ہے، جب تک ہماری شریعت اسے منسوخ نہ فرمادے، تو گائے کی قربانی کرنے کی اجازت یوں بھی ثابت ہوئی، اور یہ بھی معلوم ہوا، کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے گائے کا ذبح کیا جانا آج کا نہیں، بلکہ اگلی شریعتوں سے چلا آتا ہے، تفسیر مذکور فرمائشی لوکشو جلد اول کے صفحہ ۱۱ سطر اخیر و صفحہ ۱۰ سطر اول میں اس حکم الٰہی ذبح گائے کی حکمت یوں لکھی، اس کے ذبح کرنے میں نکتہ یہ تھا، کہ گوسالہ پرستوں کی سرزنش ہوا انہیں دکھا دیا، کہ جسے تم نے پوجا، وہ ذبح کرنے کے قابل ہے، عبادت اور مدح کے لائق نہیں۔

(۴) ان سب کے علاوہ اگر فرض کیجیے، کہ قرآن مجید میں اگر گائے اور قربانی کا نام تک نہ آیا ہوتا، جب بھی گائے کی قربانی قرآن مجید سے بخوبی ثابت تھی، قرآن مجید نے مذہب اسلام کی بنیاد صرف انہیں احکام پر نہیں رکھی جن کا خاص خاص بیان قرآن مجید میں آچکا، بلکہ خود قرآن مجید نے اپنے احکام اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات دونوں پر بنائے اسلام رکھی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا (ترجمہ) جو کچھ رسول تم کو دے، وہ لو، اور جس سے روکے اس سے بچو، اور فرماتا ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (ترجمہ) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور فرماتا ہے۔ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ (ترجمہ) یہ نبی اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا، وہ تو صرف خدا کا حکم ہے، جو اسے بھیجا جاتا ہے، اور

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود گائے کی قربانی کی ہے، اور مسلمانوں کو ایک ایک گائے کی قربانی میں سات سات آدمیوں کے شریک ہونے کا حکم فرمایا، مذہب اسلام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی چھ کتابیں سب سے زیادہ مشہور و مستند ہیں جنہیں صحاح ستہ کہتے ہیں، ان سب کتابوں میں یہ مضمون صراحۃً موجود ہے، صحیح بخاری شریف میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ انہوں نے فرمایا ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نسائہ بالبقر (ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی، صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابوداؤد میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، کہ امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نشترک فی الابل والبقر کل سبعۃ منا فی بدنۃ (ترجمہ) ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، کہ اونٹ اور گائے ہر بدنہ میں سات سات آدمی شریک ہو جائیں، صحیح مسلم شریف میں انہیں سے روایت ہے اشترکنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الحج والعمرۃ کل سبعۃ منا فی بدنۃ فقال رجل لجابر ایشترک فی بدنۃ ما یشترک فی الجزور قال ماھی الا من البدن وحضر جابر الحدیبیۃ قال نحرنا یومئذ سبعین بدنۃ اشترکنا کل سبعۃ فی بدنۃ اور ترمذی و نسائی و ابن ماجہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فحضر الاضحی فذبحنا البقرۃ عن سبعۃ (ترجمہ) ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، کہ بقر عید آئی، تو ہم نے سات آدمیوں کی طرف سے ایک گائے ذبح کی سبحان اللہ جو کام خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، اور ہمیں اس کا حکم دیا، اسے مذہب اسلام کے خلاف جاننا یا مذہب اسلام میں اس کی اجازت و ہدایت نہ ماننا کیسی کھلی ہٹ دھرمی ہے۔

(۵) اس بیان میں ایک بڑی ناانصافی یہ ہے، کہ ہمارے تو صرف کتاب آسمانی سے ثبوت چاہا جو ہم روشن طور پر ادا کر چکے، اور اپنے لئے شاستر کا دامن پکڑا، وید کا نام کیوں نہ لیا جسے اپنے نزدیک کتاب آسمانی بتاتے ہیں، اگر سچے ہیں، تو اب وید اپنے سے گائے کی قربانی کی ممانعت ثابت کریں، اور شاستر کو جائے مذہب رکھتے ہیں، تو ہماری بھی کتب فقہ کو جائے مذہب جانیں، ہدایہ، در مختار، قاضی خان، عالمگیری وغیرہا ہزار دو ہزار جس قدر

کتابیں چاہیں دیکھ لیں جن میں قربانی کا باب مذکور ہے، ان سب میں قربانی گائے نہایت صریح طور پر مسطور ہے، تو اسے خلاف مذہب بتانا صریح دھوکا دینا ہے۔

(۶) یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے، کہ اس بیان ہنود نے خوب ثابت کر دیا، کہ مورتی پوجن، اور بتوں کے آگے گھنٹا بجانا، سنکھ پھونکنا، دیوتا پر پانی ٹپکانا، ہولی دیوالی وغیرہ وغیرہ صدہا باتیں کہ ہنود نے اپنی اپنی مذہبی ٹھہرا رکھی ہیں، جن کا ذکر ان کے وید میں کہیں نہیں، سب ان کے خلاف مذہب ہیں، کہ جس کتاب پر بنیاد مذہب ہنود ہے، اس کا پتہ نہیں دیتے پچھلے ہنود نے محض برائے حیلہ انہیں مذہبی بنا رکھا ہے۔

(۷) سب سے زاید یہ ہے، کہ وید جس پر مذہب ہنود کی بنا ہے، خود صاف صاف قربانی گائے کی اجازت دے رہا ہے، اخبار پائینر صفحہ ۷ کالم ۴ مطبوعہ ۱۱ اپریل ۱۸۹۴ء میں ایک مضمون چھپا ہے، کہ "ہندوستان قدیم میں گائے کی قربانی" اس میں وید سے نقل کیا ہے" اے اگنی یہ پاک نذر صدق دل سے راگ کی صورت میں تیرے حضور پیش کرتے ہیں، اور تسلا ہے، کہ یہ سانڈ اور گنیاں تجھے پسند آویں رگ وید ۶، ۱۶، ۴۷، میں تہ دل سے سونا کا عرق پینے والی اگنی خالق کی جسے گھوڑے اور سانڈ اور بیل گنیاں اور منت کے مینڈھے چڑھائے جاتے ہیں ستائش کروں گا رگ وید ۱، ۹۱، ۱۴، اسی اخبار میں برہمنہ پران اور ستیارتھ پرکاش اور ترتیا براہمن جلد ۲ باب ۸، اور منو کی ساتھ ہتی ۵: ۴۱ وغیرہا کتب مذہب ہنود سے ہندوؤں کا گائیں ذبح کرنا بخوبی ثابت کیا ہے، اسی طرح یہ امر مہابھارت وغیرہ سے بھی ثابت ہے، فیصلہ ہائیکورٹ مقدمہ قربانی نمبری ۷ ۱۸۶ء میں تاریخ ہنود زمانہ ہیں سے حکام ہائیکورٹ نے ثابت کیا ہے، کہ اگلے ہندو اپنے دینی رسوم میں گئومیدہ یعنی گائے کی قربانی کیا کرتے تھے، اور متقدمین حکماء نے اس کی تاکید کی تھی تو ثابت ہوا کہ ہنود اپنے وید اور مذہبی کتابوں اور اگلے پیشواؤں سب کے خلاف بحیلہ مذہب صرف بغرض دل دکھانے مسلمانوں کے جن کے مذہب میں قربانی گائے کی صاف صریح اجازت ہے امر مذہبی میں یہ مزاحمت بے جا خلاف استحقاق کرنا چاہتے ہیں، جس کا عقلاً عرفاً قانوناً کسی طرح اختیار نہیں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عز شانہ احکم۔

جواب بہت درست ہے، عنایت علی عفا اللہ عنہ۔

جواب صحیح ہے، محمد منفعت علی عفی عنہ مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند | محمد منفعت علی |

جواب صحیح ہے۔ خلیل احمد عفی عنہ، مدرس مدرسہ عربیہ، دیوبند،

فی الواقع قربانی گائے کی کتاب وسنت سے ثابت ہے، محمد اشرف علی عفی عنہ

الجواب صحیح۔ غلام رسول عفی عنہ۔ [از گروہ اولیاء اشرف علی]

اصاب من اجاب۔ ابو الحسن عبدہ محمد امین الدین عفی عنہ [لاشک فیہ محمد امین است]

قربانی گائے کی قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، جواب مجیب احق

صریح ہے، اور بیان ہنود غلط، واللہ اعلم بالصواب، العبد عزیز الرحمٰن دیوبندی عفی عنہ

یہ جواب قرآن وحدیث کے سراسر مطابق اور [وتوکل علی العزیز الرحیم]

مذہب اہل اسلام کے بلا تامل موافق ہے، فقط۔ العبد محمود حسن عفی عنہ دیوبندی

یہ سب بیانات اصول اسلام یعنی قرآن مجید [محمود حسن]

اور احادیث شریف اور کتب فقہ کے موافق ہیں، اس میں کوئی مبالغہ یا خلاف کتاب بات

نہیں ہے۔ فقط حررہ محمد ناظر حسن عفی عنہ دیوبندی [محمد ناظر حسن]

بیان ہنود محض غلط اور سراسر کذب ہے، قرآن مجید واحادیث سے بلاشبہ گائے

کی قربانی ثابت ہے، فقط حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ [سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱]

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعضے عالم بنگالہ کے کہتے

ہیں، کہ جو کوئی خصاء بہائم ماکول لحم یا غیر ماکول لحم ہو، کرے گا وہ فاسق ہے، اس سے ترک اکل

وشرب وملاقات واجب ہے، اور اس کے پیچھے نماز ناجائز، علمائے شرع برائے خدا

جواب باصواب ارشاد فرماویں، ثواب اس کا عند اللہ تعالیٰ پاویں۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ اولاً مدعی مذکور پر ثبوت پہنچانا حدیث نہی خصاء بہائم

کے بسند صحیح متصل الاسناد مطابق شرائط اہل حدیث وفقہ کے واجب ہے لان[1]

الاسناد من الدین کما فی مقدمۃ صحیح مسلم وغیرہما والمدعی مطالب بالبرہان

ثانیاً بعد ثبوت حدیث صحیح متصل الاسناد کے اس کی تعمیم میں کلام ہوگا، کہ یہ نہی خصاء کے

غیر ماکول لحم میں وارد ہے، نہ ماکول لحم میں، اب ہم قطع نظر صحت حدیث وعدم صحت سے

کرکے کہتے ہیں، کہ نہی خصاء بہائم کے ساتھ جانور غیر ماکول لحم کی خاص ہے جیسے خچر وگدھ وغیرہ

اور ماکول لحم اس نہی میں شامل نہیں بدلالت نص قرآنی کے، کیونکہ مقصود اعظم چارپایہ ماکول لحم سے

[1] کیونکہ سند دین ہے، اور مدعی سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے گا ۱۲

اکل ہے قطع نظر دیگر منافع عام سے چنانچہ خدا تعالیٰ سورت انعام میں فرماتا ہے۔ ومن[1] الانعام حمولۃ وفرشا کلوا مما رزقکم اللہ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین ثمانیۃ ازواج من الضان اثنین ومن المعز اثنین قل آلذکرین حرم ام الانثیین اما اشتملت علیہ ارحام الانثیین نبئونی بعلم ان کنتم صادقین ومن الابل اثنین ومن البقر اثنین قل آلذکرین حرم ام الانثیین اما اشتملت علیہ ارحام الانثیین۔ انتہی ما فی سورۃ الانعام۔ اور جانور ماکول میں لحم لذیذ ومرغوب فیہ اور مشتہی خصی اور موجو کا ہوتا ہے، اور اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کبش موجو کی قربانی کی (عن[2] جابر قال ذبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوئین الی اخرما رواہ احمد وابو داؤد وابن ماجہ والدارقطنی کذا فی المشکوٰۃ اور لحم تیس یعنی بوک اور فحل غیر خصی کا بدبودار اور بدمزہ ہوتا ہے چنانچہ ارباب طبائع سلیمہ اور لطیفہ پر مخفی نہیں، تو لحم تیس اور فحل غیر خصی کا جب مستلذات ومشتہات سے نہ ہوا تو مستلذات سے خارج ہوا، اور قسم خبیث ضد طیب میں داخل ہوا اور حال یہ کہ خدا تعالیٰ نے بندوں کو مستلذات کھانے کا ارشاد فرمایا، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے، کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اول سورہ مائدہ میں فرمایا احلت لکم بہیمۃ الانعام یعنے اس آیت کریمہ میں اللہ جل شانہ نے انہیں جانوروں کے اکل کا حکم فرمایا، کہ جن کے اکل کا حکم سورۃ انعام میں صادر ہوا بعد ازاں اسی سورہ مائدہ میں پھر فرمایا یسئلونک (یا محمد) ماذا احل لہم (من الطعام) قل[3] احل لکم الطیبات (المستلذات) جلالین پس اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ہر قسم کے مطعومات وماکولات مستلذات کے کھانے کا امر فرمایا اور شرح ان آیتوں کی تفسیر کبیر سے

---

[1] بعض جانور سواری کے لئے ہیں، اور بعض بار برداری کے لئے، اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ اور شیطان کے کھوجوں پر نہ جاؤ وہ تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے، آٹھ جوڑے ہیں، دو بھیڑ سے دو بکریوں سے، آپ پوچھیں کیا اس نے نر حرام کئے ہیں یا مادہ، یا جس پر مادہ کا رحم شامل ہے، اگر سچے ہو تو مجھے کسی دلیل سے بتاؤ، اور دو جوڑے اونٹوں کے ہیں، اور دو گایوں کے، آپ پوچھیں کیا اس نے نر حرام کئے ہیں، یا مادہ، یا جس پر مادہ کے رحم شامل ہیں۔

[2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے روز دو سینگدار، سیاہ آنکھ خصی مینڈھے ذبح کئے (احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ)

[3] آپ سے پوچھتے ہیں، کہ کیا کیا کھانے حلال ہیں، آپ فرمائیں، تمہارے لئے پاکیزہ اور لذیذ چیزیں حلال ہیں ۱۲

بخوبی لکھی جاتی ہے۔ قولہ تعالی یسئلونک ماذا احل لہم قل احل لکم الطیبات و
ہذا ایضا متصل بما تقدم من ذکر المطاعم والماکل المسئلۃ الثالثۃ ان العرب فی
الجاہلیۃ کانوا یحرمون اشیاء من الطیبات کالبحیرۃ والسائبۃ والوصیلۃ والحام
فہم کانوا یحکمون بکونہا طیبۃ الا انہم کانوا یحرمون اکلہا بشبہات ضعیفۃ فذکر
تعالی ان کلما یستطاب فہو حلال واکد ہذہ الآیۃ بقولہ قل من حرم زینۃ اللہ
التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق وبقولہ ویحل لہم الطیبات ویحرم علیہم
الخبائث واعلم ان الطیب فی اللغۃ ہو المستلذ والحلال الماذون فیہ یسمی ایضا طیبا
تشبیہا بما ہو مستلذ لانہما اجتمعا فی انتفاء المضرۃ فلا یمکن ان یکون المراد بالطیبات
ہہنا المحللات والا لصار تقدیر الآیۃ قل احل لکم المحللات ومعلوم ان ہذا رکیک
فوجب حمل الطیبات علی المستلذ المشتہی فصار التقدیر احل لکم ما یستلذ و
یشتہی ثم اعلم ان العبرۃ فی الاستلذاذ والاستطابۃ باہل المروۃ والاخلاق الجمیلۃ
فان اہل البادیۃ یستطیبون اکل جمیع الحیوانات ویتاکد دلالۃ ہذہ الآیۃ بقولہ
تعالی خلق لکم ما فی الارض جمیعا فہذا یقتضی التمکن من الانتفاع بکل ما فی

لہ آپ سے پوچھتے ہیں ان کے لئے کیا کچھ حلال ہے، آپ فرمائیں تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال ہیں، اور اس کا تعلق پہلے بیان شدہ مطاعم اور ماکل سے ہے تیسرا مسئلہ یہ ہے، کہ عرب جاہلیت کے زمانہ میں بعض پاکیزہ چیزوں کو بھی حرام کر لیا کرتے تھے، جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حامی وغیرہ، یہ ان کو فی نفسہ تو طیب سمجھتے تھے لیکن بعض ضعیف شبہات کی بنا پر ان کا کھانا حرام سمجھتے تھے، اللہ تعالی نے فرمایا جو چیز بھی پاکیزہ ہو گی وہ حلال ہو گی، اور اس آیت کی تائید اس آیت سے فرمائی آپ پوچھیں اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اور پاکیزہ رزق کو کس نے حرام کیا ہے، اور پھر فرمایا ان کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے، اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے، اور طیب کا معنی لغت میں لذیذ ہے، اور حلال ماذون کو بھی طیب اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ تمام اشیاء بھی لذیذ ہیں، کیونکہ دفع مضرت میں وہ دونوں برابر ہیں، اور ناممکن ہے کہ طیبات سے مراد حلال ہوں، ورنہ آیت کے الفاظ اس طرح بن جائیں گے، اس نے تمہارے لئے حلال چیزیں حلال کی ہیں، اور یہ تو ہر ایک کو سمجھ آ رہی ہے کہ ایسے الفاظ بہت رکیک ہیں، تو ضروری ہے کہ طیبات کا ترجمہ لذیذ کیا جائے، پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے، کہ لذیذ کا اعتبار مہذب اور شرفاء کے مذاق کے مطابق ہے، ورنہ جنگلی لوگ تو ہر قسم کے جانور کھا جاتے ہیں، اور اس آیت کے معنی کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے، کہ اللہ نے جو کچھ بھی زمین میں ہے تمہارے فائدے کو پیدا کیا ہے، جس سے بھی

الارض الا انہ تعالیٰ ادخل التخصیص فی ذلک العموم فقال ویحرم علیھم الخبائث ونص فی ھذہ الآیات الکثیرۃ علی اباحۃ المستلذات والطیبات فصار ھذا اصلا کبیرا وقانونا مرجوعا الیہ فی معرفتہ ما یحل ویحرم من الاطعمۃ انتھی ما فی التفسیر الکبیر بقدر الحاجۃ۔ اب دانشمندان شرع شریف غور فرماویں اس مقام میں کہ اصل غرض ومطلب تحریر آیات بینات مذکورہ بالا سے یہ ہے کہ رب العباد نے اپنے بندگان مسلمین کو اذن واجازت کھانے پینے مستلذات کی فرمائی، اور ہدایت کی، اور زیادہ تر طعام خوردنی روزمرہ عرب وعجم کا گوشت اونٹ اور بقر وغنم کا دستور العمل رہا، اور غنم اور بقر میں خاص کر گوشت خصی کا لذیذ اور بکمال مرغوب ہوتا ہے چنانچہ اہل مذاق، صافی طبع اس کو خوب جانتے ہیں، اور گوشت تیس یعنی بوک اور فحل غیر خصی کا نہایت بدبودار اور مکروہ ہوتا ہے، کیونکہ تیس میں گونہ خبث پائی جاتی ہے کہ استیفائے منافع کما حقہ اسے حاصل نہیں ہوسکتا، اسی سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو زکوٰۃ میں دینے سے منع فرمایا ہے۔ ولا یخرج فی الصدقۃ المفروضۃ ھرمۃ الکبیرۃ التی سقطت اسنانھا ولا ذات عوار بفتح العین والف بعد الواو ای معیبۃ بما ترد بہ فی البیع ولا تیس وھو فحل الغنم او مخصوص بالمعز لقولہ تعالیٰ ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون کذا فی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری للعلامۃ القسطلانی۔ غور کرو، کہ قسطلانی علیہ الرحمۃ نے تیس کو افراد خبیث میں شمار کرکے مصداق آیت کریمہ مذکورہ کا ٹھہرایا، اور عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں کہا ہے وتیس وھو غیر مرغوب فیہ لنتنہ انتہی۔ خبیث پلید، ضد طیب ونتن بوئے ناخوش صراح۔ الخبث والخبیث ما یکرہ ردآۃ وخساسۃ محسوسا کان او معقولا واصلہ الردی الجاری مجری خبث الحدید واصل الطیب ما یستلذہ الحواس وما یستلذہ النفس وطعام مطیب للنفس اذا طاب کذا فی مفردات القرآن للامام

نفع اٹھا سکتے ہو، شاذ، اور اس عموم کی تخصیص اس آیت سے کی، کہ ناپاک اور گندی چیزیں تمہارے لئے حرام ہیں، تو حلال میں اور حرام میں یہ ایک اصولی بات ہے، کہ ہر وہ چیز حرام ہے، جو گندی ہو، فطرت سلیمہ اس کو ناپسند کرتی ہو، اور ہر وہ چیز حلال ہے، جو ستھری پاکیزہ اور لذیذ ہے۔ ۲۔ اور فرض زکوٰۃ میں ایسا بوڑھا جانور نہ دیا جائے جو اتنا بوڑھا ہوچکا ہو کہ اس کے دانت گر چکے ہوں، اور نہ کانا جو فروخت کرنے میں عیب سمجھا جائے اور نہ سانڈ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ردی چیز خدا کے لئے دینے کا ارادہ نہ کرو۔ ۲۔ سانڈ کو بھی خبیث کے ضمن میں شمار کیا کیونکہ اس کا گوشت بدمزہ ہوجاتا ہے۔ ۳۔ خبیث وہ ہے جس کو طبیعت ناپسند کرے خواہ اس کی ردیت محسوس ہو یا معقول اور طیب وہ ہے

الراغب، خبث الحدید، ریم آہن، صراح، اگر بزعم فاسد مدعی نامی بقر اور غنم میں دستور خصی اور وجا کرنے کا نہ ہوتا، تو کوئی قسم مستلذات کی غنم و بقر میں نہیں پائی جاتی لیکن شارع لطیف وخبیر نے بندوں کو مستلذات کھانے کا حکم فرمایا، اور جو کوئی خصی اور وجا کرنے سے مانع ہوا اور فاعل اس کے کو گنہگار جانے وہ مخالف حکم الٰہی کا ہوگا، بنا برانکار دلالت نص قرآنی مذکورہ بالا کے اور بہ سبب خبث بدبوئے لحم تیس کے علمائے ماہران نصوص قرآنی کے نہی خصاء بہائم میں غیر ماکول لحم کے قائل اور مجوز ہوئے، اور ماکول لحم کو نہی سے خارج کیا کہ خبث بدبوئے کے خصاء اور وجا کرنے سے زائل ہو، اور طیب و مستلذ خالص ہو جاوے، بحکم شارع عزوجل کے اور جو تمام نر غنم اور بقر تیس ہے اور فحل ہے، بزعم زاعم زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں رہتے، اور خصی اور موجود نہ ہوتے، تو زکوٰۃ دینے میں ممانعت خاص تیس کی کیوں ہوئی، اس لئے کہ اگر تمام غنم و بقر خصی ہوتے، تو زکوٰۃ انہیں غیر خصی میں سے دی جاتی، بنا براس کے کہ جس صفت کے جانور ہوں، اسی صفت کو زکوٰۃ دی جاتی ہے شرعاً مثلاً اگر سب جانور عیب دار ہوں، تو زکوٰۃ لینے والا لیوے ایک جانور عیب دار اوسط درجہ کا، چنانچہ تشریح اس کی شروح حدیث اور فتاویٰ مطولات ہر مذہب میں بوجہ بسط و تفصیل مذکور ہے، کما لا یخفی علی الماہر بالمسائل الشرعیۃ اور عرف عام اور عادت معہودہ قدیم الایام سے جاری بھی ہے، کہ بقدر اعداد ریوڑ غنم اور گلہ بقر کی تیس اور فحل غیر خصی بقصد اجبال اور گابھہ کی دو چار رہتے ہیں، اور باقی سارے خصی اور موجوء ہوا کرتے ہیں، اور بنا براسی رسم و رواج قدیم کے معمول تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ دو کبش موجوء خرید کرکے ہر سال قربانی کیا کرتے تھے، ایک کبش موجوء امت کی طرف سے اور ایک اپنی طرف اور آل اطہار کی طرف سے، چنانچہ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ یا ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔ باب[1] اضاحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدثنا محمد بن یحیی ثنا عبدالرزاق انبا سفیان الثوری عن عبداللہ بن محمد بن عقیل عن ابی سلمۃ عن عائشۃ او عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان یضحی اشتری کبشین عظیمین سمینین اقرنین املحین موجوئین فذبح احدھما عن امتہ لمن شھد للہ بالتوحید و شھد

جسے حواس اور نفس لذیذ محسوس کرے اور اس سے دل خوش ہو۔ [1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی کا ارادہ کرتے تو دو سینگدار، سیاہ آنکھ، خصی تیار موٹے خرید کرتے ایک تو اپنی امت کے کلمہ گو ؤں کے لئے ذبح کرتے اور دوسرا محمد اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ۱۲

لہ بابلاغ وذبح الاخر عن محمد وعن ال محمد صلی اللہ علیہ وسلم رواہ ابن ماجہ فی سننہ۔ پس حدیث ابن ماجہ سے صاف واضح ہوتا ہے، کہ عادت شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تھی، کہ ہر سال دو کبش موجود یعنی خصیہ سودہ دکونتہ قربانی کیا کرتے تھے، چنانچہ ترکیب کان اذا کی عادۃ معہودہ پر دال صریح ہوتی ہے، کان اذا اتی مریضا او اتی بہ قال اذھب الباس رب الناس الی اخرہ متفق علیہ۔ عن عائشۃ کان اذا اتی باب قوم لم یستقبل الباب من تلقاء وجہہ الی آخر ما رواہ ابوداؤد واحمد۔ کان اذا اتاہ الفیٔ قسمہ فی یومہ فاعطی الاھل حظین واعطی العزب حظا کما رواہ ابوداؤد وکان اذا اتی بطعام سال عنہ اھدیۃ ام صدقۃ الی آخر ما رواہ الشیخان والنسائی عن ابی ھریرۃ کان اذا اخذ مضجعہ من اللیل وضع یدہ تحت خدہ ثم یقول باسمک اللھم احیی وباسمک اموت علی ما رواہ مسلم واحمد والنسائی عن البراء والبخاری عن حذیفۃ کان اذا اراد ان ینام وھو جنب غسل فرجہ وتوضأ للصلوۃ کما رواہ الشیخان وابوداؤد والنسائی کان اذا اراد غزوۃ وری بغیرھا کما رواہ البخاری وابوداؤد عن کعب بن مالک ماور ترکیب کان اذا کے بہت ہیں، چند نظیریں واسطے تنبیہ ناواقفوں کے لکھ دیں، اور جو خصی اس موجود کرنے کا دستور نہ ہوتا، تو ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موجود خرید کر کے کہاں سے قربانی کرتے، فاعتبروا یا اولی الالباب۔ اور جو خصی کرنا بزعم زاعم مثلہ اور منہی عنہ ہوتا شرعا تو زمانہ نزول وحی میں منع ہو جاتا، جیسے سرور کائنات نے نماز جنازہ عبد اللہ بن ابی بن سلول کی پڑھی، تو اس پر نہی وارد ہوئی ولا تصل علی احد منھم الایۃ اور خصاد کرنے میں نہی وارد

لہ جب آپ کسی بیمار کے پاس آتے، تو کہتے اے لوگوں کے رب اس بیماری کو لے جا (متفق علیہ) جب کسی قوم کے دروازے پر جاتے، تو سامنے کی طرف سے نہ جاتے (ابوداود) جب آپ کے پاس مال غنیمت آتا تو ایک ہی دن میں تقسیم کر دیتے، اہل وعیال والے کو دو حصے دیتے، اور مجرد آدمیوں کو ایک حصہ (نسائی) جب آپ کے پاس کوئی کھانا آتا، تو پوچھتے کیا یہ صدقہ ہے یا ہدیہ (بخاری، مسلم) جب آپ رات کو بستر پر لیٹتے تو اپنا ہاتھ رخسارہ کے نیچے رکھتے، اور کہتے اے اللہ تیرے نام پر میں مروں گا اور جیوں گا (مسلم) جب آپ سونے کا ارادہ کرتے اور جنابت کی حالت میں ہوتے، تو استنجا کر کے نماز کی طرح وضو کرتے (بخاری، مسلم، نسائی) جب آپ کسی جہاد پہ نکلتے، تو توریہ کرتے (ابوداؤد، بخاری)

سلہ ان میں سے کسی پر جنازہ کی نماز نہ پڑھو۔

ہوئی بلکہ اس کا رواج مستمر رہا پس اس میں جواز خصار کی پائی گئی نہ انکار۔ وقد استدل جابر رضی اللہ عنہ و ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ علی جواز العزل بانہم کانوا یفعلون والقران ینزل ولو کان مما ینہی لنہی عنہ القران کما فی کتب الحدیث مثبت بالتعامل والرواج فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم تقریر جواز الاختصاء والوجاء قطعا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ، وما اتاکم الرسول فخذوہ الایۃ فبدلالۃ النص السابق وبہذا الوجہ الوجیہ قال العلماء الخصاء وہو نہی تحریم بلا خلاف فی بنی آدم قال القرطبی الخصاء فی غیر بنی آدم ممنوع فی الحیوان الا لمنفعۃ حاصلۃ فی ذلک کتطییب اللحم او قطع ضرر عنہ وقال النووی یحرم خصاء الحیوان غیر الماکول مطلقا اما الماکول فیجوز فی صغرہ دون کبرہ انتہی ما فی فتح الباری شرح صحیح البخاری مختصرا بقدر الحاجۃ لان الاختصاء فی الآدمی حرام صغیرا کان او کبیرا قال البغوی وکذا یحرم خصاء کل حیوان لا یؤکل اما الماکول فیجوز فی صغرہ ویحرم فی کبرہ انتہی، ما قال الامام النووی فی شرح صحیح مسلم، الاختصاء جائز فی الماکول فی الحیوان فی صغرہ کذا فی المرقاۃ واللمعات ومشی ابن وہبان علی ان الذکر فی الضان والمعز افضل لکنہ مقید بما اذا کان موجوءا ای مرضوض الانثیین ای مدقوقہما قال العلامۃ ابن عبد البر ومفہومہ انہ اذا لم یکن موجوءا لا یکون افضل ویضحی بالجماء والخصی کذا فی الدر المختار (قولہ والخصی) وعن الامام انہ اولی لانہ اطیب وقد صح انہ علیہ الصلوۃ والسلام ضحی بکبشین املحین موجوئین کذا فی الطحطاوی والشامی والخصی لان لحمہا اطیب وقد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضحی بکبشین

لے حضرت جابر اور ابو سعید رضی اللہ عنہ نے جواز عزل پر اس طرح استدلال کیا، کہ ہم عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا اگر ناجائز ہوتا، تو اس کی ممانعت قرآن مجید میں آجاتی، تو اسی طرح لوگوں کے تعامل اور رواج سے جانور کو خصی کرنا ثابت ہوا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سکوت فرمایا، علماء نے کہا ہے کہ غیر ماکول اللحم (جن کا گوشت کھانا حرام ہے) کو خصی کرنا حرام ہے، اور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کو چھوٹی عمر میں خصی کر لینا جائز ہے، بڑے کو نہیں، اور اس سے جانور کا گوشت لذیذ ہو جاتا ہے، اور اسی طرح انسان کو خصی کرنا بھی حرام ہے ۱۲

ے۲ اور خصی کا گوشت زیادہ لذیذ ہو جاتا ہے، اور ثابت ہو چکا ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے سینگدار سیاہ آنکھ، خصی ذبح کیے۔

ملحین موجوئین انتہی ما فی الہدایۃ۔ اور جو چند اشخاص سلف سے تفسیر آیت کریمہ فلیغیرن خلق اللہ میں خصار مروی ہے، سو مرفوع نہیں ہے، اور غیر مرفوع حجت نہیں ہے۔ عند المحدثین کما لا یخفی علی الماہر باصول الحدیث والفقہ۔ پس اگر خصار مثلہ ہوتا، تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس پر نہی اور ممانعت فرماتے، اور حدیث ابن ماجہ سے کبش موجوء کا قربانی کرنا مرفوعاً ثابت ہوا، اور جب موجوء مرغوب اور مطبوع ہوا تو اصل فعل خصاء اور وجاء بطریق اولی مرغوب اور مطبوع ہوگا، کیونکہ حسنیت و مشروعیت اور محمودیت مشتق کی اور پر جواز اور مشروعیت و محمودیت مشتق منہ کے موقوف ہے، مثلاً و اصل رحم محمود ہے باعتبار صلہ رحمی کے، کما لا یخفی علی المتامل الذکی، امام محی السنۃ البغوی نے معالم میں تفسیر فلیغیرن خلق اللہ کے برعکس اشخاص سابقین سے نقل کی ہے۔ قال[1] ابن عباس والحسن ومجاھد وقتادۃ وسعید بن المسیب والضحاک یعنی دین اللہ نظیرہ لا تبدیل لخلق اللہ ای دین اللہ بتحلیل الحرام وتحریم الحلال۔ انتہی ما فی المعالم مختصراً۔ اہل فطانت اور دیانت پر واضح ہو، کہ ہرگاہ نہی خصاء بہائم ساقط جانور غیر ماکول اللحم کے مخصوص اور متعین ہوئی عند العلماء المحققین، اور اباحت خصاء اور وجاء کی بقصد نفع اعظم تطییب لحم وازالہ خبث بدبوتی کے پائی گئی، چنانچہ تشریح اور تفصیل اس کی بوجہ احسن سابق میں مذکور ہو چکی، پس اس صورت میں خصاء اور وجاء کرنے والے کو منسوب بفسق و معصیت کرنا اور اس کو فاسق ٹھہرانا نہایت مذموم اور محل استعجاب ہے شرعاً بلکہ بعود قواعد شرعی قائل اس کا خود مخالف شرع اور مورد ملامت متصور ہوتا ہے۔ قل یا اھل الکتاب[2] لا تغلوا فی دینکم الآیۃ وما علینا الا البلاغ فاعتبروا یا اولی الابصار

حررہ السید شریف حسین عفی عنہ [زشرف سید کونین شد شریف حسین]

ما احسن ھذا الجواب المقرین بالصدق والصواب ویوافقہ ما اخرجہ عبد الرزاق وعبد بن حمید وابن جریر وغیرھم ان[3] ابا التیاح سأل الحسن البصری عن اختصاء الغنم فقال لا بأس بہ۔ واللہ اعلم۔ حررہ الراجی عفو ربہ ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [ابو الحسنات محمد عبد الحی] لکھنوی

---

[1] ابن عباس، حسن، مجاہد، قتادہ، سعید بن مسیب اور ضحاک نے کہا لا تبدیل لخلق اللہ سے مراد دین ہے یعنی اللہ کے دین میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر کے تبدیلی نہیں ہونی چاہیے ۱۲ [2] اے اہل کتاب اپنے دین میں زیادتی نہ کرو ۱۲

[3] ابو التیاح نے حسن بصری سے سوال کیا، کہ بکروں کو خصی کرنا جائز ہے، کہنے لگے کوئی حرج نہیں ہے ۱۲

جواب صحیح است وراے نجیح درین کہ نہی خصاء بہائم مخصوص بغیر ماکول لحم است، چنانکہ رائے صاحب محی السنۃ بغوی وعلامہ قرطبی وعلامہ نووی وشیخ ابن حجر عسقلانی وغیرہ است ومؤید وشاہد ابن ماجہ در مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ است۔ حدثنا اسحق بن یوسف ثنا سفیان عن عبد اللہ بن عقیل عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ ان عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر نحوہ ونیز در مسند احمد مذکور است حدثنا وکیع عن سفیان عن عبد اللہ بن محمد بن عقیل عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ رض و عائشۃ بھذا السند رواہ الحاکم فی المستدرک وروی البیہقی ایضا عن طریق سفیان الثوری عن عبد اللہ بن محمد بن عقیل ونیز در مسند احمد واسحاق راہویہ ومعجم طبرانی مذکور است عن شریک عن عبد اللہ بن محمد بن عقیل عن علی بن حسین عن ابی رافع قال ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکبشین املحین موجوئین خصیین وفی مسند ابن ابی شیبۃ حدثنا عفان حدثنا حماد بن سلمۃ انبا محمد بن عبد اللہ بن عقیل عن عبد الرحمن بن جابر بن عبد اللہ عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی بکبشین املحین عظیمین اقرنین موجوئین فاضجع احدھما وقال بسم اللہ واللہ اکبر اللھم عن محمد وال محمد ثم اضجع الاخر الحدیث ولکن لک رواہ اسحق بن راھویہ وابو یعلی الموصلی فی مسندیھما۔ حافظ ابن حجر عسقلانی در تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث رافعی کبیر گفتہ حدیث انہ صلی اللہ ضحی بکبشین موجوئین رواہ احمد وابن ماجہ والبیہقی والحاکم من حدیث عبد اللہ بن محمد بن عقیل عن عائشۃ رضا و ابی ھریرۃ ھذہ روایۃ الثوری ورواہ زھیر بن محمد عن ابی رافع اخرجہ الحاکم ورواہ حماد بن سلمۃ عن ابن عقیل عن عبد الرحمن بن جابر عن ابیہ ولہ شاھد من حدیث ابی عیاش عن جابر رواہ ابوداؤد والبیہقی ورواہ احمد والطبرانی من

لہ جانوروں کو خصی کرنے کی جو ممانعت آئی ہے، وہ ان جانوروں کے متعلق ہے، جن کا گوشت کھایا نہیں جاتا، بغوی قرطبی، نووی اور ابن حجر کا یہی قول ہے، اور حضرت عائشہ رض کی کئی سندسے مروی حدیث اس کی تائید کرتی ہے ابورافع نے کہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے سیاہ آنکھ خصی ذبح کئے، حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث میں بھی اسی طرح ہے، اور ابوالدرداء کی حدیث میں ہے، کہ آپ نے دو خصی جذع مینڈھے ذبح کئے، ابن ماجہ کی حدیث سے معلوم ہوا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خصی مینڈھے قربانی میں زیادہ مرغوب

حدیث ابی الدرداء انتہی وعن ابی الدرداء رض قال ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکبشین جذعین موجوئین رواہ احمد فی مسندہ والطبرانی، وحافظ ابن حجر رح عسقلانی در تلخیص الحبیر گفتہ الموجوئین المنزوعی الانثیین انتہی پس از روایت ابن ماجہ وغیرہ ہویدا گردید، کہ مرغوب خاطر عاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در قربانی گوسپند موجود وخصی بود، لہذا وقت ارادہ قربانی گوسپند نر موجود وخصی خرید فرمودہ قربانی می کردند ورغبت بسوئے شئے نمی باشد مگر بعد وجود آن شئے، پس اگر دستور ورواج خصی کردن وجاد نمودن نبودے چگونہ رغبت باآن شئے شدے، واگر منہی عنہ بودے نہی از ان می فرمودند بحکم رسالت چنانکہ عادت شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بود کہ وقتے کہ چیزے منہی عنہ می شد غصہ وناخوش بودہ برسبیل عموم ارشاد فرمودند کہ ما بال الناس یفعلون کذا وکذا وچوں در نر موجود وخصی بر فاعلش نہی وزجر نہ فرمودند پس در حیز اباحت بلاریب داخل شد قطع نظر از سنت ومستحب بودن وسکوت وتقریر بران مستلزم جواز اباحت لا محالہ خواہد بود۔ کما لا یخفی علی الماہر بالشریعۃ المحمدیۃ علی صاحبہا الف الف صلوۃ وتحیۃ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ فاعتبروا یا اولی الالباب۔

الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

اجاد المجیب فی ما افاد وللہ درہ فی ما افاد وقد ثبت ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضحی بالموجوء ولم یثبت النہی عنہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیہ، فہو تقریر منہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولو کان ہذا منہیا عنہ لکان فی لکونہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی ہذا ارتکابہ بنفسہ بتضحیۃ فنم لبابہ وہو لا یلیق بعظیم شانہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وایضا فیہ تطییب کالرزاق

تھے یہی وجہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی مینڈھے خرید ا کرتے تھے، اور کسی چیز کی رغبت اسی وقت پیدا ہوتی ہے، جب وہ موجود ہو، اور تجربہ نے اس کو بہتر بتایا ہو، اگر یہ منع ہوتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس سے روک دیتے، جیسا کہ آپ کی عادت مبارکہ تھی، کہ نامشروع کام سے فورا منع کر دیتے تھے، کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے، جو اس طرح کرتے ہیں، چونکہ آپ نے اس سے منع نہ فرمایا لہذا بلاشبہ یہ جائز بلکہ مستحب ثابت ہوا، اور پھر اس میں گوشت مزیدار بھی ہو جاتا ہے، جانور موٹا بھی ہوتا ہے، جانوروں کی اصلاح بھی ہوتی ہے، یہ کیسے منع ہو سکتا ہے ۱۲

الناس ومنافع لهم واستلذاذ لهم واصلاح اليها ثم فكيف يكون باطلا منهيا عنه

فقط - حررہ العبد الذلیل محمد اسمٰعیل عفا اللہ عنہ محمد اسماعیل علیگڈھ

اصاب من اجاب محمد لطف اللہ علیگڈھ

محمد اسد علی اسلام آبادی

کتاب الامارۃ والجہاد

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل مندرجہ ذیل میں جنیوا بالدلیل توجروا لا جر الجزیل (۱) مولوی عبداللہ صاحب جو علاقہ خراسان میں ہیں وہ امام وقت ہیں یا نہیں (۲) جہاد فرض عین ہے یا کفایہ، اور اس وقت جہاد ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب :- جاننا چاہیئے، کہ امام اکبر یعنی امیر المومنین جس کے اختیار میں انتظام سارے مومنوں کا ہوتا ہے، اس کی اطاعت فرض ہے، اس میں کئی شرطیں ضرور ہیں، کہ جب وہ شرطیں پائی جاویں گی، وہ امام وقت شرعا ہوگا، ورنہ نہ ہوگا، شرط اول یہ ہے، کہ وہ قریشی ہو یعنی قریش میں سے ہو جیسا کہ کتب عقائد میں ہے، کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، کہ امامت قریش کے ساتھ مختص ہے، انشاء اللہ تفصیل اس کی آتی ہے

دوسری شرط یہ ہے، کہ وہ زندہ اور حاضر ہو، اور عاقل ہو، مردہ و غائب قابل امامت کے نہیں ہے، اس کا ثبوت بھی انشاء اللہ تعالیٰ ذکر کروں گا۔

تیسری شرط یہ ہے، کہ اس سے پہلے اور کسی امام کے ہاتھ پر مومنین نے بیعت نہ کی ہو اور وہ امام اول اب تک زندہ ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے، کہ مومن اور دین دار ہو، انشاء اللہ ان دونوں شرطوں کا ثبوت بھی ذکر کیا جاوے گا۔

ثبوت شرط اول کا یہ ہے۔ عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یزال ھذا الامر فی قریش ما بقی منھم اثنان رواہ البخاری ومسلم (ترجمہ) روایت ہے عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ رہے گا یہ امر یعنی خلافت وامامت قریش میں جب تک باقی رہیں گے ان میں سے دو شخص روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے۔ قال السید جمال الدین فی شرح المشکوٰۃ تحت ھذا الحدیث دل ھذا الحدیث د

نظائرہ علی ان الخلافۃ مختصۃ بقریش لایجوز عقدھا بغیرھم وعلی ھذا انعقد اجماع الصحابۃ ومن بعدھم ومن خالف فھو محجوج بالاجماع۔ فرمایا سید جمال الدین نے شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے تحت میں، دلالت کرتی ہے یہ حدیث اور جو مثل اس کے ہے اس بات پر کہ خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے، دوسروں کو اس کا اختیار نہیں ہے اور اس پر منعقد ہوا اجماع صحابہ کا، اور ان کے بعد کا، جو خلاف کرے اس کا وہ مردود ہے اجماع سے۔ وعن معاویۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان ھذا الامر فی قریش لایعادیھم احد الاکبہ اللہ علی وجھہ ما اقاموا الدین رواہ البخاری فی صحیحہ (ترجمہ) روایت ہے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے تحقیق یہ امر یعنی خلافت قریش میں ہے، نہیں جھگڑے گا کوئی ان سے مگر اللہ ان کو منہ کے بل گرا دے گا، یعنی دنیا میں مغلوب کرے گا، اور آخرت میں عذاب کیا جاوے گا، جب تک وے لوگ یعنی قریش دین کو ٹھیک رکھیں گے۔ قال الحافظ فی الفتح (قولہ) ان ھذا الامر الخ ای لاینازعھم احد فی الامر الا کان مقھورا فی الدنیا معذبا فی الاخرۃ انتہی۔ کہا حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں قول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شک یہ امر خلافت آخر حدیث تک، جس کا خلاصہ یہ ہے، کہ نہ جھگڑے گا ان سے کوئی مگر قہر ہوگا اس پر دنیا میں اور عذاب پاوے گا آخرت میں، تمام ہوا قول حافظ ابن حجر کا۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الناس تبع لقریش فی ھذا الشان مسلمھم تبع لمسلمھم وکافرھم تبع لکافرھم رواہ مسلم (ترجمہ) روایت ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے لوگ تابع ہیں قریش کے اس امر میں یعنی خلافت میں مسلمان ان کے تابع ہیں مسلمان کے کفار ان کے تابع ہیں ان کے کفار کے روایت کیا اس کو مسلم نے۔ قال الامام النووی فی شرح صحیح مسلم تحت ھذا الحدیث وفی روایۃ الناس تبع لقریش فی الخیر والشر وفی روایۃ لایزال ھذا الامر فی قریش ما بقی منھم اثنان وفی روایۃ البخاری ما بقی منھم اثنان ھذہ الاحادیث واشباھھا دلیل ظاھر علی ان الخلافۃ مختصۃ بقریش لایجوز عقدھا لاحد من غیرھم وعلی ھذا انعقد الاجماع فی زمن الصحابۃ وکذلک من بعدھم ومن خالف فیہ من اھل البدع او عرض بخلاف من غیرھم فھو

محجوج باجماع الصحابۃ والتابعین فمن بعدھم بالاحادیث الصحیحۃ قال القاضی و قد عدھا العلماء فی مسائل الاجماع ولم ینقل عن احد من السلف فیھا قول ولا فعل بخلاف ما ذکرنا وکذلک من بعدھم فی جمیع الاعصار انتہی وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الملک فی قریش والقضاء فی الانصار والاذان فی الحبشۃ والامانۃ فی الازد یعنی الیمن رواہ الترمذی (ترجمہ) روایت ہے ابوہریرہ سے کہا، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت قریش میں اور قضاء انصار میں اور اذان حبش میں اور امانت یمن میں روایت کیا اس کو ترمذی نے قال الشیخ فی اشعۃ اللمعات شرح المشکوۃ تحت ھذا الحدیث لعل المراد ان یراعی ھذہ المناصب فیھم فھو خبر فی معنی الامر انتہی۔ یہ حدیثیں صراحۃً دلالت کرتی ہیں اس بات پر کہ امر خلافت و امامت منحصر و مخصوص قریش میں ہے، انصار وغیرہ کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے جیسا کہ اوپر گذرا، کہ جو ان سے اس امر میں جھگڑے گا، اللہ تعالیٰ اس کو منہ کے بل گرا دے گا اور بعض حدیث میں آیا ہے، کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو فرمایا، کہ میرے بعد تم پر قریش امیر ہوں گے تم صبر کیجیو، اور ان کی اطاعت کیجیو۔ عن انس بن مالک رضی یقول قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم للانصار انکم ستلقون بعدی اثرۃ فاصبروا حتی تلقونی موعدکم الحوض رواہ البخاری (ترجمہ) روایت ہے انس بن مالک سے کہ کہتے تھے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو تحقیق تم پاؤ گے میرے بعد حکومت دوسرے کی پس صبر کیجیو، یہاں تک کہ ملو مجھ سے، اور جگہ تمہارے وعدہ کی حوض کوثر ہے، روایت کیا اس کو بخاری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو مخصوص کر کے فرمایا، کہ تم پر دوسرے حکمران ہوں گے، اس سے معلوم ہوا، کہ خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے، اس کا کچھ حصہ اس میں نہیں ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں کہا ہے ولما کان الامر مختصا بقریش ولا حظ للانصار فیہ خوطب الانصار بانکم ستلقون اثرۃ انتہی ملو یہ حدیث چند طرق سے بخاری میں مروی ہے، اب بوجہ اتم و اکمل ثابت ہوا، کہ امام قریشی ہونا چاہیئے، انصاری وغیرہ کو اس سے کچھ سروکار نہیں، اور یہی شرط اول تھی، کما لا یخفی، اب بیان میں ایک

لہ شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے، کہ شاید مقصد یہ ہے، کہ قریش کے لئے ان مناصب کی رعایت رکھی جائے، اور یہ خبر ہے امر کے حکم میں ۱۲

شبہ ہوتا ہے، اس کا ذکر کرنا اور دفع کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ حدیث میں آیا ہے عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ رواہ البخاری (ترجمہ) روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سنیو اور تابعداری کیجیو، اگرچہ حاکم بنایا جاوے تم پر غلام حبشی کہ سر اس کا مانند انگور خشک کے ہو، تو یہاں پر قریش کی خصوصیت نہ فرمائی، بلکہ فرمایا جو حاکم ہو اس کی تابعداری کرو، تو اب قریش کی خصوصیت جاتی رہی پس اس حدیث میں اور احادیث سابقہ میں تطبیق کیونکر ہوگی۔ دفعیہ اس کا یہ ہے، کہ یہاں حاکم سے مراد وہ عامل ہے، کہ جس کو امام وقت کسی شہر یا کسی گاؤں یا کسی لشکر پر مقرر کرے، امام وقت مراد نہیں ہے، کیونکہ لفظ حدیث ان استعمل ہے جس کا ترجمہ ہے عامل بنایا جاوے اور عامل امام وقت کو نہیں کہتے ہیں، اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا، کہ امامت خاص ہے قریش کے ساتھ تو ضرور ہوا، کہ اس حدیث میں وہ عامل مراد لیا جاوے، جس کو امام وقت مقرر کرے، قال الحافظ فی الفتح ونقل ابن بطال عن المھلب قال قولہ اسمعوا واطیعوا یوجب ان یکون المستعمل للعبد امام قریشی لما تقدم ان الامامۃ لا تکون الا فی قریش واجتمعت الامۃ علی انہا لا تکون للعبید انتہی قال ایضا فی المقام الاخر ورد ابن الجوزی بان المراد بالعامل ھنا من یستعمل الامام لا من یلی الامامۃ العظمی انتہی وقال فی المقام الاخر وقیل ان الامام الاعظم اذا استعمل عبدا حبشیا علی امارۃ بلد مثلا وجبت طاعتہ ولیس فیہ ان العبد الحبشی یکون ھو الامام الاعظم انتہی۔ اور یہی مطلب بیان کیا ہے اس حدیث کا ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں قولہ وان استعمل الخ ای وان استعمل الامام الاعظم فان الائمۃ من قریش انتہی اب یہ شبہ بھی دفع ہوگیا پس دعویٰ ثابت رہا

لہ مہلب نے کہا اسمعوا واطیعوا (سنو اور کہا مانو) یعنی اگر قریشی امام کسی غلام کو بھی کہیں عامل مقرر کر دے، تو اس کی اطاعت کرو، کیونکہ امامت عظمیٰ تو قریش سے مخصوص ہے، اور امت کا اجماع ہے، کہ امام اعظم کوئی غلام نہیں ہوسکتا، اگر قریش امام کسی حبشی کو عامل مقرر کرے، تو اس کی اطاعت فرض ہوگی ۱۲

لہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بادشاہ حبشی غلام بن جائے ۱۲ لہ یعنی اگر بادشاہ حبشی غلام کو حاکم بنادے، کیونکہ بادشاہ تو قریش سے ہوں گے ۱۲

کہ سوائے قریش کے کوئی امام اور خلیفہ نہیں ہو سکتا۔

ثبوت شرط دوم کا سنئیے، شرح عقائد نسفی میں ہے۔ ینبغی ان یکون الامام ظاہرا لیرجع الیہ فیقوم بالمصالح لیحصل ما ہو الغرض من نصب الامام لا مختفیا من اعین الناس خوفا من الاعداء وما للظلمۃ من الاستیلاء ولا منتظرا خروجہ عند صلاح الزمان وانقطاع مواد الشر والفساد وانحلال نظام اہل الظلم والعناد لا کما زعمت الشیعۃ خصوصا الامامیۃ منہم انتہی۔ اور اسی میں ہے ویشترط ان یکون من اہل الولایۃ المطلقۃ الکاملۃ ای مسلما حرا ذکرا عاقلا بالغا اذ ما جعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا انتہی۔ اور ظاہر ہے، کہ اگر امام غیب کی امامت ہوتی تو بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نصب امام کی ضرورت نہ ہوتی، بلکہ ناجائز ہوتا، کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ وان احدا لن یصلی علی الا عرضت علی صلوتہ حتی یفرغ منہا قال قلت وبعد الموت قال وبعد الموت ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق رواہ ابن ماجہ[1]۔ غرض کہ امام غائب نہیں ہوتا ہے، کیونکہ امامت کا مقصود نوت ہوگا، یہ عقیدہ شیعوں کا ہے، نہ کہ اہل سنت والجماعت کا، اور نابالغ بھی نہیں۔

لہ امام ظاہر ہونا چاہیے، تاکہ اس کی طرف رجوع کیا جا سکے، اور وہ مصالح کو قائم کر سکے، تاکہ بادشاہ کے مقرر کرنے کی جو غرض و غایت ہے، وہ پوری ہو سکے، لوگوں کی نگاہ سے دشمنوں کے خوف سے چھپا ہوا تو نہ ہو، ظلم کتنا پھیل چکا ہو، اور وہ امام اصلاح زمان اور مواد شر کے منقطع ہونے کا انتظار کر رہا ہے، اور اہل ظلم و عناد کا نظام پھیلا ہوا ہے، جیسا کہ امامیہ شیعہ کا عقیدہ ہے، اور یہ بھی شرط ہے، کہ وہ امامت مطلقہ کاملہ کی اہلیت رکھتا ہو، یعنی مسلمان ہو، آزاد ہو، مرد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کا مسلمانوں پر کوئی غلبہ نہیں رکھا۔

ﷺ اگر کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے، تو وہ مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس سے فارغ ہو جائے، میں نے عرض کیا، اور موت کے بعد بھی، آپ نے فرمایا، اور موت کے بعد بھی، کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبیوں کے جسم کو حرام کر دیا ہے، وہ کھا نہیں سکتی، سو اللہ کا نبی زندہ ہے، ورزق دیا جاتا ہے ۱۲

---

(۱) قال السندی فی الزوائد ہذا الحدیث صحیح الا انہ منقطع فی موضعین لان عبادۃ روایتہ عن ابی الدرداء مرسلۃ قال العلاء وزید بن ایمن عن عبادۃ مرسلۃ قالہ البخاری انتہی۔ واللہ اعلم

(ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ)

ثبوت شرط سوم کا یہ ہے، کہ حدیث میں آیا ہے، کہ جب امام کی بیعت مومنین کرلیں، تو اگر دوسرا امام بیعت چاہے، تو اس کو قتل کردو۔ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بویع خلیفتین فاقتلوا الآخر، رواہ مسلم۔ تو اس سے معلوم ہوا، کہ بیعت امام ثانی کی بعد بیعت ہو جانے امام اول کے ناجائز ہے، اور یہی میں نے بھی کہا تھا۔

شرط چہارم کا ثبوت ضمن میں ثبوت شرط اول و دوم کے گذر چکا، وہ حدیث بخاری کی جس میں ما اقام الدین ہے یعنی جب تک دین ٹھیک رکھیں گے قابل امارت رہیں گے، اور جب بے دین ہوں گے تب نہیں، اور عبارت شرح عقاید نسفی کی ای[1] مسلما حرا ذکرا عاقلا بالغا اذ ما جعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا۔ جب شرائط اربعہ امامت کے مدلل مذکور ہو چکے، تو اب میں کہتا ہوں کہ مولوی عبداللہ جو علاقہ خراسان میں ہیں بسبب فقدان شرط اول کے یعنی قریشی نہ ہونے کے امام نہیں ہو سکتے، کیونکہ وہ انصاری ہیں، ومن ادعی فعلیہ البیان۔

سوال دوم کا جواب:۔ جاننا چاہیئے، کہ جہاد فرض کفایہ ہے، صرف ان لوگوں پر جو تندرست ہیں، اور محتاج نہیں ہیں، بلکہ غنی ہیں، اندھے اور بیمار اور محتاج پر فرض نہیں ہے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے لیس علی الضعفاء ولا علی المرضی ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرج اذا نصحوا للہ ورسولہ ما علی المحسنین من سبیل واللہ غفور رحیم اور فرض عین اس وقت ہوتا ہے، جب کفار مسلمانوں کو آکر گھیر لیں۔ الا ان یکون النفیر عاما فحینئذ یصیر من فروض الاعیان لقولہ تعالیٰ انفروا خفافا وثقالا الآیۃ۔ مگر جہاد کی کئی شرطیں ہیں، جب تک وہ نہ پائی جائیں گی، جہاد نہ ہوگا۔

اول:۔ یہ کہ مسلمانوں کا کوئی امام وقت و سردار ہو، دلیل اس کی یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں ایک نبی کا انبیاء سابقین سے قصہ بیان فرمایا ہے، کہ ان کی امت نے کہا، کہ ہمارا کوئی سردار اور امام وقت ہو، تو ہم جہاد کریں۔ الم تر[2] الی الملا من بنی اسرائیل من بعد موسی

---

[1] یعنی مسلمان آزاد، مرد، عاقل، بالغ ہو، کیونکہ کافروں کا مسلمانوں پر غلبہ نہیں ہو سکتا ۱۲

[2] کیا تم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں کا واقعہ نہیں سنا، کہ انہوں نے اپنے نبی سے کہا، کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کردیں، تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑائی کریں ۱۲

اذ قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ الآیۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاد بغیر امام کے نہیں، کیونکہ اگر بغیر امام کے جہاد ہوتا، تو ان کو یہ کہنے کی حاجت نہ ہوتی، کما لایخفی اور شرائع من قبلنا جب تک اس کی کمانعت ہماری شرع میں نہ ہو حجت ہے، کما لایخفی علی الماہر بالاصول، اور حدیث میں آیا ہے، کہ امام ڈھال ہے، اس کے پیچھے ہو کر لڑنا چاہیے، اور اس کے ذریعہ سے بچنا چاہیے، عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم انما الامام جنۃ یقاتل من ورائہ و یتقی بہ الحدیث رواہ البخاری و مسلم اس سے صراحۃ یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ جہاد امام کے پیچھے ہو کے کرنا چاہیے، بغیر امام کے نہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اسباب لڑائی کا مثل ہتھیار وغیرہ کے مہیا ہو جس سے کفار کا مقابلہ کیا جاوے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم واخرین من دونھم الآیۃ (ترجمہ) اور سامان تیار کرو ان کی لڑائی کے لئے جو کچھ ہو سکے تم سے ہتھیار اور گھوڑے پالنے سے تاکہ اس سے ڈراؤ اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمنوں کو، قال الامام البغوی فی تفسیر ھذہ الآیۃ الاعداد اتخاذ الشیء لوقت الحاجۃ من قوۃ ای من الآلات التی تکون لکم قوۃ علیھم من الخیل والسلاح انتہی یعنی قوت کے معنی ہتھیار اور سامان لڑائی کے ہیں، اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے یا ایھا الذین امنوا خذوا حذرکم فانفروا ثبات او انفروا جمیعا (ترجمہ) اے ایمان والو! لو اپنا بچاؤ یعنی ہتھیار، پھر کوچ کرو جدا جدا فوج یا سب اکٹھے، قال الحافظ محی السنۃ فی تفسیرہ تحت ھذہ الآیۃ ای عدتکم والاتکم من السلاح انتہی۔ یعنی حذر سے مراد آلہ لڑائی کا ہے، مثلاً ہتھیار وغیرہ کا مہیا ہونا ضروری ہے، اور حدیثوں سے بھی اس کی تاکید معلوم ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ بے ہتھیار کے کیا کرے گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی قلعہ یا ملک جائے امن ہو، کہ ان کا ماوی وملجا ہو، چنانچہ قرآن کے لفظ من قوۃ کی تفسیر عکرمہ نے قلعہ کی ہے، قال عکرمۃ القوۃ الحصون انتہی مافی معالم التنزیل للبغوی اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تک مدینہ میں ہجرت نہ کی اور مدینہ جائے پناہ نہ ہوا جہاد فرض نہ ہوا، یہ صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ جائے امن ہونا بہت ضروری ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے، کہ مسلمانوں کا لشکر اتنا ہو کہ کفار کے مقابلہ میں مقابلہ کر سکتا ہو یعنی کفار کے لشکر کے آدھے سے کم نہ ہو، فرمایا اللہ تعالیٰ نے الآن خفف اللہ عنکم و علم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ واللہ مع الصابرین (ترجمہ) اب بوجھ ہلکا کیا اللہ نے تم سے اور جانا کہ تم میں کمزوری ہے، پس اگر ہو تم میں سے سو صابر غالب رہیں گے دو سو پر اور اگر ہو تم سے ایک ہزار غالب ہوں دو ہزار پر حکم سے اللہ کے، اور اللہ ساتھ صبر کرنے والوں کے ہے، یہ آیت صاف کہتی ہے، کہ اپنے سے دگنے سے مقابل ہو، دگنے سے زیادہ سے نہیں، پس جب یہ بات بیان ہو چکی، تو میں کہتا ہوں، اس زمانہ میں ان چار شرطوں میں سے کوئی شرط بھی موجود نہیں ہے، تو کیونکر جہاد ہوگا، ہرگز نہیں ہوگا، علاوہ بریں ہم لوگ معاہد ہیں سرکار سے عہد کیا ہے، پھر کیوں کر عہد کے خلاف کر سکتے ہیں، عہد شکنی کی بہت مذمت حدیث میں آئی ہے، عن انس[1] ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لکل غادر لواء یوم القیمۃ یعرف بہ رواہ الشیخان عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الغادر ینصب لہ لواء یوم القیمۃ فیقال ھذہ غدرۃ فلان بن فلان رواہ الشیخان۔ اور اسی طرح کی بہت سی حدیثیں ہیں بخوف تطویل کے ترک کی گئی ہیں فقط

سید ۱۲۸۱ محمد نذیر حسین	سید محمد ابو الحسن	سید ۱۲۹۹ محمد عبد السلام غفرلہ
محمد یوسف ۱۳۰۳	محمد عبد الحمید ۱۲۹۱	محمد عبد الصمد خان بن ملا عبد الواحد ۱۲۹۲
المعتصم بحبل اللہ الاحد ابو البرکات حافظ محمد	محمد عبد الخالق عفی عنہ کھولنوی	
محمد عبد الغفار ۱۲۸۸	محمد عبد العزیز ۱۲۸۸	شہاب الدین ۱۲۸۸
محمد اسحق ۱۲۵۵	عبد الغفور ۱۲۸۸	

کل جوابات صحیح و درست ہیں واللہ اعلم، وصیت علی عفی عنہ۔ الجواب حق والاتباع بالحق احق

الجواب صحیح۔ محمد سعید عفا اللہ عنہ البنارسی۔ ابو الفضل محمد عبد السلام نصیر آبادی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان میں جہاد جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز ہر غدار کا ایک جھنڈا ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا اور آپ نے فرمایا ہر غدار کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا یہ فلاں بن فلاں غدار ہے ۱۲

الجواب: ارباب شریعت غراء پر مخفی نہیں، کہ شرط مباح جہاد کے واسطے دو امر لابدی ہیں، ایک فقدان امن وامان وعہد وپیمان درمیان اہل اسلام ومقابلین کے، دوم وجود شوکت وقوت وقدرت سلاح وآلات جہاد پر، اور ہندوستان میں شوکت وقوت اور قدرت سلاح وآلات مفقود ہے۔ اور امان وپیمان یہاں موجود، پس جب کہ شرط جہاد کی اس دیار میں معدوم ہوئی، تو جہاد کرنا یہاں سبب ہلاکت اور معصیت کا ہوگا۔ فاذا فات الشرط فات المشروط واما شرط اباحتہ فشیئان احدھما امتناع العدو عن قبول ما دعی الیہ من الدین الحق وعدم الامان والعہد بیننا وبینہم والثانی ان یرجو الشوکۃ والقوۃ لاہل الاسلام باجتہادہ وان کان لا یرجوا لقوۃ والشوکۃ للمسلمین فی القتال فانہ لا یحل لہ القتال لما فیہ من القاء نفسہ فی التہلکۃ کذا فی الہندیۃ وغیرھا من کتب الفقہ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین |

سوال: درکتب عقاید حدیثے می آرند کہ من[1] مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ اگر این حدیث صحیح الاسناد است، درین صورت مردمان زمانہ راز

سوال:۔ کتب عقاید میں ایک حدیث بیان کرتے ہیں، کہ جس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی

---

(۱) من مات ولم یعرف امام زمانہ الخ قال الامام ابن تیمیۃ فی کتابہ منہاج السنۃ النبویۃ ج ۱ ص ۲۷ ھذا الحدیث بھذا اللفظ لا یعرف انما الحدیث المعروف مثل ما روی مسلم فی صحیحہ عن نافع قال جاء عبد اللہ بن عمر الی عبد اللہ بن مطیع حین کان من امر الحرۃ ما کان زمن یزید بن معاویۃ فقال اطرحوا لابی عبد الرحمن وسادۃ فقال انی لم اٰتک لاجلس اتیتک لاحدثک حدیثا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقولہ سمعتہ یقول من خلع یدا من طاعۃ لقی اللہ یوم القیامۃ لا حجۃ لہ ومن مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ انتہی بقدر الحاجۃ (ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ)

(ترجمہ) امام ابن تیمیہ اپنی کتاب منہاج السنۃ ج ۱ ص ۲۷ میں فرماتے ہیں، کہ حدیث کے یہ الفاظ کسی صحیح سند کے ساتھ منقول نہیں ہیں، صحیح مسلم میں ان الفاظ کے ساتھ ملتی جلتی ایک حدیث موجود ہے، کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ یزید بن معاویہ کے زمانہ میں عبد اللہ بن مطیع سے ملنے گئے، انہوں نے کہا، ان کے لئے تکیہ وغیرہ لاؤ، حضرت ابن عمرؓ فرمانے لگے میں آپ کو صرف ایک حدیث سنانے کے لئے آیا ہوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے اپنے امام کی بیعت توڑ دی قیامت کے دن اس کے پاس اپنی مغفرت کے لئے کوئی حجت نہ ہوگی، اور جو شخص ایسی حالت میں فوت ہوا کہ کسی امام کی بیعت اس نے نہیں کی، وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے ۱۲

موت جاہلیت چگونہ خلاصی خواہد شد فقط۔

الجواب:۔ دریں حدیث دلالت بر وجوب بودن امام در ہر زمان نیست بوجہے از وجوہ دلالات عربیت مدلول حدیث ہمیں قدر است کہ اگر در زمانے امام موجود باشد معرفت او یعنی اعتقاد امامت وعزم بر اطاعت او ہر مکلف را ضروری است مانند آن کہ کسے گوید من لم یطعم غلامہ وفرسہ فہو للئیم ازیں عبارت ہرگز مفہوم نمی شود کہ ہر کس را غلامے یا فرسے داشتن واطعام آن ضروری است، ودر حدیث صحیح وارد است کفی بالمرء اثما ان یضیع عیالہ دہرگز ازیں حدیث تاثم کسے کہ عیالدار نہ باشد مفہوم نمی شود، ووجہش آن است کہ امام مضاف بزمان است وزمان بضمیر وضع الاضافۃ للعہد لا للاستغراق خلاصہ آن کہ دریں قسم قضایا قید بشرط الوجود ملحوظ می باشد پس معنی من لم یعرف امام زمانہ این است کہ ان کان الامام موجودا وکنا فی قولہ علیہ السلام کفی بالمرء اثما ان یضیع عیالہ ای بشرط وجودھم۔ ھکذا سمعت عن الاساتذۃ الاعلام الکرام، واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین	حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سوال:۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے، تو اس زمانہ کے آدمی جاہلیت کی موت سے کس طرح خلاصی پا سکتے ہیں؟

الجواب:۔ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں، کہ ہر زمانہ میں امام کا ہونا واجب ہے، اس کا مطلب صرف اس قدر ہے، کہ اگر امام (بادشاہ) موجود ہو تو اس کی امامت اور اطاعت کا عزم ہر مکلف پر ضروری ہے اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی کہے، جو اپنے غلام اور گھوڑے کو کھانا نہ کھلائے وہ کنجوس ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوگا، کہ غلام اور گھوڑا رکھنا فرض ہے، بلکہ مطلب یہ ہوگا، کہ اگر اس کے پاس ہوں، تو ان کو کھانا چارہ دینا ضروری ہے، اور صحیح حدیث میں آیا ہے، کہ آدمی کے لئے یہی گناہ کافی ہے کہ اپنے بچوں کو ضائع کر دے، اس سے اس آدمی کا گنہ گار ہونا لازم نہیں آتا جس کے بچے ہی نہ ہوں، اور اس کی وجہ یہ ہے، کہ امام کی اضافت زمانہ کی طرف ہے، اور زمانہ کی ضمیر کی طرف، اور یہ اضافت عہد کے لئے ہے استغراق کے لئے نہیں، خلاصہ یہ کہ اس قسم کے جملوں میں قید بشرط وجود ہوتی ہے، پس اس کے معنی یہ ہوں گے، کہ اگر امام موجود ہو تو اس کی اطاعت فرض ہے اور اگر موجود ہی نہ ہو، تو اطاعت کیسی؟

کتاب الحدود والتعزیر

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں معنی کہ حاکم وقت می خواہد کہ در تنبیہ وتہدید قوم رذیل واجلاف وصاحب امتیاز واشراف فرق نماید مثلاً از صاحب امتیاز قصور خفیف سرزند حاکم بسزایش تا یک پاس از مجرم مذکور نماز نوافل بگذارند یا تجویز روزہ نفل داشتن دہ دواز دہ روز بہ نسبت اوگر داند پس حاکم را این چنین سزا دادن نسبت مجرم درست است یا نہ، درصورت دادن این چنین سزائے مذکور الصدد مجرم حاکم را حصول ثواب متصور است یا خدانخواستہ اندیشہ عقاب، ونیز مجرم از تعمیل سزائے مجوزہ مستوجب ثواب خواہد بود یا نہ، دریں باب آنچہ از روئے شرع شریف باشد مع دلائل کتب معتبرہ ارقام نمائید۔

الجواب:۔ تعزیر عبارت است از عقوبت غیر مقدرہ در جنایتے کہ کمتر از حد باشد برائے انزجار بندگان کہ دراں عقوبت واہانت بحسب اشخاص واختلاف اوقات برائے امام متصور گردد، زیراکہ مشروعیت تعزیر بجہت ہمیں امور مذکور ثابت گردید وآن در عبادات مانند روزہ و نماز وغیرہ شدن نمی تواند کہ طاعت مزبورہ از جنس عقوبات واہانت

سوال:۔ حاکم وقت چاہتا ہے کہ شرفاء اور اراذل کی تنبیہ وتہدید میں امتیاز کرے، اگر کسی شریف سے کوئی چھوٹا موٹا قصور سرزد ہوتا ہے تو اسے کہتا ہے کہ تم ایک گھنٹہ نماز پڑھو، یا تم دس روزے رکھو، حاکم مجرم کو ایسی سزا دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا اس طرح کے نماز روزہ سے مجرم کو ثواب ہوگا یا نہیں، اور کیا حاکم کو بھی ایسی سزا دینے سے ثواب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ تعزیر غیر مقررہ سزا ہے، جو ایسے گناہ پر دی جاتی ہے، جو حد سے کم ہو، اور اس سے مقصود مجرم کی توہین اور تذلیل ہوتی ہے، اور ایسی سزا حاکم وقت کی صواب دید پر موقوف ہے، اور نماز وروزہ سے کسی آدمی کی توہین اور تذلیل نہیں ہوتی، بلکہ اس سے لوگوں کی نگاہ میں عزت بڑھتی ہے، یہ سزا نہیں ہے بلکہ مشقت ہے

نیست بلکہ مشقتے ازاں حاصل می شود و مشقت غیر عقوبت است۔ لان المشقۃ ہو الانکسار الذی یلحق النفس والبدن قال اللہ تعالیٰ لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس الآیۃ بخلاف العقوبۃ والعقاب لانہما یختصان بالعذاب قال اللہ عز وجل فحق عقاب وقال شدید العقاب والعذاب ہو الایجاع الشدید کما قال الامام الراغب فی مفردات القرآن فالتعزیر متعلق بالاہانۃ المستخفۃ والعقوبۃ الغیر المقدرۃ من الشارع کما لا یخفی علی الفقیہ البارع وذلک لا یلیق بالصوم والصلوٰۃ لان فیہما انکسارا وتذللا وہما لیسا من جنس العقوبات والھون الموجب للاستخفاف والانزجار کالتعزیر بخلاف الھون الذی یمدح العبد باختیارہ علی نفسہ لانہ ممدوح ومستحسن لذاتہ وموجب لاستحقاق الثواب عند رب الارباب سواء وجد فی اداء الصلوٰۃ والصوم او فی ایتان غیرہما من الطاعات لان الھون علی وجہین احدہما تذلل الانسان من نفسہ لما لا یلحق بہ غضاضۃ فیمدح بہ نحو قولہ تعالیٰ وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا وقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام المؤمن ھین لین والثانی ان یکون من جہۃ متسلط مستخف بہ فیذم بہ وعلی ہذا استعمل قولہ تعالیٰ الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تقولون وایضا قال اللہ تعالیٰ فاخذتہم صاعقۃ عذاب الھون بما کانوا یکسبون وغیر ذلک من الآیات کذا قال الامام الراغب فی مفردات القرآن۔ پس ازیں تقریر صاف واضح گشت کہ اگر کسے تجویز خود تعزیر بگزاردن نماز یا بداشتن روزہ برکسے مقرر کند ہرگز بروازیں عقوبت واہانت مذمومہ و فضیحت قبیحہ حسب اشخاص لاحق نخواہد شد و آن کس ازیں منزجر و پشیمان نہ شود چہ در اصل تعزیر بسبب عقاب واہانت وخفت بمقتضائے احوال فاعلان آن لازم شدہ است، وآن در عبادات معدوم و مفقود است کما لا یخفی علی الماہر المتامل، دیگر آنکہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ

اور مشقت وہ انکساری ہے، جو نفس اور بدن کو لاحق ہو، بخلاف عقوبت وعقاب کے، کہ وہ عذاب ہے، اور عذاب کا معنی سخت تکلیف دینا ہے، تو معلوم ہوا کہ نماز یا روزہ عقوبت نہیں ہے، اور اگر کوئی اپنی مرضی سے ایسی سزا تجویز کرے، تو اس کی توہین نہیں ہوگی کیونکہ توہین وہ ہوتی ہے، جس کی وجہ سے آدمی آیندہ ایسا کام کرنے سے باز آجائے، اور نماز روزہ سے تو انسان کی مدح ہوتی ہے، اور پھر فقہاء نے جہاں تعزیر کی قسمیں بیان کی ہیں کہیں بھی نماز روزہ یا دیگر طاعات کا تذکرہ نہیں کیا، پھر از خود اپنی طرف سے کوئی چیز ایجاد کر لینا کیا معنی رکھتا ہے،

انواع تعزیرات کہ قلم بند کردہ اند، دراں تعزیرات این قسم طاعات ذکر نہ کردند پس امرے کہ از قواعد شرعیہ و نہ از اصحاب سلف وخلف کہ اہل عقد وحل بودند ثابت شود از طرف خود ایجاد بالم یوجد چگونہ کردہ آید، چہ تعزیر اشرف الاشراف کہ علماء وسادات حقانی ہستند باعلام از طرف قاضی بدین مضمون کہ نزد من خبر رسیدہ است، کہ تو چناں وچنین می کنی پس مجرد متنبہ بایں کلمہ می شوند و در حق ایشاں ہمیں تعزیر است، وتعزیر اشراف کہ امراء و دہاقین اند باعلام وکشیدن ایشاں بسوئے قاضی وخصومت کردن ایشاں وہمین تعزیر در حق ایشاں است، وتعزیر اوساط کہ بازاری اند باعلام وحبس کردن وتعزیر اخسہ وارازل باعلام وحبس وضرب کردن ایشاں است۔ قال صاحب المهذب ایة الحد فی الشریعة وهو العقوبة المقدرة حقا لله تعالى حتى لا يسمى القصاص حدا لما انه حق العبد ولا التعزير لعدم التقدير الى آخر ما فى الهداية وفى الكنز والمستخلص التعزير عقوبة غير مقدرة انتهى. وقال فى النهاية حاشية الهداية التعزير هو تاديب دون الحد ويجب فى جناية ليست موجبة للحد هكذا فى الفتاوى العالمگيرية ومثل هذا فى الكفاية۔ پس از ماسبق معلوم شد کہ تعزیر عقوبت غیر مقدرہ کمتر از حد است ودر جنایتے کہ موجب باشد بریں معنی جنس طاعات چگونہ تعزیر قرار دادہ شود، کہ در طاعت عقوبت واہانت کہ ازاں انزجار حاصل گردد اصلا نیست. وفى الشامى التعزير على مراتب تعزير اشرف الاشراف وهم العلماء والعلوية بالاعلام وهو ان يقول له القاضى بلغنى انك تفعل كذا فينزجر به وتعزير الاشراف وهم الامراء والدهاقين بالاعلام والجر الى باب القاضى والخصومة فى ذلك وتعزير الاوساط وهم السوقية بالاعلام والجر والحبس وتعزير الاخسة هكذا كله وبالضرب كذا فى النهاية والعالمگيرية وايضا فى الهداية واكثره تسعة وثلاثون سوطا

اور پھر حسب اشخاص تعزیر بالکل الگ الگ ہوتی ہے، مثلاً اشرف الاشراف علماء وسادات کو اگر قاضی اس مضمون کا رقعہ لکھ کر بھیجدے، کہ مجھے اطلاع ہوئی ہے، کہ آپ نے ایسا کیا ہے آیندہ محتاط رہنا، تو وہ اس کو بھی تنبیہ سمجھیں گے پھران کے بعد شرفاء کا مقام ہے، یعنی امراء اور زمیندار طبقہ ان کو بلا کر اگر قاضی تنبیہ کرے، اور ڈانٹ ڈپٹ بتلا دے ان کے لئے کافی ہے، پھر بازاری لوگوں کا مقام ہے، ان کو تنبیہ کی جائے، عدالت میں پیش کیا جائے کچھ دن حوالات میں رہیں، تو ان کو تنبیہ ہوگی، اور پھر سب سے کمینہ اور رذیل طبقہ ہے، ان سے یہ سب کچھ بھی کیا جائے اور کوڑے بھی لگا دیئے جائیں، تب جا کر وہ کچھ سمجھے گا۔

تعزیر زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے ہیں اور کم سے کم تین کوڑے، اور حاکم اپنی صوابدید کے مناسب اس

واقلہ ثلاث جلدات وذکر مشائخنا ان ادناہ علی ما یراہ الامام بقدر ما یعلم انہ ینزجر بہ وفی النہایۃ ایضا قال التعزیر قد یکون بالحبس وقد یکون بالصفع وقد یکون بفرک الاذن وقد یکون بالکلام العنیف وقد یکون بالضرب وقد یکون بنظر القاضی الیہ بوجہ عبوس کذا فی العالمگیریۃ وغیرھا من المعتبرات۔ حاصل کلام آنکہ ظاہر از کتب فقہ وحدیث تعزیرات از جنس طاعات مثل نماز وروزہ وغیرہما مقرر کردن ثابت نمی شود، بلکہ بعدم آن لائح است، پس حاکم را نشاید کہ نماز روزہ تعزیرات مقررہ معین نماید کہ فی الجملہ بہ نسبت نماز وروزہ بے ادبی صادر می شود کہ اینہا را قائم مقام عقوبت واہانت وفضیحت من وجہ در حق شرفا مقرر می کند وامام را اختیار است در چیزے کہ بسبب عقوبت وصلاحیت اہانت می تواند شد واز حد کمتر باشد نہ آن کہ در چیزے کہ امام خواہد خواہ از جنس طاعات مانند نماز روزہ خواہ از جنس عقوبات باشد دران تعزیر بتجویز خود مقرر کند وآن را التعزیر قرار دہد کہ خلاف ملت غرا لازم می آید چہ نماز وروزہ فعل حسن وموجب تقرب الی اللہ است، ودرآن صورت تعزیر کہ عقوبت واہانت در لازم است رد وہد، کما لایخفی علی الفقیہ الزکی ومجرم ہم مستوجب ثواب نخواہد بود کہ نماز وروزہ جبرا ذکرہا بردلازم کنانیدہ شد، وآمر را ہم متصور نیست کہ صورت تعزیر نامشروع نمودہ، واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب فاعتبروا یا اولی الالباب

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ماقولہم درین مسئلہ کہ زید برعمرو دعوے زنا از زن خود بقرآن نمودہ وزوجہ خود را

حد کے اندر جتنی سزا چاہے دے سکتا ہے، اور اگر جرم معمولی ہو، تو محض تنبیہ، یا ایک آدھ تھپڑ یا کان کھینچنا بھی کافی ہے، اور کبھی سخت کلامی سے گذارہ ہو جاتا ہے، اور کبھی مار پٹائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، کبھی گھری نگاہ سے دیکھنا ہی کافی ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ فقہ وحدیث کی کتابوں میں سے طاعات کی جنس میں سے مثلاً نماز وروزہ کی کوئی تعزیر ثابت نہیں ہوتی اور نہ ایسی تعزیر مقرر کی جاسکتی ہے، اور اس کے علاوہ اس طرح نماز وروزہ کی توہین بھی ہوتی ہے کہ ان کو قائم مقام عقوبت وسزا کے سمجھا جائے، اور مجرم کو اس طرح سے نماز وروزہ سے کوئی ثواب نہ ہوگا، کیونکہ ثواب تو اس صورت میں ہوتا ہے، کہ جب آدمی ان کو تقرب الٰہی کی خاطر ادا کرے، اور نہ قاضی کو ثواب ہوگا کہ یہ تعزیر کی نامشروع صورت ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال:۔ زید نے اپنی بیوی سے زنا کرنے کا الزام عمرو پر لگایا، اور جب عورت کو ڈانٹ ڈپٹ کی تو اس

نیز کہ زجر نمودہ ام ہم اقرار نمودہ کہ از من قصور شد، آیا درین صورت ثبوت زنا بر عمرو می شود یا نہ، و باز زید این ہم رو بروے مردمان گفت کہ من در حالت غضب گفتہ بودم فقط۔

الجواب:۔ ثبوت زنا بر عمرو ہرگز نمی شود، چنانکہ از قرآن مجید و حدیث شریف و کتب فقہ ہویدا می شود پس بر زید واجب است کہ با ثبات تہمت زنا بر عمرو چہار شاہد عدل از مردان قائم کند، و ہر چہار شاہد حر مسلم عفیف بگویند کہ ما ہر چہار بچشم خود ہا دیدیم کہ ہر دو زنا کردند، و مانند سلائی در سرمہ دانی دخول کردہ شد، و اگر ہر چہار شاہد بصفت مذکور نیارد بر زید ہشتاد تازیانہ بطلب مقذوف حد قذف زدن ضرور است شرعا، چنانکہ قرآن مجید بران ناطق و ہر کہ حکم خلاف شریعت جاری کند در وعید این آیت کریمہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ہم الفاسقون الآیۃ داخل خواہد بود، در ہدایہ مذکور است۔ حد القذف اذا قذف الرجل رجلا محصنا او امرأۃ محصنۃ بصریح الزنا وطالب المقذوف بالحد حدہ الحاکم ثمانین سوطا ان کان حرا لقولہ تعالی والذین یرمون المحصنات الی ان قال فاجلدوہم ثمانین جلدۃ الآیۃ والمراد الرمی بالزنا بالاجماع ومن النص اشارۃ الیہ وہو اشتراط اربعۃ من الشہداء اذ ہو مختص بالزنا کذا فی الہدایۃ وشرح الوقایۃ والدر المختار وغیرہ من کتب الفقہ۔ و قصہ این در سورہ نور مفصلا مذکور است والذین یرمون المحصنات و آنان کہ رمی می کنند مر زنان محصنہ را بزنا و مرد محصن نیز درین حکم داخل است و این جا احصان بحریت است

نے کہا، مجھ سے غلطی ہوگئی ہے، اس صورت سے عمرو پر زنا کا الزام ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ اور پھر اس کے بعد زید نے لوگوں کے سامنے اقرار کیا، کہ میں نے یہ الزام غصہ کی حالت میں لگایا تھا۔

الجواب:۔ اس سے عمرو پر زنا کا ثبوت نہیں ہوتا جیسا کہ کتب حدیث و فقہ و قرآن مجید سے صاف ظاہر ہے، اب زید پر واجب ہے، کہ چار گواہ آزاد، مسلمان، پاکباز ایسے پیش کرے، جو شہادت دیں کہ واقعی ہم نے عمرو کو زید کی بیوی سے زنا کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور جیسے سلائی سرمہ دانی میں داخل ہوتی ہے ایسا ہی دخول ہم نے دیکھا ہے، تو زید بچ جائے گا، اور عمرو اور زید کی بیوی پر زنا کی حد لگ جائے گی، اور اگر ایسے گواہ پیش نہ کر سکے، تو زید پر اسی درے حد پڑے گی، جو تہمت کی سزا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے، ہدایہ میں ہے، تہمت کی حد اس وقت ہے، جب کہ کوئی آدمی کسی شادی شدہ مرد یا عورت کو صریح زنا کی تہمت لگائے، اور تہمت زدہ آدمی حد کا مطالبہ کرے، تو اگر تہمت لگانے والا ہے، تو اس کو اسی درے حد لگائی جائے گی، اور یہ قصہ سورہ نور میں مفصل مذکور ہے، والذین یرمون المحصنات الآیۃ تہمت کے لئے پانچ شرطیں ہیں جن

وبلوغ وعقل واسلام وعفت از زنا آن کہ مردے یا زنے راکہ بجمیع این پنج صفت موصوف باشد بزنا دشنام دہند لقولہ تعالیٰ والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء پس نیارند نزدیک حکام چہار گواہ عدل یعنی چہار مرد آزاد و بالغ مسلمان نیارند بر اثبات آنچہ رمی میکردند بدان فاجلدوہم ثمانین جلدۃ پس بزنید ایشاں را ہشتاد تازیانہ و لا تقبلوا لہم شہادۃ ابدا و قبول مکنید از ایشان کہ قذف کردند و گواہ نیاوردند و تازیانہ خوردند گواہی در ہیچ حکم ہمیشہ، چنانکہ در تفسیر حسینی و مدارک و بیضاوی وغیرہ مذکور است، واز اقرار زوجہ او واز انکار عمرو حد از ہر دو ساقط است، چراکہ در ثبوت زنا خلل افتاد چنانکہ در کتب فقہ مانند کنز و در مختار و ہدایہ وغیرہ مذکور است، الغرض بر عمرو اصلا ثبوت زنا نمی شود شرعا، واللہ اعلم بالصواب

محمد قطب الدین ۱۲۷	سید محمد نذیر حسین
حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ	محمد عبد القادر ۱۲۶۹	محمد عبد الرب ۱۲۶۷

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ ایک عورت شخص اجنبی زید کی زوجہ کو بھگا کر لے گئی، اور غیر شخصوں کے گھر میں لے جا کر رکھا، اور وہاں خوف زنا کا ہے، اس صورت میں دعوے زید کا واسطے دلا پانے زوجہ اپنی کے اس مغویہ وغیرہ سے شرعا پہنچتا ہے یا نہیں، اور مغویہ وغیرہ قابل تعزیر کے ہیں یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ در صورت مرقومہ دعوے زید کا اوپر دلا پانے اپنی زوجہ کے اور اپنے مکان میں لے جانے واسطے از روئے شرع شریف کے صحیح اور درست ہے، خدا تعالیٰ فرماتا ہے اسکنوھن من حیث سکنتم الآیۃ (ترجمہ) جگہ دو تم ان کو جہاں رہتے ہو تم، اور کتب فقہ میں بھی اسی طرح سے مذکور ہے، الغرض زوجہ کو اطاعت اپنے شوہر کی واجب ہے، کیونکہ درجہ مردوں کا بڑا ہے، فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لو کنت امرا احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجہا رواہ الترمذی وابوداؤد ونحوہ عن قیس بن سعد واحمد عن معاذ وابی ھریرۃ کذا فی المشکوۃ (ترجمہ) اگر حکم کرتا میں کسی کو کہ سجدہ کرے کسی کو البتہ حکم کرتا میں عورت کو کہ سجدہ کرے اپنے شوہر کو، اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے الرجال قوامون علی النساء

ے تہمت لگانے والے پر حد جاری ہوگی، کہ تہمت زدہ مرد یا عورت آزاد ہو، بالغ ہو، عاقل ہو، مسلمان ہو، پاکباز ہو، اور پھر اس کے بعد چار گواہ پیش نہ کر سکے، تو اس کو حد لگائی جائے گی، اور پھر اس کی آئندہ کے لئے کبھی شہادت قبول نہ ہوگی، اور بیوی کے اقرار اور عمرو کے انکار کی صورت میں دونوں سے حد ساقط ہو جائے گی، جیسا کہ کنز، در مختار اور ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے کیونکہ ثبوت زنا میں خلل واقع ہو گیا ہے ۱۲

بما فضل الله بعضهم علی بعض و بما انفقوا من اموالهم الایۃ ترجمہ) مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو دوسرے پر اور اس واسطے کہ انہوں نے خرچ کئے اپنے مال فائدہ ۵۔ یعنی اللہ نے مرد کا درجہ اوپر بنایا، تو عورت کو حکم برداری چاہیئے، اور اگر عورت بدخوئی کرے، تو مرد پہلے درجہ سمجھا دیوے، دوسرے درجہ جدا سووے، لیکن اسی گھر میں، پھر آخر درجہ مارے، کذافی موضح القرآن، الا عورت گناہ کے کام میں اطاعت اپنے شوہر کی نہ کرے، جیسا کہ فرمایا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد مغوی اور عورت مغویہ کے حق میں لیس منا من خبب امرأۃ علی زوجھا او عبدا علی سیدہ رواہ ابو داؤد عن ابی ھریرۃ یعنی نہیں ہم میں سے وہ کہ ورغلا دے اور بہکا دے عورت کو اس شوہر سے، اور غلام کو اس کے مالک سے کذا فی حقیقۃ الاسلام، معلوم ہوا اس سے کہ جو شخص خواہ مرد ہو یا عورت، کسی عورت کو ورغلا دے اس کے مرد کی طرف سے پس وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے، اور نیز عورت مغویہ وغیرہ قابل تعزیر کے ہیں، جیسا کہ اشباہ والنظائر سے معلوم ہوتا ہے، پس حاکم وقت کو چاہیئے، کہ ایسے لوگوں کو تعزیر و سزا قرار واقعی دیوے، تاکہ وہ حرکت ناشائستہ سے باز آویں، اور کسی کی خانہ ویرانی نہ چاہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ سید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ایک شخص نے ایک خط متضمن ایسے کلمات کا جو صراحۃ یا کنایۃ کسی محصنہ کے حق میں قذف ہو کسی دوسرے سے لکھا کر بھیجا پس کاتب مذکور الصدر کا شرعا کیا حکم ہے آیا وہ بھی قاذف ہے یا نہیں، اور حد قذف اس پر لازم آتی ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ واضح ہو کہ کاتب خط نے اگر دانستہ اور بالاختیار خط مذکور کو لکھا ہے، تو وہ گنہ گار ضرور ہوگا، مگر اس پر حد نہیں آوے گی، اور اگر عدم علم میں لکھا ہے یعنی اس نے سمجھا نہیں، کہ وہ کلمات مندرجہ خط کلمات قذف ہیں یا سمجھا، مگر بالاختیار نہیں لکھا، بلکہ بالجبر اس سے لکھوایا گیا، تو ان دونوں صورتوں میں وہ گنہ گار بھی نہیں ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ السید عبد الحفیظ عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:- ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ فی ھذہ المسئلۃ کہ زید نے اپنے باپ پر دعویٰ کیا، کہ میری زوجہ سے میرے والد نے زنا کیا، اور بوقت شب شور و غل کرتا ہوا اپنے خویش و اقارب میں چلا گیا، جس وقت لوگوں نے اس سے تفتیش کیا، تو پہلے دعویٰ پر قائم رہا، بعد ایک دو روز کے اس نے بیان کیا، کہ دراصل میں اپنے والد سے چند روپے طلب کرتا تھا اس نے نہیں دیئے، بدین وجہ میں نے یہ افترا پردازی کی اور حقیقت میں یہ امر لا اصل ہے، در صورت مرقومہ جو بندگان عالی میں گذارش کیا گیا، کہ نہ مدعی دعوے پر قائم ہے، اور نہ کوئی گواہ اس بات کا ہے، کہ یہ فعل شنیع اس نے کیا ہو پس آیا عند الشرع کسی طرح کی ملامت شریعت غرا سے ذمہ مفتری کے ہے یا نہیں، اور کوئی خلل نکاح مفتری میں عارض ہوگا، اور حاجت تجدید نکاح کی پڑے گی یا نہیں۔ بینوا بالکتاب۔ توجروا یوم الحساب۔ والسلام خیر الکلام۔

الجواب:- یہ صورت مندرجہ سوال مقتضی لعان ہے، کیونکہ سبب لعان کا تہمت لگانا ہے مرد کا اپنی زوجہ کو ایسی تہمت کہ اگر بے گانی عورت کو وہی تہمت لگا دے، تو مرد پر حد واجب ہو یعنی عورت آزاد، مسلمان، پاکدامن ہو، حرامکاری سے، اور مرد کے دعوے پر گواہ نہ ہوں، اور عورت منکر ہو تہمت سے، عورت مخصوص بشرائط مذکورہ اس واسطے ہوئی، کہ تہمت اسی پر لگی ہے تو شروط احصان کی اس کے واسطے پوری چاہئیں، سببہ قذف الرجل زوجتہ قذفا یوجب الحد فی الاجنبیۃ خصت بذلک لانہا ھی المقذوفۃ فتتم بہا شروط الاحصان انتہی مافی التنویر والدر المختار۔ ہاں در سوال سائل سے عورت کا مطالبہ لعان سے نہیں پایا جاتا، تو لعان ساقط ہوگا، لعان میں مطالبہ اس واسطے مشروط ہوا، کہ اگر عورت مطالبہ نہ کرے، تو لعان ساقط ہے، اس واسطے کہ لعان حق ہے عورت کا، تاکہ وہ اپنی ذات سے دفع عار کرے،

اور سوال سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ مرد بعد قذف کے منکر ہو گیا، اور عورت کے پاس بینہ نہیں ہے، تو مرد پر حلف نہیں آئے گی، اور لعان ساقط ہوگا خصوصا ہندوستان میں کہ حاکم ذی اقتدار اہل اسلام سے کہ مسئلہ لعان کو فیصلہ کرے مفقود ہے، بلکہ عورت کو چاہیے کہ پردہ پوشی

لہ اس کا سبب آدمی کا اپنی عورت کو ایسی تہمت لگانا ہے، کہ اگر ایسی تہمت کسی اجنبی عورت کو لگاتا، تو اس پر حد واجب ہو جاتی، ان صفات سے عورت کو اس لئے خاص کیا گیا ہے، کہ اس پر تہمت لگی ہے، تو اس کے لئے احصان کی شرطیں پوری ہوں گی ۱۲

کرے، اور حاکم کو بھی چاہیئے کہ عورت کو پردہ پوشی کا حکم کرے، والا فضل لها الستر وللحاکم ان یامرها به کذا فی الدر المختار وغیرہ فان ابی حبس حتی یلاعن او یکذب نفسه فیحد للقذف الی اخر ما فی کتب الشریعة۔ اور اس واقعہ میں قاذف کے باپ پر کچھ مواخذہ شرعاً نہیں پہنچتا اسی طرح سے عورت پر کسی طرح کا مواخذہ نہیں قابل زجر اور توبیخ کے قاذف ہے اور توبیخ اس پر زبانی ہے اور جب کہ وہ منکر ہوا اور اپنی اس تہمت پر نادم ہوا، تو زجر اس سے مرتفع ہوا التائب من الذنب کمن لا ذنب له الحدیث واللہ اعلم بالصواب

حررہ السید شریف عفی عنہ — ز شرف سید کونین شد شریف حسین ۱۲۹۳

خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین ۱۲۹۲ — کما تدین دان — محمد عبد القادر ۱۲۸۶

حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ — سید محمد نذیر حسین

کتاب الحظر والاباحۃ

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے اپنی عورت کو گھر سے نکال دیا، یا خود وہ عورت گھر سے چلی گئی، اور خراب و بد وضع پھرتی ہے، اور زید طلاق اس کو نہیں دیتا ہے، اور نہ اپنے گھر میں رکھتا ہے، اور زید کو غیرت و شرم و حیا نہیں ہے اس صورت میں دونوں گنہ گار ہوتے ہیں یا نہیں، اور اس کی امامت درست ہے، یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:- درصورت مرقومہ دونوں گنہ گار ہوتے ہیں، کیونکہ زید پر واجب ہے کہ جب وہ عورت بدراہ ہوئی، تو طلاق دے دے، کہ وہ عورت اور شوہر کرے، یا زید اس کو اپنے گھر میں لا کر رکھے، خدا تعالے فرماتا ہے۔ فامساک بمعروف او تسریح باحسان الآیۃ اور فرماتا ہے ولا تذروھا کالمعلقۃ۔ اور زید اس صورت میں فاسق ہے، اور امامت فاسق کی مکروہ ہے، ایسے شخص کو نا مقتدا و امام نہ بنا دے۔ لا یقدم الفاسق ویکرہ الصلوۃ خلفہ کذا فی کتب الفقہ۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

محمد اسد علی

محمد شبلی

سوال:- پردہ زنان از خواجہ سرائے جائز است یا نہ۔

الجواب:- حکم خواجہ سرائے در نظر کردن بجانب زن اجنبیہ حکم مرد دار چنانچہ از مردان پردہ می کنند ہمیں قسم از خواجہ سرائے کہ این ہم مرد است نہ زن، بہر حال پردہ باید کرد،

---

[1] یا اچھی طرح سے رکھتا ہے یا بھلے طریقہ سے چھوڑ دیتا ہے ۱۲

سوال:- عورتوں کو خسرہ سے پردہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- خسرہ کا حکم اجنبی عورت کی طرف نگاہ کرنے میں مرد کا حکم رکھتا ہے، مردوں کی طرح اس سے پردہ کرنا چاہیے، کیونکہ وہ مرد ہے نہ کہ عورت، لہٰذا پردہ چاہیے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ایمانداروں سے کہیے، کہ اپنی

چنانچہ در کتاب اللہ حکم مذکور موجود است. قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجہم الآیۃ وفی الھدایۃ والخصی فی النظر الی الاجنبیۃ کالفحل انتہی واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین | محمد صدر الدین | محمد لقی خان

سید محبوب علی جعفری | ھو الخالق

سوال:۔ نان پاؤ تاڑی آمیز کھانا اور اس کی بیع وشرا جائز و درست ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب:۔ ارباب شرع پر مخفی نہیں کہ تاڑی مسکر ہے اور جو چیز مسکر ہو وہ حرام ہے قلیل ہو یا کثیر بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم کل مسکر حرام رواہ مسلم من روایۃ ابن عمرؓ وعن ابن عمر انہ علیہ الصلوۃ والسلام قال ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام رواہ احمد وابن ماجہ والدارقطنی وصححہ، اور جب تاڑی اور خمر کا بنا بر اسکار حکم متحد ٹھہرا شرعاً تو اس کے حرام ہونے میں کسی طرح کا شک وشبہ نہ رہا، اور جب یہ تاڑی آٹا اور میدہ اور سوجی میں ملائی گئی، اور روٹی پکائی گئی تو یہ روٹی تاڑی ملی ہوئی بلاشبہ حرام ہوگی، چنانچہ خمر کے ملنے سے حرام ہوتی ہے۔ الدقیق اذا اصابہ خمر لا یوکل ولیس ھنا حیلۃ کذا فی المحیط البرھانی وغیرہ من کتب الفقہ۔ اور جب نان پاؤ وغیرہ تاڑی کے پڑنے سے حرام ٹھہرا تو اس کی بیع وشرا بھی حرام ہوگی، جیسا کہ بیع وشرا خمر ومیتہ اور دم کی حرام ہے۔ لان الشرع ابطل تقومھا فی حق المسلمین کیلا یتمولوا بھا کذا فی الھدایۃ والعنایۃ والکفایۃ وغیرھا من کتب الفقہ البیع ھو مبادلۃ المال بالمال کذا فی الفقہ قال فی البحر المال ما یمیل الیہ الطبع والمالیۃ انما تثبت بتمول الناس کافۃ والتقوم یثبت بہا وبا باحۃ الانتفاع بہ شرعاً فما یکون مباح الانتفاع لا یکون متقوما واذا عدم

نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور ہدایہ میں ہے، کہ خصی اجنبیہ عورت کی طرف دیکھنے میں مرد کی طرح ہے، واللہ اعلم ۱۲

[1] میدہ میں جب شراب مل گیا ہو، تو اس کی روٹی نہیں کھائی جائے گی ۱۲ [2] کیونکہ شریعت نے مسلمانوں کے حق میں اس کا قیمت ہونا باطل کر دیا ہے، تاکہ وہ اس کے ذریعہ دولت اکٹھی نہ کریں، بیع مال سے مال کے تبادلہ کا نام ہے، مال وہ ہے، جس کی طرف طبیعت مائل ہو، اور مالیت لوگوں کے تمول سے ثابت ہوتی ہے، اور قیمت شرعاً اس سے جس سے فائدہ اٹھانا مباح ہو، اور جو مباح الانتفاع نہ ہو، وہ قیمت نہیں ہے، جب یہ دونوں امر معدوم ہوں گے، تو ان میں سے کوئی بھی ثابت نہ ہو سکے گا جیسے خون ۱۲

سوال:۔ اگر خواجہ سرائے خواہد، کہ انسے زن عقد نکاح کند شرعًا وجائز است یا نہ، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ عقد نکاح او جائز است، چرا کہ در ہدایہ مذکور است۔ انہ کالفحل وکل فحل ینکح فالخصی ینکح۔ واللہ اعلم

هو الخالق

محمد صدر الدین

سید محبوب علی جعفری

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ تعویذ نوشتہ در گلو انداختن روا است یا نہ، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ تعویذ نوشتہ در گلو انداختن مضائقہ ندارد و اختلاف دران بعضے تابعین کردہ اند مگر اظہر واصح جواز است۔ واختلف فی الاسترقاء بالقرآن نحو ان یقرأ علی المریض والملدوغ او یکتب فی ورق ویعلق او یکتب فی طست فیغسل ویسقی المریض فاباحہ عطاء ومجاھد وابو قلابۃ وکرھہ النخعی والبصری کذا فی خزانۃ الفتاوی فقد ثبت ذلک فی المشاھیر من غیر انکار کذا فی خزانۃ المفتین ولا باس بتعلق التعویذ ولکن ینزعہ عند الخلاء والقربان کذا فی الغرائب کذا فی الفتاوی العالمگیریۃ۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق۔ عمرو بن شعیب کے دادا عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جب تم میں سے کوئی شخص خواب میں ڈرے تو یہ کہے،

سوال:۔ اگر خسرہ کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے تو یہ شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس کا نکاح جائز ہے، ہدایہ میں ہے، خسرہ نر کی طرح ہے، اور ہر نر نکاح کر سکتا ہے خصی بھی نکاح کر سکتا ہے ۱۲

سوال:۔ تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالنا جائز ہے یا نا جائز؟

الجواب:۔ تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالنا جائز ہے، کوئی حرج نہیں ہے، بعض تابعین نے اس میں اختلاف کیا ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ جائز ہے، قرآن شریف کا تعویذ کرنے میں اختلاف ہے، مثلاً بیمار یا ڈسے ہوئے پر پڑھ کر دم کرے، یا کسی کاغذ پر لکھ کر گلے میں ڈالے، یا کسی تھال میں لکھ کر مریض کو پلائے تو عطاء مجاہد، ابو قلابہ اس کو جائز کہتے ہیں، اور بصری نخعی اور بصری مکروہ سمجھتے ہیں تعویذ لٹکانے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ قضائے حاجت کے وقت اس کو اتار دے ۱۲

اعوذ بکلمات اللہ التامات[1] من غضبہ وعقابہ وشر عبادہ ومن ھمزات الشیاطین وان یحضرون۔ تو شیاطین کے وسوسے اس کو ضرر نہیں دیں گے، اور عبداللہ بن عمرو اپنے بالغ لڑکوں کو یہ کلمات سکھاتے تھے، اور اپنے نابالغ لڑکوں کے لئے ان کلمات کو ایک کاغذ میں لکھ کر ان کے گلے میں لٹکا دیتے تھے، روایت کیا اس کو ابو داؤد نے، اور ترمذی نے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے، اس روایت کے تحت میں شراح حدیث لکھتے ہیں کہ جس تعویذ میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہو، یا قرآن کی کوئی آیت لکھی ہو، یا کوئی دعا ماثورہ لکھی ہو سو ایسے تعویذ کا بالغ لڑکوں کے گلے میں لٹکانا درست ہے، ملا علی قاری مرقات میں اس حدیث کے تحت میں لکھتے ہیں سو ھذا[2] اصل فی تعلیق التعویذات التی فیہا اسماء اللہ تعالیٰ، اور حدیث ان الرقی والتمائم والتولۃ شرک کے تحت میں لکھتے ہیں۔ التمائم[3] جمع تمیمۃ وھی التعویذۃ التی تعلق علی الصبی اطلقہ الطیبی لکن ینبغی ان یقید بان لا یکون فیہا اسماء اسماء اللہ تعالیٰ وآیاتہ المتلوۃ والدعوات الماثورۃ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں عبداللہ بن عمرو کی حدیث کے ترجمہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں، وازینجا جواز[4] آویختن تعویذات درگردن معلوم می شود، وبعضے علماء را درینجا اختلاف است، مختار آن است، کہ تعلیق خرزات ومانند آن حرام ومکروہ است، واما اگر قرآن یا اسمائے الٰہی نویسند باکے نیست، چنانکہ در رقیہ این تفصیل کردہ اند۔

کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ زید مقروض بہت ہے، اور تقاضا قرضخواہوں کا اس پر ازبس ہے، اور اس کے پاس سوائے قدرے زمین زرعی دوامی کے اور کچھ جائداد نہیں ہے، اور اس کی آمدنی سے بدشواری اوقات اپنی اور اہل عیال اپنے کی بسر کرتا ہے، اور قرض ہر سال زیادہ ہوتا جاتا ہے، اور قرض کسی صورت سے ادا نہیں ہوتا، اگر اراضی قلیل کو

---

[1] میں اللہ کے پورے کلمات سے اس کے غضب، عذاب، اور اس کے بندوں کی برائی اور شیطان کے وسوسوں اور ان کے حاضر ہونے سے پناہ لیتا ہوں ۱۲

[2] یہ اصل ہے ان تعویذات کے لٹکانے میں، جن میں اسمائے الٰہی لکھے ہوں ۱۲

[3] تمائم تمیمہ کی جمع ہے، اور وہ تعویذ ہے، جو بچوں کے گلے میں لٹکایا جاتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء اور قرآن مجید کی آیات اور ماثورہ دعائیں نہیں ہونی چاہئیں ۱۲

[4] اس سے بچوں کے گلے میں تعویذ لٹکانا جائز معلوم ہوتا ہے، بعض علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے، لیکن صحیح یہ ہے، کہ کوڑیوں وغیرہ کا لٹکانا حرام و مکروہ ہے لیکن اگر قرآن یا اسمائے الٰہی لکھے تو کوئی حرج نہیں ہے ۱۲

فروخت کرے تو بھی قرض ادا نہیں ہو سکتا، اور اس کے فروخت کرنے میں اوقات بسری اہل و عیال کی نوبت ہو جاوے گی، اور محنت و کسب کے لائق وہ نہیں ہے کہ عمر زیادہ ہو چکی ہے، ایسے پریشان حال اور تکلیف میں واسطے ادائے قرض کے ذی مقدور اہل اسلام سے درخواست اعانت ادائے قرض کی کرے، تو درست ہے یا نہیں، عنداللہ ماخوذ تو نہ ہوگا بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے، کہ نہایت محتاجگی اور قرضداری میں سوال کرنا صاحبان ثروت و مردمان ذی مقدور سے بلا ریب درست ہے، جیسا کہ حدیث و فقہ سے صاف واضح ہوتا ہے۔ عن حبشی بن جنادۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المسئلۃ لا تحل لغنی ولا لذی مرۃ سوی الا لذی فقر مدقع او غرم مفظع رواہ الترمذی (ترجمہ) روایت ہے حبشی بن جنادہ سے، کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ تحقیق سوال کرنا نہیں حلال واسطے غنی کے اور نہ واسطے صاحب قوت تندرست اعضاء کے، ولیکن حلال ہے سوال واسطے فقیر زدہ حال کے یعنی ایسا محتاج ہے کہ محتاجگی نے خاک میں ڈال رکھا ہے اس کو یا حلال ہے سوال واسطے قرضدار کے جو بھاری قرض رکھتا ہو روایت کیا اس کو ترمذی نے، اور اس مضمون کی اور بھی حدیثیں وارد ہیں چنانچہ علمائے حدیث پر پوشیدہ نہیں، اور کتب فقہ میں بھی مذکور ہے، کہ اگر کسی کے پاس اوقیہ ذہب اور پچاس درہم ہوں، تو بھی سوال کرنا اس کو جائز ہے، زیادہ حاجت کے لئے، اور جس کے پاس قسم کھانے کی بھی موجود ہووے، اور کپڑے کی حاجت ہو تو کپڑے کا بھی سوال درست ہے، ولو سال للکسوۃ جاز لو محتاجا کذا فی الدر المختار وغیرہ ویجوز لصاحب الاوقیہ من الذھب والخمسین درھما سوال ما یحتاج الیہ من الزیادۃ کذا فی الطحطاوی وغیرہ۔ الغرض جو شخص صاحب حاجت ہو، اور وہ اس قدر مقدور نہ رکھتا ہو اور دوسرا ایک حاجت رکھتا ہو تو چند حاجت والے کو دینا اولے اور موجب کثرت ثواب کا ہے، اور محتاج قرضدار اکثر اہل و عیال کو بہت سا دینا اولے ہے بہ نسبت اس شخص کے کہ فقیر ہو، اور قرضدار کثیر العیال نہ ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محتاج بی بی والے کو دو حصہ عطا فرماتے، اور محتاج تنہا کو ایک حصہ دیتے، چنانچہ کتب

لہ اگر محتاج آدمی کپڑے کا سوال کرے، یا کپڑے کے لئے سوال کرے، تو جائز ہے، اور اگر اس کے پاس پچاس درہم بھی ہوں اور اس کو اس سے زیادہ کی ضرورت ہو تو سوال کر سکتا ہے ۱۲

صحاح ستہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ وفی الظہیریۃ للمدیون اولی منہ للفقیر کذا فی الدر المختار لاحتیاجہ الی دفع دینہ والی نفقۃ نفسہ وعیالہ کذا فی الطحطاوی وغیرہ من کتب الفقہ اور مراد غارمین سے بیچ آیت کریمہ انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین (الی اخر الآیۃ) مدیون اور قرضدار مراد ہے، چنانچہ کتب فقہ سے واضح ہوتا ہے۔ مصرفہا فقیر ومسکین ومدیون لا یملک نصابا فاضلا عن دینہ انتہی ما فی الدر المختار مختصرا قولہ مدیون وھو المراد بالغارم فی الآیۃ کذا فی الطحطاوی، اور اہل دول وصاحب مملکت اور ذی مقدور پر واجب ہے اعانت وامداد کرنی ایسے مفلس وقرضدار بارگران کثیر اہل وعیال کی، چنانچہ اس کی فضیلت اور کثرت ثواب قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ انما الصدقات الی اخرہ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نفس عن مومن کربۃ من کرب الدنیا نفس اللہ عنہ کربۃ من کرب یوم القیامۃ ومن یسر علی معسر یسر اللہ علیہ فی الدنیا والاخرۃ واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ رواہ مسلم۔ اور خدا تعالیٰ بیچ مدد بندہ کے ہے، جب تک وہ بندہ بیچ مدد بھائی اپنے کے ہے، یعنی جب تک کوئی بندہ کسی مسلمان بھائی کی نفع رسانی اور دفع عسر میں متوجہ رہتا ہے تب تک اللہ تعالیٰ اس کا مددگار رہتا ہے، نقل کیا اس حدیث کو مسلم نے واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: زید کسب حلال کرتا ہے، اور کمائی عمرو کی مخلوط ہے ساتھ حلال اور حرام کے، اور زید مال حلال اپنا عمرو کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، اور عمرو اپنے مال مخلوط سے خریدتا ہے اب اس صورت میں زید عمرو سے خرید وفروخت کرے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: زید عمرو کے ساتھ معاملہ ہرگز نہ کرے، کیونکہ عمرو موقوف علیہ اور مدار

---

[1] مقروض کو زکوٰۃ دینا بہ نسبت فقیر کے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس کو اپنے اور اہل وعیال کے خرچ کے لئے بھی ضرورت ہے، اور قرض اتارنے کے لئے بھی۔ [2] صدقات فقیروں، مسکینوں، اور اس پر کام کرنے والوں اور مؤلفۃ القلوب کے لئے ہیں، اور غلاموں کے آزاد کرنے اور مقروضوں کے قرضہ اتارنے کے لئے ہیں۔ الآیۃ

[3] زکوٰۃ کا مصرف فقیر، مسکین اور ایسا مقروض ہے، جو اپنے قرضہ سے زائد نصاب کا مالک نہ ہو ۱۲

کار زید کا نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے کوئی طریق اصابت حلال کا پیدا کر دے گا۔ من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب الآیۃ ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ کافی ووافی ہے۔ واللہ اعلم۔ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: فصد یا حجامت یعنی پچھنے وغیرہ لگوانا کس تاریخ اور دن میں ناجائز ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: تیرھویں تاریخ اور اکیسویں تاریخ اور منگل اور بدھ اور ہفتے میں خون نکالنا حدیث میں منع آیا ہے۔ کذا فی مشارق الانوار۔ واللہ اعلم بالصواب

شریف حسین عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین

سوال: ایک شخص ولد الزنا ہے، اور بجز ولد الزنا ہونے کے اس میں کوئی شرعی عیب نہیں پایا جاتا ہے، بلکہ صالح اور دیندار آدمی ہے، اور کسی برادری میں اس کا نکاح بھی ہوگیا ہے، اور اس کی اولاد کا بھی رشتہ ناتہ برادری میں ہوتا ہے، مگر اسی وقت سے بہت سے آدمی اس کو معیوب سمجھتے ہیں، اب جو شخص اس کو معیوب سمجھے، اور برے الفاظ سے اس کو یاد کرے، اور معیوب ٹھہرائے، تو وہ کیسا ہے، اور اس پر گناہ عائد ہوتا ہے یا نہیں؟

سوال دوم۔ ماں، باپ، بیٹی، بہن، داماد وغیرہ کے گھر کا کھانا، یا تحفہ لینا، یا نقد لینا شرعاً درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے، کہ اس شخص کو معیوب سمجھنا اور برے الفاظ سے یاد کرنا، اور اس کو معیوب ٹھہرانا بلاشبہ گناہ ہے، کہ خداوند کریم بیچ حق عیب لگانے والوں اور برے نام والفاظ سے یاد کرنے والوں کے فرماتا ہے۔ ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولئک ھم الظالمون (ترجمہ) اور عیب نہ دو ایک دوسرے کو اور نام نہ ڈالو چڑ ایک دوسرے کی برا نام ہے گنہگاری کا پیچھے ایمان کے، اور جو کوئی توبہ نہ کرے، تو وہی ہیں بے انصاف۔ فائدہ۔ جہاں کسی پر برا نام ڈالا، پہلے تو اپنا نام پڑے گا فاسق آگے کا مومن اس پر عیب لگا یا نہ لگا۔ انتہے،

لہ جو اللہ سے ڈرے گا، تو اللہ اس کے لئے کوئی نکلنے کی راہ نکالے گا، اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا، جہاں سے اس کو وہم وگمان بھی نہ ہوگا، اور جو اللہ پر بھروسہ کرے گا، تو وہ اس کو کافی ہے ۱۲

ولا تلمزوا انفسکم لا تطعنوا اھل دینکم واللمز الطعن والضرب باللسان ولا تنابزوا بالالقاب التنابز بالالقاب التداعی بہا والنبز لقب السوء والتلقیب المنہی عنہ ھو ما یتداخل المدعو کراھۃ لکونہ تقصیرا بہ وذما لہ بئس الاسم الفسوق بعد الایمان الاسم ھھنا بمعنی الذکر من قولہم طار اسمہ فی الناس بالکرم او باللوم وحقیقۃ ما سما من ذکرہ وارتفع بین الناس کانہ قیل بئس الذکر المرتفع للمؤمنین بسبب ارتکاب ھذہ الجرائم ان یذکروا بالفسق وقولہ بعد الایمان استقباح للجمع بین الایمان والفسق الذی یحظرہ الایمان ومن لم یتب عما نہی عنہ فاولئک ھم الظالمون۔ کذا فی تفسیر المدارک۔ پس مناسب ہے، کہ کسی مسلمان بھائی پر طعن نہ کرے اور عیب نہ لگا دے، اور برے نام سے اسے نہ بلا دے، اور فاسق کو برا کہے، پھر اگر ایسے امر سے توبہ نہ کی، تو وہ ظالم ہے، جیسا کہ آیت سابقہ سے واضح ہوا۔

جواب سوال دوم۔ کھانا ماں، باپ، یا بہن یا بھائی یا چچا یا پھوپھی یا ماموں یا خالہ کے گھر کا درست ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ ولا علی انفسکم ان تاکلوا من بیوتکم او بیوت اٰباءکم او بیوت امہاتکم او بیوت اخوانکم او بیوت اخواتکم او بیوت اعمامکم او بیوت عماتکم او بیوت اخوالکم او بیوت خالاتکم او ما ملکتم مفاتحہ او صدیقکم۔ (ترجمہ) اور نہیں تکلیف تم لوگوں پر کہ کھاؤ اپنے گھر سے، یا اپنے باپ کے گھر سے، یا اپنی ماں کے گھر سے، یا اپنے بھائی کے گھر سے، یا اپنی بہن کے گھر سے، یا اپنے چچا کے گھر سے، یا اپنی پھوپھی کے گھر سے، یا اپنے ماموں کے گھر سے یا اپنی خالہ کے گھر سے، یا جس کی کنجیوں کے تم مالک ہوئے ہو، یا اپنے دوست کے گھر سے، انتہی، پس اس آیت سے ماں باپ کے گھر کا کھانا صراحۃً ثابت ہوا، اور اس آیت سے دوست کے گھر کا کھانا ثابت ہے، تو اسی سے داماد کے گھر کا کھانا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا اور اس آیت میں جو یہ لکھا ہے، کہ کھاؤ اپنے گھروں سے سو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی اولاد کے گھروں سے، پس اس سے بیٹی کے گھر کا کھانا ثابت

لہ ولا تلمزوا انفسکم کا معنی ہے، اپنے اہل دین پر طعنہ زنی نہ کرو، لمز کا معنی ہے طعن و ضرب باللسان۔ ولا تنابزوا بالالقاب اس کا معنی ہے برے لقب سے کسی کو پکارنا جس کو وہ اپنی مذمت کی وجہ سے برا سمجھے۔ بئس الاسم الفسوق بعد الایمان یہاں اسم کا معنی ذکر ہے جیسے کہتے ہیں فلاں آدمی کا اچھا یا برا نام نکل گیا ہے، اور بعد الایمان کہنے سے مدعا یہ ہے، کہ فسق اور ایمان دونوں تو کسی دل میں نہیں سکتے یعنی فسق سے ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے ۱۲

ہوا تفسیر مدارک میں مرقوم ہے۔ ولا علی انفسکم ای حرج ان تاکلوا من بیوتکم ای بیوت اولادکم لان ولد الرجل بعضہ وحکمہ حکم نفسہ ولذا لم یذکر الاولاد فی الآیۃ۔ و قد قال علیہ الصلوۃ والسلام انت ومالک لابیک او بیوت ازواجکم لان الزوجین صارا کنفس واحدۃ فصار بیت المراۃ کبیت الزوج او بیوت ابائکم او بیوت امھاتکم الخ لان الاذن من ھؤلاء ثابت دلالۃ کذا فی مدارک التنزیل وحقائق التاویل۔ الحاصل ماں، باپ، بیٹی، داماد کے گھر کا کھانا قرآن مجید سے عبارۃً یا اشارۃً ثابت ہے، اور اس کی ممانعت کہیں سے ثابت نہیں ہے، اور جب ان لوگوں کے گھر کا کھانا ثابت ہوا، تو ان کا تحفہ لینا بھی ثابت ہوا، اور اگر کچھ نقد دیں، تو نقد کا لینا بھی ثابت ہوا، واللہ اعلم بالصواب، حررہ سید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ:۔ برتنا ولائتی برتنوں کا یا کپڑوں کا جن میں تصویریں بنی ہوتی ہیں جائز ہے اور بیع و شرا بھی جائز ہے، کہ اس میں ابتذال پایا جاتا ہے نہ تعظیم جیسے فرش ذی تصویر کہ اہانت و تحقیر کے طور پر استعمال ہوتا ہے، اس صورت میں تعظیم اس کی مقصود نہیں ہوتی۔ فی صحیح البخاری فی کتاب المظالم عن عائشۃ رضی انہا اتخذت علی سھوۃ لھا سترا فیہ تماثیل فھتکہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت فاتخذت منہ نمرقتین فکانتا فی البیت یجلس علیہما زاد احمد فی مسندہ ولقد رأیتہ متکئا علی احدھما وفیہا صورۃ

حررہ سید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے محققین اس مسئلہ میں کہ مرجع مکروہ تنزیہی کا ترک اولٰے ہے، یا کچھ اور، اور مکروہ تنزیہی جملہ ممنوعات شرعیہ سے ہے یا نہیں، جواب اس کا کتب معتبرہ حنفیہ سے تحریر فرماویں، کہ حق و باطل میں امتیاز ہو جاوے، اجر ملے گا۔

ل تم اپنے گھروں سے کھاؤ یعنی اپنی اولاد کے گھروں سے، اس لئے کہ آدمی کا بیٹا اس کا اپنا حصہ ہے، اور اس کے گھر کا حکم اس کے اپنے گھر کا ہے، یہی وجہ ہے، کہ آیت میں اولاد کا ذکر نہیں کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے، یا اپنی بیویوں کے گھروں سے، کیونکہ مرد و عورت گویا ایک ہی جان ہو جاتے ہیں، تو عورت کا گھر مرد کا اپنا گھر ہوا، یا اپنے ماں باپ اور داداؤں کے گھروں سے کیونکہ ان سے اجازت دلالۃً ثابت ہے۔

ل۲ حضرت عائشہ نے ایک طاقچہ میں گڑیاں رکھی ہوئی تھیں، اور اس کے سامنے پردہ لٹکا رکھا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھاڑ دیا، تو میں نے اس سے دو چادریں بنا لیں، ان پر بیٹھا جاتا تھا۔

الجواب: مرجح مکروہ تنزیہی کا ترک اولیٰ وخلاف اولیٰ ہے، اور ممنوعات شرعیہ سے نہیں ہے کیونکہ مرتکب اس کا مذموم ومعاقب نہیں جیسا کہ بحر الرائق ودر مختار وطحطاوی وشامی وتلویح ومسلم الثبوت وشرح اس کی میں مفصلاً مذکور ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: علمائے دین ومفتیان شرع متین چہ می فرمایند کہ نوکر ساختن خصی وخواجہ سرا کہ رو بروئے زنان آمد ورفت میدارند وشب وروز آمد ورآمد بر آن می کنند جائز است یا نہ ودر اجرت ایشان ہم کراہت وحرمت سرایت می کند یا نے، بینوا توجروا۔

الجواب: درصورت مرقومہ باید دانست کہ استخدام خصی وخواجہ سرا مکروہ وحرام است، مطلق یعنی خواہ برائے آمد ورآمد بر زنان نوکر دارد ایشان را یا صرف بخدمت بے آمد ورآمد بر زنان نوکر دارد وہمین صحیح ومعتمد قول است از روئے دلیل، واگرچہ بعضے نفس خدمت را بغیر دخول علے النسوان ازان جائز داشتہ اند ولکن دلیل عام است کہ بر استخدام ایشان تحریض وترغیب کنانیدن است بر مثلہ ومثلہ منہی عنہا وحرام است، وازین جہت کسب خصی ہم مکروہ وحرام شد، چنانکہ برجندی در شرح مختصر وقایہ بدان تصریح کردہ است۔ ویکرہ استخدام الخصیان لان الرغبۃ فی استخدامھم حث الناس علی ھذا الصنیع وھو مثلۃ محرمۃ کذا فی الھدایۃ وکرہ استخدام الخصی لان فیہ حث الناس علی الخصاء الذی ھو مثلۃ وقد علم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عنھا فیحرم کذا فی الکنز والعینی وحرم استخدام الخصی ای استعمال خصی بلغ خمسۃ عشر سنۃ فی الدخول فی الحرم واما قبلھا فلا باس کما فی

سوال: خصی اور خواجہ سرا (خسرہ) کی ملازمت عورتوں کے روبرو آنے کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اور ان کی اجرت میں حرمت یا کراہت سرایت کرتی ہے یا نہیں؟

الجواب: خصی اور خواجہ سرا کو نوکر رکھنا مطلقاً حرام اور مکروہ ہے، خواہ عورتوں کے پاس اس کی آمد ورفت ہو یا نہ ہو، صحیح اور معتمد قول یہی ہے، اگرچہ بعض نے عورتوں کے پاس آمد ورفت نہ ہونے کی صورت میں ان کی ملازمت کو جائز رکھا ہے لیکن دلیل عام ہے، کیونکہ اس طرح ان کو خصی ہونے کی ترغیب پیدا ہوگی، اور خصی ہونا مثلہ ہے، اور مثلہ حرام ہے اسی لئے خصی کی کمائی حرام اور مکروہ ہے، چنانچہ برجندی نے مختصر وقایہ کی شرح میں اس کی تشریح کی ہے خصی لوگوں کو ملازم رکھنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے ان کو اس کام کی رغبت پیدا ہوگی، اور یہ مثلہ ہے اور مثلہ حرام ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، جب خصی لڑکا پندرہ برس کا ہو جائے، تو اس کو گھر میں عورتوں کے پاس جانے سے روک دینا چاہئے، اور خصی کی کمائی

الکرمانی وغیرہ کذا فی جامع الرموز وکرہ استخدام الخصی لان الرغبۃ فی استخدامھم مما یحث الناس علی ھذا الصنیع خص بعضھم بالدخول فی الحرم والدلیل یفید کراھتہ مطلق الخدمۃ وفی الخزانۃ کرھوا کسب الخصی مطلقا لانہ کسبہ بالمخالطۃ مع النسوان و فی الخزانۃ لاباس بدخول الخصی علی النساء مالم یبلغ حد الحلم وقدروی ذلک بخمس عشر سنۃ لان الخصی لایحتلم کذا فی البرجندی وکرہ استخدام الخصی ظاھرہ الاطلاق وقیل بل دخولہ علی الحریم لو بلغ سنۃ خمسۃ عشر کذا فی الدر المختار قولہ وقیل بل دخولہ الاولی بل فی دخولہم علی ان قیل اقتصر المقھستانی ونقلہ الکرمانی والعلۃ تفید الاطلاق فکان ھو المعتمد کذا فی الطحطاوی، پس از روایات معتبرہ فقہیہ حنفیہ استخدام خصی مکروہ وحرام شد واز ین جہت در اجرت این نوکری کراہت، وحرمت نیز طاری گردید وناجائز شد وقواعد کلیہ فقہ این ست کہ کل ما ادی الی ما لایجوز لایجوز است، وچون نوکر داشتن خواجہ سرا وخصی را برائے خدمت بغیر دخول علی النسوان حرام شد پس نوکر داشتن برائے دخول علی النسوان بدرجہ اولے حرام خواہد شد چہ درین صورت دو علت حرمت یافتہ می شود ومحظور بر محظور لازم می آید والخصی والمجبوب والمخنث فی النظر الی الاجنبیۃ کالفحل کذا فی تنویر الابصار وغیرہ من المتون الحنفیۃ قولہ کالفحل لقولہ تعالیٰ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم وھو ذکور مؤمنون فیدخلون تحت ھذا الخطاب وغیرہ من النصوص وحکمہ کاحکام الرجال فی کل شیٔ کذا فی الطحطاوی وغیرہ من المعتبرات الحنفیۃ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب

سید محمد نذیر حسین

مکروہ ہے، کیونکہ اس کی کمائی عورتوں کے میل جول سے ہوتی ہے، خصی پندرہ برس کا جوان سمجھا جائے گا، کیونکہ اسے احتلام تو ہوتا ہی نہیں، ہدایہ، کنز، عینی، کرمانی، جامع الرموز، خزانہ وغیرہ میں اسی طرح ہے۔

پس فقہ کی معتبر روایات سے ثابت ہوا کہ خصی ہونا حرام ہے، اور ان کی کمائی بھی حرام اور مکروہ ہے، اور فقہ کا قاعدہ کلیہ یہ ہے، کہ ہر وہ چیز جو حرام تک پہنچائے حرام ہے، اور جس صورت میں خصی کو مطلقاً نوکر رکھنا منع ہے اگر عورتوں کے پاس آمدورفت کے لئے نوکر رکھا جائے تو بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا خصی، انگشت کٹا، اور مخنث اجنبی عورت کو دیکھنے کے متعلق نرمرد کی طرح ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ایماندارں سے کہیں کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، واللہ اعلم ۱۲

کتاب الاطعمۃ والصید والذبائح

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ذبح کیا ایک بکری کو تو اس کے پیٹ میں سے ایک بچہ مردہ نکلا، آیا وہ حلال ہے یا حرام۔ بینوا توجروا۔

الجواب: جو بچہ بکری یا گائے یا کسی اور جانور ماکول اللحم کے پیٹ سے مردہ نکلے، وہ حلال ہے، عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال فی الجنین ذکوتہ ذکوۃ امہ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ وفی روایۃ قلنا یارسول اللہ ننحر الناقۃ ونذبح البقرۃ والشاۃ فی بطنہا الجنین انلقیہ ام ناکلہ قال کلوہ ان شئتم فان ذکوتہ ذکوۃ امہ رواہ احمد وابوداؤد، یعنی ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنین کے بارے میں کہ اس کی ماں کا ذبح کرنا جنین کا ذبح کرنا ہے یعنی جنین کو علیحدہ ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جیسے اس کی ماں کے ذبح کرنے سے اس کی ماں حلال ہو جاتی ہے، اسی طرح اس کی ماں ہی کے ذبح کرنے سے وہ جنین بھی حلال ہو جاتا ہے روایت کیا اس حدیث کو احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے، اور ایک روایت میں ہے، کہ ہم لوگوں نے کہا، یارسول اللہ ہم لوگ اونٹ، اور گائے اور بکری ذبح کرتے ہیں، اور اس کے پیٹ میں بچہ ہوتا ہے، تو کیا اس کو پھینک دیں، یا اس کو کھا دیں، آپ نے فرمایا، اگر تم لوگ چاہو، تو کھاؤ، اس واسطے کہ اس کی ماں کا ذبح کرنا اس جنین کا ذبح کرنا ہے، یعنی اس جنین کے حلال ہونے کے لیے اس کی ماں کا ذبح کرنا کافی ہے، اس جنین کو ذبح کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے، یہ حدیث صحیح اور قابل احتجاج ہے، دیکھو نیل الاوطار اور تلخیص الحبیر اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بکری یا گائے یا کسی اور جانور ماکول اللحم کے ذبح کے بعد اس کے پیٹ میں سے جو بچہ مردہ نکلے، تو وہ حلال ہے، اور یہی مذہب ہے امام شافعی اور امام احمد اور امام مالک اور امام ابویوسف اور امام محمد وغیرہم کا، امام ابن المنذر نے لکھا ہے، کہ بجز امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کسی صحابی او

کسی تابعی اور کسی عالم سے یہ بات مروی نہیں ہے، کہ جنین کو بغیر ذبح کے کھایا جاوے یعنی صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے، کہ ذبح کے بعد پیٹ سے جو مردہ بچہ نکلے وہ حرام ہے اس کو کھانا نہیں چاہیئے، امام ابوحنیفہ کے سوا کسی صحابی اور کسی تابعی اور کسی عالم سے یہ قول منقول نہیں ہے۔ واضح رہے، کہ اگر جانور کے ذبح کرنے کے بعد اس کے پیٹ میں سے زندہ بچہ نکلے، تو اس کو ذبح کرنا ضروری ہے۔ قال فی عون المعبود بخلاف ما اذا خرج وبہ حیاۃ مستقرۃ فلا یحل بذکاۃ امہ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

ابوالطیب محمد شمس الحق	سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے جانور پالا بنام شیخ سدو یا مدار یا خواجہ صاحب اور بروقت ذبح حسب قاعدہ شرع بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا، غرض یہ ہے، کہ بعض ملاں اس کو حلال کہتے ہیں، اور یوں کہتے ہیں، کہ نیت اول کا کچھ اعتبار نہیں ہے جب ذبح کے وقت نام اللہ اکبر پر ذبح ہوا، تو حلال ہے شرعاً ایسا ارشاد پیش گاہ حضور والا سے ہووے، جس سے کوئی حجت و دلیل آیندہ کو باقی نہ رہے، وہ کیونکر ہے، اور جو عالم یا ملاں ایسے جانور کو حلال کہتے ہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنا، اور ان کا وعظ سننا کیسا ہے؟

(۲) بعض ملاں جو عالم کہلاتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں، کہ جو کتابیں اردو زبان میں عربی سے ترجمہ کی گئی ہیں، ان کا اعتبار نہیں ہے، جو کتابیں عربی زبان میں ہیں، وہی قابل اعتبار ہیں، ان کا یہ کہنا کیسا ہے، اور ایسا کہنے والا قابل امامت ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ قال فی الدر المختار ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اھل بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ، اور مظاہر الحق میں ہے، کہ جو جانور کہ نامزد کیا گیا اور شہرت دیا گیا تقرب و تعظیم کے لئے بنام غیر خدا تعالیٰ کے وہ حرام ہے، جیسے کہ عام جاہلوں میں دستور ہے، کہ بکرا شیخ سدو کا ہے، یہ گائے سید احمد کبیر کی ہے، یہ مرغا مدار صاحب کا ہے، یا جانور ذبح کرنا بزرگوں کی قبروں کے پاس یا کنارہ دریا کے پاس یا بطریق جوگ کے ساتھ نام جنوں کے پس کرنے والا ان کا مرتد کافر ہے، اور وہ بچہ مردار حرام ہے اگرچہ ذبح کے وقت نام خدا کا لیا ہوا یعنے

لہ اگر بچہ ماں کے پیٹ سے زندہ برآمد ہو، تو اس کو الگ ذبح کرنا پڑے گا، ماں کے ذبح کرنے سے بچہ حلال نہ ہوگا ۱۲

لہ درمختار میں ہے، اگر بادشاہ کے آنے کے لئے یا کسی بڑے آدمی کے آنے پر ذبح کرے گا، تو وہ حرام ہوگا کیونکہ وہ اللہ کے نام کے بغیر پکار دیا ہے، اگرچہ ذبح کے وقت اس پر خدا کا نام لیا جائے ۱۲

بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے تب بھی حرام ہے، اس واسطے کہ پہلے سے یہ جانور غیر خدا کے نام سے مشہور ہو چکا ہے، پھر وقت ذبح کرنے کے اب نام خدا کا کچھ فائدہ نہیں دیتا، جیسا کہ اشباہ ونظائر اور تنویر الابصار اور در مختار اور منح الغفار اور فتاوی عالمگیری اور مطالب المومنین وغیرہ میں مذکور ہے، بلکہ در مختار میں شرح وہبانیہ اور ذخیرہ سے نقل کیا ہے، کہ کرنے والا اس فعل کا جمہور علماء کے نزدیک کافر ہے، اور مطالب المومنین میں لکھا ہے، کہ ابو حفص کبیر ابو علی دقاق اور عبد اللہ کاتب اور عبد الواحد اور ابو الحسن نوری وغیرہ نے کہ علمائے نامدار اور مجتہد روزگار ہیں، فتوی اس پر دیا ہے، کہ ذبح کرنے والا کافر ہے، اور اس کا ذبیحہ حرام ہے، اور تفسیر نیشاپوری میں ذکر کیا ہے، کہ سارے علماء اتفاق رکھتے ہیں اس پر کہ جس مسلمان نے ذبح کیا اور قصد کیا تقرب اور تعظیم کا سوائے خدا تعالے کے تو وہ شخص مرتد ہوا، اور ذبیحہ اس کا مرتد کا سا ہے اور حدیث صحیح میں وارد ہے، کہ ملعون ہے وہ شخص کہ ذبح کرے واسطے تقرب غیر خدا کے جیسا کہ مشکوٰۃ شریف وغیرہ میں مذکور ہے، اور تفسیر عزیزی میں بیچ تفسیر وما اهل به لغير الله کے مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث رحمہ اللہ تعالے نے لکھا ہے، کہ وہ جانور کہ شہرت دیا گیا سوائے نام اللہ کے خوک سے بدتر مردار ہے، پھر جو کوئی اس مسئلہ کو خوب تحقیق کیا چاہے، تو تفسیر عزیزی مولانا موصوف کی میں دیکھے تشفی ہو جائے گی، انتہی مافی مظاہر الحق، اس سے معلوم ہوا کہ وہ جانور حرام ہے، اور گوشت اس کا ناپاک اور مرتکب اس کا حسب قول اکثر علماء کافر ہے، اور جو شخص اس کو حلال کہے، تو یہ قول اس شخص کا غلط اور غیر قابل اعتبار ہے، اگر اور اقوال بھی اس شخص کے اس قسم کے ہوں، تو اس کے وعظ و درس کی شرکت اور اس کے اقتدار سے احتراز مناسب ہے، اور اگر صرف اسی کلام میں وہ مخالف جمہور ہے، اور امور اس کے موافق اقوال علماء حق کے ہیں، اور ضد وتعصب اس میں نہیں ہے، تو اس خطا پر اس شخص کو تنبیہ کر دینا چاہیئے، اور وہ اپنی خطا کا معترف ہو جاوے، تو اس کی امامت اور اس کے وعظ سننے میں مضائقہ نہیں ہے، فقط واللہ اعلم۔

(۲) قول اس شخص کا درست نہیں ہے، کیونکہ جو لوگ عربی سے واقف نہیں ہیں، اور ان کو مسائل کی اور نصائح کی ضرورت اور شوق ہے، ان کے ہی نفع کے واسطے علمائے دیندار نے یہ کتب اردو زبان میں ترجمہ کی ہیں، ان سے عوام کو روک دینا نہایت فیض اور نفع دینی سے روکنا ہے، البتہ یہ کہنا بجا ہے، کہ ہر شخص ہر کتاب کو نہیں سمجھ سکتا، اور ہر شخص کی سمجھ اور علم کا اعتبار نہیں

نہیں ہے، اس لئے کہ ہر ایک کو اپنے فہم کے مطابق اعتماد نہ کرنا چاہیئے، اور جو شخص مطلب صحیح سمجھتا ہے اس کے وعظ میں ہرگز تامل و توقف مناسب نہیں، اس کو دیکھنا اور سمجھنا درست ہے، اور بیان کرنا بھی درست ہے، اور اس کے بیان کو لوگوں کا سننا بھی، غرض یہ سب درست ہے، اس میں کچھ شک و شبہ نہیں ہے، بلکہ لوگوں کو عربی علم تحصیل کرنے کی فرصت و گنجائش نہ ہو تو اردو کتابوں کا خود دیکھنا، اور اساتذہ سے پڑھنا اس وقت میں دین کے سنبھالنے کے واسطے ضرور ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب، بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

الجواب صحیح۔ عنایت الٰہی الجواب صحیح ومجیبہ نجیح وما سواہ قبیح

الجواب صحیح۔ علی حسن عفی عنہ نظام الدین کیرانوی مدرس دار العلوم

الجواب حق۔ عبد الصمد مدرس دار العلوم۔ الجواب صحیح۔ ثابت علی عفی عنہ

المجیب مصیب:۔ محمد احکم عفی عنہ جلیسری

الحق جو جانور تقرب لغیر اللہ کیا گیا ہو حرام ہے، تا وقتیکہ وہ غیر اللہ کا تقرب مرتفع نہ ہو حلال نہ ہوگا، اگرچہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا ہو، اور مفسرین نے جو قید عند الذبح کی بڑھائی ہے، وہ قید صرف اس لئے بڑھائی ہے، کہ اس زمانہ میں جاہلیت کی رسم شائع تھی، کہ وقت ذبح کے بھی غیر اللہ ہی کا نام لیتے تھے، اس لئے بطور بیان عادت جاہلیت کے لکھ دی ہے، احترازی نہیں ہے، کیونکہ اول تو مفسرین عموم آیت کو بلا دلیل مخصوص نہیں کر سکتے، دوسرے در مختار کی جو روایت حضرت مجیب مدظلہم نے شروع جواب میں نقل فرمائی ہے، وہ اس کے صریح مخالف ہے، اگر عند الذبح کی قید کو مخصص تسلیم کر لیا جائے، تو در مختار وغیرہ کتب معتبرہ کی تغلیط ہو گی، اور ثابت ہوگا کہ اگر قدوم امیر کے وقت تقربا ذبح کرتا ہے، اور عند الذبح اللہ کا نام لیتا ہے، وہ حلال ہے حالانکہ روایت سے صریح حرمت ثابت ہے، پس ثابت ہوا کہ عند الذبح کی قید اتفاقی ہے، احترازی نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ خلیل احمد عفی عنہ مدرس مظاہر العلوم سہارنپور

جواب درست ہے۔ عبد اللہ خان مدرس باڑاکوٹ۔ الجواب صحیح۔ قمر الدین امام مسجد سہارنپور۔ الجواب صحیح۔ ابو الحسن عفی عنہ

الجواب حق صحیح۔ عزیز الرحمن عفی عنہ دیوبندی۔ اصاب المجیب العلام محمد حسن مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند۔ الجواب صحیح۔ عبد الحکیم سکندلا بادی بقلم خود

الجواب صحیح۔ محمد فیض اللہ سودارامی۔ الجواب صحیح۔ غلام احمد از گجرات پنجاب۔

الجواب صحیح۔ بندہ گل محمد خان مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند۔ الجواب صحیح۔ بندہ محمود حسن مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند۔ الجواب صحیح۔ غلام رسول عفی عنہ مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند

الجواب صحیح۔ محمد یوسف میسوری۔ الجواب صحیح۔ عبد القادر عفی عنہ چاٹ گامی۔

الجواب صحیح۔ قمر الدین محتاج الی اللہ المعین بریلوی۔ الجواب صحیح۔ محمد مرتضی حسین عفی عنہ خادم طلبہ مدرسہ عربیہ دیوبند۔ الجواب صحیح۔ بندہ رمضان لدھیانوی

الجواب صحیح۔ بندہ محمد علی الجواب صحیح۔ عبد الرؤف بخاری

الجواب صحیح۔ غلام حسین عفی عنہ فیروز پوری

اس جانور کا کھانا حرام ہے، اس آدمی نے اس کو غیر اللہ کے نذر کر دیا، اور نذر لغیر اللہ حرام ہے اگر کوئی اس کی حرمت ما اھل بہ لغیر اللہ سے ثابت نہ کرے، اور وجہ یہ بیان کرے، کہ اکثر مفسرین نے اس جگہ عند الذبح کی قید لگائی ہے، تو جانور مذکور اس ذیل یعنی ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل نہ ہونا چاہیے، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ بالفرض اس کی حرمت اس سے ثابت نہ ہو، اگرچہ بعض علمائے دین اس سے ثابت کرتے ہیں، مگر اس کی حرمت نذر لغیر اللہ سے ثابت ہے، اور اس میں کچھ چون و چرا نہیں ہوسکتا، اور مضمون نذر اس عمل سے ثابت ہوگا، کہ مالک جانور دوسرے جانور یا گوشت جانور دیگر کا اس کے بدل میں جائز نہیں رکھتا جس سے واضح ہے، کہ مجرد ایصال ثواب مدنظر نہیں ہے، بلکہ نذر مقصود ہے، اور نذر لغیر اللہ عند العلماء حرام، لہذا وہ جانور حرام ہے۔ واللہ اعلم بالصواب احمد علی عفی عنہ مدرس مدرسہ عربیہ، میرٹھ انڈر کوٹ۔

جواب درست ہے۔ عبد اللہ خان مدرس مدرسہ میرٹھ، بالا کوٹ

الجواب صحیح۔ بندہ انور شاہ کشمیری۔

الجواب صحیح۔ وہ جانور حرام ہے، اس لئے کہ ما اھل بہ لغیر اللہ آیت میں واقع ہے اور لفظ ما عام کا حکم رکھتا ہے، پھر اس کی تخصیص جو بعض علمائے اہل اصول کے نزدیک بمنزلہ تنسیخ کے ہے، اسی قسم کے نص سے ہوسکتی ہے، اور کم مرتبہ مرفوع صحیح الروایت تو ہو، اور مفسرین کی یہ قید اس مرتبہ کی نہیں، اور نہ یہ کوئی دلیل ہے ادلہ اربعہ میں سے، اب ان حضرات مفسرین کی اس قید کی یہی توجیہ ہوگی، کہ یہ قید احترازی نہیں، بلکہ اس وقت کے وقوع کا بیان ہے، جو کسی طرح مخصص نہیں ہوسکتی، اور کم سے کم یہ ضرور ہے، کہ اس میں علمائے کرام کا اختلاف ہے، اور جب کسی شے کی حلت و حرمت میں اختلاف ہو، تو ترجیح حرمت کو دینا عین تقوی ہے، دنیز

اس میں رسوم جاہلیت کی کامل تذلیل ہے، جو کتاب و سنت کا خاص نشاء ہے، اسی طرح اردو کے تراجم اگر علمائے معتبرین نے کئے ہیں، تو وہ معتبر ہیں، ابو محمد عبد الحق۔

الجواب صحیح:- سید محمد نذیر حسین | سید محمد عبد السلام غفر لہ | سید محمد ابو الحسن

سوال:- جو جانور بہ نیت نذر غیر خدا ذبح کیا جاوے، اگرچہ بوقت ذبح بسم اللہ اللہ اکبر کہا لیکن نیت نذر غیر خدا اور تقرب الی غیر اللہ کی ہے، اس جانور کا گوشت کھانا شرع میں حلال ہے یا نہیں، اور اس کے کرنے والے پر کیا حکم ہے؟

الجواب:- نذر لغیر اللہ حرام قطعی ہے، اس لئے کہ نذر عبارت ہے التزام عبادت غیر لازمہ سے، اور عبادت غیر خدا کی حرام ہے، حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ لا تعبدوا الا ایاہ اور یہ بھی فرمایا ہے وقضی ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ، اور ابن نجیم مصری نے بحر الرائق میں لکھا ہے۔ فہذا النذر باطل بالاجماع لوجوہ منہا انہ نذر للمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا تکون للمخلوق ومنہا ان المنذور لہ میت والمیت لا یملک ومنہا انہ ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالیٰ واعتقاد ذلک کفر انتہی۔ پس معلوم کرنا چاہیے، کہ ذبح کرنا واسطے غیر خدا کے تقرب چاہنا اسی غیر خدا سے اگرچہ وقت ذبح کے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کے ذبح کرے حرام ہے، اور گوشت اس کا نجس اور ذابح اس کا مرتد ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ امام فخر الدین رازی نے تحت آیت کریمہ لکھا ہے، قال ربیع بن انس وربیع بن زید یعنی ما ذکر علیہ اسم ذکر اللہ وھذا القول اولی لانہ اشد مطابقۃ للفظ قال العلماء لو ان مسلما ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحہا التقرب

لہ یہ نذر بالاجماع باطل ہے، اس کی کئی وجوہ ہیں، ایک یہ کہ یہ نذر ہے، اور مخلوق کی نذر جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ عبادت ہے، اور عبادت مخلوق کی نہیں ہوتی، دوسری وجہ یہ ہے، کہ یہ میت کی نذر ہے اور میت کسی چیز کی مالک نہیں ہوتی، تیسری وجہ یہ کہ اس نے یہ سمجھ لیا، کہ میت امور میں تصرف کر سکتی ہے، اور ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے ۱۲

ےلہ سوائے اس کے نہیں کہ اس نے تم پر مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کی نذر حرام کر دی ہے ۱۲

ےلہ ربیع بن انس اور ربیع بن زید کہتے ہیں، کہ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے، اور یہ قول الفاظ آیت کے زیادہ قریب ہے، علماء نے کہا ہے، کہ اگر کوئی مسلمان جانور ذبح کرے، اور اس ذبح سے غیر اللہ کا تقرب

غیر الله صار مرتدا وذبیحته ذبیحة مرتد انتہی، مولانا شاہ عبد العزیز تفسیر فتح العزیز میں فرماتے ہیں ہر کہ ذبح جانور تقرب بغیر اللہ نماید ملعون است، خواہ در وقت ذبح نام خدا گیرد یا نے زیرا کہ چوں شہرت داد کہ این جانور برائے فلانے است ذکر نام خدا وقت ذبح فائدہ نہ کرد چہ آں جانور منسوب بآں غیر گشت وخبثے درو پیدا گشت کہ زیادہ از خبث مردار است، زیرا کہ مردار بے ذکر نام خدا جان دادہ است وجان جانور را ازان غیر خدا قرار دادہ کشتہ اند وآں عین شرک است، ہرگاہ این خبث درو سرایت کرد دیگر بذکر نام خدا حلال نمی گردد انتہی، فتاوے غرائب میں لکھا ہے، وفی الذبح یشترط تجرید التسمیة مع قصد التقرب الی الله تعالیٰ وحدہ بالذبح فان فات قصد التعظیم لله تعالیٰ فی الذبح بان قصد بہ التقرب الی الادمی لا یحل وان ذکر التسمیة۔ والله اعلم، حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین	ابو الطیب ۱۲۹۵ محمد شمس الحق

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ابقاہم اللہ تعالیٰ الی یوم الدین کہ ذبح فوق العقدہ جائز ہے یا نہیں، اکثر اہل علم فتوے جواز پر دے رہے ہیں، اور دو تین عالم عدم جواز کے مدعی ہیں، اور کہتے ہیں، کہ حلق کا مذبح ہونا، اور تین عروق کا کاٹنا ذبح میں ضروری ہے، اور فوق العقدہ نہ تو حلق ہے، اور نہ قطع عروق ثلاثہ کا وہاں پایا جاتا ہے، اور مجوزین برعکس ان کے فرما رہے ہیں، لہٰذا آپ صاحبوں کے حضور میں التماس واستغاثہ کیا جاتا ہے، کہ لله فی الله مسئلہ ہذا میں غور وتدبر فرما کر تفصیل تمام جواب سے سرفراز فرما کر سعادت دارین وحسنہ کونین حاصل کریں۔

(۱) آیت کریمہ الا ما ذکیتم میں اطلاق یا تقیید بعقدہ عبارةً یا دلالةً یا اشارةً یا اقتضاءً ہے یا نہیں

(۲) آیت کریمہ وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم میں ذبح مشروط بہ تحت العقدہ

مقصود ہو، تو وہ خود مرتد ہو جائے گا، اور اس کا ذبیحہ حرام ہوگا ۱۲　　[1] جو غیر اللہ کے تقرب کے لئے جانور ذبح کرے وہ ملعون ہے، اگرچہ ذبح کے وقت وہ خدا کا نام ہی کیوں نہ لے، وہ جانور حلال نہیں ہوگا، کیونکہ جب اس کو غیر خدا پر مشہور کر دیا گیا تو اس میں ایسی گندگی پیدا ہو گئی، جو مردار سے بھی زیادہ ہے، کیونکہ مردار میں تو صرف اتنا ہے، کہ اس پر خدا کا نام نہیں آیا اور اس کا حال یہ ہے، کہ اس پر یہی نہیں، کہ خدا کا نام نہیں آیا، بلکہ اس پر غیر خدا کا نام بھی آ گیا ۱۲

[2] ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہنے کا مطلب یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے، اور اگر اللہ تعالیٰ کی تعظیم ختم ہو جائے، اور آدمی کا تقرب مقصود ہو، تو وہ جانور حلال نہ ہوگا، اگرچہ ذبح کے وقت اس پر اللہ تعالیٰ ہی کا نام لیتا رہے ۱۲　　[3] اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے ۱۲

ہے یا نہیں؟

(۳) حدیث شریف انھر الدم بما شئت میں بھی یہی شرط ہے یا نہیں؟

(۴) حدیث الذکاۃ بین اللبۃ واللحیین امام صاحب کی مستدل بہ ہے یا نہیں

(۵) مجتہد کا کسی حدیث کے ساتھ استدلال پکڑنا اس حدیث کے لئے تصحیح ہوتی ہے یا نہیں؟

(۶) حدیث مذکور مرسل ہے یا مسند؟

(۷) حدیث الا ان الزکاۃ فی الحلق کا کیا حال ہے؟

(۸) فوق الحلق یا فوق العقدہ میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

(۹) حلقوم کا مبدا و منتہی کیا ہے؟

(۱۰) مری کا مبدا و منتہی کیا ہے؟

(۱۱) ودجین کا مبدا و منتہی کیا ہے؟

(۱۲) مکان مابین عقدہ و لحیین شرعاً و عرفاً منجملہ حلق ہے یا نہیں وغیر ذلک جو تحقیق متعلق مسئلہ ہذا ہو ہر ایک سوال کا جواب بحوالہ عبارات کتب خالصاً لوجہ اللہ ترقیم فرمادیں۔

الجواب:۔ ذبح فوق العقدہ جائز ہے، اس واسطے کہ عقدہ جو جانوروں کے گلے میں محسوس ہوتا ہے، وہ حلق میں ہوتا ہے، اور فوق العقدہ و تحت اللحیین جو جگہ ہے، وہ منجملہ حلق کے ہے اور حلق میں ذبح کرنا جائز ہے، پس فوق العقدہ اور تحت اللحیین ذبح کرنا جائز ہے، فوق العقدہ اور تحت اللحیین جو جگہ ہے، اس کا منجملہ حلق کے ہونا ایک ظاہر بات ہے، اور اطباء نے شرحین کے کلام سے بھی اس جگہ کا منجملہ حلق کے ہوتا ثابت ہوتا ہے، بحر الجواہر میں ہے۔ الحلق بالفتح عضو مشتمل علی الفضاء الذی فیہ مجری الطعام والنفس کذا قال مولانا نفیس وقال الطبری هو اسم لجمیع الحنجرۃ والحلقوم والمری والعضلات الموضوعۃ علیہ فیشتمل اللوزتین و اصول اللسان والعضلات الموضوعۃ من خارج واصول الاذنین من داخل وخارج انتہی

لہ جس سے چاہے خون گرا دے ۱۲ ۔ سکہ دونوں باچھوں اور حنجرہ کے درمیان ذبح کرنا ہے ۱۲

سکہ حلق ایک عضو ہے، جو اس فضا پر مشتمل ہے، جس میں کھانے اور سانس لینے کی نالیاں ہیں، طبری نے کہا حلق تمام گلے اور حلقوم اور مری اور بچھے ہوئے پٹھوں کا نام ہے، اور یہ لوزتین اور زبان کی جڑ اور کانوں کے اندر اور باہر پھیلے ہوئے پٹھوں پر مشتمل ہے ۱۲

اور حلق میں ذبح کے جائز ہونے کا ثبوت یہ ہے۔ عن ابن عباس الذکاۃ فی الحلق واللبۃ رواہ البخاری معلقا فی باب النحر والذبح قال الحافظ فی فتح الباری وصلہ سعید بن منصور والبیہقی من طریق ایوب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس انہ قال الذکاۃ فی الحلق واللبۃ وھذا اسناد صحیح واخرجہ سفیان الثوری فی جامعہ عن عمر مثلہ وجاء مرفوعا من وجہ اخر واللبۃ بفتح اللام وتشدید الموحدۃ ھی موضع القلادۃ من الصدر وھی المنحر انتہی کلام الحافظ جو اہل علم فوق العقدہ وتحت اللحیین ذبح کو جائز بتاتے ہیں ان کا قول صحیح ہے اور جو علماء عدم جواز کے مدعی ہیں، اور کہتے ہیں کہ فوق العقدہ نہ حلق ہے اور نہ قطع عروق ثلاثہ کا وہاں پایا جاتا ہے" ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے، اوپر معلوم ہوچکا، کہ فوق العقدہ منجملہ حلق کے ہے اور ذبح میں جو چار رگوں کا قطع ہونا علی اختلاف الاقوال ضروری بتایا جاتا ہے، وہ حلقوم اور مری اور ودجین ہیں سو ذبح فوق العقدہ میں ان چاروں رگوں کا ذبح ہونا بلاشبہ پایا جاتا ہے، مری (یعنی مجری طعام وشراب) کا قطع ہونا اس وجہ سے پایا جاتا ہے، کہ مری کا مبدأ اقصائے فم ہے، پس ذبح فوق العقدہ میں مری کا قطع ہونا ضروری ہے اور چونکہ مری حلقوم (یعنی مجری نفس) کے ساتھ ملاصق ہے اس لئے حلقوم کا کٹنا بھی ضروری ہے، اور ودجین (یعنی دونوں شہ رگ) حلقوم کو دو جانب سے محیط ہے اس لئے ودجین کا کٹنا بھی ضروری ہے، قاموس میں ہے اما المری فانہ یبتدئ من اقصی الفم الی عند مقطع عظام النفس اور بحر الجواہر میں ہے مری کامیر مجری الطعام والشراب الی المعدۃ والکرش لاصق بالحلقوم فتح الباری میں ہے وھما ای الودجان عرقان متقابلان وھما محیطان بالحلقوم۔ ونیز ذبح فوق العقدہ میں انہار دم مسفوح بلاشبہ پایا جاتا ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا، اور انہار دم مسفوح بلا قطع ہونے ودجین کے ہو نہیں ہوسکتا، پس اس وجہ سے بھی ثابت ہوا، کہ ذبح فوق العقدہ میں ودجین کا قطع ہونا بلاشبہ پایا جاتا ہے، اور ذبح فوق العقدہ میں مری یعنی نرخرا کا کٹنا محسوس ومشاہد ہے، پس جب ودجین اور مری کا کٹنا ذبح فوق العقدہ میں بلاشبہ پایا جاتا ہے، تو حلقوم کا کٹنا بھی ضروری پایا جاوے گا، کیونکہ ان تینوں کا کٹنا بلا کٹنے حلقوم کے ممکن نہیں ہے، ہدایہ میں ہے۔ لا یمکن قطع ھذہ الثلاثۃ (ای المری والودجین)

۱؎ ابن عباس نے کہا ذبح حلق اور لبہ کے درمیان ہے (لبہ وہ جگہ ہے جہاں ہار وغیرہ ڈالا جاتا ہے ۱۲ ۲؎ مری منہ کے آخری حصہ سے شروع ہوتی ہے اور سینہ کی ہڈیاں ختم ہونے تک جاتی ہے ۱۲ ۳؎ مری وہ نالی ہے جس سے کھانا اور پانی معدہ تک جاتا ہے ۱۲ ۴؎ ودجان ایک دوسرے کے مقابل رگیں ہیں جو حلقوم کو گھیرے ہوئے ہیں۔

الا بقطع الحلقوم۔ الحاصل ذبح فوق العقدہ میں ان چاروں کا قطع بلا شبہ پایا جاتا ہے اور بعض علما کا یہ کہنا کہ فوق العقدہ نہ حلق ہے اور نہ قطع عروق ثلاثہ کا پایا جاتا ہے بالکل غلط ہے اور مشاہدہ کا انکار کرنا ہے۔

(۱) آیت کریمہ الا ماذکیتم میں مطلق ذکاۃ کا ذکر ہے، اور

(۲) آیت طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم میں حلت طعام اہل کتاب کا بیان ہے ان دونوں آیتوں میں مذبح و منحر کا بیان ہی نہیں ہے، لہذا ان دونوں آیتوں سے اطلاق یا تقیید بہ تحت العقدہ کا کسی طرح پر ثبوت نہیں ہوتا۔

(۳) حدیث شریف انہر الدم بما شئت) سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ ذبح میں ودجین کا قطع ہونا ضروری ہے، کیونکہ بلا کٹنے ودجین کے انہار دم نہیں ہو سکتا، اور اسی حدیث کی رو سے امام ثوری نے کہا ہے، کہ ذبح میں اگر صرف ودجین کو قطع کرے، اور مری اور حلقوم کو قطع نہ کرے، تو جائز ہے۔ قال الحافظ فی الفتح وعن الثوری ان قطع الودجین اجزأ وان لم یقطع الحلقوم والمری واحتج لہ بمافی حدیث رافع ما انہر الدم وانہار[1] الدم انما یکون بقطع الاوداج لانہا مجری الدم واما المری فہو مجری الطعام ولیس بہ من الدم ما یحصل بہ انہار انتہی اس بارے میں کہ ذبح میں کتنی رگوں کا قطع کرنا ضروری ہے، ائمہ کا اختلاف ہے، امام ثوری کا مذہب معلوم ہو چکا، اور امام شافعی کے نزدیک صرف مری اور حلقوم کا کاٹنا ضروری ہے، اور ودجین کا کاٹنا ضروری نہیں ہے، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مذکورہ چاروں رگوں میں سے بلا تخصیص تین رگوں کا کاٹنا ضروری ہے، ان ائمہ کے دلائل پر مطلع ہونا چاہو تو فتح الباری اور ہدایہ کو دیکھو۔

(۴) حدیث الذکاۃ بین اللبۃ واللحیین[2] سے فقہائے حنفیہ استدلال کرتے ہیں، مگر یہ نہیں معلوم کہ امام صاحب نے اس سے استدلال کیا ہے یا نہیں؟

(۵) کسی حدیث سے کسی مجتہد کا دلیل پکڑنا اس بات کی دلیل ہے، کہ وہ حدیث اس کے نزدیک صحیح و قابل استدلال ہے۔

(۶) حدیث الذکاۃ بین اللبۃ واللحیین کو یوں ہی بلا سند و بلا ذکر مخرج علمائے حنفیہ

---

[1] حافظ نے فتح الباری میں کہا، کہ اگر رگیں کٹ جائیں تو کافی ہیں اگرچہ حلق اور مری نہ کٹیں، اور رافع کی حدیث میں ہے، جو چیز خون گرا دے، اور خون ودجین کے کٹنے سے جاری ہوتا ہے، کیونکہ خون کی گردش انہی رگوں میں ہے، اور مری تو طعام کی نالی ہے وہاں خون نہیں ہوتا ۱۲

[2] ذبح کرنا لبہ اور جبڑوں کے درمیان ہے ۱۲

اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں معلوم نہیں کہ کس کتاب کی یہ حدیث ہے اور اس کی سند کیا ہے
اس حدیث کی نسبت حافظ ابن حجر درایہ تخریج ہدایہ میں لکھتے ہیں لم اجدہ یعنی اس حدیث کو
میں نے نہیں پایا۔

(۷) حدیث الا ان الذکاۃ فی الحلق واللبۃ کی سند واہی ہے قالہ الحافظ فی الدرایۃ
(۸) فوق الحلق اور فوق العقدہ میں فرق ہے، فوق الحلق حلق نہیں ہے، اور فوق العقدہ
حلق ہے۔

(۹) حلقوم کا مبدأ اقصائے فم ہے، اور ریہ تک منتہی ہوتا ہے۔
(۱۰) مری کا بھی مبدأ اقصائے فم ہے اور سر سینہ تک منتہی ہوتا ہے۔
(۱۱) ودجین کا مبدا ومنتہے حلق کی حد کے اندر نہیں ہے، بلکہ حلق کی حد سے خارج ہے
(۱۲) مکان مابین العقدہ واللحیین بلا شبہ منجملہ حلق کے ہے، کما مر۔ واللہ تعالیٰ
اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی اہل تشیع گوسفند ذبح کرے
تو اہل سنن کو اس کا گوشت کھانا درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ واضح ہو کہ ذبیحہ اہل تشیع کا کھانا حلال ہے، کیونکہ وہ اہل اسلام سے ہیں
اس دلیل سے کہ اہل سنت کے نزدیک ان کی شہادت مقبول ہے، اگر اہل تشیع کافر ہوتے
تو شہادت ان کی مقبول وجائز نہ ہوتی، حالانکہ مقبول وجائز ہے، اور شہادت کافر کی مسلمان پر
بالاتفاق روا نہیں ہے، چنانچہ ہدایہ وکفایہ وشرح وقایہ وکنز الدقائق ودر مختار وغیرہ کتب معتبرہ
میں مذکور ہے تقبل[1] شهادة اهل الاهواء الا الخطابية انتهى ما فى الهداية مختصرا و
فى الذخيرة شهادة اهل الاهواء مقبولة عندنا انتهى ما فى الكفاية اور مراد اہل اہوا
سے رافضی وخارجی ومعتزلہ وغیرہ ہیں، پس اہل تشیع جب نزدیک اہل سنت کے اہل اسلام
ٹھہرے، تو ذبیحہ ان کا بے شک حلال ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب، فاعتبروا یا اولی الابصار
فقط۔ حررہ عبد الحق

سید محمد نذیر حسین

لہ ذبح کرنا حلق اور لبہ میں ہے ۱۲

[1] بدعتی لوگوں کی شہادت قبول ہے سوائے خطابیہ کے،

ہدایہ اور ذخیرہ میں اسی طرح ہے ۱۲

ھوالموفق، سائل تشیع میں بعض فرقے ایسے بھی ہیں، جو حضرت علی کو خدا کہتے ہیں جیسے فرقہ خطابیہ اس فرقہ خطابیہ کا یہ عقیدہ ہے، کہ حضرت علی بڑے خدا ہیں، اور امام جعفر چھوٹے خدا ہیں، سوا اہل تشیع و دیگر اہل اہواء کے اس قسم کے مشرک وکافر فرقوں کا ذبیحہ ہرگز حلال نہیں ہے، اور اس قسم کے فرقوں کی شہادت بھی مقبول نہیں ہے، اور اس قسم کے فرقوں کی روایت حدیث بھی مقبول نہیں ہے، حاشیہ ہدایہ میں ہے قولہ الا الخطابیۃ ھم قوم ینسبون الی ابن الخطاب رجل کان بالکوفۃ یزعمون علیا الالہ الاکبر وجعفر الصادق الالہ الاصغر[1]، اور اسی طرح شرح نخبہ کے حاشیہ میں اور دیگر کتابوں میں بھی لکھا ہے، اور عبارت ہدایہ وتقبل شہادۃ اھل الاھواء کے تحت میں صاحب کفایہ لکھتے ہیں۔ اذا کان ھوی لا یکفر صاحبہ ولا یکون ماجنا ویکون عدلا فی تعاطیہ[2] وھو الصحیح انتہی اور حافظ ابن حجر شرح نخبہ میں لکھتے ہیں ثم البدعۃ اما ان تکون مکفرۃ کان یعتقد ما یستلزم الکفر او یفسق فالاول لا یقبل صاحبہا الجمہور[3] پھر آگے چل کر لکھتے ہیں فالمعتمد ان الذی ترد روایتہ من انکر امرا متواترا من الشرع معلوما من الدین بالضرورۃ وکذا من اعتقد عکسہ[4] انتہی۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بازار کا گوشت یا بازاری قصابوں سے گوشت خریدنا کیسا ہے؟

الجواب۔ بازار میں گوشت بیچنے والے اور بازاری قصاب اگر مسلمان ہیں، تو ان سے گوشت خرید کرنا، اور کھانا جائز ہے، اور اگر اس بات کا شبہ ہو، کہ ان لوگوں نے ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا ہو، تو بھی ان سے خریدنا، اور کھانے کے وقت اللہ کا نام لے کر کھانا جائز ہے، بلوغ المرام اور اس کی شرح سبل السلام میں ہے۔ عن عائشۃ ان قوما قالوا للنبی[5]

---

[1] مگر خطابیہ فرقہ جو کوفہ کے ایک آدمی ابن خطاب کی طرف منسوب ہے، ان کا عقیدہ ہے، کہ حضرت علی بڑے خدا ہیں اور جعفر صادق چھوٹے خدا ہیں ۱۲

[2] جب کہ ایسی بدعات ہوں، جو کفر تک نوبت نہیں پہنچاتی، اور اپنے عمل میں عادل ہو، اور یہی صحیح ہے ۱۲

[3] پھر بدعت یا تو کفر تک نوبت پہنچانے والی ہو گی جیسے کہ کوئی ایسا عقیدہ رکھے، جو کفر کو مستلزم ہو یا فسق تک نوبت پہنچائے گی پہلے کی شہادت قبول نہیں ہے ۱۲

[4] صحیح بات یہ ہے کہ جو امر متواتر کا منکر ہو جو دین سے یقینی طور پر ثابت ہیں، تو اس کی شہادت مردود ہو گی، اور جو غیر ثابت چیز کو دین میں داخل کرے اس کی بھی ۱۲

[5] کچھ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ کچھ لوگ ہمارے پاس

صلی اللہ علیہ وسلم ان قوما یاتوننا باللحم لا ندری اذکر اسم اللہ علیہ ای عند ذکاتہ ام لا فقال سموا اللہ علیہ وکلوا رواہ البخاری تقدم ان فی روایۃ ان قوما حدیثی عہد بالاسلام وھی ھنا من تمام الحدیث بلفظ قالت وکانوا حدیث عہد بالکفر وتقدم ان الحدیث من ادلۃ من قال بعدم وجوب التسمیۃ ولا یتوذلک وانما ھو دلیل علی انہ لا یلزم ان یعلموا التسمیۃ فیما یجلب الی اسواق المسلمین وکذا ما ذبحہ الاعراب من المسلمین لانھم قد عرفوا التسمیۃ قال ابن عبد البر لان المسلم لا یظن بہ فی کل شئ الا الخیر الا ان یتبین خلاف ذلک انتہی۔ قال فی الروضۃ الندیۃ تحت ھذا الحدیث ان فیہ الترخیص بغیر الذابح اذا شک فی اللحم ھل ذکر علیہ اسم اللہ ام لا فانہ یجوز لہ ان یسمی ویاکل انتہی واللہ اعلم۔ المجیب سید عبد الوھاب علی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بیوی ہندہ فوت ہوگئی اب زید کو اس کا جنازہ اٹھانا اور منہ دیکھنا، اور غسل دینا، اور قبر میں اتارنا حلال ہے یا حرام ہے اور ائمہ دین سے کس کے نزدیک حلال ہے، اور کس کے نزدیک حرام؟

(۲) بکری یا بکرے کی کھال (آنکھیں وکان وبیضہ وغدود، وحرام مغز وغیرہ کتنی چیزیں حلال ہیں اور کتنی حرام۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ زید کو اس کی بیوی ہندہ کے فوت ہوجانے کے بعد اس کا جنازہ اٹھانا اور منہ دیکھنا، اور غسل دینا، اور قبر میں اتارنا حلال وجائز ہے، جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے

گوشت لاتے ہیں، ہم نہیں جانتے، کہ انہوں نے ذبح کے وقت اس پر خدا کا نام لیا تھا یا نہیں، تو آپ نے فرمایا تم اس پر اللہ کا نام لے کر کھا لیا کرو (بخاری) یہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے لہذا صحابہ کرام کو شک ہوا اور بعض نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا واجب نہیں ہے لیکن یہ غلط ہے اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے، کہ جو گوشت مسلمانوں کے بازاروں میں فروخت ہوتا ہے، اس کے متعلق یہ معلوم ہونا ضروری نہیں، کہ اللہ کا نام اس پر لیا گیا ہے یا نہیں، اور یہی حکم ہے بدوی مسلمانوں کا کیونکہ وہ بسم اللہ اللہ اکبر کہنا تو جانتے ہی ہیں، اور مسلمان پر حسن ظن رکھنا چاہیئے، ہاں اگر اس کے خلاف ثابت ہوجائے تو علیحدہ بات ہے، اور اس حدیث میں خود ذبح نہ کرنے والے کو رخصت ہے، کہ ایسا گوشت کھائے جس کے متعلق معلوم نہ ہو، کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے، یا نہیں ایسی صورت میں خود اللہ کا نام لے اور کھالے ۱۲

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لہا لو مت قبلی لغسلتک وکفنتک ثم صلیت علیک ودفنتک اخرجہ احمد وابن ماجہ والدارمی وابن حبان والدارقطنی والبیہقی - یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، کہ اگر تو مجھ سے پہلے مرتی، تو میں تجھ کو غسل دیتا اور کفناتا، پھر تجھ پر جنازہ کی نماز پڑھتا، اور دفن کرتا، روایت کیا اس حدیث کو احمد اور ابن ماجہ اور دارمی اور دارقطنی اور بیہقی نے حضرت فاطمہ رض نے وصیت کی تھی، کہ میرے مرنے کے بعد ان کو حضرت علی غسل دلویں، بلوغ المرام میں ہے - عن اسماء بنت عمیس ان فاطمۃ علیہا السلام اوصت ان یغسلہا علی رواہ الدارقطنی محلی شرح مؤطا میں ہے - لا خلاف بین الائمۃ فی الزوج اذا مات یجوز لزوجتہ ان تغسلہ اما غسل الرجل امرأتہ اذا ماتت فقد جوزہ الائمۃ الثلثۃ خلافا لابی حنیفۃ انتہی یعنی جب شوہر مر جاوے، تو اس کی زوجہ کو جائز ہے، کہ اپنے شوہر کو غسل دلوے، اور اس میں ائمہ کا اختلاف نہیں ہے، لیکن جب زوجہ مر جاوے، تو ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک رح اور امام شافعی رح اور امام احمد کے نزدیک جائز ہے، کہ شوہر اپنی بیوی کو اپنے ہاتھ سے غسل دے، اور امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک جائز نہیں ہے، سبل السلام میں ہے کہ مرد کو جائز ہے، کہ اپنی بیوی کو اپنے ہاتھ سے غسل دے، اور یہی قول جمہور علماء کا ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، کہ مرد اپنی بیوی کو غسل نہ دے، کیونکہ نکاح باقی نہیں رہا بخلاف عورت کے کہ وہ اپنے شوہر کو غسل دے، اور حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو رد کر رہی ہے۔

جواب سوال دوم - بکری وغیرہ جتنے جانور حلال ہیں، ان کے تمام اجزاء حلال ہیں، ان کی کوئی چیز حرام نہیں ہے، ہاں دم مسفوح البتہ حرام ہے، کہ اس کی حرمت صریح قرآن مجید میں آئی ہے، اس کے سوا باقی اور تمام چیزیں حلال ہیں، کیونکہ ان کی حرمت ثابت نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ علی محمد عفی عنہ۔

دونوں جواب صحیح ہیں، اور دوسرے جواب کی یہی دلیل کافی ہے، کہ ان کی حرمت پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے، واللہ اعلم وعلمہ اتم - کتبہ محمد بشیر عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق - کتب حنفیہ میں لکھا ہے، کہ حلال جانور کی سات چیزیں مکروہ ہیں (۱)

دم مسفوح یعنی خون جاری (۲) ذکر یعنی آلہ تناسل (۳) خصیتان یعنی دونوں بیضے (۴) فرج یعنے مادہ جانور کے پیشاب کا مقام ہے (۵) غدہ یعنی غدود (۶) مثانہ یعنی پھکنا (۷) مرارہ یعنی پتا، عند الحنفیہ ان ساتوں چیزوں میں سے پہلی چیز یعنی خون جاری حرام ہے، اور باقی چھ چیزیں مکروہ تنزیہی ہیں اس مطلوب پر علمائے حنفیہ دو دلیلیں پیش کرتے ہیں، ایک تو یہ کہ خون جاری کی حرمت قرآن مجید سے ثابت ہے، اور باقی چھ چیزیں ایسی ہیں کہ نفوس انسانیہ ان کو خبیث جانتے ہیں۔ قال فی الحمادیۃ والحرام منہا واحد وھو الدم المسفوح لقولہ تعالٰی حرمت علیکم المیتۃ والدم الآیۃ والباقی من السبعۃ مکروہ لانہ مما یستخبثہ الانفس وما سوی ذلک مباح علی اصلہ لان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ انتہی، اور دوسری دلیل مجاہد کی مرسل روایت ہے قال فی البزازیۃ عن مجاھد انہ علیہ السلام کرہ سبعۃ اشیاء من الشاۃ الذکر والانثیان والقبل والمرارۃ والغدۃ والمثانۃ والدم المسفوح، مگر یہ دونوں دلیلیں قابل اطمینان ولائق اعتماد نہیں ہیں، پہلی دلیل تو اس وجہ سے کہ جب شریعت نے حلال جانور کو حلال کر دیا، تو ہمارے لئے اس کے تمام اجزاء حلال ہیں، ہاں جس جزو کو خود شریعت ہی نے حرام بنا دیا، تو وہ جزو البتہ حرام ہوگا اور ہمارے نفوس اور ہماری طبیعتوں کا بعض اجزاء کو مکروہ وخبیث سمجھنا کوئی چیز نہیں ہے، اور شریعت نے ہمیں اس کی اجازت بھی نہیں دی ہے، کہ جن اجزاء کو ہماری طبیعتیں خبیث سمجھیں تو ان اجزاء کو ہم حرام یا مکروہ شرعی جانیں، اور دوسری دلیل اس وجہ سے قابل اطمینان نہیں، کہ روایت مرسل ہے، اور مرسل روایت کے قابل احتجاج ہونے میں اختلاف مشہور ہے، اور سوائے اس کے اس روایت کی سند پوری نقل نہیں کی جاتی، معلوم نہیں کہ اس کی سند کیسی ہے، الحاصل یہ کہ دونوں دلیلیں ناقابل اطمینان ہیں، پس اگر ان اشیاء مذکورہ کی حرمت یا کراہت پر کوئی دلیل صحیح ہو، تو ملاشبہ حرام ومکروہ ہوں گی، ورنہ ان کے حرام یا مکروہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری، عفا اللہ عنہ،

---

[۱] حمادیہ میں ہے، کہ ان سات چیزوں میں سے دم مسفوح تو حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا، تم پر مردار اور خون حرام ہے الآیۃ اور باقی چیزیں مکروہ ہیں، کیونکہ اس کو انسانی طبیعت برا محسوس کرتی ہے، اور اس کے علاوہ تمام گوشت مباح ہے، اپنے اصل پر ہے، کیونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے ۱۲

[۲] مجاہد نے کہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری سے سات چیزیں مکروہ سمجھیں، آلہ تناسل، خصیے، مادہ کی پیشاب کی جگہ، پتہ، غدود، مثانہ اور دم مسفوح ۱۲

سوال:- جو شخص کسی حیوان سے جس کا کھانا حلال ہے جماع کرے، تو اس حیوان کا گوشت یا شیر کھاویں پیویں یا نہ فقط۔

الجواب:- کتب اصول میں یہ قاعدہ مقرر ہے، کہ شارع جس چیز کے قتل کا حکم کرے وہ بھی حرام اور جس کے قتل سے منع کرے وہ بھی حرام، اور حدیث شریف میں آیا ہے، کہ جو شخص کسی بہیمہ کے ساتھ جماع کرے، اس شخص اور اس بہیمہ دونوں کو قتل کر دو، مگر چونکہ اس حدیث میں من وجہ کلام ہے، لہذا حکم دیا جاتا ہے، کہ وہ بہیمہ مکروہ تنزیہی یا تحریمی ہے، واللہ اعلم بالصواب

حررہ ابو اسماعیل یوسف حسین عفی عنہ۔ ہذا ہو الصواب وللہ در من اجاب محمد اوسط عفی عنہ بہاری، رحمہ اللہ المجیب فقد اجاب جوابا شافیا لا شک فی صحتہ وکونہ صوابا، ابو تراب عبد التواب ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین | سید محمد عبد السلام غفرلہ | سید محمد ابو الحسن

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے، کہ حقہ کشی اور کھانا تبا کو کا اور استعمال اس کا ناک میں حرام ہے، اور پانی اس کا ناپاک ہے، پس زید کا یہ قول صحیح ہے یا غلط بینوا توجروا۔

الجواب:- واضح ہو کہ حقہ کشی میں علماء کا اختلاف ہے بعض حرمت کے قائل ہیں اور بعض اباحت مع الکراہت کے اور بعض کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، رد المحتار میں ہے اضطربت آراء العلماء فیہ فبعضھم قال بکراھتہ وبعضھم قال بحرمتہ وبعضھم باباحتہ وافردوہ بالتالیف وفی شرح الوھبانیۃ ؎

یمنع من بیع الدخان وشربہ وشاربہ فی الصوم لاشک یفطر

وللعلامۃ الشیخ الاجھوری رسالۃ نقل فیہا انہ افتی بحلہ من یعتمد علیہ من ائمۃ المذاھب الاربعۃ قلت والف فی حلہ سیدنا العارف عبد الغنی النابلسی الحنفی رسالۃ سماھا الصلح بین الاخوان فی اباحۃ شرب الدخان واقام الطامۃ الکبری علی القائل بالحرمۃ اوالکراھۃ

---

[1] حقہ نوشی کے متعلق علماء کی مختلف رائیں ہیں بعض اس کو مکروہ کہتے ہیں بعض حرام بعض مباح، اور اس پر مستقل رسالے لکھے ہیں، شرح وہبانیہ میں ہے، حقہ نوشی منع ہے، اور اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، شیخ علی اجہوری نے اس کو حلال کہا ہے، اور اس پر ایک رسالہ لکھا ہے، اور کہا، کہ ائمہ اربعہ کے پیروؤں میں سے چوٹی کے علماء نے اس کو حلال کہا، سید عبد الغنی نابلسی حنفی نے ایک رسالہ بنام صلح الاخوان فی اباحۃ شرب الدخان لکھا، اور حرام و مکروہ کہنے والوں پر ایک قیامت بپا کر دی، اور لکھا، کہ کراہت اور حرمت دونوں شرعی حکم ہیں، ان کے لئے دلیل کا ہونا لازمی ہے، اور اس کی

فانهما حکمان شرعيان لابد لهما من دليل ولا دليل على ذلك فانه لم يثبت اسكاره ولا تفتيره ولا اضراره وان فرض اضراره للبعض لا يلزم منه تحريمه على كل احد انتهى اور شيخ عبد الخالق زبیدی تحریر فرماتے ہیں قد تكلم العلماء المتاخرون في ذلك لانه لم يكن في القرون السالفة فمنهم من فرط في ذمه ومنهم من فرط في مدحه ومنهم من توسط وقال انه مكروه تحريما وهذا عندي احسن الاقوال واعدلها اذ لا قاطع بتحريمه وليس كل مؤذ ومنتن حراما والا لكان اكل الثوم والبصل والفجل والكراث حراما هذا اكله في شرب دخانه واما اكله وشمه فهو مكروه تنزيها عندي لانهما دون شرب دخانه انتهى، جو لوگ حقہ نوشی کی حرمت کے قائل ہیں ان کا قول ناقابل اعتماد ہے، اس واسطے کہ حرمت موقوف ہے اوپر دلیل قطعی کے، اور قائلین حرمت نے حرمت پر کوئی دلیل قطعی قائم نہیں کی ہے بلکہ جتنی دلیلیں وہ پیش کرتے ہیں، کل کی کل ظنی ہیں، اور وہ بھی مخدوش ہیں، اور جو لوگ اباحت مطلق کے قائل ہیں، ان کا قول بھی لائق اعتماد کے نہیں، اس واسطے کہ ان کے دلائل بھی مخدوش ہیں، اور جو لوگ اباحت مع الکراہت کے قائل ہیں، ان کا قول البتہ قابل اعتماد ہے، یہ گفتگو حقہ نوشی میں ہے رہا تمباکو کا کھانا اور استعمال کرنا اس کا ناک میں، سو کوئی دلیل معتبر اس کی کراہت پر قائم نہیں ہے، اور تمباکو ایک پاک چیز ہے اور اس کا دھواں بھی پاک ہے، پس اس کے پانی کے ناپاک ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور دھوئیں کی وجہ سے جو پانی متغیر ہو جاتا ہے، سو اس سے وہ پانی ناپاک نہیں ہو سکتا، کیونکہ نجاست کی وجہ سے جب پانی میں تغیر ہوتا ہے، تب پانی ناپاک ہوتا ہے، اور کسی پاک چیز کی وجہ سے تغیر ہو تو ناپاک نہیں ہوتا ہمارے اس بیان سے معلوم ہوا کہ زید کا قول غلط ہے، زید کو لازم ہے، کہ بلا دلیل کسی چیز کو حرام اور ناپاک کہنے سے احتراز کرے، واللہ تعالے اعلم بالصواب۔

حررہ خلیل الرحمٰن غفر لہ المنان، عفی عنہ۔

کوئی دلیل نہیں، اس کا مسکر یا مفتر یا مضر ہونا ثابت نہیں ہے، اور اگر بالفرض محال بعض لوگوں کے لئے مضر بھی ہو، تو ہر ایک پر حرام ہونے کی دلیل کیسے بن جائے گا، شیخ عبد الخالق زبیدی نے لکھا، پچھلے علماء نے اس میں گفتگو کی ہے، بعض نے اس کی مذمت میں مبالغہ کیا، اور بعض نے مدح میں، اور بعض نے مکروہ تحریمی کہا، اور یہ آخری قول مجھے پسند ہے، کیونکہ اس کی حرمت پر کوئی دلیل قطعی نہیں ہے، اور ہر موذی یا بدبودار چیز حرام نہیں ہے، ورنہ تھوم، پیاز، مولی، گندنا وغیرہ سب حرام ہوں، یہ تو حقہ نوشی کے متعلق ہے، اور تمباکو کھانا، یا نسوار لینا میرے لئے مکروہ تنزیہی ہے، کیونکہ وہ دھواں کھینچنے سے کم ہے ۱۲

واضح ہو کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی نہ اس فعل کے کرنے سے ثواب اور نہ اس کے ترک میں عقاب، جیسا کہ آیت قرآنی اس پر دال ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا، فتح البیان میں اس آیت کے تحت لکھا ہے، فیہ دلیل علی ان الاصل فی الاشیاء المخلوقۃ الاباحۃ حتی یقوم دلیل یدل علی النقل عن ھذا الاصل ولا فرق بین الحیوانات وغیرھا مما ینتفع بہ من غیر ضرر وفی التاکید بقولہ جمیعا اقوی دلالۃ علی ھذا انتھی مختصرا۔ اور تفسیر اکلیل میں ہے۔ استدل بہ علی ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ الا ورد الشرع بتحریمہ۔ پس جب معلوم ہوا کہ اصل ہر شے میں اباحت ہے تو اب مسئلہ مسئول عنہا میں دیکھنا چاہیے، کہ آیا یہ از قبیل اباحت ہے یا حرمت، تو ہم جس وقت تنباکو اور حقہ کے اوصاف کو تلاش کرتے ہیں، تو کوئی علت حرمت کی نہیں پاتے، بناء علیہ حقہ نوشی وتنباکو کھانا اپنے اصل اباحت پر رہے گا، باقی رہا یہ امر کہ اس کے پینے والے کے منہ سے بدبو آتی ہے، تو یہ وصف باعث حرمت کا نہیں ہو سکتا، اگر یہ وصف باعث حرمت کا ہو، تو لہسن وپیاز ومولی اور گندنا وغیرہ بھی حرام ہونا چاہیے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے سے منع نہیں فرمایا ہے بلکہ کھا کر مسجد میں جانے سے منع فرمایا ہے، تو یہاں پر بھی حقہ پینا ممنوع نہیں ہوگا، بلکہ وہ حقہ پی کر مسجد میں جانا ممنوع ہوگا، جس کے پینے سے منہ بدبو کرتا ہے، اور بعد دفع کرنے بدبو کے مسواک وغیرہ سے جائز ہوگا، اور وہ حقہ جس کے پینے سے منہ بدبو نہیں کرتا، جیسا کہ امراء نفیس الطبع ونفاست پسند کا ہوتا ہے، سو ایسا حقہ پی کر مسجد میں جانا ممنوع نہیں ہوگا، بالجملہ جس حقہ کے پینے سے منہ بدبو کرتا ہے وہ مکروہ تنزیہی ہے، اور جو حقہ خوشبودار ہوتا ہے، وہ مکروہ تنزیہی بھی نہیں، اور جب ثابت ہوا کہ تنباکو حرام نہیں تو پانی حقہ کا کیونکر ناپاک اور پلید ہوگا، غایت ما فی الباب بدبودار ہو جاوے گا، اور پانی بدبودار ہو جانے سے پلید وناپاک نہیں ہوتا ہاں اگر نجاست کی وجہ سے بدبو ہو جاوے، تو البتہ ناپاک ہوگا، ہذا ما ظہر لی، واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید عبد الحفیظ غفر لہ ولوالدیہ۔

ھو الموفق: حقہ نوشی ایک مضر چیز ہے، اور اس کا ضرر ظاہر ہے، جو شخص حقہ کا عادی نہ ہو وہ پانچ چھ کش اچھی طرح کھینچ کر دیکھ لے دماغ چکر کھانے لگتا ہے، آسمان اور زمین اور ساری چیزیں گھومتی نظر

۱؎ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اللہ وہ ہے، جس نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لئے پیدا کیں ۱۲ ۲؎ اس میں دلیل ہے کہ اشیاء میں اصل حلت ہے، تا وقتیکہ کوئی دلیل اسے حرام نہ کرے، اور حیوانات اور دیگر اشیاء میں انتفاع اصل ہے بشرطیکہ وہ مضر نہ ہو ۱۲۔

آنے لگتی ہیں نفسانی اور جسمانی قوی اور افعال میں فتور و خلل پیدا ہو جاتا ہے، اس حالت میں حقہ کش بجز اس کے کہ اپنے سر کو تھام کر چپ بیٹھ جائے یا زمین پر پڑ جائے، کوئی اور کام کرنے کے قابل نہیں رہتا، اور یہی حالت تمباکو کھانے میں بھی ہوتی ہے، پس ایسی مضر چیز کو شریعت کب جائز رکھ سکتی ہے، اور حقہ کشی اور تمباکو خوری کی عادت ہو جانے سے اس کا اصلی ضرر اور اس کا اثر مرتفع نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کا ضرر محسوس نہیں ہوتا، دیکھو جب لوگ افیون کی زیادہ مقدار کھانے کے عادی ہو جاتے ہیں، ان کو افیون کا ضرر محسوس نہیں ہوتا، مگر کیا افیون کا جو ضرر ہے، وہ ان سے مرتفع ہو جاتا ہے، ہم نے مانا کہ تمباکو جیسی مضر چیز کی عادت کر لینے سے اس کا ضرر مرتفع ہو جاتا ہے، لیکن شریعت نے اس کی کہاں اجازت دی ہے، کہ ایسی مضر چیز کو استعمال کر کے اس کے عادی ہو اور اپنے تئیں اس کا ایسا محتاج بنا کر رکھو، کہ بغیر اس کے راحت اور چین میں خلل واقع ہو، وقت پر نہ ملنے سے پیٹ پھول جائے، پاخانہ نہ آئے، کسل و کاہلی اور بدمزگی پیدا ہو، علاوہ بریں حقہ پینے میں بجز اس کے کہ منہ سے بدبو آوے، اور کچھ مال اور وقت ضائع ہو، اور کیا دھرا ہے، پس تمام مسلمانوں کو بالخصوص اہلحدیث و متبعین سنت کو حقہ پینے اور تمباکو کھانے سے احتراز و اجتناب چاہیئے، اسی طرح ناک میں تمباکو بھرنے کی عادت ڈالنے سے بھی بچنا چاہیئے، اگرچہ ناک میں تمباکو کے استعمال کرنے سے وہ ضرر نہیں ہوتا جو اس کے کھانے اور پینے سے ہوتا ہے، مگر اس کی بھی عادت ڈالنی اچھی بات نہیں، اور یہ مسئلہ کہ ہر شئے میں اصل اباحت ہے علی الاطلاق نہیں ہے، بلکہ ان اشیاء میں اصل اباحت ہے جو مضر نہیں ہیں، اور جو اشیاء مضر ہیں ان میں اصل اباحت نہیں ہے، فتح البیان کی عبارت میں لفظ من غیر ضرر اس مدعا پر صاف دلالت کرتا ہے، اور معلوم ہوا کہ تمباکو ایک مضر شے ہے، پس تمباکو اس مسئلہ کے تحت میں داخل ہو کر مباح نہیں ہو سکتا، ہذا ما عندی واللہ اعلم۔

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری، عفا اللہ عنہ، سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین غراب موجودہ کی نسبت آیا اس کا کھانا جائز ہے یا ناجائز، جمیع فقہاء نے ابقع کو ناجائز تحریر کیا ہے، اور شاہ اہل اللہ صاحب نے کنز کے ترجمہ میں اسی غراب موجودہ کو ابقع اور ممنوع الاکل فرمایا ہے، فقہاء نے اقسام غراب سے صرف دو قسموں کو جائز تحریر کیا ہے ایک غراب الزرع کہ بالاتفاق حلال ہے، اور دوسرا عقعق، امام صاحب کے نزدیک اور امام ابو یوسف کے نزدیک ناجائز لکھا ہے، اور عقعق کو

شامی نے جنایۃ المحرم کے باب میں طائر ابیض تحریر کیا ہے، اور کتاب الذبائح میں مثل گنو ہے کے (فیہ سواد و بیاض) کر کے بیان کیا ہے، اس کوے دیسی کی نسبت تحریر فرمادیں، کہ جائز ہے یا ناجائز، بینوا توجروا۔

الجواب:- دیسی کوا حرام ہے، اس کا کھانا جائز نہیں ہے، اس واسطے کہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خمس من الدواب کلھن فاسق یقتلن فی الحل والحرم الغراب والحداۃ والعقرب والفارۃ والکلب العقور کذا فی البلوغ المرام یعنی منجملہ جانوروں کے پانچ جانور فاسق ہیں، جن کو حل و حرم دونوں جگہوں میں قتل کرنا چاہیئے (۱) کوا (۲) چیل (۳) بچھو (۴) چوہا (۵) کٹ کھنا کتا، اس حدیث متفق علیہ سے مطلقاً ہر کوے کی حرمت ثابت ہوتی ہے، پس دیسی کوے کی بھی حرمت اس حدیث سے ثابت ہوئی، اور اس حدیث میں اگرچہ صاف لفظوں میں ان پانچ جانوروں کا حرام ہونا مذکور نہیں ہے، بلکہ اس میں ان کے قتل کرنے کا حکم ہے، مگر اسی حکم سے ان کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے، نیل الاوطار میں ہے۔ قال المھدی فی البحر اصول التحریم اما نص الکتاب او السنۃ او الامر بقتلہ کالخمسۃ۔ ابن ماجہ میں ہے۔ عن ابن عمر قال من یاکل الغراب وقد سماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ فاسقا واللہ ماھو من الطیبات[1] یعنی حضرت ابن عمر رضہ نے فرمایا، کہ کوا کون کھائے گا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام فاسق رکھا ہے، اللہ کی قسم کوا طیبات سے نہیں ہے اور حضرت ابوبکر رضہ کے پوتے قاسم بن محمد (جو مدینہ طیبہ کے مشاہیر فقہائے سبعہ سے ہیں، اور افضل تابعین و کبار تابعین سے ہیں)، نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے، ابن ماجہ میں ہے۔ عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الحیۃ فاسقۃ والعقرب فاسق والفارۃ فاسقۃ والغراب فاسق فقیل للقاسم ایوکل الغراب قال من یاکلہ بعد قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسقا۔ یعنی حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سانپ فاسق ہے، اور بچھو فاسق ہے، اور چوہا فاسق ہے، اور کوا فاسق ہے، پس قاسم بن محمد سے کہا گیا، کہ کیا کوا کھایا جاتا ہے، انہوں نے کہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوے

---

[1] مہدی نے بحر میں لکھا ہے، کہ حرمت کے اصول یا تو قرآن کی نص ہے یا حدیث، اور یا پھر کسی چیز کے قتل کا حکم جیسے کہ آپ سے پانچ چیزیں شمار کی ہیں ۱۲

کو فاسق فرمایا ہے، پھر اس کے بعد کوا کون کھائے گا، اگر کوئی کہے، کہ اکثر روایات میں لفظ غراب مطلق واقع ہوا ہے، اور بعض میں لفظ غراب البقع بقید البقع وارد ہوا ہے، تو مطلق کا مقید پر محمول کرنا ضروری ہے، بناءً علیہ صرف غراب البقع کی حرمت ثابت ہوگی، نہ مطلق غراب کی، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ جب بعض روایات میں کوئی لفظ مطلق بلا قید واقع ہو، اور بعض روایات میں اس مطلق کے کسی ایک فرد پر تنصیص ہو، تو ایسی صورت میں عند الجمہور مطلق مقید پر محمول نہیں ہوتا ہے بلکہ مطلق اپنے اطلاق پہ باقی رہتا ہے، علامہ شوکانی نیل الاوطار صفحہ ۸۷ جلد ۵ میں مسئلہ احتکار کی تحقیق میں لکھتے ہیں۔ وظاہر احادیث الباب ان الاحتکار محرم من غیر فرق بین قوت الآدمی والدواب وبین غیرہ والتصریح بلفظ الطعام فی بعض الروایات لا یصلح لتقیید بقیۃ الروایات المطلقۃ بل ھو من التنصیص علی فرد من الافراد التی یطلق علیہا المطلق وذلک لان نفی الحکم عن غیر الطعام انما ھو لمفھوم اللقب وھو غیر معمول بہ عند الجمہور وما کان کذلک لا یصلح للتقیید علی ما تقرر فی الاصول انتہی۔ اور علامہ محمد بن اسمٰعیل امیر سبل السلام صفحہ ۴ جلد ۲ میں لکھتے ہیں۔ ولا یخفی ان الاحادیث الواردۃ فی منع الاحتکار وردت مطلقۃ ومقیدۃ بالطعام وما کان من الاحادیث علی ھذا الاسلوب فانہ عند الجمہور لا یقید فیہ المطلق لعدم التعارض بینہما بل یبقی المطلق علی اطلاقہ انتہی۔ دیسی کوے کا حرام ہونا اقوال علماء سے ظاہر ہوتا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ وقد اتفق العلماء علی اخراج الغراب الصغیر الذی یاکل الحب ویقال لہ غراب الزرع ویقال لہ الزاغ من ذلک وافتوا بجواز اکلہ فبقی ما عداہ من الغربان ملتحقا بالابقع انتہی۔ یعنی علماء نے بالاتفاق اس چھوٹے کوے کو جو دانہ کھاتا ہے، اور جس کو

لہ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے، کہ احتکار حرام ہے، اور آدمیوں اور جانوروں کی غذا اور دوسری چیزوں کے احتکار میں کوئی فرق نہیں ہے، اور وہ جو بعض روایات میں طعام کے لفظ کی قید بیان ہوئی ہے، وہ بقیہ روایات مطلقہ کو مقید نہیں کر سکتیں بلکہ وہ تمام افراد میں سے ایک فرد کی تنصیص ہے، کہ جس پر مطلق کا اطلاق ہو سکتا ہے، کیونکہ غیر طعام سے حکم کی نفی وہ لقب کے مفہوم کی وجہ سے ہے، اور جمہور کا اس پر عمل نہیں ہے، اور جس کی حیثیت اس طرح کی ہو وہ مقید نہیں کر سکتا، یہ ایک اصولی مسئلہ ہے ۱۲ لہ مخفی نہ رہے کہ احتکار کی ممانعت میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں، وہ طعام سے مطلق بھی ہیں اور قید بھی، اور جو اس طرح کی احادیث ہوں، جمہور کے نزدیک مطلق کو مقید نہیں کر سکتیں، کیونکہ ان میں کوئی تعارض نہیں ہے، بلکہ مطلق اپنے اطلاق پر رہے گی ۱۲

غراب الزرع اور زاغ کہتے ہیں حکم حرمت سے خارج کر دیا ہے، اور فتوی دیا ہے، کہ اس کا کھانا جائز ہے، پس اس چھوٹے کوے دانہ خور کے سوا باقی اور کوے غراب البقع کے ساتھ ملحق ہیں، اس عبارت سے واضح ہوا، کہ بجز غراب الزرع کے باقی اور تمام کوے غراب البقع کے ساتھ ملحق ہیں، اور حرام ہیں، اور ظاہر ہے، کہ دیسی کوے غراب الزرع نہیں ہیں، لہذا یہ غراب البقع کے ساتھ ملحق ہو کر حرام ہوں گے، و نیز دیسی کوے زمانہ نبوی و زمانہ صحابہ و زمانہ تابعین و تبع تابعین میں موجود تھے، مگر خیر القرون کے لوگوں میں سے کسی سے دیسی کوے کا کھانا، یا اس کے حلال ہونے کا فتوی دینا ہرگز ثابت نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے، جیسا کہ ابن ماجہ کی دونوں روایتوں سے ظاہر ہوا، پس اس وجہ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے، کہ دیسی کوے حلال نہیں، ہذا ما عندی واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم۔

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفی عنہ
سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان میں خصوصاً ممالک مغربی و شمالی میں دو قسم کا کوا پایا جاتا ہے، ایک وہ جو چونچ سے پیر تک بالکل سیاہ ہوتا ہے، اور ایک وہ جس کی گردن کی نسبت پیر زیادہ سیاہ ہوتے ہیں، پس ان دونوں کوؤں میں کون حلال ہے، اور کون حرام ہے، یا مکروہ اور اگر مکروہ ہے، تو کس قسم کا، نیز مشارق الانوار میں یہ حدیث ہے۔ عائشۃ خمس من الدواب کلھن فاسق یقتلن فی الحل والحرم الغراب والحداءۃ والعقرب والفارۃ والکلب العقور۔ کیا اس حدیث سے کوے کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے، اگر نہیں، تو اور کیا مطلب ہے، احسن المسائل ترجمہ کنز میں اس کوے کو جس کی گردن کی نسبت پیر زیادہ سیاہ ہوتے ہیں ابلق لکھ کر حرام لکھا ہے، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ما لا بد میں ایسے کوے کو جائز لکھا ہے، اس تفریق کا کیا سبب ہے۔

الجواب:۔ دونوں قسم کے کوے حرام ہیں، اور ان کی حرمت پر حضرت عائشہ رض کی حدیث جس کو سائل نے مشارق الانوار سے نقل کیا ہے دلالت کرتی ہے، اور وجہ دلالت دو ہیں، ایک تو یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مطلق غراب کو حل اور حرم دونوں جگہوں میں قتل کرنے کا حکم فرمایا ہے، اور کسی جانور کے قتل کرنے کا حکم

لہ پانچ جانور فاسق ہیں، ان کو حل اور حرم دونوں جگہوں میں قتل کیا جائے، کوا، چیل، بچھو، چوہا، کاٹنے والا کتا ۱۲

اس کے حرام ہونے کی دلیل ہے نیل الاوطار میں ہے۔ قال المھدی فی البحر اصول التحریم[1] اما نص الکتاب او السنۃ او الامر بقتلہ کالخمسۃ، اور دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق غراب کو فاسق کہا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی جانور کو فاسق کہنا اس کے حرام اور غیر ماکول اللحم ہونے کی دلیل ہے ابن ماجہ میں ہے۔ عن[2] ابن عمر قال من یاکل الغراب وقد سماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسقا واللہ ماھو من الطیبات ونیز اسی کتاب میں ہے۔ عن[3] عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الحیۃ فاسقۃ والعقرب فاسق والفارۃ فاسق فقیل للقاسم ایوکل الغراب قال من یاکلہ بعد قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسقا اور اس حدیث کی بعض روایات میں جو مطلق غراب کے ایک فرد یعنی غراب الابقع کی تخصیص آگئی ہے، سو اس سے غراب ابقع ہی کے ساتھ حرمت منصوص نہیں ہوگی، احسن المسائل میں جو اس کوے کو جس کی گردن کی نسبت پیر زیادہ سیاہ ہوتے ہیں الٹی لکھ کر حرام لکھا ہے، سو اس کی وجہ یہ ہے، کہ مصنف احسن المسائل نے اس قسم کے کوے کو ابقع سمجھا ہے، اور غراب ابقع بالاتفاق حرام ہے، حدیث میں اس کی تصریح آگئی ہے، اور غراب ابقع اس کوے کو کہتے ہیں جس کی پشت یا شکم میں سفیدی ہو فتح الباری میں ہے۔ وھو الذی فی ظھرہ او بطنہ بیاض انتھی، مالابد منہ میں ایسے کوے کا جس کی گردن کی نسبت پیر زیادہ سیاہ ہوتے ہیں، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہونا نہیں لکھا ہے، مالابد منہ میں غراب کی نسبت صرف اس قدر لکھا ہے وغراب کہ دانہ ونجاست مختلط می خورد مکروہ است، وغراب زرع کہ فقط دانہ میخورد وخرگوش ودیگر حیوانات بری حلال اند، واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوا حلال ہے یا حرام از روئے شرع شریف جواب مدلل عنایت ہو، اگر حرمت ثابت کی جائے، تو بحوالہ نص قرآنی ہو یا بحوالہ

---

[1] مہدی نے بحر میں کہا کہ اصول تحریم یا تو کتاب کی نص ہے یا سنت یا اس کے قتل کا حکم، جیسے پانچ چیزیں ۱۲ [2] ابن عمر نے کہا، کوا کون کھاتا ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام فاسق رکھا ہے، خدا کی قسم وہ پاکیزہ چیزوں میں سے نہیں ہے ۱۲ [3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سانپ فاسق ہے بچھو فاسق ہے چوہا فاسق ہے۔ قاسم سے پوچھا گیا، کیا کوا کھایا جاتا ہے، کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کے فاسق کہنے کے بعد اس کو کون کھا سکتا ہے۔

حدیث صحیح، اور اگر حلال کہا جائے، تو حوالہ نص قرآنی کا ہو یا حدیث صحیح کا، کوا بھی جانور جو جنگل گاؤں شہر میں اڑتا بستا رہتا ہے، خوراک اس کی بھی نجاست، روٹی، ہڈی، بوٹی، حلال حرام سب ملی جلی ہے کسی قسم خاص کوے کی نسبت سوال نہیں کیا جاتا، فقط یہی کوا جو ہندوستان میں ہے اس کی بابت سوال کیا جاتا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ یہ کوا جو ہندوستان کے جنگل گاؤں شہر میں بکثرت پایا جاتا ہے، اور خوراک اس کی بھی نجاست، روٹی، ہڈی، بوٹی، حلال، حرام سب ملی جلی ہوتی ہے، حرام ہے، بیان اس کا یہ ہے، کہ یہ کوا ابقع ہے۔ وھو الذی فی ظھرہ او بطنہ بیاض کذا فی الفتح والنیل اور ابقع کوے کی حرمت پر یہ حدیث دال ہے۔ عن عائشۃ رضؓ قالت امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقتل خمس فواسق فی الحل والحرم الغراب والحدأۃ والعقرب والفارۃ والکلب العقور متفق علیہ نیل الاوطار میں ہے قولہ الغراب ھذا الاطلاق مقید بما عند مسلم من حدیث عائشہ بلفظ الابقع وھو الذی فی ظھرہ وبطنہ بیاض ولا عذر لمن قال یحمل المطلق علی المقید من ھذا انتھی زیادت ابقع کے قبول میں اختلاف ہے ابن بطال وابن عبد البر وابن قدامہ نے اس زیادت کو قبول نہیں کیا ہے، اور دوسرے محدثین نے اس کو قبول کیا ہے، کذا فی الفتح والنیل، اور ہمارا مدعا دونوں تقدیر پر حاصل ہے اما بر تقدیر عدم قبول زیادت، پس اس لئے کہ مطلق غراب کے افراد میں سے غراب ابقع بھی ہے جب مطلق کی حرمت ثابت ہوئی، تو مقید کی بھی بالاولیٰ ثابت ہوئی، واما بر تقدیر قبول زیادت پس ظاہر ہے، اور اجماع علماء سے بھی اس کوے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ قال الحافظ فی الفتح وقد اتفق العلماء علی اخراج الغراب الصغیر الذی یاکل الحب من ذلک ویقال لہ غراب الذرع ویقال لہ الزاغ وافتوا بجواز اکلہ فبقی ما عداہ من الغربان ملتحقا بالابقع

لہ وہ کوا وہ ہے، جس کی پیٹھ اور پیٹ پر سفیدی ہوتی ہے ۱۲　　لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ فاسقوں کے حرم اور حل میں قتل کرنے کا حکم فرمایا، کوا، چیل، بچھو، چوہا، اور کاٹنے والا کتا ۱۲　　لہ کوا، یہ مطلق لفظ مسلم کی حدیث سے مقید ہے جس میں ابقع کی قید ہے، اور وہ کوا وہ ہے، جس کی پیٹھ اور پیٹ پر سفیدی ہوتی ہے، اور جو آدمی مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہیں، ان کو اس سے کوئی عذر نہیں ہے ۱۲

لہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے، کہ علماء نے بالاتفاق اس سے چھوٹے کوے کو مستثنیٰ کیا ہے، جو دانہ ہی کھاتا ہے، اور جسے زراعت کا کوا کہا جاتا ہے، اور اسے زاغ کہتے ہیں، اس کے کھانے کو جائز رکھا ہے، اور اس کے علاوہ

انتہی وقال الشعرانی فی المیزان ومن ذلک اتفاق الائمۃ الثلاثۃ علی تحریم کل ذی ناب من السباع ومخلب من الطیر یعدو بہ علی غیرہ کالعقاب والصقر والبازی والشاہین وکذا مالا یخلب لہ اذا کان یاکل الجیف کالنسر والرخم والغراب الابقع والاسود غیر غراب الزرع مع قول مالک باباحۃ ذلک کلہ علی الاطلاق انتہی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

کتبہ محمد بشیر عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

سوال: ما قولہم رحمہم اللہ درصورتے کہ کافرے گوشت ذبیحہ بفروشد، وبیان کند کہ این ذبیحہ را مسلم ذبح کردہ است ودلیل بر ذبح مسلم قول کافر است فقط، دریں صورت باعتماد قول کافران ذبیحہ حلال است یا حرام ونیز در قریہ مثلاً عادت باشد کہ از مسلمانان ذبح کنانیدہ کفار گوشت می فروشند، مگر خریدار را ذبح کردن مسلمان آن ذبیحہ را بجز قول کافر یا عادت از وجہ دیگر معلوم نمی شود پس حکمش چیست؟

الجواب: بر قرینہ وغیرہ اعتماد کردہ نمی شود تا وقتے کہ دلیل شرعی قائم نشود، ازیں جہت حنفیان حکم بر تنافہ نمی سازند علی الخصوص در حلت وحرمت کہ محل احتیاط واحتراز است پس درصورت مرقومہ حکم بر قول کافر در باب حلت وحرمت کہ از جملہ دیانات است نکردہ شود یعنی آن گوشت بقول کافر کہ ذبح کردہ مسلم است خوردن جائز نیست۔ قال فی الدر المختار قول الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانات انتہی وقال محمد بن الحسن الشیبانی

چنے بھی کوے ہیں، وہ ابقع سے ملحق ہیں، شعرانی نے میزان میں کہا ہے، اسی لئے ائمہ ثلاثہ نے ہر انکلی والے درندے اور ہر پنجے سے پکڑ کر کھانے والے پرندے کی حرمت پر اتفاق کیا ہے، جو پنجے سے دوسرے پر حملہ کرتا ہے، جیسے عقاب، شکرا، باز، شاہین وغیرہ اور اسی طرح وہ جانور جو پنجے سے حملہ تو نہیں کرتا لیکن مردار کھاتا ہو، جیسے گدھ، ابقع اور سیاہ کوا، زراعت کا کوا اس سے مستثنےٰ ہے، امام مالک تمام قسم کے کوؤں کو مباح کہتے ہیں۔

سوال:۔ کافر گوشت بیچتے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ مسلمانوں نے اس کو ذبح کیا ہے، اور ایسے رواج بھی یہی ہے کہ اس علاقہ میں ہندو لوگ جانور مسلمانوں ہی سے ذبح کرا لیتے ہیں، ایسی صورت میں ان سے گوشت لے کر مسلمانوں کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ مطلب یہ ہے کہ اس پر اعتماد صرف کافر کے قول پر ہی کرنا پڑتا ہے، اور یا پھر رواج پر۔

الجواب:۔ کافر کی اس بات پر کہ "اس جانور کو مسلمانوں نے ذبح کیا ہے" احناف کے نزدیک اعتبار نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ حلت وحرمت دیانات سے ہے، اور دیانات میں کافر کی شہادت مقبول نہیں ہے، لہٰذا جب تک کوئی شرعی دلیل قائم نہ ہو جائے، اس کو کھانا جائز نہیں ہے، در مختار میں ہے، کافر کا قول معاملات میں بالاتفاق

فی الموطا فان اتی بذلک مجوسی وذکران مسلما ذبحہ لم یصدق ولم یوکل واللہ اعلم بالصواب

محمد صلاح الدین ۱۲۹۰	رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۶۵	تلك محمد نذیر حسین
محمد کریم اللہ ۱۲۸۱	نوازش علی	محمد قطب الدین ۱۲۶۷
فقیر احمد سعید احمدی ۱۲۵۵	احمد علی کل حال ۱۲۶۶	

جواب صحیح است وازقرینہ قاطعہ ثبوت حکم درباب حلت وحرمت نتواند شد درباب تعزیرات البتہ اعتبار آن داشتہ اند۔ واللہ اعلم خادم الناس اللہ بس حفیظ اللہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص بندوق بنام خدا سر کرے، و قبل از ذبح شکار مرجاوے، تو کھانا اس شکار کا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اصل یہ ہے، کہ اللہ کا نام لے کر ایسی دھاردار چیز سے شکار کیا جائے جو اپنے دھاردار ہونے کی وجہ سے شکار میں نفوذ کر سکے، اور شکار قبل از ذبح مرجاوے تو وہ شکار حلال ہے، اس کا کھانا جائز ہے، اور جو چیز ایسی نہیں ہے، بلکہ وہ ثقیل اور بھاری چیز ہے، جو اپنے ثقیل اور بھاری ہونے کی وجہ سے شکار کو مارتی ہے جیسے پتھر اور بھاری لکڑی یا وہ چیز بھاری بھی نہیں ہے، بلکہ رامی کی قوت کی وجہ سے شکار کو مارتی ہے، جیسے بندوق کی گولی، اور چھرا، اور غلیل کی گولی، سوان دونوں قسم کی چیزوں کا شکار جو قبل از ذبح مرجاوے تو وہ حلال نہیں ہے، اس کا کھانا جائز نہیں ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری جزو ۲۳ صفحہ ۲۸۹ میں لکھتے ہیں۔ قال[1] المهلب اباح الله الصيد على صفة فقال تناله ايديكم ورماحكم وليس الرمي بالبندقة ونحوها من ذلك وانما هو وقيذ واطلق الشارع ان الخذف لا يصاد به لانه ليس من المجهزات وقد اتفق العلماء الامن شذ منهم على تحريم اكل ماقتلته البندقة والحجر انتهى وانما كان كذلك لانه يقتل الصيد بقوة راميه لابحده

مقبول ہے دیانات میں نہیں، امام محمد نے موطا میں کہا ہے، کہ اگر مجوسی گوشت لائے، اور کہے کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے، تو اس کو سچا نہیں سمجھا جائے گا، اور نہ وہ گوشت کھانا جائز ہوگا ۱۲

[1] مہلب نے کہا، اللہ تعالیٰ نے اس طرح کا شکار حلال کیا ہے، کہ جس کو تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچتے ہوں، اور بندوق یا غلیل کا شکار ایسا نہیں ہے، وہ وقیذ ہے (جو چوٹ سے مرگیا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کنکری سے شکار نہیں کیا جاتا، کیونکہ وہ شکار کا ہتھیار نہیں ہے، ماسوائے چند لوگوں کے علماء کا اتفاق ہے کہ بندوق یا پتھر سے مرا ہوا جانور حرام ہے کیونکہ وہ شکار کو پھینکنے والے کی طاقت سے مارتا ہے، نہ کہ اپنی تیزی کی وجہ سے

انتھی کلام الحافظ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے صحیح میں لکھتے ہیں باب صید المعراض وقال ابن عمر فی المقتولۃ بالبندقۃ تلک الموقوذۃ وکرہ سالم والقاسم ومجاھد وابراھیم وعطاء والحسن وکرہ الحسن رمی البندقۃ فی القری والامصار ولا یری بہ باسا فیما سواہ، پھر اس باب میں عدی بن حاتم کی یہ حدیث ذکر کی ہے سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المعراض فقال اذا اصبت بحدہ فکل واذا اصاب بعرضہ فقتل فانہ وقیذ فلا تاکل الحدیث علامہ شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں المراد بالبندقۃ ھی التی تتخذ من طین وتیبس فیرمی بھا حافظ ابن حجر فتح الباری جزو ۲۳ صفحہ ۲۸۷ میں لکھتے ہیں۔ اما اثر ابن عمر فوصلہ البیھقی من طریق ابی عامر العقدی عن زھیر ھو ابن محمد عن زید بن اسلم عن ابن عمر انہ کان یقول المقتولۃ بالبندقۃ تلک الموقوذۃ واخرج ابن ابی شیبۃ من طریق نافع عن ابن عمر انہ کان لا یاکل ما اصابت البندقۃ ولمالک فی الموطا عن نافع رمیت طائرین بحجر فاصبتھما فاما احدھما فمات فطرحہ ابن عمر واما سالم وھو ابن عبد اللہ بن عمر والقاسم وھو ابن محمد بن ابی بکر الصدیق فاخرج ابن ابی شیبۃ عن الثقفی عن عبید اللہ بن عمر عنھما انھما کانا یکرھان البندقۃ الا ما ادرکت ذکاتہ ولمالک فی الموطا انہ بلغہ ان القاسم ابن محمد کان یکرہ ما قتل بالمعراض والبندقۃ واما مجاھد فاخرج ابن ابی شیبۃ من وجھین انہ کرہ زاد فی احدھما لا تاکل الا ان یذکی واما ابراھیم وھو النخعی فاخرج ابن ابی شیبۃ من روایۃ

---

[۱] بندوق یا غلیل کے شکار کے متعلق حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا، یہ چوٹ سے مرتا ہے، لہٰذا حرام ہے، سالم، قاسم، مجاہد، ابراہیم، عطاء، حسن اس کو مکروہ کہتے ہیں، حسن بستیوں اور شہروں میں غلیلہ مارنے کو مکروہ کہتے البتہ جنگل میں جائز ہے ۱۲ [۲] عدی بن حاتم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معراض کے متعلق پوچھا (معراض وہ تیز دھار آلہ ہے جسے شکار کی طرف پھینکا جاتے) آپ نے فرمایا اگر وہ اپنی تیزی سے شکار کو زخمی کر کے مارے، تو اسے کھا لو اور اگر چوٹ سے مارے، تو اسے نہ کھاؤ، بندقہ غلیلہ کو کہتے ہیں، جو مٹی اور روئی وغیرہ سے تیار کیا جاتا ہے، نافع کہتے ہیں ہم نے پتھر سے دو جانور شکار کئے، ایک تو مر گیا، اور دوسرا زندہ رہا، ابن عمر نے مرے ہوئے کو پھینک دیا، عبید اللہ و عبد اللہ بن عمر غلیلہ کے شکار کو حرام کہتے، ہاں اگر زندہ مل جاتا، تو اسے ذبح کر لیتے، قاسم بن محمد کہتے ہیں، کہ غلیلہ کا شکار اگر ذبح کر لو، تو کھاؤ

الاعمش عنہ لا تاکل ما اصبت بالبندقۃ الا ان یدرکی ذکاتہ فقال عبد الرزاق عن
ابن جریج قال عطاء ان رمیت صیدا ببندقۃ فادرکت ذکاتہ فکلہ والا فلا تاکلہ
اما الحسن وھو البصری فقال ابن ابی شیبۃ حدثنا عبد الاعلی عن ھشام عن الحسن
اذا رمی الرجل الصید بالجلاھقۃ فلا تاکل الا ان تدرک ذکاتہ والجلاھقۃ بضم الجیم
وتشدید اللام وکسر الھاء بعدھا قاف ھی البندقۃ بالفارسیۃ والجمع جلاھق انتہی
ونیز صفحہ ۲۸۵ میں لکھتے ہیں: قولہ المعراض بکسر المیم وسکون المھملۃ واخرہ معجمۃ قال
الخلیل وتبعہ جماعۃ سہم لا ریش لہ ولا نصل وقال ابن درید وتبعہ ابن سیدہ
سہم طویل لہ اربع قذذ رقاق فاذا رمی بہ اعترض وقال الخطابی المعراض نصل عریض
لہ ثقل ورزانۃ وقیل عود رقیق الطرفین غلیظ الوسط وھو المسمی بالحذافۃ وقیل
خشبۃ ثقیلۃ اخرھا عصا محدد راسھا وقد لا یحدد وقوی ھذا الاخیر النووی تبعا
لعیاض وقال القرطبی انہ المشھور وقال ابن التین المعراض عصا فی طرفہا حدیدۃ
یرمی الصائد بہا الصید فما اصاب بحدہ فھو ذکی فیوکل وما اصاب بغیر حدہ فھو
وقیذ قولہ وما اصاب بعرضہ فھو وقیذ) وفی روایۃ فی الباب الذی یلیہ بعرضہ
فقتل فانہ وقیذ فلا تاکل وقیذ وزن عظیم بمعنی مفعول وھو ما قتل بعصا وحجر
او ما لا حد لہ ووقع فی روایۃ ھمام عن عدی الاتیۃ بعد باب قلت انا نرمی بالمعراض
قال کل ما خزق وھو بفتح المعجمۃ والزای بعدھا قاف ای نفذ یقال سہم خازق ای
نافذ وحاصلہ ان السہم وما فی معناہ اذا اصاب الصید بحدہ حل وکانت تلک
ذکوتہ واذا اصابہ بعرضہ لم یحل لانہ فی معنی الخشبۃ الثقیلۃ والحجر ونحو ذلک من المثقل
وقولہ بعرضہ ای بغیر طرفہ المحدد وھو حجۃ للجمھور فی التفصیل المذکور وعن الاوزاعی

ورنہ نہ کھاؤ، مجاہد، ابراہیم نخعی، عطاء، حسن بصری کا بھی یہی قول ہے ۱۲ لے معراض کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض نے
کہا کہ وہ ایک ایسی ثقیل لکڑی ہے، جس کا ایک سرا تیز اور باریک ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک اس کے دونوں سرے
باریک ہوتے ہیں اور درمیان سے موٹی لکڑی ہوتی ہے، اس لکڑی کو پھینکنے سے دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اگر باریک
سرا شکار کے جسم میں کھب جائے اور اسے زخمی کر دے اور خون نکل کر جانور مرے، تو وہ حلال ہے بشرطیکہ اس کو پھینکتے
وقت اللہ کا نام لیا ہو، اور اگر لکڑی تیز سرے کی طرف سے نہ لگے، اور شکار صرف چوٹ کی شدت سے مرے اور خون نہ
نکلے تو وہ جانور حرام ہے، یہی اصول تمام چیزوں کے شکار میں ہے اور جمہور کا یہی مذہب ہے ۱۲

وغیرہ من فقہاء الاسلام حل ذلک انتہی ملخصا منتقی الاخبار میں ہے عن عدی قال قلت یا رسول اللہ انا قوم نرمی فما یحل لنا قال یحل لکم ما ذکیتم وما ذکرتم اسم اللہ علیہ و خزقتم فکلوا منہ رواہ احمد وھو دلیل علی ان ما قتلہ السھم بثقلہ لا یحل انتہی ونیز اسی کتاب میں ہے عن ابراھیم عن عدی بن حاتم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رمیت فسمیت فخزقت فکل وان لم تخزق فلا تاکل ولا تاکل من المعراض الا ما ذکیت ولا تاکل من البندقۃ الا ما ذکیت رواہ احمد وھو مرسل ابراھیم لم یلق عدیا۔ قال الشوکانی فی النیل وان کان مرسلا کما ذکرہ لکن معناہ صحیح ثابت عن عدی فی الصحیحین وقال قولہ فخزقت فکل فیہ ان الخزق شرط الحل انتہی، موطا امام محمد میں ہے اخبرنا مالک اخبرنا نافع قال رمیت طائرین بحجر وانا بالجرف فاصبتھما فاما احدھما فطرحہ عبد اللہ بن عمر واما الآخر فذھب عبد اللہ یذکیہ بقدوم فمات قبل ان یذکیہ فطرحہ ایضا قال محمد وبھذا ناخذ ما رمی بہ الطیر فقتل بہ قبل ان تدرک ذکوتہ لم یوکل الا ان یخزق او یبضع فاذا خزق او بضع فلا باس باکلہ وھو قول ابی حنیفۃ والعامۃ من فقہائنا انتہی، سبل السلام میں ہے والحدیث ای حدیث المعراض اشارۃ الی الترمی من الآلات الا صطیاد وھی المحدد فانہ صلی اللہ علیہ وسلم اخبرہ انہ اذا اصاب بحد المعراض اکل فانہ محدد واذا اصاب بعرضہ فلا یاکل وفیہ انہ لا یحل صیدا لمثقل والی ھذا ذھب مالک والشافعی وابو حنیفۃ واحمد والثوری وذھب الاوزاعی ومکحول وغیرھما من علماء

لہ عدی نے عرض کیا، یارسول اللہ ہم شکاری لوگ ہیں، کون سا شکار حلال ہے؟ آپ نے فرمایا، ہر وہ شکار حلال ہے جس پر تم اللہ کا نام لے کر تیر پھینکو اور اپنی تیزی سے خون نکال کر اسے مار دے، اور اگر ایسا نہ ہو، تو اگر جانور زندہ مل جائے تو ذبح کر لو، اور اگر چوٹ سے مرجائے، اور خون نہ نکلے تو وہ حرام ہے ۱۲ ؁۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تو تیر پھینکے، اور اللہ کا نام لے، اور وہ خون نکال دے، تو کھا لیا کر، اور اگر خون نہ نکلے، تو نہ کھایا کر، معراض اور بندوق یا غلیلہ کا شکار اگر ذبح کر لو، تو کھاؤ، ورنہ نہ کھاؤ ۱۲ ؁۳ نافع نے کہا میں نے دو پرندے ایک پتھر سے شکار کئے، ایک مرگیا، ایک زندہ تھا، عبد اللہ بن عمر نے مردہ کو پھینک دیا، اور زندہ کو ذبح کرنے لگے، تو وہ بھی ذبح کرنے سے پہلے مرگیا، تو انہوں نے اسے بھی پھینک دیا، امام محمد نے کہا، اگر جانور کو پتھر سے مارا جائے، تو اگر زندہ مل جائے، تو اسے ذبح کر لو، اور اگر مرگیا ہو تو اسے پھینک دو، امام ابو حنیفہ اور عام فقہاء کا یہی مذہب ہے ۱۲

؁۴ اوزاعی اور مکحول اور شامی علماء معراض کے شکار کو مطلقاً حلال کہتے ہیں، خواہ خون نکلے یا نہ نکلے، اور امام مالک اور

الشام الی انہ یحل صید المعراض مطلقا الی قولہ ومن فرق بین ما خزق من ذلک وما لم یخزق نظرا الی حدیث عدی ھذا وھو الصواب انتہی واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی مسلمان نے کسی جانور حلال کو بارادہ ونیت تعظیم وتقرب ونذر غیر اللہ کے ذبح کرنا دل میں ٹھہرا یا یعنی یہ بکرا فلاں بزرگ کے نام کا ہے، یا یہ گائے فلاں بزرگ کے نام کی ہے، اور بطور عادت کے اس کو بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا، تو اس جانور کا گوشت حلال رہا یا حرام ومردار ہوگیا، اور ایسے عقیدہ والا مسلمان رہا، یا کہ گنہ گار اور مرتد ہوگیا، بینوا توجروا۔

الجواب :۔ درصورت سوال سائل وہ جانور ذبیحہ حرام ومردار ہوگیا، اور ایسے عقیدہ والا مرتد وکافر ہوا، چنانچہ تفسیر کبیر اور تفسیر نیشاپوری میں مذکور ہے۔ قال العلماء لو ان مسلما ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحھا التقرب الی غیر اللہ صار مرتدا وذبیحتہ ذبیحۃ مرتد[1] انتہی اور تفسیر حدادی میں مذکور ہے۔ فحرم اللہ[2] کل ذبیحۃ یتقرب بذبحھا الی غیر اللہ تعالیٰ انتہی وھکذا فی تفسیر عین المعمد پس جب جان جانور کو واسطے تعظیم وتقرب غیر کے دل میں قصد کیا، اور بطریق عادت کے بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا، تو اعتبار دل کا ہوگا نہ زبان کا، کیونکہ اعمال دل سے تعلق رکھتے ہیں نہ زبان سے، دل میں نیت نماز ظہر کی کی، اور زبان سے لفظ عصر کا نکلا، تو دل کا اعتبار ہوگا نہ زبان کا۔ لا یخفی[3] ان النیۃ باللسان مع غفلۃ الجنان غیر معتبر لما ورد ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولا الی اموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم وفی روایۃ ولکن ینظر الی قلوبکم ونیاتکم فلو نوی الظہر بقلبہ فی وقتہ وتلفظ بنیۃ العصر لا یضرہ بخلاف العکس وھذا معنی قولھم لا عبرۃ باللسان

شافعی، ابو حنیفہ، احمد، سفیان ثوری کہتے ہیں کہ اگر اپنی تیزی سے خون نکال کر مار دے، تو جائز ہے، ورنہ حرام ہے، اور یہی صحیح ہے ۲

[1] تمام علماء نے کہا ہے، کہ اگر کوئی مسلمان ایسا ذبیحہ ذبح کرے جس سے غیر اللہ کا تقرب مقصود ہو تو وہ مرتد ہو جائے گا، اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہوگا ۲

[2] اللہ تعالیٰ نے ہر ایسے ذبیحہ کو حرام کیا ہے جس سے مقصود غیر اللہ کا تقرب ہو ۲

[3] یہ بات تو مخفی نہیں ہے، کہ دل بے خبر ہو اور زبان سے نیت کی جائے، تو وہ معتبر نہ ہوگی کیونکہ حدیث میں آیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور دولت کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتے ہیں، مثلاً اگر کوئی آدمی دل میں نماز ظہر کی نیت رکھتا ہو اور زبان سے نماز عصر کے الفاظ نکل جائیں تو اس

انتہی ما فی المرقاۃ شرح المشکوۃ لملا علی قاری الہروی وھکذا فی تنویر الابصار والدر المختار وغیرھما من کتب الفقہ۔ ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اھل بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ علیہ ولو ذبح للضیف لا یحرم لانہ سنۃ الخلیل علیہ السلام واکرام الضیف اکرام اللہ تعالیٰ وفی شرح الوھبانیۃ عن الذخیرۃ ونظمہ فقال شعر ؎

وفاعلہ جمھورھم قال کافر وفضلی واسمٰعیل لیس یکفر

کذا فی تنویر الابصار والدر المختار ذبح لقدوم الامیر اولواحد من العظماء یحرم ولو ذکر اسم اللہ علیہ کذا فی الاشباہ والنظائر فی کتاب الصید والذی یاتی عند مرای الضیف تعظیما لہ لایحل اکلہ کذا عند قدوم الامیر لانہ اھل بہ لغیر اللہ انتہی۔ مافی الجوھرۃ النیرۃ شرح القدوری کذا فی جامع الرموز وفتاوی قاضی خان والفتاوی العالمگیریۃ وفتاوی مطالب المؤمنین من کتب الحنفیۃ وغیرھما من کتب المذاھب الاخر۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ	سید محمد نذیر حسین
خادم شریعت رسول الثقلین تلطف حسین	ذکر رحمت ربک عبدہ زکریا ۱۳۰۹ھ

سید محمد عبد السلام غفر لہ	ابو عبد الحی محمد حسین ۱۳۰۰	ابو الحسن محمد امیر الدین غفر لہ

سوال:۔ گولی اور غلیلہ کا شکار حلال ہے یا حرام، بینوا توجروا

الجواب:۔ درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے، کہ جو چیز محدد ہو، یعنی تیز دھاری والی خون بہانے والی خواہ قسم آہن سے ہو یا پتھر یا نے ہو اس سے شکار حلال ہیں، اور جو چیز محدد نہ ہو اس سے شکار حرام ہے۔ عن رافع بن خدیج قال قلت یا رسول اللہ انا لاقوا العدو غدا ولیست معنا مدی افنذبح بالقصب قال ما انھر الدم وذکر اسم اللہ فکل یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چیز رواں کرے اور بہا دے خون کو اور نام اللہ تعالیٰ کا اس پر لیا جاوے، پس کھانے اس کو، رواہ البخاری ومسلم، اور روایت عدی بن حاتم سے ہے۔ قال قلت یا رسول اللہ انا نرمی بالمعراض قال کل ما خزق، فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھا جس کو معراض نے

میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اس کا عکس مضر ہے، اور اس قول کا یہی مطلب ہے، کہ زبان کا کچھ اعتبار نہیں ہے ۱۲

لہ اگر امیر یا کسی بڑے آدمی کے آنے پر جانور ذبح کرے، تو وہ حرام ہے، کیونکہ وہ غیر اللہ کے نام پر پکارا گیا، اگرچہ بوقت ذبح اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اور اگر مہمان کے لئے ذبح کرے، تو وہ حرام نہ ہوگا، کیونکہ وہ سنت خلیل ہے، اور مہمان کی عزت حقیقت میں اللہ کے حکم کی تعظیم ہے، اشباہ والنظائر اور جوہرہ نیرہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے ۱۲

جراحت کی یعنی خون بہایا، اور نفوذ کیا وما اصاب بعرضہ فلا تاکل متفق علیہ یعنی وہ معراض کہ جو
پہنچا عرض کی طرف سے نہ طول کی طرف سے پس مت کھا، انتہی ما فی صحیح البخاری مختصراً بقدر
الحاجۃ، معراض تیر بے پر کو کہتے ہیں، اور فارسی میں اس کو گز بھی کہتے ہیں۔ او قتلہ معراض بعرضہ و
ھو سھم لا ریش لہ یسمی بیرلا صابتہ بعرضہ ولو لراسہ حد فاصاب بحدہ حل کذا فی
الدر المختار یا شکار کو معراض نے قتل کیا ساتھ عرض اپنے کے تو وہ حرام ہے، اور جو معراض کے
کنارے پر حدت اور تیزی ہو، اور وہ شکار کو تیزی کی طرف سے لگے تو وہ حلال ہے ترجمہ در مختار
کا تمام ہوا، معراض بوزن محراب، تیر ہے بے پر کا، دونوں کنارے اس کے باریک اور درمیان
میں اس کے موٹا، وہ نشانہ پر عرض کی جانب سے لگتا ہے، نہ تیزی کی طرف سے کذا فی القاموس
اور شکار غلیلہ کا یعنی جس کو غلیل سے شکار کرتے ہیں خواہ سیسے کا ہو یا مٹی کا ہو، عبداللہ بن عمر رض سے
حرمت اس کی مطلقا مروی ہے، قال ابن عمر رض فی المقتولۃ بالبندقۃ تلک الموقوذۃ وکرہہ
سالم ومجاھد والقاسم وابراھیم وعطاء والحسن کذا فی صحیح البخاری اور ابن عمر کے قول پر شکار
اس کا مطلقا حرام ہے، خواہ مدور ہو خواہ نوکدار، اور یہی مسلک ہے صاحب کافی وکنز وفتاوے
عالمگیری کا عوام کے حق میں یہی قول احوط ہے۔ وما قتلہ بالمعراض بعرضہ وبالبندقۃ حرم
کذا فی الکنز والبندقۃ لا تجرح وان رماہ بالسیف او السکین فان اصابہ بحدہ اکل والا لا
کذا فی العینی شرح الکنز والھدایۃ ولا یوکل ما اصابہ البندقۃ فمات بہا کذا فی الکافی
والفتاوی العالمگیریۃ وفتاوی قاضی خان، اور در مختار میں مذکور ہے، کہ اگر غلیلہ نوکدار، تیز، تیر
کے موافق ہو، تو اس کا شکار حلال ہے۔ والاصل ان البندقۃ ثقیلۃ ذات حدۃ حرم بقتلہا بالثقل
لا بالحدۃ ولو کانت خفیفۃ بہا حدۃ حل بقتلہا بالجرح حینئذ ولو لم یجرحہ لا یوکل مطلقا

---

۱ حضرت عبداللہ بن عمر نے غلیلہ سے مرے ہوئے شکار کے متعلق فرمایا یہ موقوذہ (چوٹ سے مرا ہوا) ہے، سالم، مجاہد، قاسم، ابراہیم، عطاء اور حسن نے بھی اسی طرح کہا ہے ۱۲

۲ جس جانور کو معراض اپنے عرض کی طرف سے مار دے، یا جو جانور غلیلہ سے مرے وہ حرام ہے، کیونکہ غلیلہ سے زخم تو نہیں ہوتا، بلکہ وہ تو چوٹ سے مرتا ہے، اور اگر تلوار یا چھری اس کی طرف پھینکے، تو اگر وہ اپنی تیزی سے مار دے، تو کھا لیا جائے گا، ورنہ نہیں، کافی، عالمگیری اور قاضی خاں میں بھی ایسا ہی ہے ۱۲

۳ اگر غلیلہ بھاری بھی ہو، اور تیز دھار بھی، تو اس کا شکار بھی حرام ہے، اور اگر ہلکا ہو تیز ہو، اور اپنی تیزی کی وجہ سے اس کو زخم کر کے مارے، تو حلال ہے، اور اگر زخمی نہ ہو تو مطلقا حرام ہے، اور زخم میں خون گرنا شرط ہے، بعض کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے ۱۲

وشرط فی الجرح الادماء وقیل لا ملتقی او تماھر فیما علقتہ علیہ کذا فی الدر المختار۔ اور اگر غلیلہ
نے شکار زخمی نہ کیا، تو اس کا کھانا مطلقاً درست نہیں ہے، خواہ غلیلہ بھاری ہو یا ہلکا، گول ہو یا نوکیلا،
اور زخم میں خون بہنا شرط حلت ہے اکثر کے نزدیک، اور بعض متاخرین کے نزدیک شرط نہیں،
اسی واسطے بلفظ قیل ذکر کیا۔ والاصل[1] فی ھذہ المسائل ان الموت اذا اضیف الی الجرح قطعاً
حل الصید واذا اضیف الی المثقل قطعاً حرم وان شك ولم یدر انه مات بالثقل او الجرح
حرم احتیاطاً وان رماہ بسیف او بسکین فاصابه بحدہ فجرحه حل وان اصابه بقفا
السکین او بمقبض السیف حرم کذا فی الفتاوی العالمگیریۃ۔ واضح ہو کہ فتوی بندقہ کے شکار
میں ابن عمر رض کے قول پر اولیٰ واحوط ہے، کیونکہ عوام کے نزدیک تحقیق وتدقیق کہ بندقہ ثقیل ہو تو حرام
اور خفیف نوکدار ہو تو حلال نہایت متعذر ومشکل ہے، اور بنا بر اس کے سید احمد طحطاوی مصری
نے درمختار کے حاشیہ میں شیخ زین الدین ابن نجیم الدین حنفی صاحب بحر الرائق سے نقل کیا ہے
کہ جب ان سے یہ استفتاء طلب ہوا، کہ جو شخص چڑیوں کا شکار کرتا ہے، سیسے اور مٹی کی گولی سے
اس کا کھانا درست ہے یا نہیں، تو جواب لکھا اس کا کھانا حلال نہیں ہے انتہی ترجمہ کلامہ۔ صاحب
طحطاوی کہتا ہے، کہ میں کہتا ہوں، کہ سیسے کی گولی کے شکار میں احتیاط یہ ہے، کہ اس کا کھانا حلال
نہیں ہے اس واسطے کہ گولی تو اندفاع عنیف یعنی زور سے پھینکنے کے سبب سے قتل کرتی ہے
ناشی حدت اور باڑھ کی تیزی سے، واللہ اعلم بالصواب۔ ہکذا فی الطحطاوی۔

اور علمائے محققین ہندوستان کا فتوی بھی اسی پر ہے، کہ گولی کا شکار حلال نہیں ہے، کیوں کہ
اس میں ما انہر الدم کا اثر نہیں پایا جاتا اگرچہ اس قدر کافی ہے زیادہ بیان کی ضرورت نہیں ہے لیکن بنا
بر تنبیہ بعض علماء کے کہ مسئلہ گولی سے غافل ہیں مرۃ بعد اخری تصریح وتشریح کی جاتی ہے، کہ قاعدہ کلیہ
شرع شریف کا یہ ہے، کہ جو شئے محدد کہ جس سے انہار دم ممکن ہو وہ آلہ ذبح ہے، خواہ ذبح اختیاری
ہو یا اضطراری، گوش ہوش سے سننا چاہیئے، کہ رافع بن خدیج سے بخاری ومسلم میں مروی ہے قال
افنذبح بالقصب آیا ذبح کریں ہم نے کہ تیز بانس مانند کارد قال[2] ما انہر الدم وذکر اسم اللہ علیہ

---

[1] ان مسائل میں اصل یہ ہے، کہ اگر موت زخم کی وجہ سے ہو تو وہ جانور حلال ہے، اور اگر ثقل کی وجہ سے ہو تو حرام ہے اور
اگر زخم یا ثقل کی موت میں شک ہو، تو احتیاطاً حرام ہے، اگر چھری یا تلوار پھینکی اگر پھل کی طرف سے جانور کو لگی، اور خون نکل گیا
تو حلال ہے، اور اگر دستہ کی جانب سے لگے تو حرام ہے ۱۲

[2] کہا کیا ہم سرکنڈے یا گنا کی چھال سے جانور
ذبح کر لیا کریں، آپ نے فرمایا، جو چیز بھی خون گرا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اس سے کھا لیا کرو ۱۲

فکل فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چیزے کہ روان گرداند خون را و بردہ شد نام خدا پس بخور کذا فی ترجمۃ الشیخ عبدالحق المحدث الدہلوی۔ یقال انہرت الدم ای اسلتہ کذا فی مفردات القرآن للامام الراغب وھکذا فی المرقاۃ اور روایت عدی بن حاتم سے صحیحین میں مروی ہے قلت انا نرمی بالمعراض قال کل ما خزق گفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بخور چیزے را کہ جراحت کردہ شود و نفوذ نمودہ متفق علیہ کذا فی ترجمۃ الشیخ، اور عدی بن حاتم سے مشکوۃ کی فصل ثانی میں مروی ہے، قال قلت ارایت احدنا اصاب صیدا ولیس معہ سکین ایذبح بالمروۃ او شقۃ العصا آیا ذبح بکند بسنگ مردہ یا بپارہ شکستہ از چوب۔ فقال امرر الدم بما شئت ما عدا السن والظفر رواہ ابوداؤد والنسائی قال الشارح المروۃ حجر ابیض رقیق یجعل منہ کالسکین ویذبح بہا امرر الدم ای انہر الدم کذا فی الطیبی والمرقاۃ، پس روایات ماسبق سے واضح ہوا کہ ما انہر الدم موجب حلت شکار ہے، بخلاف بندقہ وگولی کے کہ اس میں انہار دم وجرح ونفوذ متصور نہیں ہے، کہ منہر وجارح وخازق ونافذ ہو، وہ تو (یعنی گولی) باعث صدمہ زنجک آتشزدہ تفنگ کے باندفاع عنیف لگتی ہے، اور جسم کو پھاڑتی ہے نہ بارڑھ کی تیزی سے خون بہاتی ہے اس صورت میں انہار دم اس میں ہرگز نہیں پایا جاتا، پھر کیونکر شکار گولی اور غلیلہ کا حلال ہو، اسی بنا پر عبداللہ بن عمر بن الخطاب نے فرمایا ہے۔ قال ابن عمر فی المقتولۃ بالبندقۃ تلک الموقوذۃ وکرہ سالم والقاسم ومجاھد وابراھیم وعطاء والحسن انتہی ما فی صحیح البخاری اما اثر ابن عمر فوصلہ البیہقی من طریق ابی عامر العقدی عن زھیر ھو ابن محمد عن زید بن اسلم عن ابن عمر انہ کان یقول المقتولۃ بالبندقۃ تلک الموقوذۃ واخرج ابن ابی شیبۃ من طریق نافع عن ابن عمر رضہ انہ کان لا یاکل ما اصابت البندقۃ ولمالک فی الموطا عن نافع رمیت طائرین بحجر فاصبتہما فاما احدھما فمات فطرحہ ابن عمر واما سالم وھو

لہ میں نے کہا، ہم معراض پھینکتے ہیں، آپ نے فرمایا، جو چیز بھی زخمی کرے، اس کا شکار کھا لے ۱۲ ۔ ۲ہ میں نے کہا، اگر ہم میں سے کسی کو شکار ملے، اور اس کے پاس چھری نہ ہو، کیا اسے مردہ (پتھر) یا عصا کی پھانک سے ذبح کرلے؟ آپ نے فرمایا، دانت اور ناخن کے سوا جس چیز سے بھی خون بہا دے درست ہے ۱۲ ۔ ۳ہ حضرت ابن عمر رضہ نے غلیلہ سے مرے ہوئے جانور کے بارے میں فرمایا، وہ چوٹ سے مرا ہوا ہے، سالم، قاسم، مجاہد، ابراہیم، عطاء، حسن کا بھی مذہب ہے، حضرت ابن عمر رضہ کے اثر کو بیہقی اور ابن ابی شیبہ نے بیان کیا ہے، نافع کہتے ہیں کہ میں نے دو پرندے ایک پتھر سے مارے، ایک تو مرگیا، اس کو ابن عمر رضہ نے پھینک دیا، اور سالم بن عبداللہ بن عمر اور قاسم بن محمد بن ابی بکر رضہ

ابن عبد اللہ بن عمر والقاسم وھو ابن محمد بن ابی بکر الصدیق فاخرج ابن ابی شیبۃ عن الثقفی عن عبید اللہ بن عمر عنہما انہما کانا یکرھان البندقۃ الا ما ادرکت ذکاتہ ولمالک فی الموطا انہ بلغہ ان القاسم بن محمد کان یکرہ ما قتل بالمعراض والبندقۃ واما مجاھد فاخرج ابن ابی شیبۃ من وجھین انہ کرھہ زاد فی احدھما لا تاکل الا ان یذکی واما ابراھیم وھو النخعی فاخرج ابن ابی شیبۃ من روایۃ الاعمش عنہ لا تاکل ما اصبت بالبندقۃ الا ان یذکی واما عطاء فقال عبد الرزاق عن ابن جریج قال عطاء ان رمیت صیدا ببندقۃ فادرکت ذکاتہ فکلہ واما الحسن وھو البصری فقال ابن ابی شیبۃ حدثنا عبد الاعلی عن ھشام عن الحسن اذا رمی الرجل الصید بالجلاھقۃ فلا تاکل الا ان تدرک ذکاتہ والجلاھقۃ بضم الجیم وتشدید اللام وکسر الہاء بعدھا قاف ھی البندقۃ بالفارسیۃ والجمع جلاھق انتہی ما فی فتح الباری شرح البخاری لابن حجر العسقلانی قال المھلب اباح اللہ الصید علی صفۃ فقال تعالیٰ تنالہ ایدیکم ورماحکم ولیس الرمی بالبندقۃ ونحوھا من ذلک وھو وقیذ واطلق الشارع ان الخذف لا یصاد بہ وقد اتفق العلماء الا من شذ منھم علی تحریم اکل ما قتلہ البندقۃ والحجر وانما کان کذلک لانہ یقتل الصید بقوۃ رامیہ لا بحدہ کذا فی فتح الباری من عینہ وھکذا فی نیل الاوطار ایضا۔ اور جو کچھ شیخ محمد بن عبد اللہ تمرتاشی خوارزمی شاگردان شاگرد شیخ زین الدین ابن نجیم الدین صاحب بحر الرائق نے اپنے متن تنویر الابصار میں لکھا ہے، کہ بندقۃ ثقیلۃ ذات حدۃ حرم بقتلھا بالمثقل لا بالحدۃ ولو کانت خفیفۃ لہا حدۃ تحل بقتلھا بالجرح حینئذ الی آخرہ، شاید یہ ساخت و پرداخت وضع گولی اور غلیلہ کی دیار خوارزم میں ہوگی،

اور مجاہد کے اثر کو ابن ابی شیبہ نے بیان کیا ہے، کہ یہ بزرگ غلیلہ اور معراض کے مرے ہوئے جانور کو حرام کہتے تھے، اور ابراہیم نخعی کے اثر کو بھی ابن ابی شیبہ نے نکالا ہے، اور عطاء کے اثر کو عبد الرزاق نے، اور حسن بصری نے کہا جس کو غلیلہ مار دے اس کو نہ کھائے، مہلب نے کہا خدا تعالیٰ نے وہ شکار حلال کیا جس کو یا انسان کا ہاتھ ذبح کرے یا نیزہ، اور غلیلہ کا شکار اس طرح کا نہیں ہے، علاوہ اس کے سوائے چند آدمیوں نے تمام علماء کا اتفاق ہے کہ جس کو غلیلہ یا پتھر مار دے وہ حرام ہے، کیونکہ وہ شکار کو اپنی تیزی کی وجہ سے نہیں بلکہ مارنے والے کی چوٹ سے مرتا ہے "

ے اگر غلیلہ ثقیل ہو تیز دھار ہو تو اس کا شکار حرام ہے کیونکہ وہ اپنی تیزی سے نہیں بلکہ بوجھ سے

بخلاف اور دیار عرب و مصر و ہندوستان کے کہ ایسی گولی نہیں ہوتی، چنانچہ عبداللہ بن عمر رضہ و سالم و قاسم وغیرہ مرقوم بالا، اور قول شیخ زین الدین مرقوم الصدر اور فتوی صاحب کافی و کنز اور عالمگیری کیسے یہ توجیہات نہیں پائی جاتیں، بلکہ گولی کا شکار مطلقاً حرام ہے، مذکورین بالا کے نزدیک اور اصطلاح خاص وطرز جدید صاحب تنویر کی شاذ و نادر ہے، یہ حکم علت کا عموماً ہندوستان کی گولی پر نہیں ہوسکتا۔ الامور بمقاصدھا قاعدہ کلیہ فقہ کا ہے، بنابراس کے فتح الباری میں مذکور ہے۔ قد اتفق العلماء الا من شذ منھم علی تحریم اکل ما قتلتہ البندقۃ والحجر[1] الی اٰخر ما نقل مرنیہ۔ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔

سید محمد نذیر حسین

سوال: شکار جانور وحشی چارپایہ یا پرندہ کا مباح ہے یا ممنوع، اور جو شخص شکار کرنے کو برا جانے، اور نیز شکار کرنے والے کو برا کہے، وہ شخص کیسا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: شکار کرنا مباح و مشروع ہے، قرآن مجید میں ہے۔ فاذا حللتم فاصطادوا[2] وحرم علیکم صید البر ما دمتم حرما الایۃ وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ فکلوا مما امسکن علیکم الایۃ، اور صحاح ستہ وغیرہ کتب احادیث میں مباح و جواز شکار کرنے میں مروی ہیں اور منقول، اور اسی پر اجماع کا تعامل ہے، اور کتاب الصید ہر کتاب فقہ وحدیث میں مذکور ہے، اس صورت میں جو کوئی شکار کرنے کو برا جانے، اور شکار کرنے والے کو برا کہے وہ جاہل اور خطا دار اور ہم عقیدہ کفار ہے، اور مبتلی ہے وسوسہ شیطانی میں اس سے توبہ کرے، اور حلال کو حرام نہ جانے۔ قال اللہ تعالیٰ وان الشیاطین لیوحون الی اولیاءھم لیجادلوکم وان اطعتموھم انکم لمشرکون[3] الایۃ من سورۃ الانعام و اللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب

العاجز سید محمد نذیر حسین عافاہ اللہ فی الدارین

سید محمد نذیر حسین

---

[1] تمام علماء کا اتفاق ہے، کہ جو جانور غلیلہ یا پتھر سے مرے وہ حرام ہے۔۱۲ سے مارتا ہے، اور اگر خفیف ہو، تو اس کا شکار حلال ہے۔۱۲

[2] اور جب تم حلال ہو جاؤ، تو شکار کرلو، اور جب تم احرام کی حالت میں ہو تو تم پر جنگل کا شکار حرام ہے، الایۃ اور جو تم شکاری پرندوں کو سکھاؤ، خدا کے حکم کے مطابق، جو تمہارے لیے روک رکھیں اس سے کھاؤ۔۱۲

[3] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: شیطان اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں، تاکہ وہ تم سے جھگڑیں، اگر تم نے ان کا کہا مان لیا تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔۱۲

سوال :۔ چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عمرو کہتا ہے، کہ ذبیحہ اہل بدعت کا جن کی بدعت کفر کو پہنچ گئی ہو حلال ہے، اور امامت نادرست ہے، اور نکاح ان کی عورتوں سے درست ہے، قیاساً علی اہل الکتاب، پس حکم ان کا مانند حکم اہل کتاب کے ہے، نہ مانند اہل ارتداد کے، اور زید کہتا ہے، کہ قول عمرو کا سراسر خطا ہے، بلکہ کفر ہے کیونکہ منکر ضروریات دین کا مرتد ہے، اور مرتد کو حکم اہل کتاب کا دینا سراسر انکار ہے ضروریات دین سے پس ان دونوں سے کون سا مصیب ہے ؟

الجواب :۔ زید مصیب ہے، اہل بدعت جن کی بدعت کفر کو پہنچی ہے کسی صورت سے اہل کتاب کا حکم نہیں پا سکتے، بلکہ مرتد کہلائیں گے، اور ان کے ساتھ مرتدین کا سا معاملہ کیا جاوے گا۔ عن[1] ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بدل دینہ فاقتلوہ رواہ البخاری وعنہ ایضاً مرفوعاً من خالف دینہ دین الاسلام فاضربوا عنقہ اخرجہ الطبرانی منکر ضروریات اسلام و مبتدع بہ بدعات مکفرہ کو اہل کتاب پر قیاس کرنا بالکل غلط اور بے اصل بات ہے۔ نہ کسی نے سلف و خلف میں سے ایسا قیاس کیا، اور نہ کوئی سمجھ دار کر سکتا ہے، اگر کتابی پر قیاس کیا بھی جاوے، اور اس کو مثلاً یہود یا نصرانی قرار دیا جاوے، تو بھی وہ از روئے شریعت محمدیہ مرتد معدود ہو گا، اور اس کا معاملہ مرتدین کا ہو گا جیسا کہ اوپر والی حدیثوں سے ظاہر ہوا۔ وعن[2] معاذ بن جبل فی رجل اسلم ثم تہود لا اجلس حتی اقتل قضاء اللہ ورسولہ فامر بہ فقتل متفق علیہ۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق :۔ یہ بات صحیح ہے، کہ جن مبتدعین مسلمانوں کی بدعت کفر کو پہنچی ہے، وہ اہل کتاب کا حکم نہیں پا سکتے، رہی یہ بات کہ وہ مرتد کہلائیں گے یا نہیں، اور ان کے ساتھ مرتدین کا سا معاملہ کیا جاوے گا یا نہیں، سو اس میں تفصیل ہے، وہ یہ کہ جو شخص ضروریات دین میں سے کسی ایسے امر کا انکار کرے، جس کا ثبوت علی سبیل التواتر ہو، اور اس کے ثبوت میں علماء کا اختلاف نہ

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اپنے دین کو بدل دے، اس کو قتل کر دو، اور فرمایا جو دین اسلام سے پھر جائے اس کو قتل کر دو (بخاری) ۱۲

[2] حضرت معاذ بن جبل نے ایک آدمی کے متعلق کہا، جو پہلے مسلمان تھا لیکن بعد میں یہودی ہو گیا، کہ میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا، جب تک اس کو قتل نہ کیا جائے گا، پھر اس کے متعلق حکم دیا گیا، تو اسے قتل کر دیا گیا (بخاری، مسلم) ۱۲

ہو، بلکہ اس کا ضروریات دین سے ہونا متفق علیہ ہو، تو ایسا شخص مرتد کہلا دے گا، اور اس کے ساتھ معاملہ مرتدین کا سا کیا جاوے گا، اور جو مسلمان شخص ایسا نہ ہو، وہ نہ مرتد کہلائے گا، اور نہ اس کے ساتھ مرتدین کا سا معاملہ کیا جاوے گا، حافظ ابن حجر شرح نخبہ میں بدعت کی بحث میں جو اسباب جرح سے ایک سبب سے لکھتے ہیں۔ والتحقیق انہ لا یرد کل مکفر ببدعۃ لان کل طائفۃ تدعی ان مخالفیہا مبتدعۃ وقد تبالغ فتکفر مخالفیہا فلو اخذ ذلک علی الاطلاق لاستلزم تکفیر جمیع الطوائف فالمعتمد ان الذی ترد روایتہ[1] من انکر امرا متواترا من الشرع معلوما من الدین ضرورۃ وکذا من اعتقد عکسہ فاما من لم یکن بہذہ الصفۃ وانضم الی ذلک ضبط لما یرویہ مع ورعہ وتقواہ فلا مانع من قبولہ انتہی۔ حافظ کے اس کلام سے تفصیل مذکور کا ثبوت ظاہر ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سانڈ جو بازاروں میں پھرتے ہیں، ان کا کھانا درست ہے، یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ سانڈ کے چھوڑنے والے اگر اس کے کھانے کی اجازت دیں، تو اس کا کھانا درست ہے، اور ان کی اجازت نہ ہو، تو بلا ان کی اجازت کے کھانا ہرگز درست نہیں، سانڈ کے چھوڑنے والے اگر اجازت دیں، تو اس کا کھانا اس وجہ سے درست ہے، کہ سانڈ سائبہ ہے، اور سائبہ حلال ہے، اور اس کا کھانا درست ہے لہذا سانڈ حلال ہے اور اس کا کھانا درست ہے، سائبہ کے حلال ہونے پر قرآن مجید کی کئی آیتیں دلالت کرتی ہیں از انجملہ ایک یہ آیت ہے۔ قد خسر الذین قتلوا اولادہم سفہا بغیر علم وحرموا ما رزقہم اللہ افتراء علی اللہ قد ضلوا وما کانوا مہتدین یعنی بے شک خسارہ اٹھایا، ان لوگوں نے جنہوں نے نادانی سے اپنی اولاد کو قتل کیا، اور حرام ٹھہرایا اس چیز کو جو اللہ نے ان کو دی، اللہ پر جھوٹ باندھ کر بے شک وہ گمراہ ہوئے، اور وہ راہ پانے والے نہ ہوئے،

---

[1] تحقیق یہ ہے، کہ ہر ایسے شخص کی روایت رد نہ کی جائے گی، جسے کوئی آدمی بدعتی یا کافر کہہ دے، کیونکہ ہر فرقہ اپنے مخالفین کو بدعتی کہتا ہے، تو اس طرح تو کوئی آدمی کفر اور بدعت کے فتوی سے نہ بچ سکے گا، ہاں جو شخص کسی امر متواتر یا شریعت کے کسی ایسے حکم سے منکر ہو جس کا اسلام سے ہونا یقینی ہو یا اس طرح کا عقیدہ رکھے تو اس کی روایت مردود ہوگی، اور جو اس طرح کا نہ ہو اور اس کے ساتھ ہی متقی اور پرہیزگار بھی ہو، تو اس کی روایت قبول ہوگی ۱۲

مفسرین نے لکھا ہے، کہ یہ آیت ان لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے، جو لڑکیوں کو جان سے مار ڈالتے تھے، اور سائبہ وغیرہ کو حرام ٹھہراتے تھے، جامع البیان میں ہے وحرموا مارزقھم اللہ من البحائر ونحوھا۔ اور مدارک میں ہے وحرموا مارزقھم اللہ من البحائر والسوائب وغیرھما اور ابوالسعود میں ہے، وحرموا مارزقھم اللہ من البحائر والسوائب وغیرھما، پس جب یہ آیت سائبہ وغیرہ کے حرام ٹھہرانے والوں کی شان میں نازل ہوئی ہے، تو معلوم ہوا کہ سائبہ وغیرہ کو حرام ٹھہرانا سخت گناہ اور اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے، اور سائبہ وغیرہ کو حلال ٹھہرانا، اور اس کے کھانے کو درست جاننا فرض ہے، اور ازان جملہ ایک یہ آیت ہے۔ یا ایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالا طیبا ولا تتبعوا خطوات الشیطان۔ یعنی اے لوگوں کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے جو حلال طیب ہے، اور مت پیروی کرو شیطان کے قدموں کی، مفسرین نے یہاں بھی لکھا ہے، کہ یہ آیت ان لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے، جنہوں نے سانڈ وغیرہ کو حرام ٹھہرا لیا تھا، جمل حاشیہ جلالین میں ہے قولہ نزل فی من حرم السوائب ونحوھا ای کالبحائر والوصائل والحوامی قالہ ابن عباس وھو المشہور جامع البیان میں ہے۔ ونزلت فی قوم حرموا علی انفسھم السوائب والوصائل والبحائر۔ مدارک میں ہے۔ ونزل فیمن حرموا علی انفسھم البحائر ونحوھا، اور اسی طرح تفسیر کبیر، اور ابوالسعود وغیرہما میں بھی مذکور ہے، پس جب یہ آیت بھی سائبہ وغیرہ کے حرام ٹھہرانے والوں کی شان میں نازل ہوئی ہے، تو اس آیت سے بھی معلوم ہوا، کہ سانڈ کو حرام ٹھہرانا گناہ، اور حلال جاننا ضروری ہے، اور ازان جملہ ایک آیت یہ ہے۔ ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب واکثرھم لا یعقلون، یعنی اللہ نے نہیں ٹھہرائے ہیں بحیرہ اور نہ سائبہ، اور نہ وصیلہ اور نہ حام ولیکن کافر لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور اکثر ان میں بے عقل ہیں، اس آیت سے صاف ثابت ہوا، کہ سائبہ حلال ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام نہیں کیا، مگر کفار نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ کر اس کو حرام ٹھہرا لیا ہے، تفسیر کبیر میں ہے،

لے یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے، جنہوں نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ کو حرام ٹھہرا لیا، حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے ۱۲ ۔ ٣ے مدارک اور جامع البیان وغیرہ میں بھی یہی لکھا ہے، کہ یہ ان لوگوں کے متعلق ہوئی ہے، جنہوں نے بحیرہ، سائبہ وغیرہ کو اپنے اوپر حرام کیا ۱۲ ۔ ۵ے چونکہ کفار ایسے جانوروں سے فائدہ اٹھانا حرام سمجھتے تھے، حالانکہ وہ بہت تنگ دست بھی ہوتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، کہ اللہ نے تو بحیرہ، سائبہ وغیرہ کو حرام نہیں کیا ۱۲۔

لما کان الکفار یحرمون علی انفسھم الانتفاع بھذہ الحیوانات وان کانوا فی غایۃ الاحتیاج الی الانتفاع بین اللہ تعالی ان ذلک باطل فقال ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام ونیز اس میں ہے قولہ ما جعل اللہ ای ما حکم اللہ بذلک ولا شرع ولا امر بہ۔ اور نیز اس میں ہے۔ قال ابن عباس ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب یرید بہ عمرو بن لحی واصحابہ یقولون علی اللہ ھذہ الاکاذیب والاباطیل فی تحریمھم ھذہ الانعام والمعنی ان الرؤساء یفترون علی اللہ الکذب فاما الاتباع والعوام فاکثرھم لا یعقلون فلا جرم یفترون علی اللہ الاکاذیب من ھؤلاء الرؤساء جامع البیان میں ہے۔ ما جعل اللہ من بحیرۃ ای ما شرع ذلک ولا امر بالتبحیر ونیز اس میں ہے۔ ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب فی تحریمھم ھذہ الانعام۔ مدارک میں ہے ومعنی ما جعل ما شرع ذلک وما امر بہ ولکن الذین کفروا بتحریمھم ما حرموا یفترون علی اللہ الکذب فی نسبتھم ھذا التحریم الیہ۔ الحاصل سانڈ کی حلت پر یہ آیتیں صاف دلالت کرتی ہیں، پس سانڈ کے فی نفسہ حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، پس اس سانڈ کے ساتھ اگر اس کے چھوڑنے والے کا حق متعلق ہے، اور راضی نہیں ہے، کہ اس کے چھوڑے ہوئے سانڈ کو کوئی پکڑ کر کھالے، بلکہ وہ اس سے مانع ہے، تو اس صورت میں اس کا سائبہ کھانا جائز نہیں ہے بوجہ تعلق حق غیر کے، اور اگر اس سانڈ کے ساتھ اس کے چھوڑنے والے کا حق متعلق نہیں ہے، اور اس نے اجازت دے دی ہے کہ جو شخص چاہے میرے اس چھوڑے ہوئے سانڈ کو پکڑ کر کھالے، تو اس صورت میں اس سانڈ کا کھانا بلاشبہ جائز ہے، الغرض جیسے تمام حلال چیزیں بوجہ تعلق حق غیر کے بلا اجازت اس کے دوسرے کے حق میں حرام ہوتی ہیں، اور اس کی اجازت سے حلال اسی طرح سانڈ بھی بوجہ تعلق حق غیر کے بلا اجازت اس کے دوسرے کے حق میں حرام ہے اور اس کی اجازت سے حلال، اگر کوئی کہے، کہ جب سانڈ غیر اللہ

۱؎ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم نہیں دیا ہے ۱۲ ۲؎ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کافر اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہیں، جیسے عمرو بن لحی اور اس کے ساتھی جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان لگایا کہ اس نے بحیرہ، سائبہ وغیرہ کو حرام ٹھہرایا ہے، یعنی رؤساء کفار تو اللہ پر بہتان لگاتے ہیں، اور عوام محض بے وقوف ہوتے ہیں، وہ ان کی پیروی کرتے ہیں، اور پھر وہ بھی اپنے رؤساء کی اتباع میں خدا پر جھوٹ بولتے ہیں ۱۲ ۳؎ یعنی اللہ تعالیٰ نے تو بحیرہ سائبہ وغیرہ کا حکم نہیں دیا ۱۲ ۴؎ جامع البیان اور مدارک میں ہے، کہ کافر جو ان چیزوں کے حرام کرنے کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں ۱۲

کے نام پر چھوڑا گیا، تو بحیر دغیر اللہ کے نام پر چھوڑے جانے سے ہی وہ حرام ہو گیا، اور ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہو گیا، اور وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گیا، اب وہ نہ چھوڑنے والے کی اجازت سے حلال ہو سکتا ہے، اور نہ اللہ کے نام پر ذبح ہونے سے درست، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ اگرچہ کسی جانور کا غیر اللہ کے نام پر چھوڑنا صریح کفر و شرک ہے، اور اس کا چھوڑنے والا بلاشبہ مشرک ہے، مگر بمجرد اس شرک کے کام سے وہ جانور حرام نہیں ہو جاتا، جیسا کہ آیات مذکورہ بالا سے واضح ہوا، اور سانڈ ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل نہیں ہے، اس لئے کہ ما اھل بہ لغیر اللہ سے یا تو وہ جانور مراد ہے، جس پر ذبح کرنے کے وقت غیر اللہ کا نام ذکر کیا جاوے یا وہ جانور مراد ہے، جو غیر اللہ کی تعظیم پر ذبح کیا جاوے، جلالین میں ہے۔ وما اھل بہ لغیر اللہ ذبح علی اسم غیرہ، جلالین میں ہے ما اھل بہ لغیر اللہ یعنی ماذکر عند ذبحہ غیر اسم اللہ. بیضاوی اور ابوالسعود میں ہے، ما اھل لغیر اللہ بہ ای رفع بہ الصوت عند ذبحہ للصنم جامع البیان میں ہے وما اھل بہ لغیر اللہ ماذکر غیر اسم اللہ عند ذبحہ مدارک میں ہے۔ وما اھل بہ لغیر اللہ ای ذبح للاصنام فذکر علیہ غیر اسم اللہ تفسیر کبیر میں ہے۔ نمعنی قولہ وما اھل بہ لغیر اللہ یعنی ماذبح للاصنام فذکر علیہ غیر اسم اللہ وھو قول مجاھد والضحاک وقتادۃ وقال الربیع ابن انس وابن زید یعنی ماذکر علیہ غیر اسم اللہ انتہی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

ھوالموفق:۔ جیسا کہ آیات مذکورہ بالا سے سانڈ کی حلت ثابت ہوتی ہے، اسی طرح صحیح مسلم کی اس حدیث سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ عن عیاض بن حمار المجاشعی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ذات یوم فی خطبتہ الا ان ربی امرنی ان اعلمکم ماجھلتم مما علمنی یومی ھذا کل مال نحلتہ عبدا حلال لہ وانی خلقت عبادی حنفاء کلھم وانھم اتتھم الشیاطین فاجتالتھم عن دینھم وحرمت علیھم ما حللت لھم الحدیث کذا فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۵۱ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمعات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔ قولہ

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا مجھے خدا نے حکم دیا ہے، کہ جو چیزیں تم نہیں جانتے وہ میں تم کو سکھلاؤں ہر وہ مال جو میں کسی بندے کو بخش دوں، وہ اس پر حلال ہے، میں نے اپنے تمام بندوں کو دین حنیف پر پیدا کیا ہے، پھر ان کے پاس شیاطین آئے، اور ان کو ان کے دین سے پھیر دیا، اور جو چیزیں میں نے ان پر حلال کی تھیں، اس نے ان پر حرام کر دیں ۱۲

حلال[1] لہ لا یستطیع احد ان یحرمہ من تلقاء نفسہ وھو انکار لما حرموا علی انفسھم من البحیرۃ والسائبۃ والوصیلۃ انتھی، ظاہر اس حدیث سے اور ظاہر آیات مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے، کہ سانڈ فی نفسہ حلال ہے، اور ظاہر آیت ما اھل بہ لغیر اللہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سانڈ فی نفسہ حرام ہے، انہیں دلائل مختلفہ کی وجہ سے سانڈ کی حلت وحرمت میں علماء کی رائیں مختلف واقع ہوئی ہیں، بعض سانڈ کی حرمت کے قائل ہوئے ہیں، اور بعض سانڈ کو حلال طیب جانتے ہیں، فریقین میں سے ہر ایک دوسرے کی دلیل کی تاویل کرتا ہے، اس قسم کے مسائل میں اہل علم کو نہایت تحقیق وغور وفکر سے کام لینا چاہیئے، اور پھر جو حق معلوم ہو، اس پر عمل کرنا چاہیئے، اور فریق مخالف پر طعن نہیں کرنا چاہیئے۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ۔

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین محمدی اس بارے میں، کہ چربی خنزیر کی حلال ہے یا حرام اور پھوپھی اور خالہ سے نکاح حلال ہے یا حرام، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ چربی سور کی بلکہ سب چیز اس کی حرام قطعی ہے، اس کی حرمت میں کسی اہل علم کا اختلاف نہیں، اور یہ مسئلہ قرآن مجید کا ہے، اس کی حرمت کا بیان سورہ مائدہ میں مذکور ہے، زیادہ محتاج بیان کی نہیں ہے، علی ہذا القیاس پھوپھی اور خالہ سے نکاح حرام قطعی اور حرمت اس کی منصوص ہے، سو اس مسئلہ میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے، چنانچہ اللہ صاحب نے سورہ نساء میں بیان اس کا بخوبی ارشاد فرمایا ہے، باقی احادیث اور فقہ سے تشریح اس مسئلہ کی بالتفصیل ظاہر ہے، واللہ اعلم بالصواب

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

---

[1] یعنی حلال کا مطلب یہ ہے، کہ کوئی بھی ان کو حرام نہیں کہہ سکتا، اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے، جنہوں نے اپنے اوپر بحیرہ، سائبہ وغیرہ کو حرام کر لیا۔

کتاب اللباس والزینۃ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت محرم کو کرتی و دوپٹہ باریک کپڑے کا پہننا منع ہے یا نہ، یا اگر عورت ایسے گھر میں رہتی ہو کہ جس میں سوائے اس کے خاوند کے اور کسی دوسرے مرد غیر محرم کا گذر بھی نہ ہو اور کل غیر محرم مردوں سے وہ پردہ کرتی ہو اور بغیر اجازت خاوند کے کہیں نہ جاتی ہو، تو ایسی صورت میں اگر عورت محرم کرتی باریک کپڑے کی پہنے، تو جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا۔

الجواب: عورتوں کو باریک کپڑا پہننا جس میں بدن ظاہر ہو منع ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کپڑے پہننے پر وعید فرمائی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صنفان من امتی لم ارھما کاسیات عاریات مائلات ممیلات علی رؤسھن امثال اسنمۃ البخت المائلۃ لا یرین الجنۃ ولا یجدون ریحھا رواہ مسلم[1] واحمد صاحب نیل الاوطار فرماتے ہیں۔ قیل کاسیات من نعمۃ اللہ عاریات من شکرھا وقیل معناہ تستر بعض بدنہا ویکشف بعضھا اظھارا للجمال ونحوہ وقیل تلبس ثوبا رقیقا یصف لون بدنہا[2] پھر فرماتے ہیں ساقہ المصنف للاستدلال علی کراھۃ لبس المرأۃ ما یحکی بدنہا وھو احد التفاسیر والاخبار بان من فعل ذلک من اھل النار وانہ لا یجد ریح الجنۃ مع

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت میں سے دو قسم کی عورتیں ہوں گی، بظاہر لباس پہنا ہوگا لیکن حقیقت میں ننگی ہوں گی، خود مردوں پر مائل ہوں گی، اور مردوں کو اپنی طرف مائل کریں گی، ان کے سروں پر اس طرح بال بنائے ہوئے ہوں گے جیسے اونٹ کی کوہان، وہ نہ جنت کو دیکھیں گی، نہ اس کی خوشبو پائیں گی (مسلم احمد) ۱۲

[2] اللہ کی نعمت کا لباس تو ان پر ہوگا، لیکن شکر سے ننگی ہوں گی، یا ان کے بدن کا کچھ حصہ تو چھپا ہوا ہوگا، اور کچھ ننگا ہوگا، یا یہ کہ وہ باریک کپڑے پہنیں گی، جس سے بدن نظر آئے گا، مصنف نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، کہ عورت کو باریک کپڑے پہننا مکروہ ہے، اور ایسی عورتیں دوزخی ہیں، وہ جنت کی خوشبو نہ پائیں گی، حالانکہ اس کی خوشبو پانچ

ان ریحہا یوجد من مسیرۃ خمس مائۃ عام وعید شدید یدل علی تحریم ما اشتمل علیہ الحدیث من صفات ھذین الصنفین انتہی۔ واللہ اعلم

حررہ عبد الرحیم عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق:۔ فی الواقع عورتوں کو باریک کپڑا پہننا جس سے بدن کی رنگت و جھلک ظاہر ہو ممنوع ہے، اگرچہ وہ ایسے گھروں میں رہتی ہوں، جن میں بجز ان کے خاوند کے کسی مرد غیر محرم کا گذر نہ ہو، کیونکہ ان کے لئے ایسے باریک کپڑے پہننے کی عام ممانعت آئی ہے، اور کسی حالت میں ان کو ایسے باریک کپڑے پہننے کی اجازت نہیں آئی ہے سنن ابی داؤد میں دحیہ ابن خلیفہ سے روایت ہے۔ قال اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقباطی فاعطانی منہا قبطیۃ فقال اصدعہا صدعین فاقطع احدھما قمیصا واعط الآخر امرأتک تختمر بہ فلما ادبر قال ومر امرأتک تجعل تحتہ ثوبا لا یصفہا قال المنذری فی اسنادہ عبد اللہ بن لہیعۃ ولا یحتج بحدیثہ وقد تابع ابن لہیعۃ علی روایتہ ھذہ ابو العباس یحیی بن ایوب المصری وفیہ مقال وقد احتج بہ مسلم واستشہد بہ البخاری۔ عون المعبود صفحہ ۱۰ جلد ۴ شرح سنن ابو داؤد میں ہے۔ القباطی جمع قبطیۃ وھی علی ما فی المھذایۃ ثوب من ثیاب مصر رقیقۃ بیضاء انتہی مختصرا نیل الاوطار صفحہ ۲۱ جلد ۱ میں اس حدیث کے تحت میں ہے۔ والحدیث یدل علی انہ یجب علی المرأۃ ان تستر بدنہا بثوب لا یصفہ وھذا شرط ساتر العورۃ وانما امر بالثوب تحتہ لان القباطی ثیاب رقاق لا تستر البشرۃ عن رؤیۃ الناظر بل تصفہا انتہی

سو سالہ راہ سے محسوس ہونے لگے گی، اس حدیث میں سخت وعید ہے ان عورتوں کے لئے جو ان صفات کی حامل ہوں گی ۱۲

سلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قبطی کپڑے آئے، آپ نے ان میں سے مجھے بھی ایک کپڑا دیا، اور فرمایا، اس کے دو حصے کر لینا، ایک سے اپنی قمیص سلوا لینا، اور دوسرا کپڑا اپنی عورت کو دوپٹہ کے لئے دے دینا، جب میں واپس جانے لگے، تو آپ نے فرمایا، کہ اپنی عورت سے کہنا اس کے نیچے کوئی اور کپڑا بھی رکھے، ایسا نہ ہو کہ اس کا بدن نظر آتا رہے ۱۲

سلہ قباطی ایک نہایت باریک کپڑا تھا جو مصر میں تیار ہوتا تھا ۱۲

سلہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ عورت کے لئے ضروری ہے کہ اپنے بدن کو ایسے کپڑے سے ڈھانپے، جس سے بدن نظر نہ آئے، حضور نے قباطی کے نیچے اور کپڑا رکھنے کی ہدایت کی کیونکہ وہ باریک کپڑا تھا، اور اس سے چہرہ نہیں ڈھانپا جا سکتا، بلکہ اس سے تو اچھی طرح چہرہ خوشنما نظر آنے لگتا ہے ۱۲

اور مؤطا امام مالک صفحہ ۳۶۶ میں ہے۔ ما یکرہ للنساء لباسہ من الثیاب مالک عن علقمۃ عن امہ انہا قالت دخلت حفصۃ بنت عبد الرحمن علی عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلی حفصۃ خمار رقیق فشقتہ عائشۃ وکستہا خمارا کثیفا[1] ثم ذکر فی ہذا الباب حدیث ابن شہاب المرفوع ورب نسیۃ کم من کاسیۃ فی الدنیا عاریۃ یوم القیامۃ۔ مشکوۃ شریف صفحہ ۳۶۹ میں ہے۔ عن[2] عائشۃ ان اسماء بنت ابی بکر دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہا ثیاب رقاق فاعرض عنہا وقال یا اسماء ان المرأۃ اذا بلغت المحیض لن یصلح ان یری منہا الا ہذا وہذا واشار الی وجہہ وکفیہ رواہ ابوداؤد۔ اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کے تحت میں ہے از این حدیث معلوم می شود، کہ چون اندام در جامہ باریک نماید حکم برہنہ دارد انتہی۔ واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری، عفا اللہ عنہ

سوال: موئے زہار مؤنثات کو سنت سے کس طور دور کرنا چاہیئے، بینوا توجروا

الجواب: واضح ہو کہ موئے زہار مؤنثات کے دور کرنے میں حضرت نے یوں ارشاد فرمایا ہے۔ عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا دخلت لیلا فلا تدخل علی اہلک حتی تستحد المغیبۃ وتمتشط الشعثۃ متفق علیہ یعنی بے شک فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب رات کو لوآوے اپنے شہر میں، تو اسی دم اپنے گھر والوں پر مت داخل ہو، یہاں تک کہ استعمال آہن کا کرلے یعنی استرہ سے موئے زہار صاف کرلے زوجہ تیری، اور کنگھی کرلے اپنے بالوں میں، اور نورہ وغیرہ کا استعمال بھی درست ہے، ان دونوں میں سے جس میں آسانی ہو، وہ فعل اختیار کرے، واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

حررہ محمد حمایت اللہ غفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

سوال: استعمال موئے کا عورتوں کے لئے جائز ہے یا نہ، بینوا توجروا۔

---

[1] حفصہ بنت عبد الرحمن حضرت عائشہ رض کے پاس آئیں، ان پر ایک باریک دوپٹہ تھا، آپ نے اس کو پھاڑ ڈالا، اور ایک موٹے کپڑے کا دوپٹہ ان کو اڑھا دیا ۱۲

[2] بہت سی عورتیں دنیا میں کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی، لیکن قیامت کو ننگی ہوں گی، ایک دفعہ اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، تو انہوں نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے، حضور نے ان سے منہ پھیر لیا، اور فرمایا اے اسماء عورت جب جوان ہو جائے تو اس کے بدن میں سے صرف چہرہ یا ہاتھ نظر آنے چاہئیں (ابوداؤد)

الجواب:۔ جائز ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس من الفطرۃ الختان والاستحداد الحدیث رواہ البخاری، یہ حدیث عورت مرد دونوں کو شامل ہے اس حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہے، کہ عورتوں کو استرہ کا استعمال جائز ہے فتح الباری میں ہے۔ قال النووی وغیرہ السنۃ فی ازالۃ شعر العانۃ الحلق بالموسٰی فی حق الرجل والمرأۃ معا وقد ثبت الحدیث الصحیح عن جابر فی النہی عن طروق النساء لیلا حتی تمتشط الشعثۃ وتستحد المغیبۃ انتہی، یعنی نووی وغیرہ نے کہا، کہ موئے زیر ناف کے دور کرنے میں سنت یہ ہے کہ استرہ سے مونڈے، اور یہ مرد اور عورت دونوں کے حق میں سنت ہے، اور جابر کی حدیث صحیح سے یہ ثابت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر سے رات کے وقت گھر آنے سے منع فرمایا ہے تاکہ عورت کنگھی کرلے، اور استرہ کا استعمال کرلے، علامہ ابن دقیق العید لکھتے ہیں: ان بعضہم مال الی ترجیح الحلق فی المرأۃ لان النتف یرخی المحل یعنی بعض علماء کا میلان اس طرف ہے، کہ عورتوں کے لئے موئے زیر ناف کے اکھاڑنے سے استرہ سے مونڈنا اچھا ہے، کیونکہ اکھاڑنے سے محل ڈھیلا ہو جاتا ہے، الحاصل عورتوں کے لئے استرہ کا استعمال بلاشبہ جائز ہے، جیسا کہ ابوہریرہ رضا اور جابر کی حدیث صحیح سے ثابت ہے، واللہ تعالٰے اعلم، حررہ محمد عبد الحق ملتانی۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چاندی کے بٹن مرد کو لگانا چاہیئے یا نہ، بینوا توجروا۔

الجواب۔ مرد کو چاندی کے بٹن لگانا جائز ہیں، ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوئی، ہاں بشرط صحت حدیث لا تتمہ مثقالا بٹن کو وزن میں ایک مثقال یعنی ساڑھے چار ماشہ سے زائد نہیں ہونا چاہیئے، اگرچہ جمہور علماء کے نزدیک جس طرح سونے اور چاندی کے برتن میں کھانا پینا حرام ہے اسی طرح سونے اور چاندی کی ہر چیز کا استعمال حرام ہے، مثلا سونے و چاندی کی سلائی اور سرمہ دانی، اور عطر دانی وغیرہ، تمام استعمال کی چیزوں کا استعمال حرام ہے، اور امام نووی نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ والحاصل[1] ان الاجماع منعقد علی تحریم استعمال اناء الذہب والفضۃ فی الاکل والشرب والطہارۃ والاکل بملعقۃ من احدہما وجمیع وجوہ الاستعمال اھ مگر علامہ

---

[1] حاصل یہ کہ سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا، پینا، وضو کرنا، اور سونے چاندی کے چمچہ سے کھانا، اور ہر طرح کا استعمال بالاتفاق حرام ہے، اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے!!

شوکانی نے جمہور کی مخالفت کی ہے، اور ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے، کہ سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے اور پینے کی ممانعت احادیث سے ثابت ہے، مگر اس کے سوائے سونے اور چاندی کا اور استعمال سو اس کی حرمت ثابت نہیں، اور کھانے اور پینے پر اور استعمال کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اور اصل حلت ہے، اور اس اصل کی تائید حدیث ولکن علیکم بالفضۃ فالعبوا بہا اخرجہ ابوداؤد[1] سے ہوتی ہے علامہ شوکانی کا یہ کلام صحیح ہے، بے شک سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے اور پینے کی ممانعت احادیث سے ثابت ہے، رہا سونے اور چاندی کا اور استعمال مثلاً سونے چاندی کی سرمہ دانی وسلائی وغیرہ سو اس کی حرمت ثابت نہیں ہے، بنا علیہ مردوں کے لئے چاندی کے بٹن کے استعمال میں کچھ مضائقہ نہیں معلوم ہوتا، واللہ تعالےٰ اعلم

اور حدیث لا تتمہ مثقالا کی تخریج وتنقید حافظ نے فتح الباری میں اس طرح کی ہے اخرجہ اصحاب السنن[2] وصححہ ابن حبان من روایۃ عبد اللہ بن بریدۃ عن ابیہ ان رجلا جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہ خاتم من شبہ فقال مالی اجد منک ریح الاصنام فطرحہ ثم جاء وعلیہ خاتم من حدید فقال مالی ازی علیک حلیۃ اھل النار فطرحہ فقال یا رسول اللہ من

ملہ تم چاندی کا استعمال کیا کرو۔ (۲) ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس نے پیتل کی انگوٹھی پہن رکھی تھی آپ نے فرمایا، میں تجھ سے بتوں کی بو پاتا ہوں، اس نے اتار کر پھینک دی، پھر آیا، تو اس نے لوہے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی آپ نے فرمایا کیا بات ہے، میں تجھ پر دوزخیوں کا لباس پاتا ہوں، اس نے وہ بھی پھینک دی، اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول میں کیسی انگوٹھی پہنوں، آپ نے فرمایا چاندی کی بنوا لے لیکن ایک مثقال سے کم رکھنا (احمد واصحاب سنن)

(۱) اخرجہ ایضا احمد والنسائی ورجال ابی داؤد رجال الصحیح غیر اسید بن ابی اسید وھو صدوق وقد صحح اسنادہ المنذری فی الترغیب والترھیب ۱۲ ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ

(۲) اخرجہ ایضا احمد والبزار وابو یعلی الموصلی فی مسانید ھم وھو حدیث ضعیف لضعف عبد اللہ بن مسلم المذکور وقد انفرد بہ۔ نصب الرایہ، تہذیب التہذیب ۱۲ ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ

(ترجمہ) (۱) ابوداؤد کے علاوہ احمد اور نسائی نے بھی یہ روایت ذکر کی ہے ابوداؤد کی سند میں اسید بن ابی اسید کے علاوہ باقی صحیح کے رجال ہیں، اور اسید صدوق اور ثبت ہیں، منذری نے ترغیب میں اس کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے ۱۲

(۲) اس روایت کو احمد، بزار اور ابو یعلی نے اپنی اپنی مسانید میں ذکر کیا ہے، لیکن اس روایت کی سند میں عبد اللہ بن مسلم ضعیف ہے اور چونکہ وہ منفرد بھی ہے لہذا یہ روایت ضعیف ہے، تہذیب التہذیب ۱۲

(ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ)

ای شئ الحذاء قال الحذاء من ورق ولا تتم منقالا وفی سندہ ابو طیبۃ بفتح المہملۃ و سکون التحتانیۃ بعدھا موحدۃ اسمہ عبد اللہ بن مسلم المروزی قال ابو حاتم الرازی یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ وقال ابن حبان فی الثقات یخطی ویخالف۔ انتہی

حررہ محمد عبد الحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق:۔ علامہ محمد بن اسمٰعیل امیر نے سبل السلام صفحہ ۱۴ جلد ۱ میں قاضی شوکانی کے اس مسلک کو حق بتایا ہے وعبارتہ ھکذا۔ وھذا فی الاکل والشرب فیما ذکر لا خلاف فیہ واما غیرھما ففیہما الخلاف من سائر الاستعمالات قیل لا تحرم لان النص لم یرد الا فی الاکل والشرب وقیل تحرم سائر الاستعمالات اجماعا ونازع فی الاخیر بعض المتاخرین وقال النص ورد فی الاکل والشرب لا غیر والحاق سائر الاستعمالات بہما قیاسا لا تتم فیہ شرائط القیاس والحق ماذھب الیہ القائل بعدم تحریم غیر الاکل والشرب فیہما اذ ھو الثابت بالنص ودعوی الاجماع غیر صحیحۃ وھذا من شوم تبدیل اللفظ النبوی بغیرہ فانہ ورد بتحریم الاکل والشرب فقط فعدلوا عن عبارتہ الی الاستعمال وھجروا العبارۃ النبویۃ وجاؤا بلفظ عام من تلقاء انفسہم ولہا نظائر فی عباراتہم

انتہی۔ واللہ اعلم۔ کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت کو ناک چھدانا اور کیل یا نتھ پہننا جائز ہے یا نہیں، اور کس دلیل سے جائز ہے یا جائز ہے۔ بینوا بالسنۃ توجروا یوم القیامہ

الجواب:۔ عورتوں کو کان چھدانا، اور اس میں بالی وغیرہ زیور پہننا جائز ہے، امام بخاریؒ نے باب یوں منعقد کیا ہے باب القرط للنساء اور اس باب میں ابن عباس کی یہ حدیث ذکر کی

۱؎ کھانے پینے کے متعلق تو کوئی اختلاف نہیں ہے، ان کے سوا دوسری چیزوں میں البتہ اختلاف ہے، بعض اس کو حرام نہیں کہتے، کیونکہ نص صرف کھانے اور پینے کے متعلق ہے، اور بعض ہر طرح کے استعمال کو حرام کہتے ہیں، اور اس پر اجماع کے مدعی ہیں، لیکن بعض متاخرین نے دوسرے استعمالات میں اختلاف کیا ہے، اور کہا ہے کہ نص صرف کھانے پینے کے متعلق اور کسی چیز کے متعلق نہیں ہے، اور دوسری چیزوں کو قیاس سے ان کے ساتھ ملحق کرنا صحیح نہیں، کیونکہ اس میں قیاس کے شرائط نہیں پائے جاتے، اور صحیح بات یہ ہے، کہ کھانے پینے کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں ہے، کیونکہ وہی نص سے ثابت ہے اور اجماع کا دعویٰ بالکل باطل ہے، اور یہ بھی تو ایک بری بات ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص الفاظ کو اپنی طرف سے عام کرکے خواہ مخواہ لوگوں پر از خود پابندی لگادی جائے ۱۲

ہے. قال[1] ابن عباس امرھن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالصدقۃ فرأیتھن یھوین الی اذانھن وحلوقھن حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں استدل[2] بہ علی جواز ثقب اذن المرأۃ لتجعل فیھا القرط وغیرہ مما یجوز لھن التزین بہ پھر کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں۔ و[3]جاد الجواز فی الانثی عن احمد للزینۃ والکراھۃ للصبی سبل السلام میں ہے۔ و[4]فی کتب الحنابلۃ ان تثقیب اذان الصبیۃ جائز لانھم کانوا فی الجاھلیۃ یفعلونہ ولم ینکر علیھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کرہ[5] الجمہور ثقب اذن الصبی ورخص بعضھم فی الانثی جب معلوم ہوا کہ زینت کے لئے عورت کو کان کا چھدانا اور اس میں بالی وغیرہ پہننا جائز ہے، تو کان پر قیاس کر کے عورت کو ناک چھدانا، اور اس میں کیل اور نتھ زینت کے لئے پہننا جائز ہے، اور مخالفت کی کوئی وجہ صحیح نہیں معلوم ہوتی، حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے۔ الخزام[6] الذی یقال فی العرف الموجودین من العرب فی زماننا زمام کما حققہ صاحب النفائس فھو جائز لانہ من امور العادات کسائر اللباس والحلی فلا باس فی استعمالہ وانما ھو کان بدعۃ لکن البدع اذا لم تکن فی الدین والعبادۃ بان کانت فی العادۃ لم تکن ردا لحوالبدع فی الماکل والمشارب والملابس والمراکب والمساکن مما لم یقصد بھا فاعلھا التقرب الی اللہ بل مرادہ مجرد الاستعمال اھ صاحب رد المحتار درمختار کے قول وھل یجوز الخزام فی الانف لم ارہ کے تحت میں لکھتے ہیں قلت ان[7] کان مما تزین بہ النساء کما ھو فی بعض البلاد فھو فیھا کثقب القرط پھر دریافت

---

[1] ابن عباس نے کہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدقہ کا حکم دیا، تو میں نے ان کو دیکھا، کہ وہ اپنے کانوں اور گلوں کی طرف جھک رہی ہیں ——— اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے، کہ عورتوں کو کان چھیدنا درست ہے، جس میں وہ بالیاں یا اور کوئی زیور پہن سکیں ۱۲ [2] لڑکی کو زینت کے لئے کان چھدانا امام احمد کے نزدیک جائز ہے، اور لڑکے کے لئے منع ہے ۱۲ [3] حنابلہ کی کتابوں میں ہے، کہ بچی کے کان کو چھیدنا جائز ہے، کیوں کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ ایسا کیا کرتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع نہ کیا ۱۲ [4] بچے کے کان چھیدنا جمہور کے نزدیک مکروہ ہے، اور لڑکی میں اجازت دی ہے ۱۲ [5] خزام جس کو ہمارے زمانہ میں نتھ کہتے ہیں، پہننا عورتوں کو جائز ہے، کیونکہ یہ عادی امور سے ہے جیسے دوسرے لباس اور زیور وغیرہ ہیں، اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ ایک نیا زیور ہے، جو آنحضرت کے زمانہ میں نہ تھا، لیکن اس کا تعلق دین سے نہیں ہے، بلکہ امور عادیہ سے ہے جیسے کھانے، پینے پہننے، سوار ہونے اور گھر کی چیزیں، اس سے خدا تعالیٰ کا تقرب مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اس سے مراد مطلق استعمال ہے ۱۲ [6] اگر نتھ عورتوں کا زیور ہے، جیسے کہ بعض شہروں میں اس کا رواج ہے، تو وہ بالیوں کی طرح ہے ۱۲

جواز طحاوی کا قول نقل فرمایا، پھر لکھا ہے، کہ وقد نص الشافعیۃ علی جوازہ اھ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ عورت کو ناک چھدانا، اور اس میں نتھ اور کیل زینت کے لئے پہننا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبد الحق ملتانی عفی عنہ ۲۶ رصفر ۱۳۱۵ھ | سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق:۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے، کہ عورت کا کان چھدانا حرام ہے، ہاں اگر شرع میں اس کے بارے میں کچھ ثابت ہو تو اس صورت میں حرام نہیں ہوگا، حافظ ابن حجر فتح الباری میں غزالی کے اس کلام کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔ قلت جاء عن ابن عباس فیما اخرجہ الطبرانی فی الاوسط سبعۃ فی الصبی من السنۃ فذکر السابع منہا وثقب اذنہ انتہی یعنی ابن عباسؓ کی روایت میں جس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے کان چھدانا آیا ہے، وہ روایت یہ ہے کہ لڑکے میں سات چیزیں سنت ہیں، اور ساتویں چیز یہی کان کا چھدانا بیان کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ ابن عباس کی یہ روایت حافظ ابن حجر کے اس قاعدہ کے مطابق جس کو انہوں نے اوائل مقدمہ فتح الباری میں بیان کیا ہے حسن ہونا چاہیئے، مگر علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں اس روایت کو پوری نقل کر کے لکھا ہے، کہ یہ روایت ضعیف ہے، پس اگر یہ روایت حافظ ابن حجر کے قاعدہ سے حسن ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ عورتوں کو کان چھدانا سنت ہے، اور اگر شوکانی کے لکھنے کے موافق یہ روایت ضعیف ہے، تو ابن عباس کی حدیث مذکور سے جس کو امام بخاری نے باب القرط للنساء میں ذکر کیا ہے کان کے چھدانے کا جواز مستفاد ہوتا ہے، اس واسطے کہ اس حدیث کا حاصل مضمون یہ ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے روز بعد نماز عید کے عورتوں میں وعظ کہا اور صدقہ وخیرات کی ترغیب دی، تو عورتیں اپنے کان اور گلے کی طرف اپنے ہاتھوں کو بڑھا بڑھا کر کانوں سے بالیاں اور گلے سے ہار نکال نکال کر بلال رضہ کے کپڑے میں جو پھیلائے ہوئے تھے، ڈالنے لگیں، پس اس حدیث سے صاف ظاہر ہے، کہ صحابیہ عورتوں نے اپنے کانوں میں بالیاں پہنی ہوئی تھیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر کچھ انکار نہیں فرماتے تھے، اسی وجہ سے امام بخاری نے عورتوں کے لئے بالیوں کے درست ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے، اور ظاہر ہی ہے، کہ کانوں میں بالیوں کا پہننا بغیر کانوں میں سوراخ کئے نہیں ہو سکتا، اور جب بالیوں کے لئے کانوں کا چھدانا درست ہوا تو اسی پر قیاس کر کے نتھ وغیرہ کے لئے ناک چھدانے کا بھی جواز پایا جاتا ہے، مگر میرے نزدیک اولیٰ یہی ہے، کہ اس سے احتراز کیا جاوے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اگر کوئی کہے، کہ سنن ابی داؤد صفحہ ۴۹ جلد ۴ مع عون میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً

مروی ہے، کہ من احب ان یحلق حبیبہ حلقۃ من نار فلیحلقہ حلقۃ من ذہب، یعنی جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اپنے محبوب کو آگ کا حلقہ پہنا دے، تو اس کو چاہیئے، کہ سونے کا حلقہ پہنا دے، مطلب یہ ہے، کہ عورتوں کو سونے کا حلقہ پہنانا ناجائز و حرام ہے، عورتوں کو سونے کا حلقہ پہنانا آگ کا حلقہ پہنانا ہے، پس اس حدیث سے نتھ پہننے کی حرمت صاف طور پر ثابت ہوتی ہے، کیونکہ حلقہ کے مفہوم میں نتھ بھی داخل ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں، من احب ان یحلق کسے کہ دوست دارد کہ حلقہ بیندازد در بینی یا در گوش مثلاً حلقہ انگشتری بے نگین راگوئید حبیبہ دوست خود را از زن یا ولد یا غیر حلقۃ من نار حلقہ از آتش در دوزخ فلیحلقہ من ذہب پس گو کہ حلقہ بپوشاند او را از طلا یعنی حلقہ طلا پوشانیدن را جزا این است، کہ پوشانیدہ می شود او را حلقہ آتش، تو جواب اس کا یہ ہے، کہ یہ حدیث اگر منسوخ نہیں ہے، بلکہ معمول بہ ہے، تو بے شک اس سے سونے کے حلقہ یعنے سونے کی نتھ کی ممانعت و حرمت ثابت ہوتی ہے، مگر واضح رہے، کہ اسی حدیث سے چاندی کی نتھ کا جواز نکلتا ہے، اور نیز واضح رہے کہ علماء نے اس حدیث کو منسوخ بتایا ہے، پس اس تقدیر سے اسی حدیث سے سونے کی نتھ کا جواز ثابت ہوتا ہے، پہلی بات کا ثبوت یہ ہے، کہ اس حدیث کا آخری جملہ یہ ہے۔ ولکن علیکم بالفضۃ فالعبوا بہا یعنی تم لوگ لازم پکڑو چاندی کو، پس اس کے ساتھ کھیل کرو، مطلب یہ ہے، کہ سونے کا حلقہ اور سونے کا طوق اور سونے کا کنگن وغیرہ اپنی عورتوں کے لیے نہ بناؤ، کیونکہ سونے کے یہ سب زیورات حرام ہیں، ہاں چاندی کی نتھ اور چاندی کا طوق اور چاندی کا کنگن اور ان کے سوا چاندی کا جو زیور چاہو، بناؤ، کیونکہ چاندی تمہارے لئے حلال ہے، سو جو زیور، اور جس قسم کا زیور بنانا چاہو، چاندی ہی کا بناؤ، مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے قال[1] ابن الملک اللعب بالشئ التصرف فیہ کیف شئتم ای اجعلوا الفضۃ فی ای نوع شئتم من الانواع للنساء دون الرجال الا التختم وتحلیۃ السیف وغیرہ من آلات الحرب انتہی۔ ابوداؤد کی اس حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں۔ عن[2] ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من احب ان یحلق حبیبہ حلقۃ من نار فلیحلقہ حلقۃ

---

[1] ابن ملک نے کہا کسی چیز کے ساتھ کھیلنا اس میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا ہے، یعنی چاندی کو عورتوں کے زیور میں جس طرح چاہو استعمال کرو، مرد اس سے صرف انگوٹھی یا تلوار کا دستہ بنوا سکتے ہیں ۱۲ [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو پسند ہو، کہ اپنے پیارے کو آگ کا حلقہ پہنائے، وہ اسے سونے کا حلقہ پہنا دے

من ذھب ومن احب ان یطوق حبیبہ طوقا من نار فلیطوقہ طوقا من ذھب ومن احب
ان یسور حبیبہ سوارا من نار فلیسورہ سوارا من ذھب ولکن علیکم بالفضة فالعبوا
بھا (ابوداؤد مع عون المعبود صفحہ ۴۲۹ جلد رابع) دوسری بات کا ثبوت یہ ہے، کہ امام خطابی
اور حافظ منذری وغیرہما نے صاف تصریح کی ہے، کہ اس حدیث میں جو حکم سونے کے حلقہ وغیرہ
پہننے کی ممانعت کا ہے، وہ پہلے تھا پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا، اور عورتوں کے لئے سونے کا زیور مباح
کردیا گیا، امام خطابی معالم السنن میں لکھتے ہیں۔ ھذا الحدیث یتاول علی وجھین احدھما انہ
انما قال ذلک فی الزمان الاول ثم نسخ وابیح للنساء التحلی بالذھب والوجہ الاخران ھذا
الوعید انما جاء فی من لا یؤدی زکوٰة الذھب دون من اداھا انتھی، حافظ منذری تلخیص السنن
میں لکھتے ہیں، حملہ بعضھم علی انہ قال ذلک فی الزمان الاول ثم نسخ وابیح للنساء التحلی
بالذھب لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذان حرام علی ذکورامتی حل لاناثھا وقیل ھذا
الوعید فی من لا یؤدی زکاة الذھب واما من اداھا فلا انتھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری، عفا اللہ عنہ

سوال:۔ عورتوں یا لڑکیوں کے کان یا ناک چھیدنا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ کان کا چھیدنا جائز ہے، اور ناک کے بارے میں کچھ نشان معلوم نہیں ہوتا ہے
ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج ومعہ بلال فظن انہ لم یسمع النساء فوعظھن وامرھن
بالصدقة فجعلت المرأة تلقی القرط والخاتم وبلال یاخذ طرف ثوبہ بخاری صفحہ ۲۰)
(ترجمہ) تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے بلال کے ساتھ پس گمان کیا، کہ تحقیق نہیں سنا عورتوں نے،
پس وعظ کیا آپ نے ان عورتوں کو، اور حکم دیا ان کو صدقہ کا، پس عورتیں ڈالنے لگیں بالیوں اور انگوٹھیوں
کو، اور لیا بلال نے دامن میں اپنے کپڑے کے، اور بخاری کے باب حسن المعاشرة مع الاھل
میں یہ لفظ ہے فما ابوزرع اناس من حلی اذنی (ترجمہ) پس کیا خوب زرع ہے اس نے میرے

جو اپنے دوست کے گلے میں آگ کا طوق ڈالنا چاہتا ہو، وہ اس کے گلے میں سونے کا طوق ڈال دے، جو آگ کے
کنگن پہنانا چاہتا ہو، وہ سونے کے کنگن پہنا دے، تم چاندی کو استعمال کیا کرو (ابوداؤد مع عون المعبود) ۱۲

[1] امام خطابی اور حافظ منذری نے کہا، اس حدیث کی دو طرح پر تاویل کی گئی ہے، ایک یہ کہ پہلے سونے کا استعمال عورتوں
کے لئے ممنوع تھا، بعد میں اجازت ہوگئی اور دوسری تاویل یہ ہے، کہ یہ وعید اس آدمی کے حق میں ہے، جو اس کی زکوٰة ادا
نہ کرے، جو ادا کرے، وہ اس سے مستثنیٰ ہے ۱۲

دونوں کان چھداتے، اور ناک کا چھیدنا بھی بنظر حسن معاشرت و تزئین اسی بنا پر جائز ہوگا، البتہ رسم یا اور کسی وجہ سے جائز نہیں ہے، جیسا کہ عوام لوگ سمجھتے ہیں، کہ نہ چھیدانے سے بدشگونی ہے۔

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

سوال :۔ ما قولکم رحمکم اللہ اس سوال میں کہ داڑھی کا بقدر ایک قبضہ کے رکھنا واجب ہے یا مستحب ہے یا مباح اور قبضہ سے کم رکھنا یعنی خشخاشی مثل پائے مور چہ رکھنا یا منڈوانا حرام ہے یا نہیں، اور دراز رکھنا مونچھوں کا درست ہے یا نہیں، مدلل حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب دو، اور جو لوگ اس عمل کو کچھ گناہ نہیں جانتے، اور اس پر مصر ہیں، بلکہ جن کی داڑھی مونچھیں موافق سنت کے ہیں، ان کو حقیر اور ذلیل جانتے ہیں اور یہاں تک کہتے ہیں، کہ لمبی داڑھی والے بے ایمان ہوتے ہیں، اور جو ان کو نصیحت کی جاتی ہے، کہ اس میں حقارت سنت نبویہ کی لازم آتی ہے تو اور زیادہ مذمت بڑی داڑھی والوں کی کرتے ہیں ایسے لوگوں سے ترک سلام کلام کرنا ضرور ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب :۔ ان الحکم الا للہ۔ داڑھی کا دراز رکھنا بقدر ایک مشت کے واجب ہے بدلیل حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کما سنتلوا علیک، اور داڑھی کا منڈوانا ایک مشت سے کم رکھنا یا خشخاشی بنانا حرام ہے، اور موجب وعید ہے، چونکہ اس مسئلہ میں عوام کو تردد ہے، اور تعہیم علمائے صادق الاقوال کو باطل اور بے اصل جانتے ہیں، لہٰذا ہم کو مدلل بنصوص شارع علیہ السلام کے لکھنے کی ضرورت ہوئی۔ قد جاء فی الحدیث فی صحیح مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قصوا الشوارب وارخوا اللحی خالفوا المجوس۔ وفی الصحیحین عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خالفوا المشرکین وفروا اللحی واحفوا الشوارب۔ وروی الترمذی من حدیث زید بن ارقم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یاخذ من شاربہ فلیس منا وقال حدیث صحیح۔ پس منڈوانا اور کترانا داڑھی کا ایک مشت سے کم اور بڑھانا مونچھوں کا حرام ہے، اور بڑھانا داڑھی کا اور پست کرنا مونچھوں کا واجب ہے، کیونکہ شارع علیہ السلام نے صیغہ امر کو جا بجا اختیار فرمایا ہے،

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مونچھیں کٹواؤ اور داڑھی کو لٹکاؤ، اور مجوسیوں کی مخالفت کرو ۱۲

[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مشرکوں کی مخالفت کرو، داڑھی بڑھاؤ، اور مونچھیں کٹواؤ (مسلم) ۱۲

[3] آپ نے فرمایا، جو اپنی مونچھیں نہ کٹوادے، وہ ہم میں سے نہیں ہے (ترمذی)

اور صیغہ امر کا خبر واحد میں وجوب کو چاہتا ہے، لہذا واجب ہے بڑھانا داڑھی کا اور پست کرنا مونچھوں کا، اور ان نصوص کے اتباع سے اہل اصول فقہ نے کتب اصول میں تعریف وجوب کی لکھی ہے۔ الواجب ماثبت بدلیل ظنی، پس یہ احادیث خبر احاد دلیل ظنی ثبوت وجوب ہیں، اور ترک واجب حرام و موجب وعید ہے، اور عامل سنت کو من حیث السنۃ بے ایمان کہنے والے خود بے ایمان ہیں، ایسے لوگوں سے ترک سلام وکلام لازم ہے، جب تک کہ وہ توبہ نصوح اس عمل بد سے نہ کریں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نذیر محمد حسین الجواب صحیح۔ حبیب احمد الجواب صحیح۔ فتح محمد مدرس فتحپوری

الجواب صحیح۔ بندہ ضیاء الحق عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

هو الموفق: واضح ہو کہ احادیث صحیحہ مرفوعہ سے جو ثابت ہے، وہ یہی ہے، کہ داڑھی کو بالکلیہ چھوڑ دینا چاہیئے، اور اس کے طول و عرض سے کچھ تعرض نہیں کرنا چاہیئے اور کسی حدیث صحیح مرفوع سے داڑھی کا ترشوانا اور بقدر ایک قبضہ کے رکھنا ثابت نہیں، اور جامع ترمذی میں جو یہ حدیث مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی کے عرض و طول سے کچھ لیتے تھے، سو یہ حدیث ضعیف ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۴۹۷ جزو ۲۴ میں لکھتے ہیں۔ أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يأخذ من لحيته من عرضها وطولها اخرجه الترمذي ونقل عن البخاري انه قال في رواية عمرو بن هارون لا اعلم له حديثا منكرا الا هذا اه قال الحافظ وقد ضعف عمر بن هارون مطلقا جماعة ہاں حضرت ابن عمر سے بسند صحیح ثابت ہے، کہ وہ حج اور عمرہ میں اپنی داڑھی کو ترشواتے اور بقدر ایک قبضہ کے رکھتے تھے، صحیح بخاری میں ہے وكان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض على لحيته فما فضل اخذه یعنی ابن عمرؓ جب حج یا عمرہ کرتے، تو اپنی داڑھی کو مٹھی سے پکڑتے اور مٹھی سے جو داڑھی بڑھتی اس کو لے لیتے، حافظ ابن حجر اس اثر کے تحت میں لکھتے ہیں الذي يظهر ان ابن عمر كان لا يخص هذا التخصيص بالنسك بل كان يحمل الامر بالاعفاء على غير الحالة التي تتشوه فيها الصورة بافراط طول شعر اللحية او عرضه فقد قال الطبري ذهب قوم الى ظاهر الحديث فكرهوا تناول شئ من اللحية من طولها

لہ واجب وہ ہے، جو ظنی دلیل سے ثابت ہو۔

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داڑھی کے طول و عرض میں سے بال کٹوالیا کرتے تھے (ترمذی)

وعرضہا وقال قوم اذا زاد علی القبضۃ یؤخذ الزائد ثم ساق بسندہ علی ابن عمر انہ فعل ذلک والی عمر انہ فعل ذلک برجل ومن طریق ابی ھریرۃ انہ فعلہ۔ یعنی ظاہر بات یہ ہے کہ ابن عمرؓ کا داڑھی کو ترشوانا اور بقدر ایک مشت کے رکھنا حج اور عمرہ کے ساتھ خاص نہیں تھا بلکہ وہ داڑھی کے بڑھانے کے حکم کو اس حالت پر محمول کرتے تھے، کہ داڑھی طول وعرض میں زیادہ بڑھ کر صورت کو بھدی اور بدنما نہ کر دے، اس واسطے کہ طبری نے کہا ہے، کہ ایک قوم ظاہر حدیث کی طرف گئی ہے اور داڑھی کے طول وعرض سے کچھ لینے کو مکروہ سمجھتی ہے، اور ایک قوم نے یہ کہا ہے، کہ جب داڑھی ایک مشت سے بڑھ جاوے، تو زاید لے لینا چاہیئے، پھر طبری نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، کہ ابن عمرؓ نے ایسا کیا ہے، اور عمرؓ نے ایک مرد کے ساتھ ایسا کیا ہے، اور ابوہریرہ نے ایسا کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری، عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شاربین کو حلق کرانا یا اکھڑوانا و ھکذا شعرہائے خدین کو حلق ونتف کرانا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ شاربین کو حلق کرانا، اور جڑ سے بالکلیہ ترشوانا جائز ہے، اور شعرہائے خدین کو حلق ونتف کرانا جائز نہیں، شاربین کا حلق کرانا، یا جڑ سے بالکلیہ ترشوانا اس وجہ سے جائز ہے، کہ احادیث سے ثابت ہے، صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خالفوا المشرکین اوفروا اللحی واحفوا الشوارب وفی روایۃ انھکوا الشوارب واعفوا اللحی کذا فی المشکوٰۃ۔ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیاں کو بڑھاؤ، اور لب کے بالوں کو جڑ سے تراشو، اور نسائی کی روایت میں لفظ حلق واقع ہوا ہے، جس سے لب کے بالوں کا منڈانا ثابت ہوتا ہے۔ قال الحافظ ابن حجر فی الفتح ورد الخبر بلفظ الحلق وھی روایۃ النسائی عن محمد بن عبد اللہ بن یزید عن سفیان بن عیینۃ بسند ھذا الباب الی ان قال نعم وقع الامر بما یشعر بان روایۃ الحلق محفوظۃ لحدیث العلاء عند مسلم بلفظ جزوا الشوارب وحدیث ابن عمر بلفظ احفوا الشوارب وبلفظ انھکوا الشوارب فکل ھذہ

لہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے، کہ مونچھیں منڈوانے کی حدیث محفوظ ہے، نسائی نے کہا، کہ منڈوانے کی حدیث محفوظ ہے جیسے علاء کی حدیث، جسے مسلم نے روایت کیا ہے، اس میں لفظ "جزوا الشوارب" کے ہیں، اور ابن عمر حدیث میں "احفوا الشوارب" کے ہیں، اور ایک روایت میں "انھکوا الشوارب" ہے، ان تمام الفاظ کا مدعی یہ ہے

الالفاظ تدل علی ان المطلوب المبالغۃ فی الازالۃ لان الجز قص الشعر والصوف الی ان یبلغ الجلد والاحفاء الاستقصاء قال ابو عبید الہروی معناہ الزقوا الجز بالبشرۃ والنہک المبالغۃ فی الازالۃ انتہی ملخصا۔ انہیں روایات کی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب اور بہت سے علماء کے نزدیک جڑ سے بالکلیہ ترشوانا افضل ہے، اور امام احمد کے نزدیک بھی یہی افضل ہے، اور شافعیہ کے نزدیک مختار یہ ہے، کہ لب کے بال جڑ سے بالکلیہ نہ تراشے جاویں بلکہ اس قدر تراشے جاویں، کہ لب کا کنارہ ظاہر ہو جائے، اور اسی طرح امام مالک نے بھی موطا میں فرمایا ہے، وعبارتہ ھکذا۔ یؤخذ من الشارب حتی یبدو اطراف الشفۃ یعنی لب کے بال یہاں تک لئے جاویں، کہ لب کا کنارہ ظاہر ہو جاوے، ان لوگوں کی دلیل صحیحین کی یہ حدیث ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفطرۃ خمس الختان والاستحداد وقص الشارب الحدیث اور ابی داؤد کی یہ حدیث ہے، جو مغیرہ بن شعبہ رض سے باین لفظ مروی ہے۔ ضفت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان شاربی وفی فقصہ علی سواک اور بزار کی یہ حدیث جو حضرت عائشہ رض سے باین لفظ مروی ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابصر رجلا وشاربہ طویل فقال ائتونی بمقص وسواک فجعل السواک علی طرفہ ثم اخذ ما جاوزہ۔ اور ترمذی کی یہ حدیث جو ابن عباس سے باین لفظ مروی ہے، کہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقص شاربہ، الحاصل لب کے بال کے ازالہ کے بارے میں حدیثیں مختلف آئی ہیں بعض احادیث سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اہل علم کا مذہب ثابت ہوتا ہے، اور بعض سے شافعیہ وامام مالک کے مذہب کا ثبوت ہوتا ہے، علامہ طبری لکھتے ہیں، کہ احادیث سے دونوں باتیں ثابت ہوتی ہیں اور ان احادیث میں کچھ تعارض نہیں ہے اس واسطے کہ لفظ قص دلالت کرتا ہے اخذ بعض پر اور لفظ احفاء دلالت کرتا ہے اخذ کل پر اور یہ دونوں امر ثابت ہیں، پس جو چاہے اختیار کرے" حافظ ابن حجر فتح الباری علامہ طبری کے اس

کہ مونچھوں کو اچھی طرح کاٹا جائے، جز کا معنی ہے، کہ بھیڑ بکری کے بال اتنے کاٹے جائیں، کہ چمڑا صاف نظر آنے لگے۔

ؔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پانچ چیزیں انسانی فطرت میں ختنہ کرنا، استرے کا استعمال اور لبوں کا کاٹنا الحدیث (بخاری ومسلم)۔ ؔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا، تو میری مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، آپ نے مسواک اوپر رکھ کر ان کو کاٹ دیا۔ ؔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا اس کی مونچھیں بڑی لمبی تھیں آپ نے فرمایا مجھے قینچی اور مسواک لا دو آپ نے مونچھوں پر مسواک رکھ کر ان کو کاٹ دیا۔ ؔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مونچھیں کٹوایا کرتے تھے۔

قول کو نقل کرکے لکھتے ہیں۔ ویرجح قول الطبری ثبوت الامرین معا فی الاحادیث المرفوعۃ انتہی یعنی طبری کے قول کو اس وجہ سے ترجیح ہوتی ہے کہ احادیث مرفوعہ سے دونوں امر ثابت ہیں و اللہ تعالیٰ اعلم۔ اور شعر ہائے خدین کو حلق و نتف کرانا اس وجہ سے جائز نہیں ہے، کہ خدین پر جو بال ہوتے ہیں، وہ داڑھی میں داخل ہیں، اور داڑھی کا حلق و نتف کرانا جائز نہیں ہے، حافظ ابن حجر لفظ وفروا اللحی کی شرح میں لکھتے ہیں۔ اللحی بکسر اللام وحکی ضمہا وبالقصر والمد جمع لحیۃ بکسر اللام فقط وھی اسم لما نبت علی الخدین والذقن انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عصا چوبی دستی جو کہ اکثر عالموں کے پاس ہوتا ہے، اس میں پھل آہنی کس قدر طول میں ہونا چاہیے، اور ایک عالم کے واسطے کتنے عصا رکھنے کا حکم ہے، از روئے احادیث معتبرہ و مستندہ بیان فرمادیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ واضح ہو کہ عصا میں جو پھل آہنی لگاتے ہیں، اس کا بیان کہیں حدیث شریف میں نہیں آیا، کہ اس قدر لانبا لگانا چاہیے، اور نہ کہیں حدیث میں یہ آیا، کہ عالم کو اس قدر عصا رکھنا چاہیے نجاشی بادشاہ حبشہ نے ایک لکڑی کہ جس کو عنزہ کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفہ میں دی تھی اس میں لوہے کا پھل لگا ہوا تھا، اور وہ لکڑی نیزہ سے چھوٹی تھی، مگر اس کے پھل کا کوئی حال مذکور نہیں ہے، کہ کس قدر طول میں تھا، واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید عبد الحفیظ عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ھوالموفق:۔ عصا رکھنا ہر ایک شخص کے لئے مستحب و مسنون ہے، اس میں عالم کی کوئی خصوصیت نہیں ہے، چھڑی اور عصا ساتھ رکھنے میں بہت سے فائدے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا وما تلک بیمینک یا موسیٰ یعنی اے موسیٰ تمہارے ہاتھ میں یہ کیا چیز ہے، تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا ھی عصای اتوکأ علیہا واھش بہا علی غنمی ولی فیہا مارب اخری، یعنی یہ میرا عصا ہے، اس پر میں ٹیک لگاتا ہوں، اور اس سے اپنی بکری کے لئے پتے جھاڑتا ہوں، اور اس میں میرے اور بہت سے فائدے ہیں، اور ایک شخص کے لئے ایک عصا کافی ہے، اور اگر ایک سے زائد بھی ہوں، تو کچھ مضائقہ نہیں ہے، زاد المعاد صفحہ ۳۴ جلد ۱ میں ہے وکان لہ رای للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فسطاط یسمی الکن ومحجن قدر ذراع او اطول

لہ لحیہ ان بالوں کا نام ہے، جو رخساروں اور ٹھوڑی پر پیدا ہوتے ہیں۔ ۲ے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لوہا چھڑ

یفوی ویرکب بہ ویعلقہ بین یدیہ علی بعیرہ ومخصرۃ وتسمی العرجون وقضیب من الشوحط یسمی الممشوق قیل وھو الذی تداولہ الخلفاء انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری، عفا اللہ عنہ

سوال:۔ ملک بنگالہ کے بعض بعض اضلاع میں ایسے لوگ ہیں، کہ جن کو تمام دن اپنے اپنے کھیتوں میں رہنے کا اتفاق ہوتا ہے، اور گرد وغبار کے سبب سے ان کے لمبے لمبے بالوں کو بہت تکلیف پہنچتی ہے، اور وہ لوگ بہ سبب عدم فرصت وغربت کے ہمیشہ ان بالوں کو صاف نہیں کر سکتے ہیں، اور بعض بعض ایام میں ان کے کھیتوں میں تین چار ہاتھ پانی رہتا ہے، اور کھیت کاٹنے کا وقت بھی آجاتا ہے، اس صورت میں وہ لوگ غوطہ مار مار کر کھیت کو کاٹتے ہیں، اس وجہ سے بھی ان کے بالوں کو بہت تکلیف پہنچتی ہے، ان صورتوں میں بالوں کا کتروانا یا منڈوانا جائز ہے، یا نہیں، ان دیار کے بعض بعض علماء بال کتروانے یا منڈوانے کو منع کرتے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوائے حج کے سر کے بال کا منڈوانا ثابت نہیں ہے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے باوجود دشمن جاننے کے بھی بالوں کو نہیں منڈوایا ہے، کتروایا ہے، اور جو شخص بال منڈواتا ہے، یا کترواتا ہے، تو اس کو جماعت سے خارج کرتے ہیں یعنی سلام، کلام ودیگر معاملات سے اس کو روکتے ہیں، اور کفارہ لیتے ہیں، اب سوال یہ ہے، کہ کفارہ لینا کیسا ہے، اور کفارہ لینے والا کیسا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ سر کے بال منڈوانا یا کتروانا ضرورت کے وقت بلاشک وشبہ درست ہے، کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے سر کے بال میں بحالت احرام اس کثرت سے جوئیں پڑ گئی تھیں، کہ ان کے منہ پر گری اور جھڑی پڑتی تھی، اس وجہ سے ان کو بہت تکلیف تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ حالت دیکھ کر ان کو سر منڈانے کا حکم فرمایا، حالانکہ وہ حالت احرام میں تھے اور حالت احرام میں بال منڈانا منع ہے، مگر آپ نے احرام کا خیال نہیں فرمایا، بلکہ ان کی تکلیف اور مضرت کا خیال فرمایا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی جعفر کے بالوں کو منڈوایا ہے اس وجہ سے کہ ان کے سروں میں جوئیں پڑ گئی تھیں، کما فی زاد المعاد، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس خیال سے کہ غسل جنابت

عصا ایک چھڑی تھی، جو ایک ہاتھ یا اس سے کچھ زائد تھی، آپ وہ ہاتھ میں لے کر چلتے تھے، سواری پر ساتھ رکھتے اپنے اونٹ پر ساتھ رکھ لیتے، اور ایک لاٹھی تھی، جس پر آپ ٹیک وغیرہ لگایا کرتے تھے، اور ایک چھڑی اور تھی، جسے مشوق کہتے ہیں، یہی وہ چھڑی ہے، جو خلفاء کے ہاتھ لگی ۱۲

میں کوئی بال خشک نہ رہ جائے، اپنے بالوں کو ترشوایا کرتے تھے، صحیحین میں ہے عن کعب[1] بن عجرۃ رضی اللہ عنہ قال حملت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والقمل یتناثر علی وجھی فقال ما کنت اری الوجع بلغ بك ما اری وفی روایۃ فامرہ ان یحلق راسہ وان یطعم فرقا بین ستۃ او یھدی شاۃ او یصوم ثلاثۃ ایام کذا فی زاد المعاد۔ ابن ماجہ میں ہے۔ عن علی بن ابی طالب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من[2] ترك شعرۃ من جسدہ من جنابۃ لم یغسلھا فعل بہ کذا وکذا من النار قال علی فمن ثم عادیت راسی وکان یجزہ۔ وفی تلخیص الحبیر وعن علی مرفوعا من ترك موضع شعرۃ من جنابۃ لم یغسلھا فعل بہ کذا وکذا الحدیث اسنادہ صحیح فانہ من روایۃ عطاء بن السائب وقد سمع منہ حماد قبل اختلاطہ انتہی ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ سوائے حج کے بالوں کا منڈوانا یا کترانا ضرورت کے وقت جائز ہے بلکہ جیسے عدم ضرورت ومضرت کے وقت بالوں کا رکھنا سنت ہے، اسی طرح وقت ضرورت ومضرت کے منڈوانا یا کتروانا سنت ہے، پس صورت مسئولہ میں بالوں کا منڈوانا یا کتروانا بلا شبہ جائز ودرست ہے، بلکہ سنت ہے، اور بعض علماء کا یہ کہنا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے حج کے سر کے بال نہیں منڈوائے صحیح ہے، اور ہم بھی کہتے ہیں کہ بالوں کا رکھنا سنت ہے، اور جیسے بالوں کا رکھنا سنت ہے، اسی طرح بالوں کی خدمت کرنا اور ان کو صاف رکھنا، اور ان میں تیل ڈالنا اور کنگھی کرنا بھی سنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ بالوں کو صاف رکھتے، اور کثرت سے تیل لگاتے تھے، اور کنگھی کرتے تھے، زاد المعاد میں ہے۔ قال حماد بن سلمۃ عن سماك بن حرب قیل لجابر[3] بن سمرۃ اکان فی راس

---

[1] کعب بن عجرہ کہتے ہیں، کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا، میرے منہ پر جوئیں چل رہی تھیں، آپ نے فرمایا مجھے اس کا تصور بھی نہ تھا، کہ تجھ کو اتنی تکلیف ہے، ایک روایت میں ہے، کہ آپ نے ان کو حکم دیا، کہ سر منڈا لیں، اور ایک فرق (پیمانہ ہے) چھ آدمیوں میں کھانا تقسیم کر دے، یا ایک بکری کی قربانی دے دے یا تین روزے رکھ لے (بخاری ومسلم)

[2] حضرت علی رضہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی، کہ آپ نے فرمایا، جس آدمی کے جسم کا ایک بال بھی غسل جنابت میں خشک رہ جائے گا، اس کے ساتھ آگ سے اس طرح اور اس طرح کیا جائے گا، حضرت علی نے فرمایا یہی وجہ ہے، کہ میں نے اپنے سر سے دشمنی کر رکھی ہے، آپ سر کے بال کتروا دیا کرتے تھے۔

[3] جابر بن سمرہ سے پوچھا گیا، کیا نبی صلی

النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیب قال لم یکن فی رأسہ شیبا الا شعرات فی مفرق رأسہ اذا ادھن واراھن الدھن قال انس وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکثر دھن رأسہ ولحیتہ ویکثر القناع کان ثوبہ ثوب زیات وکان یحب الترجل وکان یرجل نفسہ تارۃ وترجل عائشۃ تارۃ انتہی، اوران بے چارے دیہاتیوں سے یہ سب باتیں ہو نہیں سکتیں، اور بالوں کے سبب سے ان کو تکلیف پہنچتی ہے، اس لئے ان لوگوں کو چاہیئے، کہ اپنی تکلیف کو دور کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ بالوں کو نہیں منڈایا ہے، اس وجہ سے کہ آپ کو ضرورت منڈانے کی نہیں تھی، لیکن دوسروں کی تکلیف کو دیکھ کر منڈانے کا حکم دیا ہے، اور حضرت علی رض نے سر نہیں منڈایا ہے، مگر انہوں نے بالوں کو کترایا تو ضرور ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور بعض علماء کا مضرت اور تکلیف کے وقت بالوں کے منڈانے یا کتروانے سے منع کرنا اور اس جماعت سے خارج کرنا، اور کفارہ لینا ان سب باتوں کی کوئی دلیل نہیں ہے، ان باتوں سے ان کو باز آنا چاہیئے، اگر باز نہ آویں گے، تو ضرور گنہگار ہوں گے، لوگوں کو چاہیئے کہ ایسے عاموں کی باتوں کو ہرگز نہ مانیں، اور اپنی تکلیف کو دور کریں، چاہے منڈوا کر یا کتروا کر، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، حررہ عین الدین مٹیابرجی۔

سر کے بالوں کا رکھنا بلاشبہ سنت ہے، مگر بلا ضرورت بھی اگر کوئی سر منڈائے یا ترشوائے تو جائز ہے، اور جو لوگ سر منڈانے کو ناجائز بتاتے ہیں، ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے، اور جو ثبوت پیش کرتے ہیں، اس سے عدم جواز نہیں نکلتا ہے، امام نووی شرح صحیح مسلم صفحہ ۳۴۲ جلد ا میں لکھتے ہیں، کہ "بعض لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ خارجیوں کی علامت سر منڈانا ہے، سر منڈانے کے مکروہ ہونے پر دلیل لاتے ہیں، حالانکہ یہ قول اس پر دلیل نہیں ہو سکتا، کیونکہ علامت کبھی حرام ہوتی ہے اور کبھی مباح، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خارجیوں کی یہ بھی ایک علامت بیان کی ہے، کہ ان میں کا ایک کالا شخص ہوگا، جس کا ایک بازو عورت کے پستان کے مثل ہوگا، ظاہر ہے، کہ یہ علامت حرام نہیں ہے، اور ابوداؤد میں ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو دیکھا، جس کا کچھ سر منڈا ہوا تھا پس آپ نے فرمایا، اس کا کل سر

اللہ علیہ وسلم کے سر میں سفید بال تھے، کہنے لگے آپ کے سر میں چند ایک بال مانگ میں سفید موجود تھے، جب تیل لگاتے تو ان کا پتہ نہ چلتا تھا، انس کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر اور داڑھی کو بکثرت تیل لگایا کرتے تھے، آپ کے کپڑے تیل میں لت پت رہتے، آپ کنگھی کرنے کو پسند کرتے تھے، کبھی خود کنگھی کر لیتے کبھی حضرت عائشہ کر دیتیں ۱۲

مونڈو یا کل چھوڑ دو، اس حدیث کی سند بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے، یہ حدیث سر منڈانے کے جائز ہونے پر صریح دلیل ہے، جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے، ہمارے اصحاب نے (یعنی علمائے شافعیہ نے) کہا کہ ہر حال میں سر منڈانا جائز ہے، لیکن اگر کسی شخص پر بالوں کی خدمت، ان میں تیل ڈالنا، کنگھی کرنا، صاف رکھنا شاق ہو، تو ایسے شخص کو سر منڈانا مستحب ہے، اور اگر شاق نہ ہو، تو بال رکھنا مستحب ہے۔ انتہی کلام النووی مترجما واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سر صاف منڈوانا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے، تو جو شخص سر منڈوانے والے کو کافر کہے، یعنی یہ کہے، کہ جو شخص سر منڈاوے اس کے پاس سے ایمان ایسا بھاگ جاتا ہے، جیسا کمان سے تیر، اور قتل کرو ان لوگوں کو جو سر منڈاتے ہیں، تو ان شخصوں کی نسبت علمائے دین کیا فرماتے ہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: اس میں شبہ نہیں ہے، کہ سر پر بال رکھنا سنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضؓ کے سوا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ہمیشہ سر پر بال رکھتے تھے اور بجز حج کے کبھی سر نہیں منڈاتے تھے، مگر سر کا منڈانا حرام و ناجائز نہیں ہے، بلکہ جائز و رخصت ہے، جیسا کہ یہ حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔ عن علی رضؓ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تحلق المرأۃ راسہا رواہ النسائی کذا فی المشکوٰۃ یعنی حضرت علی رضؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا، کہ عورت اپنے سر کے بال کو منڈائے، اس حدیث سے معلوم و مفہوم ہوتا ہے، کہ مرد کو سر منڈانا منع نہیں ہے، علامہ قاری اس حدیث کے تحت میں لکھتے ہیں۔ فیہ[1] بطریق المفہوم جواز حلق الرجل ولا خلاف فیہ بل فی انہ سنۃ لما فعلہ علی کرم اللہ وجہہ وقررہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال علیکم وسنۃ الخلفاء الراشدین او لیس بسنۃ لانہ صلی اللہ علیہ وسلم مع سائر اصحابہ علی ترک حلقہ الا بعد فراغ احد النسکین والحق انہ رخصۃ وھو الاظہر انتہی۔ وعن

[1] اس سے بطریق مفہوم مرد کو سر منڈانے کی اجازت معلوم ہوتی ہے، اور اس میں کسی طرح کا اختلاف نہیں ہے، بلکہ یہ سنت ہے، حضرت علی نے سر کو منڈایا، اور آنحضرت نے منع نہ فرمایا، اور آپ نے فرمایا، تم میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، کیونکہ آپ نے اور صحابہ کرام نے سر منڈوانے کے ترک پر ہمیشگی فرمائی، ہاں حج اور عمرہ کے بعد منڈوایا، اور صحیح یہ ہے کہ سر منڈانا جائز ہے۔

(وعن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رای صبیا قد حلق بعض راسہ وترک بعضہ فنہاھم عن ذلک وقال احلقوا کلہ او اترکوا کلہ رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ، یعنی صحیح مسلم میں ابن عمرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو دیکھا، کہ اس کا کچھ سر منڈا ہوا ہے، اور کچھ چھوڑ دیا گیا ہے، تو آپ نے ان لوگوں کو اس سے منع فرمایا، اور کہا، کہ یا تو کل سر کو منڈاؤ یا کل کو چھوڑ دو، یہ حکم اگرچہ لڑکے کے بارے میں ہے مگر مرد کے لئے بھی یہی حکم ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۵۰۴ جزو ۲۴ میں لکھتے ہیں تخصیصہ بالصبی لیس قید ا وعن عبد اللہ بن جعفر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امہل آل جعفر ثلاثا ثم اتاھم فقال لا تبکوا علی اخی بعد الیوم ثم قال ادعوا لی بنی اخی فجئی بنا کانا افرخ فقال ادعوا لی الحلاق فامرہ فحلق رؤسنا رواہ ابو داؤد والنسائی، یعنی عبد اللہ بن جعفر سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر کے اہل وعیال کو تین دن مہلت دی، پھر آپ ان کے پاس آئے، اور فرمایا کہ میرے بھائی پر آج کے روز کے بعد نہ رونا، پھر فرمایا، کہ میرے بھتیجوں کو بلاؤ، پھر ہم لوگ حاضر کئے گئے، گویا کہ ہم لوگ چوزے تھے، تو آپ نے فرمایا، حلاق کو بلاؤ، پھر اس کو آپ نے حکم کیا، تو اس نے ہمارے سروں کو مونڈ دیا، ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے، کہ سر صاف منڈانا جائز ہے، اور جو شخص سر منڈانے والے کو کافر کہے، اور سر منڈانے والوں کو قتل کرنے کو کہے وہ جاہل ہے، شاید اس کو اس حدیث سے دھوکا ہوا ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے، کہ خارجیوں کی علامت سر منڈانا ہے، سو اس کو معلوم ہونا چاہیئے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانے سے سر منڈانے کی حرمت اور سر منڈانے والے کا کافر اور مباح الدم ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس لئے کہ علامت کبھی حلال ہوتی ہے، اور کبھی حرام، دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حدیث میں خارجیوں کی ایک علامت یہ بھی بیان کی ہے کہ ان میں ایک کالا شخص ہوگا جس کا ایک بازو عورت کے پستان کے مثل ہوگا، کیا یہ علامت بھی حرام ہے، ہرگز نہیں، بلکہ بلاشبہ یہ علامت حرام نہیں ہے، حاشیہ نسائی میں ہے استدل بہ بعضھم[1] علی کراھیۃ التحلیق ولا دلالۃ فیہ فان العلامۃ قد تکون بحرام

[1] اس سے بعض نے سر منڈانے کی کراہت پر استدلال کیا ہے، لیکن اس میں کراہت کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ علامت کبھی حرام بھی ہوتی ہے، اور کبھی حلال کی ۱۲

وقد تکون بجلال انتہی۔ پس جو شخص سر منڈے کو کافر کہے، تو اگر خطا کہتا ہے، تو اس پر توبہ لازم ہے، اور اگر نفسانیت سے کہتا ہے، تو اس پر خود کفر کا خوف ہے، واللہ اعلم بالصواب،

حررہ عبدالحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ سیاہ خضاب کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سیاہ خضاب کرنا درست و جائز نہیں ہے، جیسا کہ حدیث ابوداؤد وغیرہ سے واضح ہوتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

ھوالموفق:۔ فی الواقع سیاہ خضاب کرنا درست و جائز نہیں ہے، صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے، کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے باپ ابو قحافہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کئے گئے، اور ان کا سر بوجہ بالکل سفید ہو جانے بالوں کے گویا ثغامہ تھا (ثغامہ ایک گھاس ہے، جس کے پھول اور پھل سفید ہوتے ہیں) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذھبوا بہ الی بعض نسائہ فلتغیرہ بشئ وجنبوہ عن السواد یعنی ان کو لے جاؤ ان کی بعض عورتوں کے پاس کہ ان کے بالوں کو کسی چیز سے متغیر کر دیں، اور سیاہ رنگ سے ان کو بچانا، یعنی سیاہ خضاب سے ان کو بچانا، اور سرخ یا زرد یا کسی اور رنگ کا خضاب کرنا طبری اور ابن ابی عاصم نے اس حدیث میں اس قدر اور زیادہ روایت کیا ہے، کہ لوگ ابو قحافہ کو لے گئے، اور ان کے بالوں میں سرخ خضاب کیا، صحیح مسلم کی اس حدیث سے سیاہ خضاب کا نادرست ہونا صاف ظاہر ہے، سنن ابوداؤد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ یکون قوم یخضبون فی اٰخر الزمان بالسواد کحواصل الحمام لا یریحون رائحۃ الجنۃ۔ یعنی آخر زمانہ میں ایک ایسی قوم ہوگی، جو سیاہ خضاب کرے گی، جیسے کبوتر کے سینے سیاہ ہوتے ہیں، سو وہ قوم جنت کی بو نہ پاوے گی، ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، اور حافظ ابن حجر نے کہا، کہ اس کی سند قوی ہے، ابوداؤد کی اس حدیث سے بھی سیاہ خضاب کا نادرست لہ ممنوع ہونا بخوبی ظاہر ہے، طبرانی اور ابن ابی عاصم نے ابو الدرداء سے مرفوعا روایت کیا ہے۔ من خضب بالسواد سود اللہ وجھہ بالسواد یوم القیمۃ۔ یعنی جو شخص سیاہ خضاب کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا منہ سیاہی سے کالا کرے گا، یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے، مگر اوپر کی حدیث سے اس کی تقویت ہوتی ہے، طبرانی اور ابن ابی عاصم کی اس حدیث سے بھی سیاہ

خضاب کا نادرست اور ممنوع ہونا صاف ظاہر ہے، فتح الباری صفحہ ۲۸۵ پارہ ۲۳ میں ہے، ثم ان المادون فیہ (ای فی صبغ شیب اللحیۃ والراس) مقید بغیر السواد لما اخرجہ مسلم من حدیث جابر انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال غیروہ وجنبوہ السواد ولابی داؤد وصححہ ابن حبان من حدیث ابن عباس مرفوعا یکون قوما فی اخر الزمان یخضبون کحواصل الحمام لایجدون ریح الجنۃ واسنادہ قوی الا انہ اختلف فی رفعہ ووقفہ وعلی تقدیر ترجیح وقفہ فمثلہ لا یقال بالرای فحکمہ الرفع ولھذا اختار النووی ان الصبغ بالسواد یکرہ کراھیۃ تحریم انتہی۔ اور فتح الباری صفحہ ۴۹۹ پارہ ۲۴ میں ہے۔ وقد اخرج الطبرانی وابن ابی عاصم من حدیث ابی الدرداء رفعہ من خضب بالسواد سود اللہ وجہہ یوم القیمۃ وسندہ لین انتہی۔ اگر کوئی کہے کہ ابن ماجہ میں ایک حدیث ہے، جس سے صاف ثابت ہوتا ہے، کہ سیاہ خضاب کرنا درست ہے، اور وہ حدیث یہ ہے عن صھیب الخیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احسن ما اختضبتم بہ لھذا السواد ارغب لنسائکم فیکم واھیب لکم فی صدور عدوکم۔ یعنی صہیب خیر سے روایت ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے تمام خضابوں میں سیاہ خضاب زیادہ اچھا ہے، اس سے تمہاری عورتوں کو تمہاری طرف رغبت زیادہ ہوتی ہے، اور دشمنوں کے دلوں میں تمہاری ہیبت زیادہ ہوتی ہے، تو جواب اس کا یہ ہے، کہ ابن ماجہ کی یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند میں دو راوی ضعیف ہیں، ایک دفاع بن دغفل، اور دوسرا عبد الحمید بن صیفی، دیکھو تقریب التہذیب، واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب،

کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری، عفا اللہ عنہ۔

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین رحمہم اللہ تعالےٰ دریں مسئلہ کہ جامہ وعمامہ یا لحاف کشیدہ وچکن کہ کار نقرہ وغیرہ مثل کامدانی یا ابریشم در تن داشتہ باشد وگل بوٹہ ابریشم یا

لے سر اور داڑھی کے بال رنگنے کی اجازت مقید ہے کہ سیاہ رنگ نہ کیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو قحافہ کے متعلق فرمایا تھا، اس کے بالوں کا رنگ بدل دو، اور سیاہ رنگ سے بچو، ابن عباس نے مرفوعاً کہا، آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی وہ اس طرح کے بال رنگ کریں گے، جیسے کبوتر کی پوٹ، یہ لوگ جنت کی خوشبو نہ پائیں گے، اس کی سند قوی ہے، اور یہ حدیث مرفوع ہے یا حکماً مرفوع ہے، امام نووی نے کہا سیاہ رنگ کرنا مکروہ تحریمی ہے

ع۲ ابو الدرداء نے مرفوعاً کہا، جو بالوں پر کالا خضاب کرے، خدا اس کا چہرہ قیامت کے روز سیاہ کریں گے (طبرانی)

نقرہ برآں دوختہ باشد عمامہ وقمیص آں کردن نزد فقہائے حنفیہ جائز است یا نہ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ پارچہ پنبہ کہ برونقش ونگار از ریشم و یا نقرہ وذہب باشد پوشیدن آں جامہ نزد امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ جائز است، لان الاستعمال تصد الجزء الذی یلاقیہ العضو وماسواہ تبع لہ فی الاستعمال فلا یکرہ کالجبۃ المکفوفۃ بالحریر والعلم فی الثوب ومسمار الذھب فی فص الخاتم وکالعمامۃ المعلمۃ بالذھب ۱۲ طحاوی من التبیین و لا یکرہ لبس ثیاب کتب علیہ بالفضۃ والذھب وکذلک استعمال کل مسوہ لانہ اذا ذوب لم یخلص منہ شیٔ کذا فی الینابیع واللہ الھادی الی سبیل الرشاد

فقیر احمد سعید احمدی	سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دستار سے نماز پڑھنا واجب ہے یا نہ، یا دونوں امر مساوی ہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ دستار کے ساتھ نماز پڑھنا واجب نہیں ہے، کیونکہ نماز میں صرف ستر عورت واجب ہے، اور اس کے سوا اور کپڑوں کا نماز میں ہونا مستحب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک کپڑے میں نماز ادا فرمائی ہے، ایک مرتبہ جابر رضی اللہ عنہ نے صرف ایک تہ بند میں نماز پڑھی اور دوسرے کپڑے آپ کے الگنی پر رکھے ہوئے تھے، اس پر ایک صاحب نے ان سے کہا، کہ آپ صرف ایک تہ بند میں نماز پڑھتے ہیں، انہوں نے فرمایا، کہ میں نے تو صرف اس لئے ایسا کیا ہے، کہ تم جیسے احمق دیکھیں، ہم لوگوں میں کون ایسا تھا، کہ جس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو کپڑے تھے، پس جب صرف ایک کپڑے میں سر برہنہ نماز جائز ہوئی، تو معلوم ہوا، کہ ٹوپی یا عمامہ کے ساتھ نماز

سوال:۔ جس کپڑے پر چاندی سونے کی تاروں سے کشیدہ کاری کی گئی ہو فقہائے حنفیہ کے نزدیک اس کا پہننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وہ سوتی کپڑا جس پر چاندی، سونے کی تاروں سے کشیدہ کاری کی گئی ہو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا پہننا جائز ہے کیونکہ استعمال میں وہ جزو مقصود ہوتا ہے، جو جسم کے ساتھ ملا ہوا ہو اور جو اس کے سوا ہو وہ اس کے تابع ہے، لہٰذا مکروہ نہیں ہوگا، جیسا کہ اگر کوٹ کی کفوں پر ریشم لگا ہوا ہو، یا انگوٹھی کے نگینہ میں سونے کی میخ لگی ہو، یا پگڑی میں سونے کی تار کا حاشیہ ہو، یا کوئی ملمع کی چیز ہو، کہ اگر اس کو گلایا جائے، تو اس سے کوئی چیز خالص برآمد نہ ہوسکے ۱۲

پڑھنا واجب نہیں ہے، ہاں اس میں کلام نہیں ہے، کہ عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم ومن بعدہم عام طور پر عمامہ کی موجودگی میں عمامہ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، امام مالک فرماتے ہیں۔ ادرکت فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبعین محنکا وان احدھم لو ائتمن علی بیت المال لکان بہ امینا[1] علماء نے بھی یہی لکھا ہے، کہ نماز باعمامہ مستحب وافضل ہے، کسی نے عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کو واجب نہیں بتایا ہے، فتاوی تاتارخانیہ میں ہے۔ المستحب للرجل[2] ان یصلی فی ثلاثۃ اثواب قمیص وازار وعمامۃ اھ، رفع الالتباس عن مسائل اللباس میں ہے، شک نہیں کہ نماز باعمامہ کو بے عمامہ پر فضیلت ہے باعتبار وقار وسکینہ واتباع سنت کے، حدیث عبادہ میں فرمایا ہے، کہ علیکم[3] بالعمائم فانہا سیماء الملائکۃ رواہ البیہقی فی شعب الایمان، اور حدیث رکانہ میں فرمایا ہے فرق[4] ما بیننا وبین المشرکین العمائم فوق القلانس رواہ الترمذی، باقی وہ حدیثیں جو مفید الواعظین وغیرہ کتابوں میں نماز باعمامہ کی فضیلت میں منقول ہیں، وہ سب موضوع ہیں، امام شوکانی وغیرہ نے اس کی تصریح کر دی ہے، خلاصہ یہ کہ نہ عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے اور نہ نماز باعمامہ اور نماز بے عمامہ دونوں مساوی ہیں، بلکہ نماز باعمامہ کو نماز بے عمامہ پر فضیلت ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام جامع مسجد جو نماز جمعہ کی پڑھاوے، وہ عمامہ باندھے یا نہیں، اور اس کے پیچھے مقتدی دستار وعمامہ باندھیں یا نہیں، اور یہ دربار شاہی ہے، یعنی دربار شہنشاہ احکم الحاکمین کا ہے، پس ازروئے احادیث کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ امام اور مقتدی دونوں کو عمامہ باندھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، جمعہ کی نماز ہو یا کوئی اور نماز، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم عمامہ باندھ کر نماز پڑھتے تھے، اور عمامہ

---

[1] میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ستر کے قریب آدمی دیکھے جنہوں نے سر پر پگڑیاں باندھ رکھی تھیں ان میں سے ایک ایک اس درجہ کا آدمی تھا، کہ اگر اس کو بیت المال پر امین بنایا جاتے، تو امین ثابت ہو ۱۲

[2] مرد کے لئے مستحب ہے، کہ تین کپڑوں میں نماز پڑھے، قمیص، تہبند، اور پگڑی ۱۲

[3] پگڑی سر پر رکھا کرو، کیونکہ یہ فرشتوں کا لباس ہے (بیہقی) [4] مشرکوں کا اور ہمارا یہ فرق ہے کہ ہم ٹوپی پر پگڑی بھی باندھتے ہیں ۱۲

باندھنا دربارشاہی کے منافی نہیں ہے، بلکہ اسی شہنشاہ احکم الحاکمین نے اپنے دربار میں حاضر ہونے کی نسبت یہ حکم کیا ہے، کہ خذوا زینتکم عند کل مسجد یعنی تم لوگ ہر نماز کے وقت اپنے کپڑے لے لیا کرو، یعنی اپنے کپڑے پہن کر نماز پڑھا کرو، اور کپڑے میں عمامہ بھی داخل ہے، کیونکہ عمامہ ایک مسنون کپڑا ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ فرق ما بیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس رواہ الترمذی وابوداؤد یعنی ہمارے اور مشرکین کے درمیان یہ فرق ہے، کہ ہمارے عماموں کے نیچے ٹوپیاں ہوتی ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ احمد اعظم گڈھی سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز عمامہ کے ساتھ بغیر عمامہ کی نماز سے یعنی ساتھ ٹوپی کے نماز سے مزیت وفضیلت رکھتی ہے پچیس نماز وستر نماز درجہ کرکے، آیا از روئے حدیث صحیح ثابت ہے یا نہیں، اور حدیث صلوٰۃ[1] تطوع او فریضۃ بعمامۃ تعدل خمسا وعشرین صلوۃ بلا عمامۃ وجمعۃ بعمامۃ تعدل سبعین جمعۃ بلا عمامۃ یہ روایت ضعیف ہے یا صحیح یا موضوع، اور جامع رموز میں ہے۔ ینبغی[2] ان یصلی مع العمامۃ فی الحدیث الصلوٰۃ مع العمامۃ خیر من سبعین صلوٰۃ من غیر عمامۃ، یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف یا موضوع دبا عتبار حدیث صحیح کے ثواب نفس نماز کا ساتھ عمامہ و بے عمامہ کے متساوی و برابر ہے، پس عمامہ سے نفس نماز میں ازدیاد ثواب و انتقاص ہوتا ہے یا نہیں یعنی کمی بیشی نفس ثواب نماز میں عمامہ کو مداخلت ہے یا نہیں، اور جو شخص اصرار کرے فضیلت نماز عمامہ کو بلا عمامہ سے ستر رکعت وستر درجہ وستر نماز کرکے وعظ اور غیر وعظ میں در رسالہ تصنیف کرکے اشاعت دلوے حدیث موضوع کو صحیح سمجھے وسمجھادے لوگوں کو اور ہٹ کرے اس پر باوجود اطلاع دینے دیلے موضوعیت کے اور کتب معتبرہ ومستندہ محدثین حوالہ تسلیم نہ کرے وسخن پروری کرے، اور روایت رسالہ غیر معتبرہ در روایت فقہیہ غیر مستندہ کو مستند گردانے ومستند میں پیش کرے، از روئے شرع شریف ایسا شخص آثم ہوگا یا نہیں، وقابل الزام شرعی ہوگا، یا نہیں،

---

[1] نفلی ہو یا فرضی نماز اگر پگڑی سے پڑھی جائے تو وہ بغیر پگڑی والی نماز سے پچیس درجہ زیادہ ثواب رکھتی ہے، اور اگر پگڑی سے جمعہ پڑھا جائے، تو وہ دوسرے ستر جمعوں کے برابر ہوگا ۱۲

[2] پگڑی کے ساتھ نماز پڑھنا چاہیے کیونکہ حدیث میں ہے، کہ پگڑی والی نماز دوسری نماز سے ستر درجہ زیادہ ثواب رکھتی ہے ۱۲

بینوا بالسنۃ توجروا یوم الساعۃ یوم یقوم الناس لرب العالمین۔

الجواب۔ ھوالمصوب والملھم للحق والصواب۔ احادیث صحیحہ کے رو سے عمامہ والی نماز کو بے عمامہ والی نماز سے کچھ فضیلت و مزیت پچیس نماز و ستر نماز و ستر درجہ کی ثابت نہیں ہے، اور حدیث [1] صلوۃ تطوع او فریضۃ بعمامۃ تعدل خمسا وعشرین صلوۃ بلا عمامۃ وجمعۃ بعمامۃ تعدل سبعین جمعۃ بلا عمامۃ [2] موضوع و باطل ہے، چنانچہ ملا علی قاری حنفی ہروی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ المصنوع فی الحدیث الموضوع میں فرماتے ہیں حدیث صلوۃ بخاتم تعدل سبعین صلوۃ بلا خاتم موضوع کما قالہ العسقلانی وکذا صلوۃ بعمامۃ تعدل خمسا وعشرین صلوۃ بلا عمامۃ وجمعۃ بعمامۃ تعدل سبعین جمعۃ بلا عمامۃ والصلوۃ فی العمامۃ بعشرۃ آلاف حسنۃ قال المنوفی فذلک کلہ باطل انتہی۔ یعنی یہ حدیث کہ ایک نماز انگوٹھے کے ساتھ برابر ہوتی ہے ستر نماز بغیر انگوٹھی کے موضوع ہے یعنی بنی اور گڑھی ہوئی بات ہے، جیسا کہ کہا عسقلانی نے اس کو اور ایسے ہی موضوع ہے یہ حدیث کہ ایک نماز عمامہ کے ساتھ برابر ہے پچیس نماز بغیر عمامہ کے، اور ایک جمعہ عمامہ کے ساتھ برابر ہوتا ہے ستر جمعہ بلا عمامہ کے، اور نماز با عمامہ میں دس ہزار نیکیاں ہیں، کہا منوفی نے یہ کل حدیثیں باطل ہیں، اور قاضی شوکانی اپنی کتاب الفوائد المجموعۃ فی بیان الاحادیث الموضوعۃ صفحہ ۴۲ میں فرماتے ہیں۔ حدیث صلوۃ بعمامۃ تعدل بخمس وعشرین حجۃ وجمعۃ بعمامۃ تعدل سبعین جمعۃ ذکرہ فی المقاصد وقال موضوع۔ حدیث العمائم تیجان العرب والاحتباء حیطانھا وجلوس المومنین فی المسجد رباط قال فی المقاصد ضعیف واخرج البیھقی معناہ من قول الزھری حدیث علیکم بالعمائم فانھا سیما الملائکۃ فارخوھا خلف ظھورکم اخرجہ ابن عدی والبیھقی فی الخلاصۃ موضوع وقال فی اللآلی لا یصح وقال لہ طریق آخر عن ابن عباس اخرجہ الحاکم فی المستدرک وقد اخرج ابوداؤد

---

[1] نفلی ہو یا فرضی نماز اگر پگڑی سے پڑھی جائے، تو وہ بغیر پگڑی والی نماز کے پچیس درجہ زیادہ ثواب رکھتی ہے اور پگڑی سے اگر جمعہ پڑھا جائے، تو وہ دوسرے ستر جمعوں کے برابر ہوگا ۱۲ [2] پگڑی کے ساتھ نماز پچیس درجہ زیادہ ثواب رکھتی ہے، اور پگڑی سے حج ستر حج کے برابر ہے، مقاصد میں ان کو ذکر کرکے موضوع کہا ہے، اور پگڑیاں عرب کا تاج ہیں، اور احتباء اس کی دیواریں ہیں، اور مومنوں کا مسجد میں بیٹھنا رباط ہے، یہ حدیث ضعیف ہے، اور حدیث پگڑیاں باندھا کرو، کہ وہ فرشتوں کا نشان ہے، اور اپنی پیٹھ پیچھے اس کو لٹکا دیا کرو۔

من حدیث رکا نۃ فرق ما بیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس واخرج البیھقی من مرسل خالد بن معدان ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال اعتموا خالفوا الامم قبلکم قول ابن عمر یا بنی احب العمامۃ یا بنی اعتم تجل وتکرم وتوقر ولا یراک الشیطان الا ولی ھاربا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الصلوۃ بعمامۃ وجمعۃ بعمامۃ تعدل سبعین جمعۃ بغیر عمامۃ ان الملائکۃ لتشھدون الجمعۃ متعممین ولا یزالون یصلون علی اصحاب العمائم حتی تغرب الشمس قال ابن حجر موضوع حدیث صلوۃ علی کور العمامۃ یعدل ثوابھا عند اللہ غزوۃ فی سبیل اللہ ھو موضوع حدیث الصلوۃ فی العمامۃ عشرۃ الاف فی اسنادہ مبھم وقال فی المقاصد موضوع انتہی، اور جامع الرموز کتب غیر معتبرہ سے ہے، پس کیا اعتبار اس کی روایت بے سند کا، جیسا کہ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے. والمولی شمس الدین محمد الخراسانی القھستانی نزیل بخارا ومرجع الفتوی بھا وجمیع ماوراء النھر المتوفی سنۃ اثنین وستین وتسع مائۃ وھو اعظم الشروح نفعا وادقھا اشارۃ و رمزا کثیرا لنفع عظیم الوقع سماہ جامع الرموز فرغ من تالیفہ سنۃ احدی واربعین وتسع مائۃ وقیل انہ مات فی حدود سنۃ خمسین وتسع مائۃ بخارا وقال المولی عصام الدین فی حق القھستانی انہ لم یکن من تلامذۃ شیخ الاسلام الھروی لا من اعالیھم ولا من اداینھم وانما کان دلال الکتب فی زمانہ ولا کان یعرف الفقہ ولا

یہ بھی موضوع ہے، اور مندرجہ ذیل حدیثیں سب موضوع ہیں: "ہمارے اور مشرکوں کے درمیان فرق یہ ہے، کہ ہم ٹوپی پر پگڑی باندھتے ہیں" "پگڑیاں باندھا کرو، اور پہلی امتوں کی مخالفت کرو" "بیٹا پگڑی کو پسند کر، اور پگڑی باندھا کر تیری عزت بڑھے گی، اور شیطان جہاں بھی تجھ کو دیکھے گا بھاگ جائے گا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پگڑی کے ساتھ نماز اور جمعہ ستر نماز اور جمعہ کے برابر ہے" "فرشتے جمعہ میں پگڑیاں باندھ کر آتے ہیں، اور پگڑی والوں کے لئے سورج غروب ہونے تک دعا کرتے رہتے تھے" "نماز اگر پگڑی کے ساتھ پڑھی جائے، تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا ثواب جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہے" "پگڑی کے ساتھ نماز کا اجر دس ہزار نماز کے برابر ملتا ہے" یہ سب احادیث موضوع ہیں "

[1] اور شمس الدین محمد خراسانی قہستانی بخارا کا رہنے والا ہے، ۹۶۲ھ میں اس کی وفات ہوئی، یہ اپنی تالیف جامع الرموز سے ۹۵۰ھ کے قریب فارغ ہوا، مولانا عصام الدین اس کے متعلق فرماتے ہیں، کہ یہ شیخ الاسلام ہروی کے تلامذہ میں سے نہیں ہے، یہ کتابوں کا دلال تھا، فقہ سے

غیرہ بین اقرانہ ولؤیدہ انہ یجمع فی شرحہ ھذا بین الغث والسمین والصحیح و الضعیف من غیر تحقیق وتدقیق فھو کحاطب اللیل جامع بین الرطب والیابس فی السیل وھو مصنف القوارض فی ذم الروافض انتہی۔ اور حضرت استاذنا مولوی ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی غفر اللہ لہ ونور مرقدہ اپنی کتاب النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر میں فرماتے ہیں ومنھا عدم الاطلاع علی حال مؤلفہ ھل کان فقیھا معتمدا ام کان جامعا بین الغث والسمین وان عرف رسمہ واشتھر اسمہ کجامع الرموز للقھستانی فانہ وان تداولہ الناس لکنہ لما لم یعرف حالہ انزلہ من درجة الکتب المعتبرة الی الکتب الغیر المعتبرة انتہی۔ قال ابن عابدین فی ردالمحتار وفی شرح الاشباہ لشیخنا المحقق ھبة اللہ البعلی قال شیخنا العلامة صالح الجنینی انہ لا یجوز الافتاء من الکتب المختصرة کالنھر وشرح الکنز للعینی والدر المختار شرح تنویر الابصار ولعدم الاطلاع علی حال مولفیھا کشرح الکنز لملا مسکین و شرح النقایة للقھستانی انتہی۔ اور عمامہ وکلاہ ہر دو مسنون سنت زوائد سے ہیں، جو من قبیل عادات نبی علیہ السلام سے ہیں نہ من قبیل سنت ہدی سے ہیں۔ کما فی شرح الوقایة فان کانت المواظبة المذکورة علی سبیل العبادة فسنن الھدی وان کانت علی سبیل العادة فسنن الزوائد کلبس الثیاب انتہی۔ وفی المنار شرح الانوار لملا جیون

بالکل ناواقف تھا اس کی تالیف میں صحیح، ضعیف، اچھی، بری سب چیزیں بلاتحقیق ملتی ہیں، یہ حاطب اللیل ہے خشک وتر جو کچھ ملتا جاتا ہے، سے لیتا ہے، اس کی ایک تصنیف "قوارض فی رد الروافض" بھی ہے "

سلہ اور ان میں سے ایک مصنف کے حالات سے بے خبری بھی ہے، کہ وہ کوئی معتبر اور فقیہ تھا، یا بھلی بری روایات جمع کرنے والا تھا، اگرچہ اس کا نام بڑا مشہور ہو چکا ہو جیسے کہ قہستانی کی جامع الرموز اگرچہ لوگوں نے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہے، لیکن چونکہ اس کے مصنف کے حالات معلوم نہیں ہیں، لہذا یہ کتاب معتبر کتابوں کے درجہ سے گر کر غیر معتبر کتابوں میں شامل ہو گئی ہے، ابن عابدین اور ہبۃ اللہ البعلی نے کہا کہ صالح الجنینی کہتے تھے مختصر کتابوں سے فتوی نہیں دینا چاہیے، مثلا نہر اور عینی کی شرح کنز اور در مختار اور شرح تنویر الابصار، یا جن کے مؤلفین کے حالات معلوم نہیں ہیں، جیسے ملا مسکین کی شرح کنز، اور قہستانی کی شرح نقایہ وغیرہ ۱۲ سلہ اگر کسی چیز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت بر سبیل عبادت ہو تو وہ سنن ہدی سے ہے، اور اگر بر سبیل عادت ہو تو وہ سنن زوائد سے ہے، جیسے کپڑے پہننا وغیرہ ۱۲

وھی[1] نوعان ای مطلق السنۃ سنۃ الھدی کالجماعۃ والاذان والاقامۃ والثانی الزوائد کسیر
النبی علیہ السلام فی لباسہ الی قولہ در بہا یلبس عمامۃ سوداء و حمراء انتہی ملخصا و
فی التوضیح من کتب اصول الفقہ والسنۃ نوعان سنۃ الھدی وترکہا یوجب اساءۃ
وکراھۃ کالجماعۃ والاذان والاقامۃ ونحوھا وسنۃ الزوائد وترکہا لا یوجب ذلک کسنن
النبی علیہ السلام فی لباسہ وقیامہ وقعودہ انتہی پس مسنونیت دونوں امر کے باب میں
صاحب قاموس وسفر السعادت الشیخ مجد الدین فیروز آبادی اپنی کتاب سفر السعادت میں فرماتے ہیں
گاہ عمامہ مع کلاہ می پوشید وگاہ کلاہ بے عمامہ انتہی، اور نفس ثواب نماز میں کوئی مداخلت عمامہ و
کلاہ کو ازدیاد وانتقاص ثواب میں از روئے حدیث صحیح ثابت نہیں، بلکہ ایک کپڑے میں نبی علیہ السلام
سے نماز پڑھی ہے، جیسا کہ روایت جامع ترمذی میں منقول ہے: عن عمر بن ابی سلمۃ انہ رای
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی بیت ام سلمۃ مشتملا فی ثوب واحد. انتہی
قال ابو عیسی حدیث عمر بن ابی سلمۃ حسن صحیح والعمل علی ھذا عند اکثر اھل العلم من
اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن بعدھم من التابعین وغیرھم قالوا لا باس
بالصلوۃ فی الثوب الواحد وقال بعض اھل العلم یصلی الرجل فی ثوبین انتہی وفی صحیح
مسلم عن ابی ھریرۃ ان سائلا سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الصلوۃ فی الثوب
الواحد فقال اولکلکم ثوبان انتہی وفی صحیح مسلم حدثنا ابا الزبیر المکی حدثنا انہ رای جابر
بن عبد اللہ یصلی فی ثوب متوشحا بہ وعندہ ثیابہ وقال جابر انہ رای رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] سنت دو طرح کی ہے، ایک سنت ہدی، جیسے جماعت، اذان، اقامت وغیرہ، اور دوسری سنت زائدہ جیسے کہ آنحضرت کے لباس وغیرہ کی عادت کہ آپ کبھی سیاہ پگڑی پہن لیتے اور کبھی سرخ۔ سنت دو قسم ہے، ایک سنت ہدی، اس کو چھوڑنے سے انسان گنہ گار ہوتا ہے، جیسے جماعت، اذان اور اقامت وغیرہ، ایک سنت زائدہ، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس اور قیام و قعود کا طریقہ ۱۲

[2] کبھی تو آپ کلاہ پر عمامہ باندھتے، اور کبھی صرف کلاہ (ٹوپی) پہن لیتے ۱۲

[3] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ کے گھر میں صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھی، ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم صحابہ اور تابعین کا اسی پر عمل رہا ہے، کہتے تھے کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں، بعض کہتے ہیں کہ دو کپڑوں میں پڑھے، ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کیا تم میں سے ہر آدمی کے پاس دو کپڑے موجود ہیں؟

[4] جابر رضی اللہ عنہ نے ایک ہی کپڑے کو لپیٹ کر نماز پڑھ لی، حالانکہ آپ کے پاس کپڑے موجود تھے، اور حضرت جابر نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے

علیہ وسلم یعنعہ ذلک انتہی۔ وفی النووی شرح صحیح مسلم واجمعوا علی ان الصلوۃ فی ثوبین افضل ومعنی الحدیث ان الثوبین لا یقدر علیہما کل واحد فلو وجبا لعجز من لا یقدر علیہما من الصلوۃ وفی ذلک حرج وقد قال اللہ تعالی ما جعل علیکم فی الدین من حرج واما صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم والصحابۃ رضی اللہ عنہم فی ثوب واحد ففی وقت کان لعدم ثوب اخر وفی وقت کان مع وجودہ لبیان الجواز کما قال جابر رضی اللہ عنہ لیرانی الجہال والا فالثوبان افضل کما سبق انتہی پس جب کہ جواز وافضلیت نماز ثوب واحد و دو ثوب کے بروئے حدیث صحیح ثابت و محقق ہے، پس ایسی روایت جس کو محدثین نے موضوعات و مصنوعات سے شمار کیا ہے، اس کے موافق کر کے فتوی دینا، اور مجلس وعظ میں بیان کرنا و رسالہ میں اشاعت دینا، بڑی جرات کرنا و مرتکب کبیرہ ہونا ہے نعوذ باللہ منہا، چنانچہ امام نووی شرح صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۸ مطبوعہ نولکشور میں تحریر فرماتے ہیں یحرم روایۃ الحدیث الموضوع علی من عرف کونہ موضوعا او غلب علی ظنہ وضعہ فمن روی حدیثا علم او ظن وضعہ ولم یبین حال وضعہ فہو داخل فی ہذا الوعید مندرج فی جملۃ الکاذبین علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہی۔ اور صحیح بخاری صفحہ ۲۱ میں سلمہ بن الاکوع رض سے روایت ہے، کہا انہوں نے سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من یقل علی مالم اقل فلیتبوا مقعدہ من النار انتہی، اور رواۃ اس روایت کے بکثرت ہیں، بلکہ عشرہ مبشرہ

لہ نووی شرح صحیح مسلم میں ہے، کہ علماء کا اتفاق ہے، کہ دو کپڑوں میں نماز افضل ہے، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دو کپڑے ہر ایک کو میسر نہیں آسکتے، اگر دو کپڑے واجب ہوتے، تو نادار لوگ نماز سے عاجز آجاتے اور تنگ ہوجاتے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، کہ خدا نے تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے جو ایک کپڑے میں نماز پڑھی ہے، تو وہ بعض اوقات دوسرا کپڑا نہ ہونے کی وجہ سے پڑھی ہے اور بعض اوقات بیان جواز کے لئے، جیسے کہ حضرت جابر نے ایک کپڑے میں اس لئے نماز پڑھی، کہ ناواقف لوگ دیکھ لیں کہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے، ورنہ دو کپڑے افضل ہیں ۱۲ ۔ سلہ حدیث موضوع کی روایت اس آدمی کے لئے حرام ہے، جس کو اس کے موضوع ہونے کا علم ہو یا گمان غالب ہو، اور پھر اس کے موضوع ہونے کی وضاحت نہ کرے، تو وہ اس وعید میں داخل ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ بولنے والوں میں سے ایک وہ بھی ہے ۱۲ ۔ سلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو آدمی مجھ پر وہ بات کہے جو میں نے نہیں کہی، تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے ۱۲

بھی داخل ہیں، اور شرح شرح نخبۃ الفکر میں ہے۔ واتفقوا علی تحریم روایۃ الموضوع من علم بحالہ بسند اوغیرہ فی ای معنی کان من الاحکام والقصص والترغیب والترھیب وغیرھا الا مقرونا ببیانہ ای بیان انہ موضوع[1] انتہی۔ وفی شرح صحیح مسلم للنووی وقال الشیخ ابو محمد الجوینی والد امام الحرمین ابو المعالی من ائمۃ اصحابنا یکفر بتعمد الکذب علیہ صلی اللہ علیہ وسلم حکی امام الحرمین عن والدہ ھذا المذھب وانہ کان یقول فی درسہ کثیرا من کذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمدا کفر واریق دمہ انتہی۔ اور مجمع البحار جلد سوم میں ہے قال زید بن اسلم من عمل بخبر صح انہ موضوع فھو من خدم الشیطان[2] انتہی اور فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث میں ہے۔ وکیف کان الموضوع ای فی ای معنی کان من الاحکام او القصص او الفضائل او الترغیب او الترھیب او غیرھا لم یجیزوا وفیہ ایضا ولذا قال الخطیب یجب علی المحدث ان لا یروی شیئا من الاخبار الموضوعۃ فمن فعل ذلک باد بالاثم المبین ودخل فی جملۃ الکاذبین وکتب البخاری علی حدیث موضوع من حدث بھذا استوجب الضرب الشدید والحبس الطویل انتہی۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رسالہ عجالہ نافعہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ منجملہ شناخت وضعیت حدیث علامت ہشتم آن ست کہ افراط در وعید شدید بر گناہ صغیر یا افراط

---

[1] اس پر اتفاق ہے، کہ جس کو کسی روایت کے موضوع ہونے کا علم ہو جائے، خواہ وہ کسی قسم کی حدیث ہو، احکام سے ہو یا قصص اور ترغیب و ترہیب وغیرہ کے متعلق ہو، وہ اس کو بیان نہ کرے، اگر کرے تو اس کے موضوع ہونے کی وضاحت بھی کرے، ابو محمد جوینی اور امام الحرمین ابو المعالی نے کہا، ہمارے کچھ امام موضوع روایت بیان کرنے والے پر کفر کا فتوی دیا کرتے تھے، امام الحرمین کے والد کا یہی مذہب تھا، وہ اکثر درس میں کہا کرتے تھے، جو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے، وہ کافر ہے، اس کا خون مباح ہے۔"

[2] زید بن اسلم نے کہا جو شخص ایسی حدیث پر عمل کرے، جو موضوع ہو، وہ شیطان کا خادم ہے، فتح المغیث میں ہے موضوع حدیث جس مضمون کی بھی ہو اس کی روایت حرام ہے، خواہ وہ احکام سے تعلق رکھتی ہو یا قصص اور فضائل اور ترغیب و ترہیب کے متعلق ہو، خطیب نے کہا، محدث پر فرض ہے، کہ کسی موضوع اور باطل حدیث کی روایت نہ کرے اور جو ایسا کرے گا، وہ کذابوں کی جماعت میں شامل ہوگا، اور گنہ گار ہوگا، امام بخاری نے ایک موضوع روایت کے متعلق لکھا، جو یہ حدیث بیان کرے گا، وہ ضرب شدید اور حبس طویل کا مستحق ہے۔"

[3] موضوع حدیث کی شناخت کی آٹھویں علامت یہ ہے، کہ اس میں کسی معمولی گناہ پر بہت سخت وعید بیان کی

وعد عظیم بر فعل قلیل چنانچہ من صلی رکعتین فلہ سبعون الف دار فی کل دار سبعون الف بیت و فی کل بیت سبعون الف سریر وعلی کل سریر الف جاریۃ بلکہ احادیث این نسق را خواہ در عذاب باشند خواہ در ثواب موضوع باید شناخت انتہی پس عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے میں دس ہزار نیکی کا حاصل ہونا اور اسی طرح ایک نماز عمامہ کے ساتھ پچیس نماز کا برابر ہونا، اور ایک جمعہ باعمامہ ستر جمعہ کے برابر ہونا، اور ایک نماز انگوٹھی کے ساتھ ستر نماز بغیر انگوٹھی کے برابر ہونا سراسر ثبوت علامت وضعیت ہے، علاوہ اس کے تصریح کی ہے ملا علی قاری نے اپنی کتاب موضوعات کبیر میں۔ حدیث صلوۃ بخاتم تعدل سبعین صلوۃ بغیر خاتم موضوع کما قالہ العسقلانی وکذا صلوۃ بعمامۃ تعدل بخمس وعشرین صلوۃ وجمعۃ بعمامۃ تعدل سبعین جمعۃ والصلوۃ فی العمامۃ بعشرۃ الاف حسنۃ قال المتوفی فذلک کلہ باطل وقال السخاوی حدیث صلوۃ بخاتم تعدل بسبعین بغیر خاتم ہو موضوع کما قال شیخنا عن شیخہ وکذا ما اوردہ الدیلمی من حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ مرفوعا صلوۃ بعمامۃ تعدل بخمس وعشرین وجمعۃ بعمامۃ تعدل سبعین جمعۃ ومن حدیث انس مرفوعا الصلوۃ فی العمامۃ بعشرۃ الاف حسنۃ قلت روی ابن عمر نقلہ السیوطی عن ابن عساکر فی جامعہ الصغیر مع التزامہ بان لا یذکر فیہ الموضوع (ترجمہ) یہ حدیث کہ ایک نماز انگوٹھی کے ساتھ ستر نمازوں کے برابر ہے، جو بغیر انگوٹھی کے پڑھی گئی ہوں موضوع ہے یعنی بنائی ہوئی بات ہے، جیسا کہ عسقلانی نے کہا ہے، اور ایسے ہی یہ حدیث موضوع ہے، کہ ایک نماز پگڑی سے پچیس نمازوں کے برابر ہے، اور ایک جمعہ پگڑی سے ستر جمعوں کے برابر ہے، اور ایک نماز پگڑی میں دس ہزار نیکی کے برابر ہے، کہا متوفی نے یہ سب باطل ہیں کہا سخاوی نے یہ حدیث کہ ایک نماز انگوٹھی سے ستر نمازوں کے برابر ہے جو بغیر انگوٹھی کے ہوں موضوع ہے، جیسے کہ ہمارے شیخ نے اپنے شیخ سے نقل کیا ہے، اور ایسے ہی موضوع ہے وہ حدیث جس کو دیلمی نے ابن عمر سے مرفوع روایت کیا ہے، کہ ایک نماز پگڑی سے پچیس نمازوں کے برابر ہے، اور ایک جمعہ پگڑی سے ستر جمعوں کے برابر ہے، اور ایک نماز پگڑی سے دس ہزار نیکی کے برابر ہے، میں کہتا ہوں، اس کو سیوطی نے جامع الصغیر میں ابن عساکر سے اس کے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، باوجودے کہ اس نے التزام کیا ہے، کہ میں اس

گئی ہو یا کسی چھوٹے سے عمل پر بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا گیا ہو جیسے یہ حدیث کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھے اس کو ستر ہزار مکان ملیں گے، ہر مکان میں ستر ہزار کمرے ہوں گے، ہر کمرے میں ستر ہزار تخت بچھے ہوں گے اور ہر تخت پر ایک ہزار لونڈی ہوگی" پس ایسی حدیثوں کو خواہ وہ ثواب کے متعلق ہوں یا عذاب کے متعلق موضوع سمجھ لینا چاہیے ۱۲

میں کوئی موضوع حدیث ذکر نہ کروں گا، انتہی، اور شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی اپنی کتاب المقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتہرۃ علی الالسنۃ میں فرماتے ہیں حدیث العمائم تیجان العرب الدیلمی من جہۃ ابی نعیم ثم من جہۃ ابن عباس مرفوعا بزیادۃ و الاحتباء حیطانہا وجلوس المؤمن فی المسجد رباطہ وھو کذلک عند القضاعی من حدیث علی مرفوعا ایضا لکن قد اخرجہ البیہقی عن الزھری من قولہ ولفظہ العمائم تیجان العرب والحبوۃ حیطان العرب والاضطجاع فی المسجد رباط المؤمنین وللدیلمی بلفظ الترجمۃ من حدیث ابن عباس ایضا بزیادۃ فاذا وضعوا عمائمہم وفی لفظ عندہ العمائم وقار المؤمن وعز العرب فاذا وضعت العرب عمائمہا وقد خلعت عزھا وکذا للبیہقی بلفظ الترجمۃ بزیادۃ واعتموا تزدادوا حلما وفی الباب مما یشبہ بلفظ تعمموا تزدادوا حلما والعمائم تیجان العرب سوی ماذکر وکلہ ضعیف ومنہ للبیہقی فی الشعب عن ابن عباس مرفوعا علیکم بالعمائم فانہا سیما الملائکۃ فارخوھا خلف ظہورکم وقد استطرد بعض الحفاظ ممن جمع فی العذبۃ وسدل العمامۃ بخصوصہما لما استحضرہ من ھذا المعنی والضا ھو عند الطبرانی ثم الدیلمی عن ابن عمر ومما لایثبت ما اوردہ الدیلمی فی مسندہ عن ابن عمر رفعہ صلوۃ بعمامۃ تعدل بخمس وعشرین صلوۃ وجمعۃ بعمامۃ تعدل سبعین جمعۃ وفیہ ان الملائکۃ یشہدون الجمعۃ متعممین ویصلون علی اھل العمائم حتی یغیب الشمس وفی لفظ عنہ ایضا جمعۃ بعمامۃ افضل من سبعین جمعۃ بلاعمامۃ وعنہ وعن ابی ھریرۃ معا ان للہ عزوجل ملائکۃ

لہ مندرجہ ذیل احادیث موضوع ہیں "پگڑیاں عرب کا تاج ہیں" "احتبا عرب کی فصیل ہے اور مومن کا مسجد میں بیٹھنا رباط ہے" "پگڑیاں عرب کا تاج ہیں، اور حبوہ عرب کی فصیل ہے اور مسجد میں لیٹنا مومن کا رباط ہے" جب عرب لوگ پگڑیاں اتار دیں گے تو ذلیل ہو جائیں گے" "پگڑیاں باندھا کرو تم میں بردباری زیادہ ہو جائے گی پگڑیاں باندھا کرو، فرشتوں کا نشان ہے اور ان کو اپنی پیٹھ پیچھے لٹکا دیا کرو" پگڑی سے نماز پڑھنا پچیس گنا اجر رکھتا ہے اور پگڑی سے جمعہ پڑھنا ستر جمعوں کے برابر ہے" "فرشتے جمعہ میں پگڑیاں باندھ کر آتے ہیں اور سورج غروب ہونے تک پگڑی والوں کے لئے دعائیں مانگتے ہیں" پگڑی سمیت جمعہ بغیر پگڑی کے جمعہ سے ستر گنا زیادہ اجر رکھتا ہے" "اللہ کے کچھ فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے رہتے تھے اور سفید پگڑی والوں کے لئے استغفا

وقوف بباب المسجد یستغفرون لاصحاب العمائم البیض. وعن جابر رکعتان بعمامۃ افضل من سبعین بغیرھا. وعن ابی الدرداء ان اللہ وملائکتہ یصلون علی اصحاب العمائم یوم الجمعۃ وعن علی العمامۃ حاجز بین المسلمین والمشرکین وعن رکانۃ فرق ما بین المشرکین العمائم علی القلانس وبعضہا وھی من بعض انتہی کلامہ. ایسا آدمی قابل الزام شرعی ہوگا ومرتکب کبیرہ. کما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فھو احد الکاذبین رواہ مسلم فی صحیحہ عن سمرۃ بن جندب وعن المغیرۃ بن شعبۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذلک وفی مختصر الجرجانی ولا یحل روایۃ الموضوع للعالم بحالہ فی ای معنی کان الا مقرونا ببیان الوضع انتہی واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب والیہ المرجع والمآب. اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔

حررہ الراجی عبد ربہ المتین محمد امین الحسینی الحسنی تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والمبین والدقیق والسمین۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مردوں اور بچوں کو چاندی کا زیور پہننا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو زیور عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں وہ مردوں کے لئے حرام ہیں، مردوں کو ان زیوروں کا پہننا جائز نہیں، مشکوۃ شریف ۳۷۲ میں ہے۔ عن ابن عباس رضی لعن اللہ المتشبھین بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال رواہ البخاری، ونیز اسی کتاب صفحہ ۳۷۵ میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرجل یلبس لبسۃ المرأۃ والمرأۃ تلبس لبسۃ الرجل رواہ ابو داؤد۔ اور جو چیز مردوں کے لئے حرام ہے وہ بچوں

کرتے ہیں۔ "پگڑی کے ساتھ دو رکعتیں بغیر عمامہ کے ستر رکعت سے افضل ہیں" "جمعہ کے دن پگڑی والوں پر فرشتے اور خداوند تعالیٰ صلوۃ بھیجتے ہیں" "مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان پگڑی کا فرق ہے" "ہمارا اور مشرکوں کا فرق یہ ہے کہ ہم ٹوپی پر پگڑی باندھتے ہیں" ۱۲

لے جس آدمی کو کسی حدیث کے موضوع ہونے کا گمان ہو اور پھر بھی وہ اس کو روایت کرے، موضوع حدیث کی روایت عالم کو جائز نہیں ہے، مگر اس صورت میں کہ اس کے موضوع ہونے کی وضاحت کرے ۱۲

سے اللہ تعالیٰ مردوں پر لعنت کرے، جو عورتوں کا سا لباس پہنیں، اور ان عورتوں پر جو مردوں کا سا لباس لگائیں، یہ روایت بخاری اور ابوداؤد میں ہے ۱۲

کے لئے بھی حرام ہے لہذا ان زیوروں کا پہننا لڑکوں کو بھی جائز نہیں، اور چاندی کا وہ زیور جو عورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، جیسے بٹن اور سیف و منطقہ کا حلیہ، سو مردوں اور لڑکوں کے لئے اس کے حرام ہونے کی کوئی دلیل صحیح میری نظر سے نہیں گذری، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ — سید محمد نذیر حسین

مسئلہ:- واضح ہو کہ عورتوں کو چاہیئے، کہ درمیانہ آواز سے قرآن شریف پڑھا کریں، نہ بہت آہستہ اور نہ بہت چیخ کر پڑھیں، ایسا ہی حکم شریعت کا ہے، اور زیور گھنگرو دار عورت کو پہننا منع ہے، اور باقی زیور پہننا درست ہے شرعاً۔ راقم سید عبدالسلام عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین — سید محمد عبدالسلام غفرلہ ۱۲۹۹ — سید محمد ابوالحسن ۱۳۰۵

ھو الموفق:- بے شک عورتوں کو گھنگرو دار زیور پہننا منع ہے، مشکوۃ شریف میں ہے،

عن بنانۃ مولاۃ عبدالرحمٰن ابن حیان الانصاری کانت عند عائشۃ اذ دخلت علیہا بجاریۃ وعلیہا جلاجل یصوتن فقالت لا تدخلنہا علی الا ان تقطع جلاجلہا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ جرس رواہ ابوداود۔ یعنی بنانہ سے روایت ہے، کہ وہ حضرت عائشہ رضہ کے پاس تھیں، ناگاہ ایک لڑکی داخل ہوئی، اور اس پر گھنگرو تھے، جو آواز دے رہے تھے، پس حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا، کہ یہ لڑکی میرے پاس ہرگز داخل نہ ہو، مگر اپنے گھنگروں کو کاٹ کر، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، کہ آپ فرماتے تھے، کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں گھنگرو ہوتے ہیں روایت کیا اس حدیث کو ابوداود نے، اور عبداللہ بن زبیر رضہ سے روایت ہے، کہ ایک لونڈی حضرت زبیر کی لڑکی کو لے کر حضرت عمر رضہ کے پاس گئی، اور اس لڑکی کے پیر میں گھنگرو تھے، تو آپ نے اس کے گھنگروں کو کاٹ ڈالا اور کہا، کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے ہر گھنگرو کے ساتھ ایک شیطان ہے، روایت کیا اس حدیث کو ابوداود نے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، حررہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری، عفا اللہ عنہ۔

مسئلہ:- اندازہ چھوڑنے شملہ کا کس قدر چاہیئے، حدیث صحیح میں بروایت مشہورہ صحیحہ سے ثابت نہیں ہوتا، مگر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں، کہ نصف پشت تک چھوڑنا شملہ کا مستحب ہے، چنانچہ کنز الدقائق و تنویر الابصار وغیرہ میں مذکور ہے وندب[1] لبس السواد وارسال ذنب

---

[1] سیاہ پگڑی پہننا مستحب ہے، اور شملہ آدھی پیٹھ تک کندھوں کے درمیان لٹکانا چاہیئے، کیونکہ رسول اللہ صلی

العمامۃ بین کتفیہ الی وسط الظہر کانہ علیہ السلام کان یفعل ذلک وقیل قدر شبر وقیل الی موضع الجلوس کذا فی العینی شرح الکنز اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی ترجمہ مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں اقل مقدار عذبہ چہار انگشت است واکثر یک دست وتطویل آن متجاوز از نصف ظہر بدعت است وداخل اسبال واسراف ممنوع واگر بطریق تکبر وخیلا باشد حرام والا مکروہ مخالف سنت وگفتہ اند کہ تخصیص ارسال عذبہ بوقت نماز نیز موافق سنت نیست وصواب آن است کہ ارسال عذبہ مستحب است واز سنن زوائد مقابل سنن ہدی در ترک آن لومے واساءتے نیست اگرچہ در فعل آن ثوابے وفضیلتے باشد وقول بودن او سنت مؤکدہ خلاف تحقیق است انتہی کلامہ۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زیور سونے کا عورتوں کو پہننا درست ہے یا نہیں بعض لوگ کہتے ہیں، کہ یہ حدیث میں منع آیا ہے۔

الجواب:۔ ارباب فطانت پر مخفی نہیں، کہ مباح ہونا زیور سونے اور چاندی کا عورتوں کے حق میں چند آیات قرآن مجید سے دلالۃ واضح ہوتا ہے، چنانچہ سورہ زخرف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اومن ینشؤ فی الحلیۃ وھو فی الخصام غیر مبین ۰ ترجمہ، آیا آن راکہ پروردہ می شود در زیور واو در صفت خصومت ظاہر نمی گردد کذا فی فتح الرحمن لشاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ، اور ایسا شخص کہ پلتا ہے گہنے ہیں، اور جھگڑے میں بات نہ کہہ سکے، ترجمہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ، اور تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ میں مذکور ہے۔ ا ومن ینشؤ یغذی ویربی فی الحلیۃ حلیۃ الذھب والفضۃ وھو فی الخصام فی الکلام غیر مبین غیر ثابت الحجۃ وھن النساء انتہی قال الکیا فیہ دلیل علی اباحۃ الحلی

اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے، بعض کہتے ہیں، کہ ایک بالشت شملہ ہو بعض مقعد تک کہتے ہیں۔

سلہ شملہ کم از کم چار انگشت تک ہونا چاہیے، اور زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ، اور آدھی پیٹھ سے زیادہ شملہ بدعت ہے، اور اگر تکبر و فخر کی نیت سے زیادہ رکھے، تو حرام ہے ورنہ مکروہ، بعض علماء شملہ لٹکانے کو سنت کے خلاف کہتے ہیں، اور صحیح یہ ہے، کہ مستحب ہے، سنن زوائد میں سے ہے، اگر ایسا نہ کرے تو گناہ نہیں ہے، اگر کرے تو ثواب کی امید ہے، اور اس کو سنت مؤکدہ کہنا خلاف تحقیق ہے۔ ۲ھ کیا جو زیورات میں پلا ہوا اور جھگڑے کے وقت کھل کر بات نہ کر سکے، یعنی دلیل قائم نہ کر سکے، اور یہ عورتیں ہیں، اس آیت سے عورتوں

للنساء واخرج ابن ابی حاتم عن ابی العالیۃ انہ سئل عن الذھب للنساء فلم یر بہ باسا و تلا ھذہ الآیۃ کذا فی تفسیر الاکلیل للشیخ جلال الدین السیوطی المسئلۃ الثالثۃ فدلت الآیۃ علی ان الحلی مباح للنساء انتہی ما فی التفسیر الکبیر مختصرا پس لفظ ینشؤ فی الحلیۃ سے مستفاد ہوا کہ حرص مفرط زینت زیور کی عورت کو جبلی اور خلقی ہے، اور خدا تعالیٰ نے اس کی حرص میں ان کو معذور رکھا اور اس کی نہی نہیں فرمائی بلکہ اس میں اباحت دلالۃ پائی گئی کما لا یخفی علی المتامل المتفطن اور اس زینت کا بیان بخوبی سورہ نور میں مذکور ہے قولہ تعالیٰ ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا فسرہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بالوجہ والکفین اخرجہ ابن ابی حاتم فاستدل بہ من اباح النظر الی وجہ المراۃ وکفیھا حیث لا فتنۃ وفسرہ ابن مسعود بالثیاب وفسر الزینۃ بالخاتم والسوار والقرط والقلادۃ والخلخال اخرجہ ابن ابی حاتم ایضا وقولہ تعالیٰ ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن فیہ النھی عن تحریک رجلھا بالخلخال عند السمع صوتہ انتہی ما فی الاکلیل للسیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما میں مذکور ہے ولا یبدین زینتھن الدملوج[1] والوشاح وغیر ذلک ولا یضربن بارجلھن احداھما بالاخری لیقرع الخلخال بالخلخال انتہی قال اکثر المفسرین الزینۃ ھھنا ارید بھا امور ثلاثۃ احدھا الاصباغ کالکحل والخضاب بالوسمۃ فی حاجبیھا والغمرۃ فی خدیھا والحناء فی کفیھا وقدمیھا وثانیھا الحلی کالخاتم والسوار والخلخال والدملج والقلادۃ والاکلیل والوشاح والقرط وثالثھا الثیاب

کو زیور پہننا مباح معلوم ہوتا ہے، ابو العالیہ سے عورتوں کو زیور پہننے کے متعلق سوال کیا گیا، تو انہوں نے کہا، کہ کوئی حرج نہیں ہے علامہ سیوطی تفسیر اکلیل میں لکھتے ہیں تیسرا مسئلہ یہ ہے، کہ اس آیت سے عورتوں کو زیور پہننا جائز معلوم ہوتا ہے ۱۲
لے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں، مگر جو خود بخود کھلی ہوتی ہے ابن عباس نے کہا اس سے چہرہ اور ہاتھ مراد ہیں اور اس سے استدلال کیا ہے، کہ اگر فتنہ کا خوف نہ ہو، تو عورت کے چہرہ اور ہاتھوں کو دیکھنا جائز ہے ابن مسعود نے اس سے مراد کپڑے لئے ہیں، اور زینت کی تفسیر انگوٹھی کنگن، بالیاں، ہار جھانجھر وغیرہ سے کی ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کہ اپنے پاؤں کو زمین پر نہ ماریں، کہ ان کی مخفی زینت کا پتہ چلتا رہے اس میں کڑیاں جھانجھر پہن کر عمداً پاؤں کو حرکت دینے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، کہ اس کی آواز سنی جاتی ہو ۱۲ ؎۲ اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت یعنی بازو بند ہار وغیرہ اور پاؤں ایک دوسرے سے نہ ٹکرائیں تاکہ جھانجھر کی آواز آئے اکثر مفسرین نے کہا ہے، کہ یہاں زینت سے تین چیزیں مراد ہیں ایک تو سرمہ خضاب وسمہ مہندی وغیرہ اور دوسری زیور جیسے انگوٹھی کنگن کڑیاں، بازو بند، ہار، بالیاں وغیرہ اور تیسرے کپڑے

[1] الدملوج۔ بالضم، بازو بند ۱۲ صراح۔ ابو سعید ۱۲

انتہی ما فی التفسیر النیسابوری والکبیر اور سورہ رعد میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ومما یوقدون علیہ فی النار ابتغاء حلیۃ او متاع ۔ وازانچہ می گدازند ش در آتش بطلب پیرایہ یا بطلب رخت خانہ فتح الرحمن ۔ اور جس چیز کو دھونکتے ہیں آگ میں واسطے زیور کے یا اسباب کے[1]۔ ابتغاء حلیۃ طلب حلیۃ تلبسونہا یقول مثل الحق مثل الذہب والفضۃ ینتفع بہا کذلک الحق ینتفع بہ صاحبہ انتہی ما فی تفسیر ابن عباس رض ابتغاء حلیۃ او متاع ای بطلب اتخاذ حلیۃ وہی ما یتزین بہ و یتجمل بہ کالحلی المتخذۃ من الذہب والفضۃ قولہ ابتغاء حلیۃ قال اہل المعانی الذی یوقد علیہ لابتغاء الحلیۃ الذہب والفضۃ والذی یوقد علیہ لابتغاء الامتعۃ الحدید والنحاس والرصاص والاسرب کذا فی التفسیر الکبیر والمقصود من ذلک بیان منافعہا کذا فی البیضاوی الحلی بضم الحاء وکسر اللام والیاء المشددۃ اصلہ حلوی فعلل جمع حلی بالفتح اسم لکل ما یتزین بہ من مصاغ الذہب و الفضۃ کذا فی نہایۃ الجزری اور خاص کرنا چاندی کو تخصیص بلا مخصص اور مخالف سوق آیات قرآنیہ کے ہے کما لا یخفی علی المتامل الماہر اور اباحت زیور سونے کی عموماً عورتوں کو ثابت ہوتی ہے صحیح بخاری اور مسلم سے باب العرض فی الزکوۃ[2] وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تصدقن ولو من حلیکن فجعلت المرأۃ تلقی خرصہا وسخابہا کذا فی صحیح البخاری، حلی یعنی زیور عام ہے سونے کا ہو یا چاندی کا لقولہ تعالیٰ من حلیہم عجلا جسدا الآیۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو فرمایا کہ صدقہ یعنی زکوۃ نکالو اگرچہ تمہارے زیوروں سے ہو۔ اور زیور دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ الخرص بالضم ویکسر حلقۃ الذہب والفضۃ او حلقۃ القرط او الحلقۃ الصغیرۃ کذا فی القاموس خرص بالضم والکسر حلقہ زر و نقرہ کذا فی الصراح وسخاب

؎ زیور چاہنے کے لئے جن کو تم پہنتے ہو، حق کی مثال سونے اور چاندی کی ہے، کہ ان سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح حق سے بھی نفع حاصل ہوتا ہے، حلیہ وہ ہے جس سے زینت حاصل کی جاتی ہے، جو کہ سونے چاندی سے بنائے جاتے ہیں، اہل معانی نے کہا ہے، کہ سونے کو آگ میں ڈالا جاتا ہے تاکہ اس سے زیور تیار کیا جائے اور لوہا، پیتل، تانبہ، سکہ، سلور کو اس لئے آگ میں ڈالا جاتا ہے، کہ اس سے سامان تیار کیا جائے اور اس سے مقصد منافع کا بیان ہے۔ ؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عورتو! صدقہ کرو، اگرچہ اپنے زیوروں ہی سے کرو، تو عورتیں اپنے بازو بند اور ہار اتار کر پھینکنے لگیں۔ ؎ ان کے زیوروں سے ایک بچھڑے کا وجود۔

(۱) ترجمہ شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ ۱۲ (۲) وصلہ المؤلف فی کتاب العیدین ۱۲

بکسر سین مہملہ و خاء معجمہ قلادہ یعنی گردن بند فارسی یعنی جو زیور گلے میں پہنا جاتا ہے، ہر عرف میں پس سخاب بھی عام ہے، سونے کا ہو یا چاندی وغیرہ کا ہر شخص حسب مقدور بنا تا ہے زینت کے واسطے و قرط بالضم گوشوارہ پس گوشوارہ بھی عام ہے چاندی کا ہو یا سونے کا، مرصع وجڑاؤ ہو، یا نہ ہو، اور امام بخاری نے کتاب اللباس میں ذکر کیا ہے۔ باب الخاتم للنساء وکان علی عائشۃ خواتیم الذھب حدثنا ابو عاصم قال اخبرنا ابن جریج قال اخبرنا الحسن بن مسلم عن طاؤس عن ابن عباس قال شھدت العیدین مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصلی قبل الخطبۃ قال ابو عبد اللہ وزاد ابن وھب عن ابن جریج فاتی النساء فجعلن یلقین الفتخ والخواتیم فی ثوب بلال انتہی ھکذا فی صحیح مسلم قال ابن درید کل ما علق من شحمۃ الاذن فھو قرط سواء کان من ذھب او خرز انتہی ما نقل النووی فی شرح مسلم اور امام بخاری نے باب حسن المعاشرۃ مع الاھل کا منعقد کیا، گیارہ عورتوں کے قصہ میں۔ قالت الحادیۃ عشرۃ زوجی ابو زرع فما ابو زرع اناس من حلی اذنی کہا گیارھویں نے شوہر میرا ابو زرع ہے، پس کیا خوب شخص ابو زرع ہے، ہلا دیا اور بھاری کر دیا زیوروں سے میرے دونوں کانوں کو بعد بیان تمام حدیث کے حضرت عائشہ فرماتی ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنت لک کابی زرع لام زرع انتہی ما فی صحیح البخاری وصحیح مسلم مختصرا۔ پس ابو زرع کے قصہ سے صاف واضح ہوا، کہ اس مرد مخیر صاحب ثروت اور دولت نے ام زرع کے دونوں کانوں میں بالے بالیاں سونے اور چاندی کی بنادی تھیں، بلکہ مورد مدح اور اہتمام زینت خاص زیور سونے کو مقتضی اور مرجح ہے، اور ہر ذی مقدور چاندی کے زیور کو عیب رکھتا ہے، خصوصاً کان کے زیور میں، اسی بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس خواتیم ذہب کی تھیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مبارک کو ابو زرع کے ساتھ تشبیہ دی، اور امام نووی شارح مسلم نے تحت جملہ اناس من حلی اذنی کے لکھا ہے۔ معناہ حلانی قرطا وشنوفا فھی تتحرک لکثرتھا

سلہ حضرت عائشہ رض کے پاس سونے کی انگوٹھیاں تھیں، ابن عباس کہتے ہیں، کہ میں عیدین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا آپ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھی پھر آپ عورتوں کے پاس آئے، وہ اپنی انگوٹھیاں اور گوشوارے بلال کی چادر میں پھینکنے لگیں، کان میں جو حلقہ لٹکایا جائے وہ بالی ہے، خواہ سونے کا ہو یا چاندی کا یا موتیوں کا۔"

سلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تیرے لئے ایسا ہوں جیسے ام زرع کے لئے ابو زرع تھا۔"

انتہی کلام الشارح وفی روایۃ ابن السکیت اخرنی وفرعی وفرعا الانسان یداھا والحلی حینئذ یعم القرط والشنف والسوار والمعضد وتنکیر حلی وشحم للتکثیر کذا من الفائق بالی نوعے از زیور کہ از سیم و زر سازند و در گوش آویزند پس اگر در نرمہ گوش آویزند بعربی آن را قرط بضم قاف و سکون را مہملہ و طا مہملہ گویند و اگر در اعلائے گوش آویزند بعربی آن را شنف بفتح شین معجمہ و سکون نون و فا در آخر گویند و بفارسی ہمہ را گوشوار و گوشوارہ و آویزہ گوش گویند کذا فی نفائس اللغات الغرض حدیث صحیح بخاری اور مسلم سے حلی عام مستفاد ہوتا ہے سونے کی قسم ہو یا چاندی کی قسم سے اور تخصیص چاندی بلا مخصص اور بلا مرجح باطل ہے، بلکہ مویدات طلائی آگے تحریر ہوتی ہیں۔ فی ابی داؤد فی باب الکنز ما ھو وزکوۃ الحلی حدثنا ابو کامل وحمید بن مسعدۃ المعنی ان خالد بن الحارث حدثہم قال حدثنا حسین عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان امرأۃ اتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومعھا ابنۃ لھا وفی ید ابنتھا مسکتان غلیظتان من ذھب فقال لھا اتعطین زکوۃ ھذا قالت لا قال ایسرک ان یسورک اللہ بھما یوم القیمۃ سوارین من نار قال فخلعتھما فالقتھما الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت ھما للہ ولرسولہ انتہی ما فی ابی داؤد وھکذا رواہ النسائی قال الحافظ عبد العظیم المنذری لعل الترمذی قصد الطریقین الذین ذکرھما والا فطریق ابی داؤد لا مقال فیھا ثم بینھا رجلا رجلا کذا فی المحلی شرح موطا مالک رواہ ابو داؤد قال فی فتح القدیر قال ابو الحسن بن قطان اسنادہ صحیح وقال المنذری فی مختصرہ اسنادہ لا مقال فیہ وایضا اخرج ابو داؤد عن ام سلمۃ قالت کنت البس اوضاحا من ذھب فقلت

لہ مطلب یہ ہے، کہ اس نے میرے کانوں کو بالیوں اور مرکیوں سے جھولا دیا، ابن سکیت کی روایت یں یہ ہے، کہ میرے کانوں اور ہاتھ، پاؤں کو زیور سے بھر دیا یعنی بالیاں، مرکیاں، کنگن، بازو بند، بالی وہ حلقہ ہے، جو نرمہ گوش میں پہنا جائے، اور جو کان کے اوپر کے حصہ میں پہنی جائے اسے مرکی کہتے ہیں، عربی میں پہلی کو قرط اور دوسری کو شنف کہتے ہیں، اور فارسی میں سب کو گوشوارہ کہا جاتا ہے ۱۲

سہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اس کے ساتھ ایک خورد سال بچی تھی اس کے ہاتھوں میں سونے کے ٹھوس کنگن تھے، آپ نے اس سے فرمایا، کیا ان کی زکوۃ ادا کرتی ہو؟ کہنے لگی کہ نہیں، آپ نے فرمایا، تو کیا تم کو یہ پسند ہے، کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تجھے اس کے بدلے میں آگ کے کنگن پہنائے، چنانچہ اس نے ان کو اتار کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے رکھ دیا، اور کہا یہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں، اس حدیث کی

یارسول اللہ اکنزھو فقال ما بلغ ان تؤدی زکوتہ فزکی فلیس بکنز واسنادہ جید کذا فی المحلی باب فی الحریر للنساء عن عبد اللہ بن زریر انہ سمع علی بن ابی طالب یقول ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ حریرا فجعلہ فی یمینہ واخذ ذھبا فجعلہ فی شمالہ ثم قال ان ھذین حرام علی ذکور امتی رواہ ابوداود فی سننہ وفی النسائی فی باب تحریم لبس الذھب عن ابی موسی الاشعری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ عزوجل احل لاناث امتی الحریر والذھب وحرمہ علی ذکورھا انتہی تحریم الذھب علی الرجال عن عبد اللہ بن زریر انہ سمع علی بن ابی طالب یقول ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ حریرا فجعلہ فی یمینہ واخذ ذھبا فجعلہ فی شمالہ ثم قال ان ھذین حرام علی ذکور امتی انتہی ما فی النسائی. اس حدیث کو نسائی نے چار طریق سے روایت کیا ہے علی مرتضےٰ سے اور ایک طریق ابوموسی اشعری سے، اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو حضرت علی رض سے روایت کیا ہے، اور نیز حضرت عائشہ رض سے قالت اھدی النجاشی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حلقۃ فیھا خاتم ذھب فیہ فص حبشی فاخذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعود وانہ لمعرض عنہ او ببعض اصابعہ ثم دعا بابنۃ ابنتہ امامۃ بنت ابی العاص فقال تحلی بھذا یا بنیۃ انتہی ما فی ابن ماجہ اور ابوداود نے بھی باب ما جاء فی الذھب للنساء کا منعقد کیا ہے، حدثنا ابن نفیل ثنا محمد بن سلمۃ عن محمد بن اسحاق قال حدثنی یحیی بن عباد عن ابیہ عن عباد بن عبد اللہ عن عائشۃ قالت قدمت علی

صحیح ہے، ام سلمہ کہتی ہیں کہ میرے پاس سونے کی کڑیاں تھیں، میں ان کو پہنتی تھی، میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ خزانہ ہے؟ آپ نے فرمایا، اگر یہ نصاب کو پہنچ جائیں، اور تو اس کی زکوٰۃ ادا کرے، تو پھر خزانہ نہیں ہے، اس کی سند بھی اچھی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ میں ریشم پکڑا، اور بائیں میں سونا، اور فرمایا یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں، اور آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کی عورتوں کے لئے ریشم اور سونا حلال کیا ہے، اور مردوں پر حرام ۱۲

لے نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سونے کی انگوٹھی ہدیہ بھیجی، اس میں حبشی نگینہ جڑا ہوا تھا، آپ نے لکڑی سے اس کی طرف اشارہ کرکے اپنی نواسی امامہ بنت ابو العاص سے کہا بیٹی یہ پہن لے (ابن ماجہ)

النبی صلی اللہ علیہ وسلم حلیۃ من عند النجاشی اھداھا لہ فیھا خاتم ذھب فیہ فص حبشی قالت فاخذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعود معرضا عنہ او ببعض اصابعہ ثم دعا امامۃ بنت ابی العاص ابنۃ زینب فقال تحلی بھذا یا بنیۃ انتہی وقال الترمذی فی باب ماجاء فی الحریر والذھب للرجال حدثنا اسحق بن منصور ثنا عبد اللہ بن نمیر ثنا عبید اللہ بن عمر عن نافع عن سعید بن ابی ھند عن ابی موسی الاشعری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال حرم لباس الحریر والذھب علی ذکور امتی واحل لاناثھم وفی الباب عن عمر وعلی و عقبۃ بن عامر وھانی وانس وحذیفۃ وعبد اللہ بن عمرو وعمران بن حصین و عبد اللہ بن الزبیر وجابر وابی ریحانۃ وابن عمر والبراء ھذا حدیث حسن صحیح انتہی مافی الترمذی وفی المشکوٰۃ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی انتہی وفی بلوغ المرام عن ابی موسی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال احل الذھب و الحریر لاناث امتی وحرم علی ذکورھم رواہ احمد والنسائی والترمذی وصححہ انتہی حلال ہونا سونے اور حریر کا عورتوں کو اور حرام ہونا ان دونوں کا مردوں پر سولہ صحابی سے مروی ہے چنانچہ واقفان حدیث پر مخفی نہیں ہے۔ وفی الباب عن علی بن ابی طالب عند احمد و ابی داؤد والنسائی وابن ماجہ وابن حبان بلفظ اخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حریرا فجعلہ فی یمینہ واخذ ذھبا فجعلہ فی شمالہ ثم قال ان ھذین حرام علی ذکور امتی زاد ابن ماجہ حل لاناثھم وبین النسائی الاختلاف فیہ علی یزید بن ابی حبیب قال الحافظ وھو اختلاف لایضر ونقل عبد الحق عن ابن المدینی انہ قال حدیث حسن ورجالہ معروفون انتہی مافی نیل الاوطار للعلامۃ الشوکانی، ہرگاہ علی بن مدینی نے اس حدیث کی تحسین کی، اور اس کے راویوں کو معروف بالعدالت کہا تو پھر اس کی تضعیف کون کرسکتا ہے۔ علی بن عبد اللہ المدینی البصری ثقۃ ثبت امام

سلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ریشمی لباس اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام ہے، اور عورتوں کے لئے حلال ہے (ابوداؤد)۱۲ سلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ میں ریشم پکڑا، اور بائیں میں سونا، اور فرمایا یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں، اور عورتوں کے لئے حلال ہیں ۱۲

سلہ علی بن عبد اللہ مدینی بصری حدیث میں اپنے زمانے کے امام تھے، امام بخاری نے کہا، مجھ کو اپنا آپ

اعلموا اهل عصره بالحديث وعلله حتى قال البخاری ما استصغرت نفسی الا عنده و قال شیخه ابن عیینۃ انعلومنه اکثر ما یتعلومنی وقال النسائی کان الله خلقه للحدیث کذا فی التقریب للعسقلانی۔ پس تحریر ماسبق سے استعمال زیور سونے کا عورت کے حق میں بلاریب ثابت ہوا، اور حدیث وعید نار کی باعتبار نفس استعمال زیور سونے کے عورتوں کو معارض اور مقابل دلائل مذکورہ بالا کے ہرگز نہیں ہو سکتی، چند وجوہ سے۔

وجہ اول، یہ کہ دلائل جواز بنظر قوت اور کثرت کے ارجح و اکثر ہیں، اور حدیث وعید نار مرجوح اور کمتر کیونکہ دلیل جواز پر آیات قرآنیہ اور حدیث بخاری و مسلم وغیرہ شاہد عدل ہیں بخلاف حدیث وعید نار کے کما لایخفی علی المتتبع الماہر۔

وجہ دوم، یہ کہ حدیث حرمت کی عورتوں کے حق میں منسوخ ہے بدلیل آیات قرآنیہ و حدیث صحیحین اور روایت سولہ سترہ صحابی کی اس لئے کہ اکثر پر منسوخ کا مخفی رہنا نہایت مستبعد اور خلاف عادت ہے، بنا بر اس کے محی السنۃ بغوی وغیرہ نے حدیث وعید نار کو منسوخ کہا ہے، شرح السنۃ میں ہے۔ قال البغوی هذا الحدیث منسوخ بحدیث ابی موسی الاشعری انه صلی الله علیه وسلم قال احل الذهب والحریر للاناث من امتی کذا فی المرقاۃ وغیرہ، اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ شرح نسائی میں لکھتے ہیں۔ یا معشر النساء اما لکن فی الفضۃ ما تحلین اما انه لیس منکن امراۃ تحلت ذهبا تظهره الاعذبت به هذا منسوخ بحدیث ان هذین حرام علی ذکور امتی حل لاناثها قال ابن شاهین فی ناسخه کان فی اول الامر تلبس الرجال خواتیم الذهب وغیر ذلک وکان الحظر قد وقع علی الناس کلهم ثم اباحه رسول الله صلی الله علیه وسلم للنساء

اس کے سامنے ہیچ معلوم ہونے لگتا، ان کے استاد ابن عیینہ نے کہا جتنا وہ مجھ سے سیکھتا ہے، میں اس سے زیادہ اس سے سیکھتا ہوں، نسائی نے کہا، اللہ تعالیٰ نے اس کو حدیث کے لئے پیدا کیا ہے ۱۲

سلہ بغوی نے کہا یہ حدیث ابو موسیٰ کی حدیث سے منسوخ ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لئے حلال ہے ۱۲ سلہ اے عورتوں کی جماعت تم چاندی کے زیور کیوں نہیں پہنتیں، جو عورت سونے کا زیور پہنے گی اسے عذاب ہوگا، یہ حدیث اس حدیث سے منسوخ ہے، کہ سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لئے حلال ہے، اور مردوں پر حرام، ابن شاہین نے کہا، ابتدا میں مرد عورت سب سونے کی انگوٹھیاں پہنتے تھے، اس خطرہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو سونے

دون الرجال فصار ما کان علی النساء من الحظر مباحا لهن فنسخت الاباحة الحظر وحکی النووی فی شرح مسلم اجماع المسلمین علی ذلک انتهی ما فی زهر الربی علی المجتبی للشیخ الحافظ جلال الدین سیوطی والثانی ان النساء احوج الی تزیین لیرغب فیهن ازواجهن ولذلک جرت عادة العرب والعجم جمیعا بان یکون تزیینهن اکثر من تزیینهم فوجب ان یرخص لهن اکثر مما یرخص لهم ولذلک قال صلی الله علیه وسلم احل الذهب والحریر للاناث من امتی وحرم علی ذکورها انتہی ما فی حجة الله البالغة للشیخ الشاہ ولی الله المحدث الدهلوی رحمة الله علیہ، در مؤطا امام مالک مذکور است، کہ عبداللہ بن عمر زیور طلائی میپوشانید دختران وکنیزان خود را پس نمی برآورد از زیور ایشان زکوٰۃ۔ مالک عن نافع ان عبدالله بن عمر کان یحلی بناته وجواریه الذهب ثم لا یخرج من حلیهن الزکوة انتہی۔

وجہ سوم۔ یہ کہ وعید نار نفس لبس حلی ذہب کے نہیں فرمائی، بلکہ یہ وعید نار بطور قصد ریا ونمود وتکبر وافتخار اور پر امثال روزگار اور باعث اظہار زینت وسنگار بطرز تبرج جاہلیت کے ہے، کہ یہ شعار اہل اتراف واغنیاء کے با اسراف ہر زمانہ میں ہوتا چلا آیا ہے پس اتصاف امور خارجیہ مذکورہ بالا کا بلبس ذہب موجب وعید نار کا اس پر فرمایا ہے، اس لئے کہ لباس وحریر وحلی ذہب میں اکثر واغلب عجب وریا وتکبر وتبختر پایا جاتا ہے، بخلاف زیور چاندی کے کہ اہل اتراف کے نزدیک اکثر نہایت بے قدر متصور ہوتا ہے عرفاً اور باعث نشوونما اسی تکبر وریا کے لباس فاخرہ اور حلی ذہب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من لبس ثوب شهرة البسه الله ثوب مذلة یوم القیمة رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ۔ پس اس حدیث میں لباس شہرت وریا وافتخار کا موجب لباس

ے منع کر دیا، جب مردوں کو یہ عادت بھول گئی، تو عورتوں کو اجازت دے دی اور مردوں پر حرام کر دیا گیا۔ نووی نے کہا، اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے، کہ عورت پر سونا حلال ہے۔ سیوطی نے کہا، چونکہ عورتوں کو مردوں کی نسبت زینت کی زیادہ ضرورت ہے۔ لہذا ان کو سونے اور چاندی کی اجازت دی گئی، اور مردوں پر حرام کر دیا گیا، اور یہی عادت عرب وعجم سب میں ہے، کہ عورتوں کے لئے زیور بنائے جاتے ہیں۔

[1] حضرت عبداللہ بن عمر اپنی لڑکیوں اور لونڈیوں کو زیور پہنایا کرتے تھے، اور ان کے زیور کی زکوٰۃ نہیں دیا کرتے تھے۔

[2] جو آدمی شہرت کا لباس پہنے گا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائیں گے

مذلیت آخرت کا ہوا۔ نفس لباس زینت کا، چنانچہ فرمایا اللہ جمیل یحب الجمال پھر فرمایا۔ من ترک لبس ثوب جمال وھو یقدر علیہ وفی روایۃ تواضعاً کساہ اللہ حلۃ الکرامۃ رواہ ابوداؤد والترمذی کذا فی المشکوٰۃ مقصود شارع کا یہ ہے، کہ اکثار لباس فاخرہ اور حلی مذہب بیش قیمتی موجب تکلیف وتردد وجانفشانی در دنیا وسبب نسیان وغفلت در آخرت منصور ہے، اور بقدر حاجت روائی بلا ریا ورریا موجب رفاہیت وآسانی دارین ہے، بنا بر اس کے فرمایا خدا تعالیٰ نے یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سواٰتکم وریشا ولباس التقوی ذلک خیر الآیۃ پس خیر الامور اوسطھا موقع ومزیب ہے، اور اسی اظہار ریا وافتخار کے باعث عبدالرحمن نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے باب الکراہیۃ للنساء فی اظہار الحلی والذہب باندھا ہے، اور روایت کی اخت حذیفہ صحابی سے ساتھ دو طریق کے۔ قالت خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا معشر النساء اما لکن فی الفضۃ ما تحلین بہ اما انہ لیس منکن امراۃ تحلی ذھبا تظھرہ الا عذبت انتہی ما فی النسائی مختصرا بقدر الحاجۃ پس لبس ذہب موصوف بصفت اظہار ریا وتکبر وافتخار موجب وعید نار فرمایا، چنانچہ جملہ تظہرہ کا کہ صفت ذہب واقع ہوا ہے، اس پر صریح دال ہے، نہ بنظر نفس لبس ذہب بلا ریا وافتخار کے کما لا یخفی علی المتامل الذکی الماہر، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گاہے گاہے اپنے اہل کو پہننے حریر اور حلی سے مطلقا منع فرماتے تھے، بنا بر ترغیب وترہیب کے۔ عن عقبۃ بن عامر یخبر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یمنع اھلہ الحلیۃ والحریر ویقول ان کنتم تحبون حلیۃ الجنۃ وحریرھا فلا تلبسوھا فی الدنیا رواہ النسائی اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کو شب کو جگاتے تھے، اور فرماتے تھے۔ من یوقظ صواحب الحجرات یا رب کاسیۃ

لے جو آدمی خوبصورت کپڑے پہننے پر قادر ہو اور پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع سے ان سے پرہیز کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بزرگی کا لباس پہنائیں گے ۱۲ ۔ ۵۲ اے آدم کے بیٹو، ہم نے تمہارے لئے لباس اتارا، جو تمہارا جسم ڈھانپے اور فائدہ دے اور پرہیز گاری کا لباس بہتر ہے ۱۲ ۔ ۵۳ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا اے عورتوں کی جماعت جو تم میں سے سونے کے زیور پہن کر دکھلائے گی اسے سزا ملے گی (نسائی) ۔ ۵۴ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کو زیور اور ریشم سے منع فرماتے تھے، اور فرماتے تھے، کہ اگر جنت کے زیورات کی خواہش ہے، تو اس کو دنیا میں نہ پہنو (نسائی) ۔ ۵۵ کون حجرے والیوں کو جگاتا ہے، بہت سے دنیا میں لباس پہننے والے قیامت کو ننگے ہوں گے (بخاری) ۱۲

فی الدنیا عاریۃ فی الآخرۃ کما رواہ البخاری یہ بنا بر ترغیب عبادت اور نماز تہجد اور اعراض عن الدنیا اور ترہیب مواخذہ آخرت کے ارشاد فرماتے تھے نہ لباس زینت سے علی الاطلاق منع کرتے تھے کہ حرام مطلق ہو جائے، کہ یہ خلاف نقل و عقل کے ہے بقولہ تعالیٰ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ الآیۃ لیکن زرق برق و اتراف مفرط زاید از حاجت ضروری مضر قرب منزلت و رفع درجات آخرت نہ حرام مطلق موجب دخول نار کا ہو، اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ کو فرمایا۔ یا عائشۃ ان اردت اللحوق بی فلیکفک من الدنیا کزاد الراکب وایاک ومجالسۃ الاغنیاء رواہ الترمذی کما فی المشکوۃ۔

وجہ چہارم: وعید نار بہ نسبت ان لوگوں کے ہے، کہ جو مدام لذات و نفاست و حرص دنیا میں بطلب لباس فاخرہ و زیور نفیس بیش قیمتی باسراف تام و اتراف تمام تنافس اور منہمک و مستغرق رہتے ہیں، اور فراہم اور جمع کرتے ہیں لذات اور طرائف دنیا کے خواہ بوجہ حلال یا حرام میسر ہو، رات دن غلطان و پیچان ہو کر اور اپنے کو مرفع الحال ظاہر کرکے داعیہ غمط و تکبیر و فخر و تعلی کا ہم اقران فقراء و مساکین پر پیش نظر اور ملحوظ خاطر رکھ کر نازاں و فرحاں ہوتے ہیں، اور شہوات دنیا میں اللہ و رسول کو بھول جاتے ہیں، اسی بنا پر خدا تعالیٰ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کیا، اور امت کو سنایا۔ لا تعد عیناک عنھم ترید زینۃ الحیوۃ الدنیا ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ وکان امرہ فرطا خصوصا عورات ناقصات عقل حرص و ہوائے دنیا میں مرتی ہیں، اور سونے کے زیور خوشنما پر جان دیتی ہیں، اور زیور بھاری بیش قیمتی مرکوز خاطر ان کے ہوتا ہے، اور اس کی حرص و ہوا میں مفتون اور باختہ ہوش و حواس رات دن اسی خیال میں مبتلا در حرص ہمہ وقت و احسان فراموش رہتی ہیں، ویکفرن العشیر ویکفرن الاحسان لو احسنت الی احدٰھن الدھر ثم رأت منک شیئا قالت ما رأیت منک خیرا قط کما

لے آپ کہیں کس نے اللہ کی زینت کو حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے بنائی ہے ۱۲ ۲؎ اے عائشہ اگر تو مجھ سے ملنا چاہتی ہے، تو دنیا سے تجھے اتنا ہی کافی ہے، جتنا کہ ایک سوار کو زاد راہ کافی ہوتا ہے، اور دولتمندوں کی صحبت سے بچنا (ترمذی) ۳؎ دنیا کی زندگی کی زینت کے لئے ان سے اپنی نگاہ نہ پھیر، اور جس کا دل ہماری یاد سے غافل ہے، اور خواہشات کا پیرو ہے، اور ہر کام میں حد سے بڑھتا ہے اس کا کہنا مان ۱۲ ۴؎ خاوند کی ناشکری کرتی ہیں احسان کو بھول جاتی ہیں، اگر تو کسی عورت پر ساری عمر بھی احسان کرے، پھر تجھ سے ذرا سی چیز بھی اس کو ناگوار گذرے، تو کہہ دے گی، میں نے تجھ سے کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی (بخاری)

رواہ البخاری۔ اور باعث اسی اسراف مفرط کے چاہتے رہتے ہیں ع

گل خورشید ٹکا ہو ثمرا کا ہو بازو کا!

اور قدر قلیل ضروری سونے کے زیور پر اکتفا نہیں کرتیں، بلکہ اکثار اور تعدد زیورات وزنی و بیش بہا پر خواہش کرتی ہیں، تو اس صورت میں اسراف واتراف کی پابند رہتی ہیں، مثلاً جو زیور دو تین تولہ میں بن سکتا ہے، اس پر راضی نہیں ہوتیں، جب تک پانچ چھ تولہ کا نہ ہو، حالانکہ زیور تولہ بھر کا، اور دو تولہ چار تولہ کا زیب وزینت میں مساوی ہے، اس پر قناعت نہیں کرتیں، بلکہ دھیرے تھیرے زیور سے زیب وزینت کی طلب گار رہتی ہیں، اسی حرص متکاثر وآرائش نقش ونگار پر عورتوں کے میر تقی کہتے ہیں ؎ یار کی بالی کا جھمکا قدرت اللہ سے　　عقد پروین کان میں زہرہ کے زیور ہو گیا

اور بھی کہتے ہیں ؎

تیرے زیور کے نگین رات کو ایسے چمکے　　ایک جگنی سے ہوئے سیکڑوں جگنو پیدا

پس اکثار متجاوز الحد اور تعمق اتراف مفرط البتہ موجب غفلت ونسیان دار آخرت ہوتا ہے، تعریف اسراف یہ کہ التجاوز عما لم یکن فی حقہ ان یتجاوز[1] اور خصلت وعادت مذموم ہے شرعاً وعقلاً، خدا تعالے نے سورہ فرقان میں عباد الرحمن کی خصلتوں میں سے ایک خصلت یہ بیان فرمائی ہے والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما۔[2] اور دوسرے مقام میں فرمایا۔ ان المسرفین ہم اصحاب النار الآیۃ[3] وعن ابن عباس رضی قال کل ما شئت والبس ما شئت ما اخطأتک اثنتان سرف ومخیلۃ کما رواہ البخاری وعن عمرو بن شعیب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلوا واشربوا ما لم یخالطہ اسراف ولا مخیلۃ رواہ احمد والنسائی وابن ماجہ اور جب مباح چیزیں مثلاً اسراف واتراف وخیلاء ور یا پا یا گیا، تو وہ چیز محظور وممنوع ہوئی شرعاً یعنی محظور لغیرہ ہوئی لا لعینہ، اور اسی حرص شدید واتراف مزید پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تعس عبد الدینار وعبد الدرہم وعبد الخمیصۃ کما رواہ البخاری عن ابی ہریرۃ[4] پس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اسراف کبیر واتراف کثیر پر نہی کی لبس الذہب الا مقطعا سے

---

[1] اسراف کی تعریف یہ ہے، کہ جس چیز کے متعلق تجاوز نہ کرنا چاہیے، اس سے تجاوز کر جائے ۱۲

[2] اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں، تو نہ اسراف کرتے ہیں نہ بخل، اور اس کے درمیان زندگی گذارتے ہیں ۱۲

[3] اسراف کرنے والے ہی دوزخی ہیں، ابن عباس نے کہا، جب تک اسراف اور فخر نہ ہو، جو چاہو کھاؤ، اور جو چاہو پہنو (بخاری) ۱۲

[4] ہلاک ہو جائے درہم و دینار اور کپڑے کا بندہ (بخاری) ۱۲

کما رواہ النسائی۔ قال فی النہایۃ اراد الشئ الیسیر وکرہ الکثیر الذی ہو عادۃ اہل السرف والخیلاء انتہی کذا ذکرہ الشیخ جلال الدین السیوطی فی شرح النسائی۔ اور دراصل اس میں بھی کلام ہے، اہل حدیث کو بنظر اسناد کے، اور بیان اس کا بالفعل متعذر ہے، النووی شارح مسلم نے باب باندھا ہے تحریم خاتم الذہب علی الرجال ونسخ ماکان من اباحتہ فی اول الاسلام واجمع المسلمون علی اباحۃ خاتم الذہب للنساء واجمعوا علی تحریمہ علی الرجال الا ما حکی عن ابی بکر بن عمر بن محمد بن حزم انہ اباحہ وعن بعض انہ مکروہ لا حرام وہذان النقلان باطلان مع اجماع من قبلہ علی التحریم مع قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الذہب والحریر ان ہذان حرام علی ذکور امتی حل لاناثہا انتہی اور ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وعید نازنفس لبس حلی ذہب پر نہیں فرمایا، بلکہ کثیر ومفرط پر کہ موجب سرف وخیلاء وریا وفخر کا ہوتا ہے وکم من شئ یکرہ او یحرم بمجاورۃ شئ آخر کما تقرر عند المحدثین والمجتہدین رحمہم اللہ علیہم کما لا یخفی علی المتامل الماہر بالنصوص اور ہماری اس تحریر کی مؤید تحریر محدث علامہ شاہ ولی اللہ دہلوی کی بھی حجۃ اللہ البالغہ میں ہے۔ اللباس والزینۃ والاوانی ونحوہا۔ اعلم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی عادات العجم وتعمقاتہم فی الاطمینان بلذات الدنیا فحرم رؤسہا واصولہا وکرہ مادون ذلک لانہ علم ان ذلک مفضی الی نسیان الدار الآخرۃ مستلزم للاکثار من طلب الدنیا فمن تلک الرؤس اللباس الفاخر فان ذلک اکبر ہمہم وفخرہم والبحث عنہ من وجوہ منہا الاسبال فی القمص والسراویلات فانہ لا یقصد بذلک الستر والتجمل اللذان ہما المقصودان فی اللباس وانما یقصد

۱؎ آپ نے تھوڑی چیز پسند کی، اور زیادہ کو ناپسند فرمایا جیسا کہ فضول خرچ اور متکبر لوگوں کا شیوہ ہے ۱۲

۲؎ سونے کی انگوٹھی مردوں پر حرام ہے، جو ابتداء اسلام میں اس کی اجازت تھی وہ منسوخ ہو گئی، اب مسلمانوں کا اجماع ہے، کہ سونے کی انگوٹھی عورت کو جائز ہے، اور مرد کے لئے حرام ہے، ابن حزم نے اس کو مرد کے لئے جائز کہا ہے اور بعض نے مکروہ کہا حرام نہ کہا لیکن یہ دونوں قول باطل ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ریشم اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام ہے، اور عورتوں پر حلال ہے ۱۲

۳؎ کتنی ہی چیزیں کسی دوسری چیز کی وجہ سے حرام یا مکروہ ہو جاتی ہیں، جیسا کہ نصوص کے ماہر پر مخفی نہیں ہے ۱۲

۴؎ لباس، زینت اور برتن وغیرہ ۱۲

به الفخر وارادة الغنی ونحو ذلك والتجمل ليس الا فی القدر الذی يساوی البدن قال
صلی الله عليه وسلم لا ينظر الله يوم القيامة الی من جر ازاره بطرا وقال صلی الله
عليه وسلم ازرة المؤمن الی انصاف ساقيه ومنها الجنس المستغرب الناعم من الثياب
قال صلی الله عليه وسلم من لبس الحرير فی الدنيا لم يلبسه يوم القيامة ومنها الثوب
المصبوغ بلون مطرب يحصل به الفخر والمراة فنهی رسول الله صلی الله عليه وسلم
عن المعصفر والمزعفر وقال ان هذه من ثياب اهل النار والمذموم الامعان
فی التكلف والمراة والتفاخر بالثياب وكسر قلوب الفقراء وفی الفاظ الحديث
اشارات الی هذه المعانی كما لا يخفی علی المتامل ومناط الاجر ردع النفس عن
اتباع داعية الغمط والفخر ومن تلك الرؤس الحلی المترفة وههنا اصلان احدهما
ان الذهب هو الذی يفاخر به العجم ويفضی جريان الرسم بالتحلی به الی الاكثار
من طلب الدنيا دون الفضة ولذلك شدد النبی صلی الله عليه وسلم فی الذهب
وقال ولكن عليكم بالفضة فالعبوا بها والثانی ان النساء احوج الی تزيين ليرغب
فيهن ازواجهن ولذلك جرت عادة العرب والعجم جميعا بان يكون تزيينهن اكثر
من تزيينهم فوجب ان يرخص لهن اكثر مما يرخص لهم ولذلك قال صلی الله عليه
وسلم احل الذهب والحرير للاناث من امتی وحرم علی ذكورها انتهی ما فی حجة
الله البالغة بقدر الحاجة۔ پس تقریر شاہ ممدوح علیہ الرحمۃ سے بھی واضح ہوا، کہ اسراف واتراف
کثیر واکثار مفرط کہ سبب ریا وتفاخر ہوتا ہے، منہی عنہ وسبب وعید نار ہے، نہ بلا اسراف و
اکثار مفرط، کما لا یخفی علی المتامل الماہر بکلام الشیخ المحدث، اور جو حدیثیں وعید نار کی لبس ذہب پر
ابوداؤد وغیرہ میں وارد ہیں، سو وہ اوپر اتراف مفرط واکثار مزید کے محمول ہیں بنا بر توفیق وتطبیق درمیان
احادیث کثیرہ جواز ودرمیان حدیثین عدم جواز کی یا حدیثیں عدم جواز کی منسوخ ہیں، چنانچہ بتقریر بالا
بغوی وابن شاہین ونووی وشیخ جلال الدین سیوطی ونیز تحریر شاہ صاحب موصوف سے
پہلے واضح ہوا لیکن جناب شاہ صاحب اکثار کو منع کرتے ہیں بنا بر تقوے کے نہ بنا بر فتوے
کے کہ خلاف اجماع مسلمین مستلزم نہ ہو اور اسی طرح تقریر مولانا محمد اسماعیل شہید مرحوم کی
تقویۃ الایمان میں بنا بر تقوے کے ہے نہ بنا بر فتوے کے، کیونکہ تردیدات اور تہویلات
وتشکیکات فائدے سے ان کے موجب تاکید وعید نار کے ایک توجیہ پر حرمت قطعا نہیں ہو سکتی

ہاں بظاہر حدیث احتیاطی ہو سکتی ہے لیکن نسخ اشہر اس کو آبی ہے، مولانا موصوف علیہ الرحمۃ پہلے ابوداؤد سے وعید کی حدیث نقل کر کے فائدہ میں اس کے یوں فرماتے ہیں، اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ سونے کا بالا، دریان، نتھ، لڑی کنگن، چوڑیاں، ہنسلیاں عورتوں کو پہننا حرام ہے، مگر اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ سونا پہننا عورتوں کو جائز ہے اور مردوں کو دونوں کا استعمال کرنا حرام ہے، خواہ دونوں ملی ہوئی ہوں خواہ علیحدہ علیحدہ، تو اس مضمون کو یوں سمجھنا چاہیئے، کہ یا یہ مطلب ہے، کہ چاندی کا زیور عورتوں کو پہننا مطلق درست ہے، اور سونا اگر نرا ہو جیسے کڑے، ہنسلیاں، بالے، نتھ تو وہ نادرست ہے، اور اگر اس میں چاندی ملی ہو یا ملمع ہو، یا جڑاؤ ہو تو جائز اور مباح ہے، یا یہ مطلب ہے، کہ سونا بھی مطلق مباح ہے۔ لیکن استعمال اس کا اچھا نہیں، جیسے طلاق جائز ہے پر اچھی نہیں، یا یہ حدیث اس زیور کے حق میں ہے، جس کی زکوٰۃ نہ دے، الی آخر ما فی تقویۃ الایمان، پس مولانا ممدوح کے نزدیک بھی بنا بر توجیہات ثلاثہ کے تقوے کی وجہ سے اچھا نہیں ہے فاذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال کما لا یخفی، اور واضح ہو، کہ ابوداؤد نے وعید نار میں حدیثیں نقل کی ہیں، مگر ان میں بنظر اسناد کے کلام ہے۔ حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ نا عبد العزیز یعنی ابن محمد عن اسید بن ابی اسید البراد عن نافع بن عباس عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من احب ان یحلق حبیبہ حلقۃ من نار فلیحلقہ حلقۃ من ذہب ومن احب ان یسور حبیبہ سوارا من نار فلیسورہ سوارا من ذہب ولکن علیکم بالفضۃ فالعبوا بہا[1]، اس طریق میں عبد العزیز اگرچہ صدوق تھا لیکن کتب غیر سے حدیث کی روایت کرتا تھا، اور خطا واقع ہوتی تھی۔ عبد العزیز بن محمد صدوق کان یحدث عن کتب غیرہ ویخطئی من الثامنۃ من التقریب واسید بن ابی اسید البراد من الخامسۃ مات فی اول خلافۃ منصور من التقریب[2] اور روایت عبد العزیز کی محمد بن ابی اسید سے اس جگہ معنعن ہے، ان کی ملاقات کا ثبوت ہونا چاہیئے

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اپنے پیارے کو آگ کا حلقہ پہنانا چاہتا ہے، وہ اس کو سونے کا حلقہ پہنائے، اور جو آگ کا کنگن پہنانا چاہے، وہ سونے کا کنگن پہنائے، تم چاندی استعمال کیا کرو ۱۲

[2] عبد العزیز بن محمد ویسے تو سچا ہے غیر کی کتابوں سے روایت کرتا ہے، اور خطا کر جاتا ہے، آٹھویں طبقہ سے ہے اور اسید بن ابی اسید پانچویں طبقہ سے ہے، منصور کی خلافت کے ابتدائی دنوں میں اس کی وفات ہوئی ۱۲

ولو مرۃ، تو احتمال انقطاع کا ہوا، پس بسبب خطا اور احتمال انقطاع کے قابل احتجاج کے نہ رہی، دوسرا طریق یہ ہے، حدثنا مسدد نا ابو عوانۃ عن ربعی بن حراش عن امرأتہ عن اخت لحذیفۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا معشر النساء امالکن فی الفضۃ ما تحلین بہ اما انہ لیس منکن امرأۃ تحلی ذھبا تظھرہ الاعذبت بہ انتہی۔ اس روایت میں زوجہ ربعی بن حراش مجہول الاسم والعدالت والضعف[1] ہے ربعی بن حراش عن امرأتہ لم اقف علی اسمہا کذا فی التقریب۔ اخبرنا اسحق ابن شاھین الواسطی قال انا خالد عن مطرف ح وا خبرنا احمد بن حرب قال اخبرنا اسباط عن مطرف عن ابی الجھم عن ابی زید عن ابی ھریرۃ قال کنت قاعدا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاتتہ امرأۃ فقالت یا رسول اللہ سوارین من ذھب قال سواران من نار قالت یا رسول اللہ طوق من ذھب قال طوق من نار قالت قرطین من ذھب قال قرطین من نار قال وکان علیہما سواران من ذھب فرمت بھما الی اخر ما فی النسائی ان دونوں طریقوں میں ابو زید راوی مجہول ہے۔ ابوزید شیخ لابی جھم مجھول من الثالثۃ کذا فی التقریب پس یہ دونوں طریق قابل اعتبار واعتماد کے نہ رہے کیونکہ راوی مجہول سے سند حدیث کی بے اعتبار ہو جاتی ہے۔ کما لا یخفی علی الماھر بھذا الفن، اور جو بعض علماء نے حدیث حلت ذہب للنساء میں بہ سبب جہالت راوی کے مابین یزید بن ابی حبیب اور حضرت علی رضہ کے کلام کیا ہے، وہ وہم محض ہے، کیونکہ نسائی نے خود اس وہم کو دفع کیا

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عورتوں کی جماعت تم چاندی کے زیور کیوں نہیں پہنتیں اگر کوئی عورت سونے کے زیور نمائش کے لئے پہنے گی، تو اسے عذاب ہوگا ۱۲ ۔ لہ ربعی بن حراش کی بیوی کا نام معلوم نہیں ہو سکا، ابو ہریرہ کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت آئی اور کہنے لگی، اے اللہ کے رسول سونے کے دو کنگن کیسے ہیں، آپ نے فرمایا آگ کے دو کنگن ہیں کہنے لگی سونے کا حلقہ کیسا ہے؟ فرمایا آگ کا حلقہ ہے کہنے لگی سونے کی دو بالیاں کیسی ہیں، فرمایا آگ کی دو بالیاں ہیں، اس کے پاس سونے کے دو کنگن تھے، اس نے اتار کر پھینک دیئے ۱۲

(۱) باوجود اس کے یہ روایت تو ہمارے قول کی موید ہے، کہ وعید بنا بر اظہار وافتخار کے ہے نہ مطلق لبس ذہب کے تو یہ حدیث معہ دیگر احادیث متعلقہ کے احادیث مطلقہ کی مقید ہوئی ۱۲

ہے ۔ تحریم الذھب علی الرجال اخبرنا قتیبۃ قال ثنا اللیث عن یزید بن ابی حبیب عن ابی[1] افلح الھمدانی عن ابی زریر انہ سمع علی بن ابی طالب یقول ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ حریرا فجعلہ فی یمینہ واخذ ذھبا فجعلہ فی شمالہ ثم قال ان ھذین حرام علی ذکور امتی ۔ اخبرنا عیسی بن حماد اخبرنا اللیث عن یزید بن ابی حبیب عن ابن ابی صعبۃ عن رجل من ھمدان یقال لہ ابو صالح عن ابی زریر انہ سمع علی بن ابی طالب یقول ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ حریرا فجعلہ فی یمینہ واخذ ذھبا فجعلہ فی شمالہ ثم قال ان ھذین حرام علی ذکور امتی ۔ اخبرنا محمد بن حاتم قال ثنا حبان قال اخبرنا عبد اللہ عن لیث بن سعد قال حدثنی یزید بن ابی حبیب عن ابن ابی الصعبۃ عن رجل من ھمدان یقال لہ افلح عن ابن زریر انہ سمع علیا رض یقول ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ حریرا فجعلہ فی یمینہ واخذ ذھبا فجعلہ فی شمالہ ثم قال ان ھذین حرام علی ذکور امتی قال ابو عبد الرحمن وحدیث ابن المبارک اولی بالصواب الا قولہ افلح[2] فان ابا افلح اشبہ ۔ اخبرنا عمرو بن علی قال ثنا یزید بن ھارون قال اخبرنا محمد بن اسحاق عن یزید بن ابی حبیب عن عبد العزیز بن ابی الصعبۃ عن ابی افلح الھمدانی عن عبد اللہ بن زریر الغافقی قال سمعت علیا یقول اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذھبا فی شمالہ وحریرا فی یمینہ فقال ھذا حرام علی ذکور امتی ۔ اخبرنا علی ابن الحسین الدرھمی قال ثنا عبد الاعلی عن سعید عن ایوب عن نافع عن سعید بن ابی ھند عن موسی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال احل الذھب والحریر لاناث امتی وحرم علی ذکورھا ۔ انتہی ما رواہ النسائی ۔ واضح ہو کہ یہ حدیث بطرق متعددہ صحیحہ مروی ہے ۔ کما لا یخفی علی المتتبع الماہر ۔ اور حدیث نھی عن لبس الذھب الا مقطعا سے جو لوگ دلیل پکڑتے ہیں اس کا جواب تین طرح پہ ہے ، اول یہ کہ اس کے رواۃ کا

لہ حضرت علی کہتے ہیں ، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ میں ریشم پکڑا ، اور بائیں میں سونا ، اور فرمایا یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں ، اور یہ حدیث حضرت علی سے کئی طرق سے مروی ہے ، اور آپ نے فرمایا سونا اور ریشم میری امت کے مردوں پر حرام ہے ، اور عورتوں پر حلال ہے (نسائی)

(۱) ابو افلح الھمدانی البصری مقبول من الخامسۃ ۱۲ تقریب (۲) صوابہ ابو افلح ۱۲ تقریب

حال معلوم نہیں، کہ ان کی ثقاہت اور عدم ثقاہت کے سبب سے اس پر صحت اور عدم صحت کا حکم لگا کر دلیل پکڑی جائے، دوم یہ کہ برتقدیر تسلیم صحت کے یہ نہی حق میں عورتوں کے نہیں جیسا کہ ابوداود نے سمجھا، بلکہ حق میں مردوں کے ہے، جیسا کہ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھا، اور باب تحریم الذہب علی الرجال میں اس حدیث کو لایا ہے، اور دلیل ہمارے قول کی دوسری روایت نسائی کی ہے،

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن لبس الحریر یعنی والذھب الا مقطعا

کیونکہ حریر کی نہی تو خاص مردوں کے حق میں ہے، اور عورتوں کو حلال ہے، بدلیل احادیث صحیحہ وصریحہ بخاری ومسلم کے تو نہی ذہب کی بھی جو اس پر معطوف ہے مخصوص برجال ہو گی، اور مقطعا کے معنی ریزہ ریزہ کردہ شدہ کے ہیں، یعنی کپڑوں وغیرہ پر جو ستارے سونے کے اور ٹکڑے حریر کے لگاتے ہیں۔ قولہ الا مقطعا بفتح الطاء المشددۃ ای مکسرا قطعا صغارا مثل القباب علی الاسلحۃ والخواتیم المفضضۃ واعلام الثیاب کذا ذکرہ بعض الشراح من علمائنا ۱۲ کذا فی المرقاۃ

سیوم یہ کہ برتقدیر تسلیم کرنے نہی کے حق میں عورتوں کے یہ نہی بنابر احتیاط اور تنزیہ کے ہے، کہ شے یسیر پر مانند خاتم وغیرہ کے قناعت کریں، اور زیادہ حرص نہ کریں، جیسا کہ اس کو تفصیل اور بسط سے ثابت کیا گیا ہے، اور اس نہی کی صارف عن التحریم احادیث کثیرہ صحیحہ ہیں، جو ذکر کی گئیں، یہ بھی اس تقدیر پر کہ نہی عورتوں کے حق میں تسلیم کی جائے، ورنہ اصل تو وہی ہے، جو ہم نے بیان کیا کہ نہی مخصوص برجال ہے، جیسا کہ نسائی کی روایت اس پر دال ہے، اور واضح ہو کہ بعد تمام ہونے اس تحریر کے شرح ابن قیم ابوداود کی بھی مل گئی، پس اس شرح سے بھی تائید اور ترمیم تحریر بالا کی کی جاتی ہے۔

باب فی الذھب للنساء، ذکر حدیث ایما امرأۃ جعلت فی اذنہا خرصا من ذھب ثم قال المنذری واخرجہ النسائی قال ش قال ابن قطان وعلۃ ھذا الخبران محمود بن عمرو راویہ عن اسماء مجہول الحال وان کان قد روی عنہ جماعۃ وروی النسائی عن ابی ھریرۃ قال کنت قاعدا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاتتہ امرأۃ فقالت یا رسول اللہ سوار ان من ذھب قال سوار ان من نار قالت طوق من ذھب قال طوق من نار قال قرطان من ذھب

لے جو عورت اپنے کانوں میں سونے کی بالیاں پہنے گی الحدیث، اس حدیث کا راوی محمود بن عمرو مجہول ہے اگرچہ اس سے ایک جماعت نے اس کو روایت کیا ہے، حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں، کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک عورت آئی اور کہنے لگی، اے اللہ کے رسول سونے کے دو کنگن کیسے ہیں؟ آپ نے فرمایا آگ کے دو کنگن ہیں، کہنے لگی سونے کا طوق، آپ نے فرمایا آگ کا طوق ہے، کہنے لگی سونے کی دو بالیاں، فرمایا وہ آگ کی دو بالیاں ہیں

قال قرطان من نار قال وکان علیها سواران من ذهب فرمت بهما فقالت یا رسول الله ان المرأة اذا لم تتزین لزوجها صلفت(۱) عنده فقال ما یمنع احداکن ان تصنع قرطین من فضة ثم تصفره بزعفران او بعبیر قال ابن قطان وعلته ان ابازید راویه عن ابی هریرة مجهول ولا یعرف روی عنه غیر ابی الجهم ولا یصح هذا وفی النسائی ایضا عن ثوبان قال جاءت بنت هبیرة الی رسول الله صلی الله علیه وسلم وفی یدها فتخ فدخلت علی فاطمة رض تشکو الیه الذی صنع بها رسول الله صلی الله علیه وسلم فانتزعت فاطمة رض سلسلة فی عنقها من ذهب قالت هذه اهداها ابوالحسن(۲) فدخل رسول الله صلی الله علیه وسلم والسلسلة فی یدها فقال یا فاطمة ایعزك ان یقول الناس ابنة رسول الله صلی الله علیه وسلم وفی یدها سلسلة من نار ثم خرج ولم یقعد فارسلت فاطمة رض بالسلسلة الی السوق فباعتها واشترت بثمنها غلاما وقال مرة عبدا وذکر کلمة معناها فاعتقته فحدث بذلك فقال الحمد لله الذی انجا فاطمة من النار قال ابن القطان و علته ان الناس قد قالوا ان روایة یحیی عن ابی سلام منقطعة وعلی ان یحیی قد قال حدثنی ابو سلام وقد قیل انه دلس ذلك ولعله کان اجازة زید بن سلام فجعل یقول لنا زید وفی النسائی ایضا عن عقبة بن عامر ان النبی صلی الله علیه وسلم کان

اس کے پاس سونے کے دو کنگن تھے، اس نے اتار کر پھینک دیئے، اور کہنے لگی، کہ اے اللہ کے رسول اگر عورت اپنی زیب و زینت نہ کرے، تو اپنے خاوند کے دل سے اتر جاتی ہے، آپ نے فرمایا، یہ منع تو نہیں، کہ تم چاندی کی دو بالیاں بنا کر ملمع کرا لو، اس حدیث کا ایک راوی ابوزید مجہول الحال ہے، اور یہ حدیث صحیح نہیں ہے، ہبیرہ کی بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اس کے ہاتھ میں سونے کی ایک انگوٹھی تھی، پھر وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں، اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کے متعلق فرمایا تھا اس کی شکایت کرنے لگیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گلے میں سونے کا ہار تھا، جو حضرت علی نے ان کو ہدیہ دیا تھا، یہ سنکر انہوں نے بھی گلے سے اتار کر ہاتھ میں پکڑ لیا اسی حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، آپ نے فرمایا اے فاطمہ کیا تجھے یہ پسند ہے کہ لوگ کہیں رسول اللہ کی بیٹی کے ہاتھ میں آگ کا ہار ہے، پھر آپ کھڑے کھڑے باہر نکل آئے، حضرت فاطمہ رض نے وہ ہار بازار میں فروخت کر کے اس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا، اور اس کو آزاد کر دیا، جب یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی، تو فرمایا خدا کا شکر ہے، جس نے فاطمہ کو آگ سے نجات بخشی، اس حدیث کی سند منقطع ہے، اور یحیی نے اس

(۱) ثقلت علیه ۱۲ (۲) کنیة علی رضی الله عنه ۱۲

یمنع اهله الحریر والحلیة ویقول ان کنتم تحبون حلیة الجنة وحریرها فلا تلبسوها فی الدنیا فاختلف الناس فی هذه الاحادیث ولذا کلمت علیهم فطائفة سلکت بها مسلک التضعیف وعللها کلها کما تقدم وطائفة ادعت ان ذلک کان اول الاسلام ثم نسخ واحتجت بحدیث ابی موسی ان النبی صلی الله علیه وسلم قال احل الذهب والحریر للاناث من امتی وحرم علی ذکورها قال الترمذی هذا حدیث صحیح ورواه ابن ماجه فی سننه من حدیث علی وعبد الله بن عمرو عن النبی صلی الله علیه وسلم وطائفة حملت احادیث الوعید علی من لم تؤد زکوة حلیها فاما من ادتها فلا یلحقها هذا الوعید واحتجوا بحدیث عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان امرأة اتت رسول الله صلی الله علیه وسلم ومعها ابنة لها وفی ید ابنتها مسکتان غلیظتان من ذهب فقال لها تعطین زکوة هذا قالت لا قال ایسرک ان یسورک الله بهما یوم القیامة سوارین من نار قالت فخلعتهما والقتهما الی النبی صلی الله علیه وسلم قالت هما لله ولرسوله رواه ابوداود عن ام سلمة قالت کنت البس اوضاحا من ذهب فقلت یا رسول الله اکنز هو فقال ما بلغ ما تؤدی زکوته فزکی فلیس بکنز وهذا من افراد ثابت بن عجلان والذی قبله من افراد عمرو بن شعیب وطائفة من اهل الحدیث حملت احادیث الحدیث علی من اظهرت حلیتها وتبرجت بها دون من

میں تدلیس کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کو ریشم اور زیور سے منع فرماتے، اور کہتے اگر تم جنت کے زیور اور ریشم پہننا چاہتی ہو تو دنیا میں اس کو نہ پہنو بعض نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، اور بعض نے کہا پہلے یہی حکم تھا لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لئے حلال ہے اور مردوں کے لئے حرام، اور یہ حدیث بالکل صحیح ہے، بعض نے یہ وعید اس کے لئے سمجھی ہے، جو زکوۃ ادا نہ کرے اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے، کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اس کے ساتھ ایک بچی تھی، اس کے ہاتھ سونے کے دو ٹھوس کنگن تھے، آپ نے فرمایا کیا تو ان کی زکوۃ دیتی ہے؟ کہنے لگی نہیں، آپ نے فرمایا کیا تجھے پسند ہے، کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ تجھ کو ان کے بدلے آگ کے دو کنگن پہنائے، اس عورت نے وہ دونوں کنگن اس سے لے کر رسول اللہ کی خدمت میں پیش کردیے، اور کہا یہ اللہ اور اس کے رسول کی نذر ہیں، اور ام سلمہ نے کہا میرے پاس سونے کی کڑیاں تھیں، جن کو پہنا کرتی تھی، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا یہ خزانہ ہے؟ آپ نے فرمایا، اگر نصاب کو پہنچ جاتے، اور تو اس کی زکوۃ ادا کرے، تو پھر خزانہ نہیں ہے بعض نے وعید کی احادیث کو اس پر محمول کیا ہے، کہ عورت زیور لگا کر دوسرے مردوں کے سامنے نمائش کرے، وہ حدیث جس میں سونے کے ٹکڑے استعمال کرنے کی اجازت ہے، اس کی سند میں دو جگہ انقطاع ہے،

تزینت بها لزوجها وبه قال النسائی فی سننه وقد ترجم علی ذلك الكراهة للنساء فی اظهار الحلی والذهب ثم ساق احادیث الوعید والله اعلم ثم ذکر ابوداؤد ذکر حدیث میمون القناد وفیه نهی عن لبس الذهب الا مقطعا الی قول المنذری نفیه الانقطاع فی موضعین الخ وقد رواه النسائی من حدیث بیهس بن فهدان عن ابی شیخ الهنائی عن معاویة وقد تقدم الكلام علی هذا الاسناد فی الحج ورواه عن ابی شیخ عن ابی حمان انه سمع معاویة و رواه النسائی ایضا من حدیث بیهس بن فهدان انا ابو شیخ قال سمعت ابن عمر قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن لبس الذهب الا مقطعا وقد روی فی حدیث آخر احتج به احمد فی روایة الاثرم من تحلی بخربصیصة کوی بها یوم القیمة فقال الاثرم فقلت ای شئ خربصیصة قال شئ صغیر مثل الصغیرة وقال غیره من عین الجرادة وسمعت شیخ الاسلام یقول حدیث معاویة فی اباحة الذهب مقطعا هو فی التابع غیر المفرد کالذر والعلم ونحوه وحدیث الخربصیصة هو فی المفرد کالخاتم وغیره فلا تعارض بینهما والله اعلم انتهی

حرره العاجز السید محمد نذیر حسین عافاه الله فی الدارین

زشرف سید کونین شد شریف حسین ۱۲۹۳	سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱
خادم شریعتنا رسول الثقلین محمد تلطف حسین ۱۲۹۲	حسبنا الله بس حفیظ الله
محمد عبد الصمد ابن ملا عبد الواحد خان ۱۲۹۲	عبد الحکیم احمدی ۱۲۹۸
خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبد الوهاب ۱۳۰۰	عبد الله عفا الله عنه ۱۳۰۱
سعد بن احمد بن عتیق / محمد عبد الغنی ۱۲۹۸	قادر بخش عفی عنه ۱۲۹۹
خادم العلماء حافظ فتح دریا / حافظ محمد داؤد سلمه الودود	ابو طاهر عبد الرحمن
محمد مظهر الحق ابن شاه مولوی محمد ممتاز الحق الحیدرآبادی	عبده محمد طاهر
محمد حمایت الله بن مولوی مولابخش الجلیسری	محمد ابو عبد الرحمن حدیث عهد بالایمان

کتاب الطب

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طاعون وغیرہ امراض کی وجہ سے جو خروج منع ہے، وہ کونسا خروج ہے، کیا مطلق منع ہے، یا دوسرے گاؤں میں جا رہنا منع ہے، اور اپنے گاؤں کے سرحد کے کنوؤں یا کھیتوں پر چھپر وغیرہ ڈال کر تبدیل ہوا کے لئے جا رہنا منع ہے یا جائز ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:- جو خروج فرارا من الطاعون منع ہے، وہ مطلقا منع ہے، بنا علیہ طاعون سے بھاگ کر نہ دوسرے گاؤں میں جانا جائز ہے، اور نہ اپنے گاؤں کی سرحد کے کنوؤں یا کھیتوں پر چھپر وغیرہ ڈال کر جا رہنا درست ہے، مسند امام احمد بن حنبل میں ہے۔ عن عائشۃ تقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فناء امتی بالطعن والطاعون فقلت یا رسول اللہ ھذا الطعن قد عرفناہ فما الطاعون قال غدۃ کغدۃ الابل المقیم فیھا کالشھید والفار منھا کالفار من الزحف۔ یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت کا فنا ہونا طعن اور طاعون سے ہے پس ہم نے کہا یا رسول اللہ ہم نے اس طعن کو پہچانا، پس طاعون کیا ہے، آپ نے فرمایا گلٹی ہے جیسے اونٹ کو گلٹی ہوتی ہے، طاعون میں ٹھہرنے والا مثل شہید کے ہے، اور اس سے بھاگنے والا مثل اس شخص کے ہے، جو لڑائی سے بھاگا ہو، یہ حدیث قابل احتجاج ہے، علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ شرح مواہب صفحہ ۴۵۲ جلد ۵ میں لکھتے ہیں۔ وروی احمد برجال ثقات الطاعون غدۃ کغدۃ البعیر المقیم بھا کالشھید والفار منہ کالفار من الزحف حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار تخریج احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ:

لہ طاعون ایک غدود (گلٹی) ہے، جیسے اونٹ کو ہوتی ہے، اس میں ثابت قدم رہنے والا شہید کی طرح ہے اور اس سے بھاگنے والا ایسا ہے، جیسا میدان جنگ سے بھاگنے والا ۱۲

حدیث تشبیہ الفرار من الزحف رواہ احمد من حدیث عائشۃ باسناد جید ومن حدیث جابر باسناد ضعیف انتہی۔ اور حافظ منذری ترغیب و ترہیب میں لکھتے ہیں وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تفنی امتی الا بالطعن والطاعون قلت یا رسول اللہ ھذا الطعن قد عرفناہ فما الطاعون قال غدۃ کغدۃ البعیر المقیم بہا کالشہید والفار منہا کالفار من الزحف رواہ احمد وابو یعلی والطبرانی و فی روایۃ لابی یعلی قال وخزۃ تصیب امتی من اعدائہم من الجن کغدۃ الابل من اقام علیہا کان مرابطا ومن اصیب بہ کان شہیدا ومن فر منہ کان کالفار من الزحف ورواہ البزار وعندہ قلت یا رسول اللہ ھذا الطعن قد عرفناہ فما الطاعون قال یشبہ الدمل یخرج فی الاباط والمراق وفیہ تزکیۃ اعمالہم وھو لکل مسلم شہادۃ قال المملی رضی اللہ عنہ اسانید الکل حسان انتہی۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی سند کو حسن کہا ہے، وتجئی عبارتہ عنقریب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خروج فرار من الطاعون مطلقا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اس واسطے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مطلق فرار من الطاعون کو فرار من الزحف سے تشبیہ دی ہے، اور فرار من الزحف بہت بڑا گناہ ہے، فرمایا اللہ تعالے نے یا ایہا الذین اٰمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ ومأواہ جہنم وبئس المصیر یعنی اے ایمان والو جب بھڑو تم

لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کی فنا طعن اور طاعون سے ہوگی، حضرت عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہ طعن (نیزہ) تو ہم جانتے ہیں، یہ طاعون کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا غدود ابھرتی ہے، جیسے اونٹ کی غدود، جو اس میں ثابت قدم رہے گا، وہ شہید ہوگا، اور جو اس سے بھاگے گا، وہ میدان جنگ سے بھاگنے کے مترادف ہوگا اور فرمایا طاعون جن دشمنوں کا کچوکا ہے، اونٹ کی غدود کی طرح جو اس میں ثابت قدم رہے گا، وہ غازی ہے، جو اس میں مر جائے گا وہ شہید ہے، جو اس سے بھاگے گا، وہ میدان جنگ سے بھاگنے والے کے برابر ہوگا، اور ایک روایت میں ہے کہ طاعون ایک پھوڑا ہے، جو بغل اور گردن میں ہوتا ہے، اس سے مسلمان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، یہ مسلمان کے لئے شہادت ہے ۱۲ ۔ ۲ے طاعون سے بھاگنے کو میدان جنگ سے بھاگنے کے مشابہ اس لئے قرار دیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے، اللہ تعالی نے فرمایا، ایماندارو! جب تم کافروں سے میدان جنگ میں لڑو تو ان سے پیٹھ نہ پھیرو، تو جیسا میدان جنگ سے بھاگنا جرم ہے، ویسا ہی طاعون سے بھاگنا بھی جرم ہے ۱۲

کافروں سے میدان جنگ میں تو مت دو ان کو پیٹھ، اور جو کوئی ان کو پیٹھ دے اس دن مگر یہ کہ ہنر کرتا
ہو لڑائی کا، یا جا ملتا ہو فوج میں سو وہ لے پھرا غضب اللہ کا، اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور کیا بری جگہ
جا ٹھہرا۔ مولانا شاہ عبد القادر فائدہ میں لکھتے ہیں، یعنی جب مقابلہ میدان میں ہو تو بھاگنا بڑا گناہ ہے
اور جو دوڑ یا غارت ہو، تو بھاگنا ہنر ہے، اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتنبوا السبع
الموبقات قالوا وما هن یا رسول الله قال الشرك بالله والسحر وقتل النفس التی حرم
الله الا بالحق واکل الربوا واکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف۔ یعنی بچو سات چیزوں سے
جو ہلاک کرنے والی ہیں، صحابہ رض نے کہا یا رسول اللہ وہ کیا ہیں، آپ نے فرمایا شرک اللہ کے ساتھ
اور جادو کرنا، اور مارنا اس جان کا جس کو اللہ نے حرام کیا ہے مگر ساتھ حق کے، اور کھانا سود کا، اور کھانا یتیم
کے مال کو، اور پیٹھ دینا لڑائی کے دن الخ علامہ عبد الرؤف مناوی شرح جامع الصغیر میں لکھتے ہیں کہ
شبہ به فی ارتکاب الکبیرة قال تعالی یا ایها الذین امنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا
تولوهم الادبار فکما یحرم الفرار من الزحف یحرم الخروج من بلد وقع فیها الطاعون
انتهی۔ علامہ احمد ضیاء الدین حنفی لوامع العقول شرح رموز الاحادیث میں لکھتے ہیں۔ الفار منه
کالفار من الزحف فی الوبال والصابر علیه کالصابر فی سبیل الله فی حصول الاجر انتهی[1]
علامہ شیخ احمد بن علی رومی حنفی مجالس الابرار صفحہ ۶۱۶ میں لکھتے ہیں ویدل علی التحریم ما روی
عن ام المؤمنین عائشة رضی الله عنها انه علیه الصلوة والسلام قال الفار من الطاعون
کالفار من الزحف انتهی[2] علامہ مرتضی زبیدی حنفی احیاء العلوم کی شرح میں لکھتے ہیں واستدل
به من ذهب الی ان النهی فیه للتحریم انتهی[3]۔ علامہ ابن حجر مکی زواجر صفحہ ۱۹۳ میں لکھتے ہیں،
تشبیه بالفرار من الزحف یقتضی انه مثله فی کونه کبیرة وان کان التشبیه لا یقتضی

---

[1] طاعون سے بھاگنے والا سزا کے لحاظ سے میدان جنگ کے بھاگنے والے کی طرح ہے، اور اس میں صبر کرنے والا ثواب کے حصول میں میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے والے کی طرح ہے ۱۲

[2] طاعون سے بھاگنے کی حرمت پر حضرت عائشہ رض کی حدیث دلالت کرتی ہے، کہ آپ نے فرمایا، طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسا میدان جنگ سے بھاگنے والا ۱۲

[3] اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے، جو طاعون سے بھاگنے کو حرام کہتے ہیں ۱۲

[4] میدان جنگ سے بھاگنے کی تشبیہ تقاضا کرتی ہے، کہ یہ کبیرہ گناہ ہے، اگرچہ من کل الوجوہ دونوں کی برابری کا تقاضا نہیں ہے، کیونکہ یہ مقام ان دونوں کی برابری کا گناہ کبیرہ ہونے پر تقاضا کرتا ہے، اور یہ طاعون سے بھاگنے والے کے لئے زجر اور تنبیہ ہے، تاکہ وہ باز آجائے ۱۲

تساوی المتشابھین من کل وجہ لان المقام ھھنا یشھد لتساویہما فی ھذا الشئ الخاص وھو کونہ کبیرۃ اذا المقصود بھذا التشبیہ انما ھو زجر الفار ردا لتغلیظ علیہ حتی یزجر ولا یتمرد لک الا ان کان کبیرۃ کالفرار من الزحف انتہی حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں، ومنھم من قال النہی فیہ للتنزیہ فیکرہ ولا یحرم وخالفھم جماعۃ فقالوا یحرم الخروج منہا لظاھر النہی الثابت فی الاحادیث الماضیۃ وھذا ھو الراجح عند الشافعیۃ وغیرھم ویؤیدہ ثبوت الوعید علی ذلک فاخرج احمد وابن خزیمۃ من حدیث عائشۃ مرفوعا فی اثناء حدیث بسند حسن قلت یا رسول اللہ فما الطاعون قال غدۃ کغدۃ الابل المقیم فیہا کالشھید والفار منہا کالفار من الزحف انتہی۔ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں باب بلفظ باب منعقد کیا ہے۔ باب الفرار من الطاعون من الکبائر یعنی یہ باب اس بیان میں ہے، کہ طاعون سے بھاگنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اسی حدیث سے استدلال کیا ہے تفسیر روح المعانی صفحہ ۶۹ جلد ۹ میں ہے فمنھم من حرمہ کابن خزیمۃ فانہ ترجم فی صحیحہ باب الفرار من الطاعون من الکبائر وان اللہ تعالی یعاقب من وقع منہ ذلک ما لم یعف عنہ واستدل بحدیث عائشۃ الفرار من الطاعون کالفرار من الزحف رواہ الامام احمد والطبرانی وابن عدی وغیرھم وسندہ حسن انتہی۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات صفحہ ۲۹ جلد میں فرماتے ہیں، وگریختن از موت وبا کبیرہ گناہ است در رنگ فرار یوم زحف وکسے کہ در زمین وبا با صبر بماند بمیرد از شہدا است واز فتنہ قبر مامون وآنکہ صبر نماید از غازیاں است ؎

ان قال لی مت مت سمعا وطاعۃ وقلت لداعی الموت اھلا ومرحبا

۱؎ بعض نے اس نہی کو تنزیہ کے لئے کہا ہے، تو وہ اس کو مکروہ کہتے ہیں، حرام نہیں سمجھتے لیکن دوسرے لوگوں نے کہا یہ نہی تحریمی ہے، اور طاعون سے بھاگنا حرام ہے، اور یہی راجح ہے، اور شافعیہ کا یہی مذہب ہے، اور عائشہ کی حدیث اس کی دلیل ہے، کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ طاعون کیا چیز ہے، آپ نے فرمایا ایک غدود ابھرتی ہے جیسے اونٹ کی غدود اس پر ثابت قدم رہنے والا شہید کی طرح ہے، اور اس سے بھاگنے والا ایسا ہے، جیسے میدان جنگ سے بھاگنے والا۔ ۲؎ بعض نے طاعون سے بھاگنے کو حرام کہا ہے، مثلاً ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اس پر اس طرح باب باندھا ہے، کہ طاعون سے بھاگنا کبیرہ گناہ ہے، اور جو اس کا ارتکاب کرے گا، اگر اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہ کرے، تو اس کو سزا ہوگی، اور حضرت عائشہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، کہ طاعون سے بھاگنے والا میدان جنگ سے بھاگنے والے کی طرح ہے

الحاصل:۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خروج فرارا من الطاعون مطلقاً منع و ناجائز ہے طاعون سے بھاگ کر نہ دوسرے گاؤں میں جانا جائز ہے، اور نہ اپنے گاؤں کے سرحد کے کنوؤں یا کھیتوں پر چھپر ڈال کر جا رہنا درست ہے، مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الفار من الطاعون کالفار من الزحف والصابر فیہ لہ اجر شہید رواہ احمد۔ یعنی جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طاعون سے بھاگنے والا لڑائی سے بھاگنے والے کی طرح ہے، اور اس میں صبر کرنے والے کے لئے ایک شہید کا ثواب ہے، روایت کیا اس کو احمد نے، اس حدیث کی صحت میں محدثین مختلف ہیں، حافظ منذری ترغیب وترہیب میں جابر کی اس حدیث کو بلفظ الفار منہ کالفار من الزحف ومن صبر فیہ کان لہ اجر شہید نقل کر کے لکھتے ہیں رواہ احمد والبزار والطبرانی واسنادا احمد حسن انتہی ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ زواجر میں لکھتے ہیں وروی احمد بسند حسن والبزار والطبرانی عن جابر رض قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی الطاعون الفار منہ کالفار من الزحف ومن صبر فیہ کان لہ اجر شہید والترمذی وقال حسن غریب۔ اور حافظ سیوطی نے جامع صغیر میں بلفظ مشکوٰۃ نقل کر کے اس پر علامت تصحیح لکھی ہے، اور بلفظ منذری نقل کر کے اس پر علامت تضعیف لکھی ہے، اور حافظ عراقی نے اس کی سند کو ضعیف بتایا ہے، کما مر، اور حافظ ابن حجر فتح الباری میں جابر کی اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں وسندہ صالح للمتابعات، پس جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اگر قابل احتجاج نہیں ہے، تو قابل استشہاد ضرور ہے، مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کے تحت میں لکھتے ہیں، ازیں حدیث معلوم می شود کہ گریختن از طاعون گناہ کبیرہ است، چنانکہ فرار از زحف واگر اعتقاد کند کہ اگر نہ گریزد البتہ می میرد واگر بگریزد البتہ بسلامت ماند کفر است انتہی، صحیح بخاری اور مسلم میں ہے۔ عن اسامۃ بن زید قال قال رسول اللہ

لہ طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے، جیسا کہ میدان جنگ سے بھاگنے والا، اور جو اس میں صبر کرے گا، اس کے لئے شہید کا اجر ہے ۱۲

؎۲ جابر رض کہتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ طاعون کے بارے میں فرماتے تھے، اس سے بھاگنے والا ایسا ہے، جیسا میدان جنگ سے بھاگنے والا، جو اس میں صبر کرے گا اس کے لئے ایک شہید کا ثواب ہے ۱۲

؎۳ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ طاعون سے بھاگنا کبیرہ گناہ ہے جیسا کہ میدان جنگ سے بھاگنا، اور اگر یہ عقیدہ رکھے کہ اگر یہاں سے بھاگ نہ گیا، تو یقیناً مر جاؤں گا، اور اگر یہاں سے چلا جاؤں تو بچ جاؤں گا، تو وہ کافر ہے ۱۲

الطاعون رجز ارسل علی طائفة من بنی اسرائیل او علی من کان قبلکم فاذا سمعتم به بارض فلا تقدموا علیه واذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا فرارا منه۔ یعنی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طاعون عذاب ہے، جو بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر یا ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے بھیجا گیا تھا۔ پس جب تم کسی جگہ میں طاعون سنو تو وہاں نہ جاؤ، اور جب کسی مقام میں طاعون ہو اور تم وہاں ہو تو وہاں سے طاعون سے بھاگ کر مت نکلو۔ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا، کہ طاعونی جگہ سے طاعون سے بھاگنے کے ارادہ سے نکلنا حرام ناجائز ہے، کیونکہ اس حدیث میں خروج کی ممانعت بلفظ نہی (فلا تخرجوا) وارد ہوئی ہے، جو حقیقۃً حرمت کے لئے موضوع ہے، اور اس نہی کے نہی تحریمی ہونے پر حضرت عائشہ رض کی حدیث الفار من الطاعون کالفار من الزحف بھی واضح دلیل ہے، کما تقدم بیانہ۔ اور یہی جمہور کا مذہب ہے، اور جو لوگ اس نہی کو نہی تنزیہی کہتے ہیں، ان کا قول بے دلیل ہے، علامہ زرقانی شرح موطا میں اس حدیث کے تحت میں لکھتے ہیں۔ والجمهور علی انه للتحریم حتی قال ابن خزیمة انه من الکبائر التی یعاقب الله ان لم یعف یعنی جمہور کا یہ قول ہے، کہ طاعونی جگہ سے بھاگنے کی نہی تحریمی ہے، یہاں تک کہ کہا ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہ طاعونی جگہ سے بھاگنا ان کبیرہ گناہوں میں سے ہے جن پر اللہ تعالیٰ عذاب کرے گا، اگر معاف نہ کیا، اور علامہ محمد شرح شرح مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں۔ وخالفهم الاکثر وقالوا انه للتحریم حتی قال ابن خزیمة انه من الکبائر التی یعاقب علیها ان لم یعف وهو ظاهر قوله صلی الله علیه وسلم الطاعون غدة کغدة البعیر المقیم بها کالشهید والفار منه کالفار من الزحف رواه احمد برجال ثقات وروی الطبرانی وابو نعیم باسناد حسن مرفوعا الطاعون شهادة لامتی ووخز اعدائکم من الجن غدة کغدة البعیر تخرج فی الاباط والمراق من مات

لہ طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسا میدان جنگ سے بھاگنے والا ۱۲ ۔ ۲ے اکثر نے ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے، کہ یہ نہی تحریمی ہے، یہاں تک کہ ابن خزیمہ نے کہا یہ کبیرے گناہوں سے ہے، اگر معاف نہ ہوا، تو اس پر سزا ہوگی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے، کہ طاعون ایک غدود ہے، جیسے اونٹ کی غدود وہاں میں ثابت رہنے والا شہید کی طرح ہے، اور اس سے بھاگنے والا میدان جنگ سے بھاگنے والے کی طرح ہے، اور ایک روایت میں ہے، طاعون میری امت کے لئے شہادت ہے، اور یہ تمہارے دشمن جنوں کا کچوکا ہے، ایک غدود ابھرتی ہے، جیسے اونٹ کی غدود، بغل یا گردن پر ہوتی ہے، جو اس میں مر جائے وہ شہید ہے، اور جو اس میں ثابت قدم رہے، وہ غازی فی سبیل اللہ ہے، اور جو اس سے بھاگ جائے، وہ میدان جنگ سے بھاگنے والے کی طرح ہے ۱۲

متمہات شہید اومن اقام بہ کان کالمرابط فی سبیل اللہ ومن فرمنہ کان کالفار من الزحف انتہی۔ امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں وفی ھذہ الاحادیث منع القدوم علی بلدۃ الطاعون ومنع الخروج فرارا من ذلک اما الخروج لعارض فلا باس وھذا الذی ذکرنا ھو مذھبنا ومذھب الجمھور وقال القاضی ھو قول الاکثرین حتی قالت عائشۃ رض الفرار منہ کالفرار من الزحف قال ومنھم من جوز القدوم علیہ والخروج منہ فرارا یعنی اسامہ بن زید وغیرہ کی ان حدیثوں میں طاعونی مقام میں جانے کی، اور اس سے طاعون سے فرار کے ارادہ سے نکلنے کی ممانعت ہے، لیکن کسی اور ضرورت سے نکلنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے، اور یہی ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے، قاضی نے کہا یہی اکثروں کا قول ہے، یہاں تک کہ حضرت عائشہ رض نے کہا کہ طاعون سے بھاگنا لڑائی سے بھاگنے کی مثل ہے، اور بعض لوگوں نے طاعونی مقام میں جانے اور اس سے نکلنے کو جائز کہا ہے، پھر امام نووی ان بعض لوگوں کے قول کو نقل کرکے لکھتے ہیں والصحیح ماقدمناہ من النھی عن القدوم علیہ والفرار منہ لظاھر الاحادیث الصحیحۃ انتہی یعنی اور صحیح وہی ہے جو ہم نے کہا ہے، یعنی طاعونی مقام میں داخل ہونا اور اس سے بھاگنا ممنوع ہے، کیونکہ ظاہر احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہے، اور حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ ومنھم من قال النھی فیہ للتنزیہ ولا یحرم وخالفھم جماعۃ فقالوا یحرم الخروج منھا لظاھر النھی الثابت فی الاحادیث الماضیۃ وھذا ھو الراجح عند الشافعیۃ وغیرھم ویؤیدہ ثبوت الوعید علی ذلک فاخرج احمد وابن خزیمۃ من حدیث عائشۃ رض مرفوعا قلت یا رسول اللہ فما الطاعون قال غدۃ کغدۃ الابل المقیم فیھا کالشھید والفار منھا کالفار من الزحف وله شاھد من حدیث جابر رفعہ الفار من الطاعون کالفار من الزحف والصابر فیہ کالصابر فی الزحف اخرجہ احمد ایضا وابن خزیمۃ وسندہ صالح للمتابعات۔ یعنی بعض لوگوں نے کہا ہے کہ طاعونی جگہ سے نکلنے کی نہی جو حدیث میں آئی ہے، وہ تنزیہی ہے، پس نکلنا مکروہ ہے، اور حرام نہیں ہے، اور ایک جماعت نے ان لوگوں کی مخالفت کی ہے، اور کہا ہے کہ طاعونی مقام سے نکلنا حرام ہے بسبب ظاہر ممانعت کے جو احادیث گذشتہ سے ثابت ہے، اور شافعیہ وغیرہم کے نزدیک یہی راجح ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ طاعونی مقام سے نکلنے پر وعید ثابت ہے چنانچہ امام احمد اور ابن خزیمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً بسند حسن روایت کیا ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ طاعون کیا ہے، آپ نے فرمایا گلٹی ہے جیسے اونٹ کو گلٹی ہوتی ہے اس میں مقیم

رہنے والا مثل شہید کے ہے، اور اس سے بھاگنے والا لڑائی سے بھاگنے والے کی مثل ہے، اور اس حدیث کی شاہد وہ حدیث ہے، جس کو امام احمد اور ابن خزیمہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، کہ طاعون سے بھاگنے والا لڑائی سے بھاگنے والے کی مثل ہے، اور طاعون میں صبر کرنے والا لڑائی میں صبر کرنے والے کی مثل ہے، اور سند اس کی متابعت کی صلاحیت رکھتی ہے شیخ عبدالحق محدث اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کے تحت میں لکھتے ہیں، ضابطہ درویں این است کہ در انجا کہ مست نباید رفت، واز انجا کہ باشد نباید گریخت، واگرچہ گریختن در بعض مواضع مثل خانہ کہ در وے زلزلہ شدہ، یا آتش گرفتہ یا نشستن در زیر دیوارے کہ خم شدہ نزد غلبہ ظن بہلاک آمدہ است، اما در باب طاعون جز صبر نیامدہ دگریختن تجویز نیافتہ وقیاس این برآن سواد فاسد است، کہ آنہا از قبیل اسباب عادیہ اند، واین از اسباب وہمی دبہر تقدیر گریختن ازان جا جائز نیست دہیچ جا وارد نہ شدہ دہر کہ بگریزد عاصی و مرتکب کبیرہ و مردود است انتہی۔ المختصر ان احادیث صحیحہ سے صاف ثابت ہوتا ہے، کہ خروج فراراً من الطاعون مطلقاً منع ہے، بنا علیہ جس جگہ طاعون واقع ہو، وہیں ٹھہرے رہنا ضروری ہے، اور وہاں سے بھاگ کر کسی دوسرے مقام میں جانا جائز ہے، اور نہ اس جگہ کی سرحد کے کھیتوں اور کنوؤں پر چھپر ڈال کر جا رہنا درست ہے، ہذا ما عندی واللہ تعالے اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری، عفا اللہ عنہ،

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین اندرین باب کہ از روئے مذہب حنفی تداوی بحرام خصوصاً بخمر وغیرہ جائز است یا نہ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ باید دانست کہ تداوی بحرام خصوصاً بخمر در ظاہر مذہب

ملے اس میں قانون یہ ہے، کہ جہاں طاعون ہو، وہاں نہ جائے، اور جہاں ہو، وہاں سے نہ بھاگے، بعض حالات میں جہاں غلبہ گمان موت ہو، بھاگنا ثابت ہوتا ہے، مثلاً زلزلہ کے وقت مکان سے باہر نکل جانا، یا کہیں آگ لگی ہوئی ہو تو باہر چلے جانا، یا اگر کوئی دیوار گرنے والی ہو تو اس سے پرے ہٹ جانا، ایسی صورتوں میں جائز ہے کیونکہ ایسی صورت میں موت امور عادیہ میں سے ہے، اور طاعون میں کسی حالت میں بھی باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ یہ اسباب وہمیہ میں سے ہے، اور اس کو ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، بہرحال جو اس سے بھاگے گا وہ مرتکب گناہ کبیرہ کا ہے اور مردود ہے۔

سوال:۔ مذہب حنفی میں حرام چیز خصوصاً شراب سے علاج کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حرام چیز سے علاج کرنا خاص کر شراب سے ظاہر مذہب میں جائز نہیں ہے، ہدایہ میں اسی طرح

جائز نیست، چنانکہ در بحر و ہدایہ وغیرہ مذکور است، ولیکن از نہایہ و عنایہ و قاضی خاں وغیرہ چناں مستفاد می شود کہ ہرگاہ دیگر دوا مفید و نافع نہ باشد و اطبار حاذقین گویند کہ در حرام و خمر شفا ایں مرض بظن غالب است، پس دریں صورت استعمال آں جائز است و یک جماعت علمائے بلخ ہم بریں رفتہ اند پس بموجب قول صاحب عنایہ وغیرہ استعمال خمر بتداوی برائے مریض کہ قریب ہلاکت است مباح خواہد بود۔ الا انہ لا ینبغی ان یستعمل المحرم کالخمر و نحوھا لان الاستشفاء بالمحرم حرام ھدایۃ۔ قیل اذا لم یعلموا ان فیہ شفاء اما اذا علموا ان فیہ شفاء ولیس لہ دواء اخر غیرہ یجوز الاستشفاء بہ و معنی قول ابن مسعود ان اللہ لم یجعل شفاءکم فیما حرم علیکم یحتمل ان عبد اللہ قال فی داء عرف لہ دواء غیر المحرم لانہ یستغنی بالحلال عن الحرام و یجوز ان یقال تنکشف الحرمۃ عند الحاجۃ فلا یکون الشفاء بالمحرم وانما یکون الحلال کذا فی العنایۃ۔ اختلف فی التداوی بالمحرم و ظاھر المذھب المنع لما فی رضاع البحر لکن نقل المصنف ثمہ وھنا عن الحاوی و قیل یرخص اذا علم فیہ الشفاء و لم یعلم دواء اخر کما رخص الخمر للعطشان و علیہ الفتوی کذا فی الدر المختار قال فی العنایۃ عن الذخیرۃ والاستشفاء بالحرام یجوز اذا علم ان فیہ شفاء و لم یعلم دواء اخر و فی فتاوی قاضی خاں معزیا الی نصر بن سلام معنی قولہ علیہ السلام ان اللہ لم یجعل شفاءکم فیما حرم علیکم محمول علی الاشیاء التی لا یکون فیھا شفاء فاما اذا کان فیہ شفاء فلا باس بہ الا تری ان العطشان حل لہ شرب الخمر للضرورۃ و کذا اختار صاحب الھدایۃ فی التجنیس انتھی ما فی الطحاوی مختصرا ولو ان مریضا اشار الیہ

ہے، لیکن نہایہ، عنایہ اور قاضی خان وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بیماری مہلک ہو، اور اس کے لئے اور کوئی علاج نہ ہو اور حرام دوائی سے فائدہ کا گمان غالب ہو اور مریض قریب المرگ ہو، تو ایسی حالت میں حرام دوا سے علاج جائز ہے اور ابن مسعود کا قول کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفا حرام چیزوں میں نہیں رکھی، ممکن ہے کہ حضرت عبد اللہ نے کسی ایسی بیماری کے متعلق کہا ہو جس کا اور کوئی علاج بھی معلوم ہو اور حرام کی ضرورت نہ پڑے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایسی خطرناک بیماری میں کوئی حرام چیز حرام نہیں رہتی، بلکہ وہ حلال ہے، اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے پیاسے کو شراب پی لینا جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، اور قاضی خاں میں نصر بن سلام کا قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ اللہ نے حرام چیزوں میں تمہاری شفا نہیں رکھی، یہ ان چیزوں کے متعلق ہے جن میں شفا معلوم نہ ہو، لیکن جب شفا معلوم ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، طحاوی میں ہے، کہ اگر کوئی حاذق طبیب کسی

الطبیب بشرب الخمر روی عن جماعۃ من ائمۃ بلخ انہ ینظر ان کان یعلم یقینا انہ یصلح حل لہ التناول کذا فی الفتاوی العالمگیریۃ۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین

مسئلہ:۔ استعمال کردن ادویہ انگریزی کہ درین آمیزش خمر باشد ممنوع است مسلمانان را بجہت آنکہ خمر نجس مغلظ مثل بول وبراز آدمی است نہ بسبب سکران زیرا کہ یک قطرہ خمر در صد قطرہ دیگر ادویہ موجب اسکار نخواہد شد، و چہ یک قطرہ خمر دران ادویہ مستہلک وگمنام شد و باعتبار نجس بودن خمر یک قطرہ خمر ہمہ ادویہ صد قطرہ را ناپاک گردانید، چنانکہ یک قطرہ بول ہمہ آب سبو را ناپاک می کند و ہمین حال ادویہ ممتزجہ خمر است، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ السید شریف حسین عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ تداوی بالخمر جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ درست نہیں ہے، اس واسطے کہ خمر حرام ہے، اور حرام میں شفا نہیں ہے جیسا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے واضح ہوتا ہے۔ عن ام سلمۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم اخرجہ البیہقی وصححہ ابن حبان کذا فی بلوغ المرام۔ اور اس واسطے کہ خمر دوا نہیں ہے، بلکہ داء یعنی بیماری ہے، جیسا کہ طارق بن سوید کی روایت سے واضح ہوتا ہے۔ عن وائل الحضرمی ان طارق بن سوید سال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الخمر یصنعہا للدواء فقال انہا لیست بدواء ولکنہ داء اخرجہ مسلم وابوداؤد وغیرہما کذا فی بلوغ المرام۔ اور اس واسطے کہ ابوداؤد نے ابوالدرداء سے مرفوعاً روایت کی ہے، کہ لا تداووا بحرام یعنی حرام سے مت دوا کرو، اس روایت میں اگرچہ ایک راوی مستور ہے، مگر دونوں روایتیں جو پہلے مذکور ہوئیں، اور ایک روایت جو آگے

مریض کو شراب پلانے کا حکم دے، تو ائمہ بلخ کی ایک جماعت کا فتوی ہے، کہ اگر اس سے صحت یقینی ہو تو اس کا پی لینا جائز ہے ۱۲

مسئلہ:۔ انگریزی ادویات کا استعمال جن میں شراب کی آمیزش ہوتی ہے منع ہے کیونکہ شراب پاخانہ پیشاب کی طرح نجاست غلیظہ ہے اس کی حرمت کی وجہ نشہ نہیں ہے، کیونکہ سو قطرہ دوائی میں اگر ایک قطرہ شراب ہوگا تو وہ نشہ نہیں لائے گا، کیونکہ اتنی دوائی میں شراب کا ایک قطرہ تو فنا ہو جائے گا، اس کی حرمت باعتبار نجاست کے ہے، کیونکہ اس کا ایک قطرہ تمام دوائی کو اسی طرح پلید کر دے گا جیسے پانی کے ایک مشکے کو پیشاب کا ایک قطرہ، شراب ملی دوائی کا یہی حکم ہے ۱۲

آتی ہے، اس کو قوت دیتی ہے، اور اس واسطے کہ خمر بلاشبہ خبائث میں داخل ہے، اور دوار خبیث سے ممانعت آئی ہے، جیسا کہ ابوداؤد میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الدواء الخبیث۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا دوار خبیث سے، اس حدیث کے سب راوی صدوق ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب دواؤں میں نامشروعات دناپاک اجزا اگرچہ ملے ہیں، لیکن ان کی ہیئت تبدیل ہوگئی ہے، مثلاً شراب ہے، کہ اسے دواؤں میں ملا کر اس کی حالت بالکل بدل دی گئی ہے، اور اب اس میں کسی قسم کی بو باشہ باقی نہیں ہے، تو وہ دوا استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں، دوسری صورت یہ ہے، کہ مثلاً سور کی چربی دواؤں میں ملا کر تیل کھینچا جاتا ہے، تو اس تیل کی مالش جائز ہے یا نہیں، اور بعد مالش کے بلا دھوئے ہوئے نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں تیسری صورت یہ ہے، کہ ایسی چیزیں مثل شیر اور سور کی چربی کے دواؤں میں ملی ہے، جو مثل مرہم کے ہے، مگر صورت اس کی بدلی ہوئی ہے تو ایسے مرہم کے استعمال سے بعد نماز جائز ہوگی یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ حرام اور ناپاک چیز جیسے شراب وغیرہ سے دوا کرنا حرام وناجائز ہے خواہ وہ حرام اور ناپاک چیز اپنی حالت پر باقی رہے، یا دواؤں میں ملا کر اس کی حالت بدل دی گئی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی لوگ شراب سے دوا تیار کرتے تھے، آپ نے ان کو منع کیا، اور فرمایا، کہ شراب دوا نہیں ہے، بلکہ یہ بیماری ہے، نیز آپ نے فرمایا، کہ حرام چیز سے دوا مت کرو۔ عن وائل بن حجران طارق بن سوید الجعفی سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الخمر فنھاہ[1] عنھا فقال انما اصنعھا للدواء فقال انہ لیس بدواء ولکنہ داء رواہ احمد ومسلم وابوداؤد والترمذی وصححہ علامہ شوکانی اس حدیث کے تحت میں لکھتے ہیں فیہ التصریح بان الخمر لیست بدواء فیحرم التداوی بھا کما یحرم شربھا وکذلک سائر الامور النجسۃ او المحرمۃ والیہ ذھب الجمھور انتھی[2] وعن ابی الدرداء قال قال رسول

---

[1] طارق بن سوید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے متعلق سوال کیا، آپ نے اس سے روک دیا، اس نے کہا میں دوائیوں میں اس کو استعمال کرتا ہوں، آپ نے فرمایا، یہ دوائی نہیں ہے، یہ تو خود بیماری ہے (احمد، بخاری) [2] اس میں تصریح ہے کہ شراب دوائی نہیں ہے، اور نہ اس کے ساتھ علاج کرنا جائز ہے، جیسا کہ دوسری ناپاک اور حرام چیزوں سے علاج کرنا منع ہے۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ انزل الداء والدواء وجعل لکل داء دواء فتداووا ولا تداووا بالحرام رواہ ابوداؤد (علامہ شوکانی اس حدیث کے تحت میں لکھتے ہیں قولہ ولا تداووا بالحرام ای لایجوز التداوی بما حرمہ اللہ من النجاسات وغیرھا مما حرم اللہ ولو لم یکن نجسا انتہی۔ ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے، کہ شراب اور تمام حرام چیزوں سے دوا کرنا مطلقاً ممنوع وناجائز ہے، خواہ تنہا ان چیزوں سے دوا کی جائے، یا ان حرام چیزوں کو اور اجزا کے ساتھ مخلوط کر کے دوا کی جائے، خواہ ان کی ہیئت باقی ہے، یا تبدیل ہوگئی ہو، خواہ ان حرام چیزوں کو اور دواؤں میں ملا کر تیل کھینچا گیا ہو، غرض ہر صورت سے حرام اور ناپاک چیز ہے، دوا کرنا ممنوع اور ناجائز ہے۔ قال العلامۃ الشوکانی فی النیل ان ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام سواء کان مفردا ومختلطا بغیرہ وسواء کان یقوی علی الاسکار بعد الخلط او لا یقوی انتہی۔ اور دوسری صورت میں اس تیل کی مالش جائز نہیں، اس واسطے کہ جب سور کی چربی یا کسی اور حرام جانور کی چربی دواؤں میں ملا کر تیل کھینچا جائے گا، تو وہ تیل حرام اور نجس ہوگا، اور حرام ونجس چیز سے علاج کرنا جائز نہیں کما مر، اور بعد مالش کے بلا دھوئے ہوئے نماز پڑھنا جائز نہیں، اور تیسری صورت میں نہ ایسے مرہم کا استعمال جائز ہے، اور نہ بعد استعمال کے بلا دھوئے ہوئے نماز پڑھنا جائز ہے۔ کما تقدم۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العاجز السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

جمہور کا یہی مذہب ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے بیماریاں بھی پیدا کی ہیں، اور ان کے علاج بھی، ہر بیماری کی کوئی نہ کوئی دوا ہے، تم دوا تو کیا کرو، لیکن حرام سے علاج نہ کرو۔ ۱۲

لہ حرام سے علاج نہ کرو، یعنی حرام اور پلید چیزوں سے علاج کرنا اللہ تعالیٰ نے جائز نہیں رکھا (ابوداؤد)

۲ شوکانی نے کہا، جو چیز کثیر مقدار میں مستی لائے، اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے، خواہ وہ خالص ہو یا کسی چیز میں ملی ہوئی ہو، اور خواہ وہ ملاوٹ کے بعد نشہ لاسکے یا نہ ۱۲

کِتَابُ الادبُ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بوقت ملاقات عمرو کے ابتدا السلام کی و نیز ایک ہاتھ واسطے مصافحہ کے عمرو کی طرف بڑھایا عمرو نے بے ساختہ کہا، کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا طریقہ نبوی نہیں بلکہ طریقہ نصاریٰ ہے اور سنت طریقہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا ہے، لہذا گذارش ہے، کہ سنت طریقہ مصافحہ کا حدیثوں سے کس طور پر ثابت ہے، اور عمرو اس لفظ کے کہنے سے کہ طریقہ نصاریٰ ہے، گنہگار ہوگا یا نہیں عام فہم عبارت تحریر فرمایئے، اور حدیثوں کا ترجمہ اس کے تحت میں ہو، اور جس کتاب کی عبارت ہو، مع صفحہ وجلد کے تحریر فرمایئے، اور اجر اس کا عنداللہ لیجیئے۔

الجواب:۔ بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ مصافحہ کے بارے میں اگرچہ رواج تو ایسا ہی ہو رہا ہے، کہ اکثر آدمی دونوں ہاتھ سے کرتے ہیں، اور اسی کو اچھا بھی سمجھتے ہیں لیکن حدیثوں کی رو سے ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرنا ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ جو حدیثیں مصافحہ کے بارے میں آئی ہیں ان میں ید کا لفظ ہے، جن کے معنی ہیں ایک ہاتھ، چنانچہ ترمذی صفحہ ۹۰ باب المصافحہ میں حضرت انس سے روایت ہے۔ قال رجل یا رسول اللہ الرجل منا یلقی اخاہ او صدیقہ اینحنی لہ قال لا قال فیلتزمہ ویقبلہ قال لا قال فیاخذ بیدہ ویصافحہ قال نعم یعنی ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی آدمی اپنے بھائی سے یا دوست سے ملے تو کیا اس کے واسطے جھک جایا کرے آپ نے فرمایا، کہ نہیں اس نے کہا، کیا معانقہ کرے آپ نے فرمایا، کہ نہیں، اس نے کہا، کہ کیا اس کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کیا کرے فرمایا، کہ ہاں، اور اس حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے، اور مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۰ باب فی اخلاقہ وشمائلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے آیا ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان[1] اذا صافح الرجل لا ینزع یدہ من یدہ حتی یکون ھو الذی ینزع یدہ الا یعنی

---

[1] قولہ کان اذا صافح الخ اخرجہ الترمذی وفی اسنادہ زید العمی وھو ضعیف ۱۲ ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وسیع الحلم اور عظیم الخلق تھے، کہ جب کسی شخص سے مصافحہ کرتے تو جب تک وہی شخص اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ مبارک سے جدا نہ کرتا، تب تک آپ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے جدا نہ فرماتے، اور مشکوٰۃ کتاب الدعوات صفحہ ۲۰۶ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے آیا ہے۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا ودع رجلا اخذ بیدہ فلا یدعھا حتی یکون الرجل ھو یدع ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویقول استودع اللہ دینک وامانتک واخر عملک من ابی داؤد وغیرہ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو رخصت کرتے تو اس کا ہاتھ پکڑتے پھر نہ چھوڑتے اس کو جب تک کہ وہ شخص خود ہی آپ کے مبارک ہاتھ کو نہ چھوڑتا، اور آپ اس وقت یعنی رخصت کرتے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے، جس کا ترجمہ یوں ہے، کہ تیرے دین و امانت کو اور کاموں کے انجام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں، اور مشکوٰۃ باب المصافحہ میں ابو داؤد کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے آیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے، تو وہ آپ کا ہاتھ پکڑتیں اور اپنی جگہ پر بٹھلاتیں، اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے پاس آتیں، تو آپ ان کا ہاتھ پکڑتے، اور اپنی جگہ پر بٹھلاتے، ان حدیثوں سے کئی مسئلے معلوم ہوتے، ایک یہ کہ ملنے والے کی تعظیم کے واسطے جھک جانا درست نہیں ہے، اور معانقہ کی بابت حدیث اول میں ممانعت ہے اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے جواز معلوم ہوتا ہے، جو کہ ترمذی جلد دوم صفحہ ۱۰۹ میں ہے مگر ترمذی والی روایت میں چونکہ یہی مذکور ہے، کہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت سفر سے آئے تھے، لہٰذا دونوں روایتوں کے جمع کرنے سے یہ مسئلہ نکلا، کہ جب سفر سے آوے تب معانقہ بھی درست ہے، اور ہر وقت کی ملاقات میں معانقہ منع ہے صرف مصافحہ کرنا سنت ہے اور ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا، کہ جس طرح آتے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے، اسی طرح رخصت ہوتے وقت بھی سنت ہے، حالانکہ اکثر لوگ یوں کہتے ہیں کہ رخصت ہوتے وقت کا مصافحہ درست نہیں ہے، پس یاد رکھیں کہ درست اور سنت ہے، اور ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا، کہ اگر ملنے والے محرم ہوں، تو عورت مرد کو بھی باہم مصافحہ درست ہے، جیسے باپ بیٹی یا بھائی بہن یا خاوند زوجہ وغیرہم، مگر بعض مولوی یا پیرزادے چونکہ نامحرم عورتوں سے بھی مصافحہ کرتے ہیں اس لئے اس موقع پر یہ لکھنا ضروری ہے، کہ کسی مرد کو نامحرم عورت سے مصافحہ کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ ابن ماجہ صفحہ ۲۱۲ باب بیعۃ النساء میں امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انی لا اصافح النساء[1] یعنی میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا ہوں، اور
ابن ماجہ کے اسی باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں، کہ
قسم ہے اللہ تعالیٰ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو
نہیں چھوا، اگر کوئی صاحب یوں کہیں، کہ یہ صرف بیعت کے بارے میں ہے، تو میں یہ جواب دوں گا
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ انی لا اصافح النساء عام ہے، اس عموم میں سے محرم
عورتیں خاص ہوگئیں بوجہ حدیث مذکورہ بالا کے، جس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے
مصافحہ کرنے کا بیان ہے، باقی سب عورتیں ہر صورت سے اس عموم نہی میں داخل رہیں اور ایک
مسئلہ یہ معلوم ہوا، کہ ہر ایک ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے، کچھ یہ نہیں ہے، کہ
چند روز کے بعد ملاقات ہو تب ہی سنت ہو، اور ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا، کہ مصافحہ میں سنت
طریقہ یہی ہے، کہ ایک ہاتھ سے کیا جاوے، دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت نہیں ہے، دونوں
ہاتھوں کا بیان تو اس طرح ہوتا ہے، جس طرح تیمم کے بیان والی حدیثوں میں ہوا ہے، چنانچہ مشکوۃ
صفحہ ۴۶ باب التیمم میں بخاری کی روایت سے آیا ہے۔ فضرب النبی صلی اللہ علیہ وسلم
بکفیہ الارض ونفخ فیہما ثم مسح بہما وجہہ وکفیہ۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دونوں
ہتھیلیاں زمین پر ماریں، اور ان دونوں میں پھونک ماری، پھر ان دونوں کو اپنے چہرہ مبارک اور دونوں
ہاتھوں پر ملا، اور مسلم کا لفظ اسی روایت میں یوں ہے۔ انما یکفیک ان تضرب بیدیک الارض یعنی
فرمایا، کہ تجھ کو کفایت کرتا تھا، کہ مارتا تو دونوں ہاتھ اپنے زمین پر، پس مصافحہ کی حدیثوں میں ید کا لفظ اور تیمم
کی حدیث میں یدین اور کفین کا لفظ آنا اس امر کی روشن دلیل ہے، کہ مصافحہ ایک ہی ہاتھ سے کرنا سنت
ہے، اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو روایت آئی ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو
التحیات کا پڑھنا سکھایا، اور اس وقت میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں تھا، اس سے
بعض علماء دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی سنت نکالتے ہیں، لیکن انصاف کی رو سے یہ حدیث
مصافحہ کے بارے میں نہیں، اور ہو سکتی بھی نہیں، ہے تو نہیں اس لئے کہ اس میں مصافحہ کا ذکر نہیں
ہے بلکہ تعلیم اور تذکیر کا بیان ہے، اور یہ عام دستور ہے، اور سب جانتے ہیں، کہ جب کوئی ضروری
بات یا کام کسی کو سکھانا یا سمجھانا ہوتا ہے، اور اس کے حال پر مہربانی وشفقت کی نظر ہوتی ہے تو اس

(۱) قولہ انی لا اصافح النساء اخرجہ ایضا الترمذی والنسائی۔ الجامع الصغیر۔ ابو سعید محمد شرف الدین ۱۲

(ترجمہ) قولہ انی لا اصافح النساء الخ اس روایت کو ترمذی اور نسائی نے بیان کیا ہے۔ الجامع الصغیر ۱۲

سے سر یا کاندھے پر ہاتھ رکھ کر یا اس کا ہاتھ پکڑ کر سکھایا، یا سمجھایا کرتے ہیں، اور ہو سکتی نہیں، اس لئے کہ مصافحہ کے صرف تین موقعے ہیں، یا آتے وقت یا رخصت ہونے وقت یا بیعت کے وقت، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں تینوں موقعے نہیں پھر اس کو مصافحہ کے مسئلہ سے کیا علاقہ، باقی رہا بعض علماء کا قول یا فعل سو وہ دلیل شرعی نہیں ہے خصوصاً جب کہ احادیث مرفوعہ صحیحہ کے مخالف واقع ہو، تو پھر اس سے کیا کام نکل سکتا ہے، اس کی اتنی رعایت کافی ہے، کہ اگر کوئی شخص دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرلے، تو اس پر چنداں گرفت نہ کی جاوے، مگر اس کو سنت کہنا بالکل غلط ہے، کیوں کہ سنت ہونے کا شرف تو ایک ہی ہاتھ کے مصافحہ کے واسطے حاصل ہے، ایک ہاتھ کے مصافحہ کو نصاریٰ کا طریقہ کہہ دینا اگر ناواقفیت کی وجہ سے ہے، تو عمرو کو سمجھ لینا چاہیے، کہ یہود و نصاریٰ کی یا دوسرے کافروں کی مشابہت ایسے کام میں ہوا کرتی ہے، جس کو شریعت اسلام نے ثابت یا مقرر نہیں رکھا، مسلمان لوگ صرف کفار کی ریس سے اس کو کرنے لگیں، اور جو کام شریعت میں ثابت ہو چکا ہے، وہ اگر یہود و نصاریٰ یا دوسرے کافروں میں بھی پایا جاوے، تو اس کام پر اس کی مشابہت کا اطلاق صحیح نہیں ہے اور وہ واجب الترک بھی نہیں ہے، مثلاً سپہ گری کا فن سیکھنا، اور گھوڑے کی سواری میں مشاقی پیدا کرنا آج کل نصاریٰ میں بہت کثرت سے رائج ہے، مگر شریعت اسلام میں بھی چونکہ یہ امر مقرر اور ما مور بہ ہے لہٰذا اس کو نصاریٰ کی مشابہت کے تحت میں لا کر واجب الترک ہرگز نہیں کہہ سکتے، اس قاعدہ کو یاد رکھیں اور ہر موقع پر اس کے موافق جانچ کر کے حکم لگایا کریں گے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ غلطی نہ ہوگی، اور اگر عمرو مذکور نے جان بوجھ کر ایسا لفظ کہا ہے تو سنت کی صریح توہین ہے، اور سنت کی توہین کفر ہے ایسی باتوں سے مسلمانوں کو بہت ڈرنا اور بچنا چاہیے، فقط

حررہ العاجز حمید اللہ عفی عنہ، ساکن سرادہ، ضلع میرٹھ، | حمید اللہ |

| سید محمد نذیر حسین |

ھوالموفق، جواب صحیح ہے، بے شک مصافحہ کا طریقہ مسنون یہی ہے، کہ ایک ہاتھ سے یعنی داہنے ہاتھ سے کیا جاوے، اور دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا کسی حدیث مرفوع صحیح سے ثابت نہیں ہے، اس مسئلہ کی تحقیق میں رسالہ المقالۃ الحسنٰی فی سنیۃ المصافحۃ بالید الیمنیٰ ایک جامع اور مفید رسالہ چھپ کر شائع ہوا ہے، جس شخص کو اس مسئلہ کی تحقیق کامل طور پر مع مالہا وما علیہا کے منظور ہو اسے چاہیے، کہ اس رسالہ کو ضرور مطالعہ کرے، ہاں اس جواب میں جو یہ لکھا گیا ہے، کہ وہ اور ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا، کہ جس طرح آتے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے، اسی طرح رخصت ہوتے وقت

بھی سنت ہے، حالانکہ اکثر لوگ یوں کہتے ہیں، کہ رخصت ہوتے وقت کا مصافحہ درست نہیں
پس یاد رکھیں، کہ درست اور سنت ہے" سو مجیب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا ٹھیک نہیں ہے اس
واسطے کہ رخصت ہوتے وقت کے مصافحہ کے درست اور سنت ہونے کو مجیب نے
حدیث کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا ودع رجلا اخذ بیدہ فلا یدعہا الخ سے
ثابت کیا ہے، حالانکہ اس حدیث سے صرف مسافر کے رخصت کرتے وقت مصافحہ کا مسنون
ہونا ثابت ہوتا ہے، اور غیر مسافر کے لئے رخصت ہوتے وقت کا مصافحہ اس حدیث سے
ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اس حدیث میں تودیع سے مراد مسافر کو رخصت کرنا ہے، اور مطلب یہ
ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص سفر میں جانے والے کو رخصت کرتے، تو اس کا
ہاتھ پکڑ لیتے، اور یہ دعا کرتے استودع اللہ دینک وامانتک واخر عملک، دیکھو شرح حدیث
ولغت کی کتب، ہاں جامع ترمذی میں ابوامامہ رض کی حدیث میں جو یہ جملہ مروی ہے وتمام تحیتکم
بینکم المصافحۃ، یعنی تم لوگوں کے سلام کی تمامی مصافحہ کرنا ہے، یعنی سلام جب ہی پورا
اور مکمل ہوگا، کہ سلام کے ساتھ مصافحہ بھی کرو، شیخ عبد الحق محدث دہلوی اس جملہ کے ترجمہ میں
لکھتے ہیں" تمام وکمال سلامہائے شما کہ میان یکدیگر می کنید مصافحہ است یعنی چوں سلام
کنید مصافحہ نیز بکنید تا سلام تمام شود وکامل گردد" سو حدیث کے اس جملہ سے رخصت ہوتے
وقت کا مصافحہ مسافر اور غیر مسافر ہر ایک کے لئے البتہ ثابت ہوتا ہے، کیونکہ رخصت ہوتے
وقت مسافر اور غیر مسافر ہر ایک کے لئے سلام کرنا بلاشبہ مسنون ہے، اور سلام کی تمامی مصافحہ
کرنا ہے، تو نتیجہ یہ نکلا، کہ رخصت ہوتے وقت مسافر اور غیر مسافر ہر ایک کے لئے مصافحہ کرنا مسنون
ہے، لیکن جامع ترمذی کی یہ حدیث ضعیف وناقابل احتجاج ہے، ترمذی نے اس حدیث کے
روایت کرنے کے بعد لکھا ہے ھذا اسناد لیس بالقوی یعنی اس حدیث کی سند قوی
نہیں ہے، میں کہتا ہوں، کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی علی بن یزید ہے، اس کی
نسبت ترمذی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ یہ ضعیف ہے، اور خلاصہ میں اس کی نسبت

۱؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی آدمی کو وداع کرتے، تو اس کا ہاتھ پکڑ لیتے، اور اس وقت تک نہ چھوڑتے
جب تک وہ خود نہ چھوڑتا ۱۲ ۲؎ میں تیرا دین اور امانت اور انجام کار خدا کے سپرد کرتا ہوں ۱۲

۳؎ یعنی تمہارا پورا سلام جو تم ایک دوسرے سے کرتے ہو مصافحہ ہے، یعنی جب سلام کرو، تو مصافحہ
بھی کرو، تاکہ سلام پورا ہو جائے ۱۲

لکھا ہے۔ قال البخاری منکر الحدیث یعنی امام بخاری نے کہا، کہ علی بن یزید منکر الحدیث ہے، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جس راوی کی نسبت منکر الحدیث کہتے ہیں اس راوی سے حدیث کا روایت کرنا حلال نہیں ہے، میزان الاعتدال میں ابان بن جبلہ کے ترجمہ میں مرقوم ہے۔ نقل ابن القطان ان البخاری قال کل من قلت فیہ منکر الحدیث فلا تحل الروایۃ عنہ۔ الحاصل جامع ترمذی کی یہ حدیث ضعیف ہے، لہذا اس حدیث کے جملہ مذکورہ سے رخصت ہونے وقت کا مصافحہ ثابت نہیں ہو سکتا، اور کتاب شرعۃ الاسلام میں جو یہ اثر مرقوم ہے، کہ کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تلاقوا تعانقوا واذا تفرقوا تصافحوا وحمدوا اللہ واستغفروا عند ذلک واذا لتقوا وافترقوا فی الیوم مرارا انتہی، سو یہ اثر بے سند ہے، صاحب شرعۃ الاسلام نے اس اثر کی نہ سند لکھی ہے، اور نہ کسی کتاب حدیث کا حوالہ دیا ہے، کہ فلاں کتاب میں یہ اثر مروی ہے، پس جب تک اس اثر کی سند صحیح معلوم نہ ہو، کیونکر قابل اعتبار ہو سکتا ہے، اور امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس اثر کو شعبی سے روایت کیا ہے، مگر اس میں لفظ واذا تفرقوا تصافحوا الخ نہیں ہے، بلکہ اس کا لفظ صرف اس قدر ہے۔ ان[۳] اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانوا اذا لتقوا تصافحوا واذا قدموا من سفر تعانقوا، خلاصہ یہ کہ رخصت ہوتے وقت غیر مسافر کے لئے مصافحہ کا مسنون ہونا نہ کسی حدیث مرفوع صحیح سے ثابت ہے، اور نہ کسی اثر صحیح سے، ہاں مسافر کے لئے رخصت ہوتے وقت ثابت ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری، عفا اللہ عنہ۔

سوال:۔ مصافحہ کرنا ایک ہاتھ سے سنت ہے، یا دونوں ہاتھ سے؟

الجواب:۔ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہے، اور دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا

---

[۱] امام بخاری نے کہا، جس حدیث کو میں منکر کہہ دوں، تو اس کو روایت کرنا جائز نہیں ہے۔[۱۲]

[۲] صحابہ کرام جب آپس میں ملتے، تو معانقہ کرتے، اور جب علیحدہ ہوتے، تو مصافحہ کرتے، اور اس وقت اللہ کی حمد اور استغفار کرتے، اگرچہ دن میں کتنی مرتبہ ملیں۔[۱۲]

[۳] صحابہ کرام جب ملتے تو مصافحہ کرتے، اور جب سفر سے آتے تو معانقہ کرتے۔[۱۲]

---

(۱) قولہ ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ عن انس قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تلاقوا تصافحوا واذا قدموا من سفر تعانقوا رواہ الطبرانی ورواتہ محتج بھم فی الصحیح کذا فی الترغیب والترہیب للمنذری[۱۲]۔ ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ

(ترجمہ) امام منذری نے ترغیب ترہیب میں بیان کیا ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے، اس کے رجال ثقات ہیں۔

سنت نہیں ہے، ایک ہاتھ سے مصافحہ کے سنت ہونے کی وجہ یہ ہے، کہ یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، حافظ ابن عبدالبر تمہید شرح مؤطا میں لکھتے ہیں حدثنا عبدالوارث بن سفیان قال ثنا قاسم بن اصبغ ثنا ابن وضاح قال ثنا یعقوب بن کعب قال ثنا مبشر بن اسمعیل عن حسان بن نوح عن عبید اللہ بن بسر قال ترون یدی ھذہ صافحت بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذکر الحدیث یعنی عبید اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا، کہ تم لوگ میرے اس ہاتھ کو دیکھتے ہو، میں نے اپنے اسی ایک ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا ہے، یہ حدیث صحیح ہے، اس حدیث سے بصراحت ثابت ہوا کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا مسنون ہے، اور اس حدیث کی تائید انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے، عن انس بن مالک قال صافحت بکفی ھذہ کف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما مسست خزا ولا حریرا الین من کفہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکرہ العلامۃ محمد عابد السندی فی حصر الشارد والعلامۃ الشوکانی فی اتحاف الاکابر وغیرھما من المحدثین فی مسلسلاتھم، ونیز اس حدیث کی تائید ابوامامہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، عن ابی امامۃ تمام التحیۃ الاخذ بالید والمصافحۃ بالیمنی رواہ الحاکم فی الکنی، اور ایک ہاتھ سے مصافحہ عند الملاقات کے سنت ہونے کا ثبوت احادیث مصافحہ عند البیعت سے بھی ہوتا ہے، اس واسطے کہ ان دونوں وقتوں کے مصافحہ کی حقیقت وکیفیت ایک ہے، اور ان دونوں مصافحہ کی حقیقت وکیفیت میں شرعاً کچھ فرق ثابت نہیں ہے، اور بیعت کے وقت ایک ہی ہاتھ سے (یعنی داہنے ہاتھ سے) مصافحہ کا مسنون ہونا ثابت ہے، مشکوۃ شریف صفحہ ۶ میں ہے، عن عمرو بن العاص قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت ابسط یمینک فلابایعک فبسط یمینہ فقبضت یدی فقال مالک یا عمرو قلت اردت ان اشترط الحدیث رواہ مسلم ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ صفحہ ۸۷ جلد ۱ میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں، ابسط یمینک ای افتحھا ومدھا لاضع یمینی علیھا کما ھو

۱؎ انس بن مالک کہتے ہیں، کہ میں نے اپنے اس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا، میں نے کوئی ریشم کوئی پٹ اتنا نرم اور ملائم نہ پایا، جتنا کہ آپ کا ہاتھ تھا۔

۲؎ عمرو بن عاص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ اپنا ہاتھ بڑھائیے، میں آپ سے بیعت کروں، جب آپ نے اپنا ہاتھ پھیلایا، تو عمرو نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، آپ نے فرمایا، اے عمرو کیا بات ہے، انہوں نے کہا، میں شرط کرنا چاہتا ہوں الحدیث (مسلم)

۳؎ اپنا دایاں ہاتھ [illegible]

العادة فی البیعة مسند احمد بن حنبل صفحہ ۲۰۷ جلد ۳ میں ہے۔ حدثنا عبد اللہ حدثنا ابی ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبة قال سمعت عتابا مولی ابن هرمز قال سمعت انس بن مالک یقول بایعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدی هذه یعنی الیمنی علی السمع والطاعة صحیح ابوعوانہ میں ہے۔ حدثنا اسحق بن سیار قال حدثنا عبید اللہ قال ثنا سفیان عن زیاد بن علاقة قال سمعت جریرا یحدث حین مات المغیرة بن شعبة خطب الناس فقال اوصیکم بتقوی اللہ وحده لا شریک له والسکینة والوقار فانی بایعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدی هذه علی الاسلام واشترط علی النصح لکل مسلم فورب الکعبة انی لکم ناصح اجمعین واستغفر ونزل۔ مسند امام احمد بن حنبل صفحہ ۵۶۸ میں ہے۔ حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا ابو سعید وعفان قالا ثنا ربیعة ابن کلثوم حدثنی ابی قال سمعت ابا غادیة یقول بایعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابو سعید فقلت له بیمینک قال نعم الحدیث۔ ان احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بیعت کے وقت ایک ہاتھ سے یعنی داہنی ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہے اور انہیں احادیث سے مصافحہ عند الملاقات کا بھی ایک ہی ہاتھ سے مسنون ہونا صاف ظاہر ہوتا ہے، اس واسطے کہ مصافحہ بیعت اور مصافحہ ملاقات کی حقیقت وکیفیت میں شریعت سے کچھ فرق ثابت نہیں ہے، ان احادیث مذکورہ کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جن سے صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کا سنت ہونا ثابت ہے، اور دونوں ہاتھ سے مصافحہ کے سنت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے، کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

سید محمد نذیر حسین — کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری، عفا اللہ عنہ

تاکہ میں اس پر اپنا دایاں رکھوں، جیسا کہ بیعت میں عادت ہے ۱۲ ؎۲ انس بن مالک نے کہا: میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی (مسند احمد بن حنبل)

؎۳ مغیرہ بن شعبہ کی وفات پر حضرت جریر نے خطبہ دیا، اور کہا میں تمہیں اللہ وحدہ لاشریک لہ کے ڈر، اور وقار وسکینت کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اس ہاتھ سے اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی بیعت کی تھی، سو رب کعبہ کی قسم! میں تم سب کا خیر خواہ ہوں پھر استغفار کیا، اور منبر سے نیچے اتر آئے (مسند ابوعوانہ) ؎۴ ابو غادیہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، ابو سعید نے پوچھا، کیا دائیں ہاتھ سے بیعت کی تھی؟ کہنے لگے ہاں (احمد)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگریزی پڑھنا بغرض حصول دنیا کے جائز ہے یا نہیں فقط بینوا توجروا۔

الجواب: بغرض حصول معاش و دفع حاجت کے انگریزی پڑھنی جائز ہے جامع ترمذی میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اتعلم له کلمات من کتاب یهود وقال انی واللہ ما امن یهود علی کتابی قال فما مربی نصف شهر حتی تعلمته له قال فلما تعلمته کان اذا کتب الی یهود کتبت الیهم واذا کتبوا الیه قرأت له کتابهم قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح وقد روی من غیر هذا الوجه عن زید بن ثابت وقد رواه الاعمش عن ثابت بن عبید عن زید بن ثابت یقول امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اتعلم السریانیة (جامع ترمذی ابواب الاستیذان والادب)

حررہ عبد الرحیم عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق: بغرض حصول معاش انگریزی پڑھنا جائز ہے، مگر ایسے طریق سے کہ مفضی الی التنصر والالحاد نہ ہو، ورنہ ہرگز جائز نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری، عفا اللہ عنہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی مسلمان آدمی پیشہ ماہی فروشی یا سبزی فروشی یا نداف یا کپڑا بننے کا کرتا ہے، اور وہ دیندار نمازی، پرہیزگار ہے، کیا اس پیشہ کے کرنے سے وہ اپنے کو شیخ کہہ سکتا ہے، یا لکھا سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: سب اللہ کے نزدیک زیادہ بزرگ پرہیزگار ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ یعنی اللہ کے نزدیک زیادہ بزرگ وہ ہے، جو زیادہ پرہیزگار ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سید، شیخ، مغل، پٹھان یہ چار لقب معروف نہ تھے

سلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہودیوں کی خط وکتابت کی تعلیم دلوائی، اور فرمایا، خدا کی قسم میں اپنی تحریر کے متعلق یہودیوں سے مطمئن نہیں ہوں، پھر میں نے پندرہ دن میں خط وکتابت سیکھ لی، پھر جب میں سیکھ گیا تو اس کے بعد یہودیوں کی طرف جو خط وکتابت ہوتی، وہ میں کرتا اور جب ان کی طرف سے جو نوشت آتی تو اس کو میں پڑھتا، زید بن ثابت کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا (ترمذی) ۱۲

بلکہ مشہور قبیلے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریشی تھے، کوئی تمیمی تھا، کوئی خدری، کوئی اشجعی تھا، بہت عرصہ کے بعد لوگوں نے یہ لقب مقرر کئے، غیاث اللغات میں شیخ کے معنی یہ لکھے ہیں شیخ بالفتح بمعنے خواجہ و پیر، اور صراح میں ہے شیخ پیر و خواجہ، پس باعتبار معنی لغوی کے اگر یہ لوگ اپنے کو شیخ لکھیں یا لکھائیں، تو کوئی حرج نہیں ہے، اور پیشہ کرنے سے کوئی آدمی اپنی قومیت سے خارج نہیں ہوتا، حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بافی کا پیشہ کرتے تھے، فرمایا اللہ تعالی نے وعلمناه صنعة لبوس لكم لتحصنكم من باسكم (سورہ انبیاء) اور فرمایا۔ والنا لہ الحدید ان اعمل سابغات وقدر فی السرد (سورہ سبا) اور زکریا علیہ السلام نجار یعنی بڑھئی تھے صحیح مسلم میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال كان زكريا نجارا۔ اور تاریخ خمیس کے صفحہ ۷۶ میں ادریس علیہ السلام کے حال میں لکھا ہے، کہ كان خياطا یعنی حضرت ادریس علیہ السلام پیشہ درزی کا کرتے تھے، اور نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم اپنی کتاب ستۃ المجالس کے صفحہ ۷ میں لکھتے ہیں، نبی اللہ داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کے کام سے کھاتے تھے، اس کو بخاری نے روایت کیا ہے، داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے، اس کا ذکر قرآن شریف میں بھی آیا ہے، یہ حدیث دلیل ہے اس بات پر کہ انبیاء علیہم السلام اہل حرفہ تھے، حرفہ میں اگر عیب ہوتا، تو اللہ تعالی اپنے نبیوں کو اس سے بچاتا، نوح علیہ السلام نجار تھے یعنی بڑھئی، ابراہیم علیہ السلام بزاز تھے، اسماعیل علیہ السلام صیاد تھے یعنی شکار کا پیشہ کرتے تھے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شبانی گوسفند کی کرتے تھے، حاصل کلام یہ کہ پیشہ کرنے سے کوئی آدمی رذیل نہیں ہوتا ہے، تو اب جو آدمی مسلمان ہو، یا پیشہ ماہی فروشی یا سبزی فروشی یا بندانی کا کرتا ہے، اور وہ دیندار اور پرہیزگار ہے، وہ اپنے کو شیخ لکھا سکتا ہے باعتبار لغت کے، کیونکہ وہ دیندار بزرگ ہے، اور نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق کا تبع ہے، اس لئے وہ شیخ صدیقی ہے، اور جتنے نومسلم ہوتے ہیں، وہ اس معنی سے اپنے کو شیخ صدیقی کہتے ہیں، اور بنگالہ میں جس قدر نومسلم ہوئے کوئی دس پشت سے اور کوئی پانچ پشت سے سب شیخ کہلاتے ہیں ایسے ہی یہ دیندار جو پیشہ ماہی فروشی کا یا سبزی فروشی کا کرتا ہے

لہ ہم نے اس کو جنگی لباس بنانا سکھایا تاکہ تمہاری لڑائی میں تم کو محفوظ رکھے، اور فرمایا ہم نے اس کے لئے لوہا نرم کر دیا اور حکم دیا، کہ پوری زرہیں تیار کر، اور حلقے پرونے میں ایک ہی انداز رکھو۔ ؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے (مسلم)

مستحق اس کا ہے، کہ اپنے کو شیخ کہلائے، واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد سعید عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ھوالموفق:۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے، کہ کوئی دیندار اور پرہیزگار مسلمان اپنے کسی جائز پیشہ کی وجہ سے رذیل اور وضیع نہیں ہو سکتا، کیا ہی سچ کہا ہے، ابوالعتاہیہ شاعر نے ؎

الا انما التقوی ھی العز والکرم ۔۔۔ وحبک للدنیا ھو الذل والسقم

ولیس علی عبد تقی نقیصۃ ۔۔۔ اذا صحح التقوی وان حاک او حجم

اور اس دیندار پرہیزگار مسلمان کو باعتبار اس کی دینداری و پرہیزگاری کے یا باعتبار اس کی فضیلت علمی کے شیخ یا خواجہ کہنا، اور اس کے نام کے ساتھ اس لفظ کو استعمال کرنا بلاشبہ جائز ہے، خواہ اس کا پیشہ ماہی فروشی یا سبزی فروشی ہو، یا نداقی یا جامہ بافی ہو، یا کوئی جائز پیشہ ہو، بہت سے علمائے امت و اتقیائے امت اہل پیشہ گذرے ہیں، جن کے علم و فضل یا اصلاح و تقوی کی وجہ سے ان کے نام کے ساتھ شیخ یا خواجہ کا لفظ بلا نکیر استعمال کیا جاتا ہے، اگر تم تفتیش کرو گے، تو بہت سے اکابر اہل پیشہ کے نام کے ساتھ شیخ یا خواجہ کے لفظ کو مستعمل پاؤ گے، بلکہ جائز پیشہ والے مسلمان کو اس کے صلاح و تقوے و فضیلت علمی کے لحاظ سے سید کہنا بھی جائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ رضؓ کو سید کہا ہے، چنانچہ فرمایا قوموا الی سیدکم[1] الحدیث رواہ البخاری وغیرہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ قال الخطابی فی حدیث الباب جواز اطلاق السید علی الخیر الفاضل[2] انتہی۔ رہی یہ بات کہ کوئی متقی دیندار اہل پیشہ خود اپنے کو شیخ کہہ سکتا ہے یا لکھ سکتا ہے یا نہیں، سو اس کا جواب تفصیل طلب ہے، اگر وہ اپنے تقوی و دینداری یا علم و فضل کی وجہ سے اپنے کو شیخ کہنا یا لکھنا چاہتا ہے، تو اس وجہ سے اپنے کو شیخ کہنا یا لکھنا ٹھیک نہیں۔ قال اللہ تعالی فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی[3]، اور اگر وہ اپنے کو شیخ لکھ کر یا کہہ کر اپنی خاص قومیت پر جو اس کو اس کے خاص پیشہ کی وجہ سے حاصل ہے، پردہ ڈالنا چاہتا ہے، اور یہ چاہتا ہے، کہ لوگ اس کو اس کی خاص قوم سے شمار نہ کریں، بلکہ اس کو کچھ اور سمجھیں، تو اس خیال سے بھی اپنے کو شیخ کہنا یا لکھنا ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ یہ ایک قسم کی تدلیس ہے اور اگر وہ اپنے کو شیخ کہنے یا لکھنے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر فاروق

---

[1] اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ (بخاری)، [2] اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ بہتر اور اچھے آدمی پر سید کا لفظ بولا جا سکتا ہے ۱۲ [3] اللہ تعالی نے فرمایا تم اپنے کو پاک و صاف نہ کہو، اللہ پرہیزگار کو خوب جانتا ہے ۱۲

رضی اللہ عنہ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا، اور ان کی نسل میں داخل کرتا ہے، حالانکہ وہ ان کی نسل سے نہیں ہے، تو اس وجہ سے بھی اپنے آپ کو شیخ کہنا یا لکھنا جائز نہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے من ادعی الی غیر ابیہ وھو یعلم فالجنۃ علیہ حرام متفق علیہ، یعنی جو شخص جان بوجھ کر اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور شخص کی طرف منسوب کرے، اس پر جنت حرام ہے روایت کیا اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے، ونیز فرمایا۔ لا ترغبوا عن ابائکم فمن رغب عن ابیہ فقد کفر متفق علیہ، یعنی اپنے آپ کو اپنے آباء و اجداد کی طرف منسوب کرنے سے اعراض نہ کرو، اس واسطے کہ جو شخص ایسا کرے گا، وہ کافر ہو جائے گا، روایت کیا اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے (مشکوۃ شریف باب اللعان) اور اگر اس کا لینے کو مطلق شیخ یا شیخ صدیقی کہنا یا لکھنا اس وجہ سے ہے، کہ اس کے آباء و اجداد نو مسلم تھے، پس ان کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک خاص مناسبت ہے، جیسا کہ علامہ آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان میں علامہ محمد طاہر فتنی کے پرپوتے شیخ عبد القادر کے ترجمہ میں لکھا ہے، ومن احفاد العلامۃ محمد طاھر الفتنی الشیخ عبد القادر بن الشیخ ابی بکر ونظم الشیخ عبد اللہ المکی الشافعی استاذہ فی مدح التلمیذ قصیدۃ یوصل فیھا نسبہ الی الصدیق الاکبر رض ؎

قد کان جد ابیک بل ضریحہ من ادحل العلماء والفضلاء
اعنی محمد طاھر من منتجی الصدیق حققہ من غیر مراء

لکن جمہور اھل گجرات متفقون علی ان الشیخ من البواھیر وصرح بہ الشیخ عبد الحق الدھلوی فی کتابہ اخبار الاخیار قال بعضھم انما کان صدیقیا من جانب الام وقال الاخرون لما تلقب المھدویۃ بالحمیدیۃ نسبتہ الی الحمید رعلی بن ابی طالب تلقب الشیخ بالصدیقی فی مقابلتھم والاصل ان اصل البواھیر جدید اسلامھم

۱؎ علامہ محمد طاہر فتنی کے نبیرگان میں سے شیخ عبد القادر بن شیخ ابوبکر بھی ہیں، ان کے استاد نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے، اس میں ان کو صدیق اکبر کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن جمہور اہل گجرات ان کو بوہرہ قوم سے کہتے ہیں، شیخ عبد الحق دہلوی نے اپنی کتاب اخبار الاخیار میں اس کی تصریح کی ہے، بعض کہتے ہیں، کہ یہ ماں کی طرف سے صدیقی تھے، اور بعض کہتے ہیں، کہ جب مہدویہ نے اپنے آپ کو حیدریہ کہلانا شروع کیا، تو ان کے مقابلہ میں انہوں نے اپنے آپ کو صدیقی کہلانا شروع کر دیا، لیکن اصل بات یہ ہے، کہ بوہرے نو مسلم ہیں، اور ہندوستان میں رواج ہے، کہ وہ نو مسلموں کو صدیقی کہتے ہیں، کیونکہ انہوں نے بھی صدیق کی طرح اسلام کی تصدیق کی ہے"

واھل الھند یدعون کل من یدخل فی دین الاسلام صدیقیا لمناسبته بالصدیق الاکبر رضی اللہ عنہ (سبحۃ المرجان صفحہ ۴۴) سواس وجہ سے اس کا اپنے کو شیخ صدیقی کہنا یا لکھنا درست معلوم ہوتا ہے، مگر چونکہ اس کے کہنے یا لکھانے میں کچھ فائدہ نہیں، اور ساتھ اس کے اس میں نسبت الی غیر الآباء کا ایہام ہوتا ہے، لہذا اس وجہ سے بھی اس کو شیخ صدیقی کہنے یا لکھانے سے اجتناب کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص کسی عالم دیندار یا حاکم دیندار کے آنے یا جانے کے وقت تعظیماً کھڑا ہو جاوے، اور دل میں جانتا ہے، کہ عالم دیندار کی تعظیم خدا کے لئے کرتا ہوں، اور حاکم دیندار کی یا تو اس غرض سے کرتا ہوں، کہ وہ حاکم ہے، یا اس غرض سے کہ تعظیم کرنے والا اس کا نوکر ہے عادتاً اس کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے، یہ کھڑا ہو جانا اس کا شرعاً کیسا ہے، آیا شرک ہے یا بدعت یا جائز یا ثواب؟

(۲) حدیث میں جو بڑوں کی تعظیم کرنا وارد ہے، اس سے کیا مراد ہے یعنی ان کی بزرگی کیونکر کی جاوے، بینوا توجروا۔

الجواب: کسی شخص کے آنے یا جانے کے وقت اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہونے کے بارے میں حدیثیں مختلف آئی ہیں، اسی وجہ سے اہل علم کی رائیں بھی اس مسئلہ میں مختلف ہیں، بعض اہل علم نے اس قیام کو مطلقاً ممنوع بتایا ہے، اور بعض نے مطلقاً جائز رکھا ہے، اور امام غزالی کی یہ رائے ہے، کہ "قیام علی سبیل الاعظام مکروہ ہے، اور علی سبیل الاکرام مکروہ نہیں ہے" حافظ ابن حجر فتح الباری جزء ۲۵ صفحہ ۶۵ میں لکھتے ہیں۔ ھذا تفصیل حسن یعنی امام غزالی کی یہ تفصیل اچھی ہے، اور حافظ ابن کثیر نے بعض محققین کی یہ رائے نقل کی ہے، کہ عجمیوں کی طرح کھڑے ہونے کی عادت بنا لینا ممنوع ہے، لیکن اگر سفر سے آنے والے کے لئے کھڑا ہو جائے، یا حاکم کے لئے اس کے محل ولایت میں کھڑا ہو جائے، تو کچھ مضائقہ نہیں ہے" حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اسی حکم کے ساتھ ملحق ہے توسع مجلس کے لئے کھڑا ہو جانا، یا کسی عاجز کی اعانت کے لئے کھڑا ہو جانا یا کسی نعمت پانے والے کو مبارک باد دینے کے لئے کھڑا ہو جانا، یا کسی اور ضرورت سے کھڑا ہو جانا، یعنی اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں ہے، ابن قتیبہ کی یہ رائے ہے، کہ کسی شخص کے سر پر کھڑا ہونا، جیسا کہ عجمی بادشاہوں کے سامنے لوگ کھڑے رہتے ہیں ممنوع ہے، اور کسی اپنے

بھائی کیلئے کھڑا ہو جانا جب کہ وہ سلام کرے ممنوع نہیں ہے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ادب المفرد میں اسی طرف اشارہ کیا ہے، اور حافظ منذری نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے، امام خطابی کی یہ رائے ہے، کہ رعایا کا اپنے رئیس فاضل اور امام عادل کے لئے کھڑا ہو جانا، اور متعلم کا عالم کے لئے کھڑا ہونا مستحب ہے، اور جو لوگ ان صفات کے ساتھ موصوف نہ ہوں، ان کے لئے کھڑا ہونا مکروہ ہے، قیام متنازع فیہ کو جو لوگ مطلقاً ناجائز کہتے ہیں متعدد حدیثیں پیش کرتے ہیں، از انجملہ ابوامامہ کی یہ حدیث ہے۔ خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم متوکئا علی عصا فقمنا لہ فقال لا تقوموا کما تقوم الاعاجم بعضھم لبعض اخرجہ ابوداؤد و ابن ماجہ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھڑی پر ٹیکا دیئے ہوئے باہر تشریف لائے، سو ہم لوگ آپ کے لئے کھڑے ہوگئے، پس آپ نے فرمایا مت کھڑے ہو، جیسا کہ عجمی لوگ باہم بعض بعض کے لئے کھڑے ہوا کرتے ہیں، روایت کیا اس حدیث کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے، علامہ طبری نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف و مضطرب السند ہے، اور اس کی سند میں غیر معروف شخص ہے، اور از انجملہ عبداللہ بن بریدہ کی یہ حدیث ہے۔ من احب ان یتمثل لہ الرجال قیاما وجبت لہ النار اخرجہ الحاکم ولہ طریق اخری عن معاویۃ اخرجہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ۔ یعنی جو شخص اس بات کو محبوب رکھے کہ لوگ اس کی فرمانبرداری میں کھڑے رہیں، تو اس کے لئے آگ واجب ہوگئی، روایت کیا اس کو حاکم نے، ابن قتیبہ نے اس حدیث کے جواب میں کہا ہے، کہ اس سے قیام متنازع فیہ کی ممانعت و نہی مراد نہیں ہے، بلکہ اس میں اس شخص کے لئے قیام کی ممانعت ہے، جو چاہتا ہے، کہ لوگ اس کے سر پر کھڑے رہیں، جیسا کہ عجمی بادشاہوں کے سامنے لوگ کھڑے رہا کرتے ہیں، اور از انجملہ انس کی یہ حدیث ہے۔ لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا رأوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذلک قال الترمذی حسن صحیح غریب، یعنی صحابہ رضی کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب کوئی اور شخص نہیں تھا، اور وہ لوگ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے، تو کھڑے نہیں ہوتے تھے، اس واسطے کہ وہ جانتے تھے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناپسند ہے، کہا ترمذی نے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے، اس حدیث صحیح سے صاف اور صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قیام متنازع فیہ مکروہ و ناجائز ہے، امام نووی نے اپنے رسالہ قیام میں اس حدیث کے

دو جواب لکھے ہیں، ابن الحاج مالکی نے اپنی کتاب مدخل میں ان دونوں جوابوں پر بحث کر کے بتا دیا ہے، کہ یہ دونوں جواب مخدوش و ناقابل وثوق ہیں، اور قیام متنازع فیہ کو جو لوگ مطلقاً جائز کہتے ہیں، وہ بھی چند حدیثیں پیش کرتے ہیں، از ان جملہ ابو سعید کی یہ حدیث ہے، کہ اہل قریظہ جب سعد بن معاذ رض کے حکم پر اترے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلب فرمایا، جب وہ آئے تو آپ نے انصار سے فرمایا، کہ قوموا الی سید کم یعنی اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو جاؤ روایت کیا اس کو بخاری نے، اس حدیث کا جواب یہ ہے، کہ اس سے قیام متنازع فیہ ثابت نہیں ہوتا ہے، اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد رض کے سواری سے اتارنے کے لئے لوگوں کو کھڑے ہونے کو فرمایا تھا، اس وجہ سے کہ وہ بیمار تھے، نہ کہ ان کی تعظیم کے لئے، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں ـ وقد وقع فی مسند عائشۃ رض عند احمد من طریق علقمۃ بن وقاص عنہا فی قصۃ بنی قریظۃ وقصۃ سعد بن معاذ ومجیئہ مطولا وفیہ قال ابو سعید فلما طلع قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قوموا الی سیدکم فانزلوہ وسندہ حسن قال وھذہ الزیادۃ تخدش فی الاستدلال بقصۃ سعد علی مشروعیۃ القیام المتنازع فیہ اھ از ان جملہ حضرت عائشہ رض کی یہ حدیث ہے۔ کانت اذا دخلت علیہ قام الیہا فاخذ بیدھا فقبلہا واجلسہا فی مجلسہ وکان اذا دخل علیہا قامت الیہ فاخذت بیدہ فقبلتہ واجلستہ فی مجلسہا رواہ ابوداؤد وقال الحافظ فی الفتح اخرجہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ وصححہ ابن حبان والحاکم فی الصحیح انتہی۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب حضرت فاطمہ رض داخل ہوتیں، تو آپ ان کی طرف کھڑے ہوتے، اور ان کے ہاتھ پکڑتے، اور ان کو بوسہ دیتے، اور اپنی جگہ میں بٹھلاتے، اور جب آپ حضرت فاطمہ رض کے پاس تشریف لے جاتے، تو آپ کی طرف وہ کھڑی ہو جاتیں اور آپ کا ہاتھ پکڑتیں، اور آپ کو بوسہ دیتیں، اور اپنی جگہ میں بٹھلاتیں، روایت کیا اس حدیث کو ابوداؤد نے، ابن الحاج مکی نے مدخل میں اس حدیث کا یہ جواب لکھا ہے، کہ محتمل ہے، کہ یہ قیام اپنی جگہ میں بٹھلانے کی غرض سے ہو، اور قیام متنازع فیہ کے طور پر نہ ہو، از انجملہ وہ حدیث

---

[1] علقمہ بن وقاص نے حضرت عائشہ رض سے بنو قریظہ کے واقعہ میں سعد بن معاذ اور ان کے آنے کا قصہ مفصل بیان کیا ہے اور اس میں ہے، کہ جب حضرت سعد نظر آئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ، اور اس کو سواری سے اتارو، اور اس کی سند حسن ہے ۱۲

ہے، جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن بیٹھے ہوئے تھے، پس آپ کے رضاعی باپ آئے تو آپ نے اپنے کپڑے کا ایک حصہ ان کے لئے بچھا دیا پس اس پر وہ بیٹھے، پھر آپ کی رضاعی ماں آئیں، تو آپ نے اپنے کپڑے کا دوسرا حصہ بچھا دیا، پھر آپ کے رضاعی بھائی آئے، تو آپ کھڑے ہو گئے، اور اپنے سامنے ان کو بٹھایا، ابن الحاج نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے، کہ اگر یہ قیام قیام متنازع فیہ ہوتا، تو اس قیام کے سب زیادہ سے زیادہ حق دار آپ کے رضاعی ماں باپ ہو گئے پس جب کہ آپ نے اپنے رضاعی ماں باپ کے لئے قیام نہیں کیا، تو معلوم ہوا، کہ یہ قیام قیام متنازع فیہ نہیں تھا، بلکہ توسع فی الردا، یا توسع فی المجلس کے لئے تھا، الحاصل قیام مذکور کے بارے میں حدیثیں مختلف وارد ہوئی ہیں، اور علماء کی رائیں مختلف ہیں، واللہ تعالے اعلم بالصواب،

جواب سوال دوم: حدیث میں جو بڑوں کی تعظیم و توقیر کرنے کا حکم آیا ہے، سو اس سے ہر قسم کی جائز توقیر و تعظیم مراد ہے، رہی یہ بات کہ قیام مذکور توقیر کبیر میں داخل ہے یا نہیں، سو جو اہل علم قیام متنازع فیہ کے جواز و مشروعیت کے قائل ہیں، ان کے نزدیک قیام متنازع فیہ توقیر کبیر میں داخل ہے، اور جو لوگ عدم جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک داخل نہیں ہے، فتح الباری جزو ۲۶ صفحہ ۶۵ میں ہے، ثم احتج النووی بعمومات تنزیل الناس منازلھم واکرام ذی الشیبۃ وتوقیر الکبیر واعترضہ ابن الحاج بما حاصلہ ان القیام علی سبیل الاکرام داخل فی العمومات المذکورۃ لکن محل النزاع قد ثبت النھی فیخص من العمومات انتہی واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین دریں صورت کہ تسمیہ بعبد فلان وبندہ فلان یعنی مثلاً عبد حسین وعبد حسن وعبد علی وبندہ علی وعبد النبی وعبد الکعبہ در شرع مشروع است یا غیر مشروع ودریں شائبہ شرک اگرچہ شرک خفی باشد یافتہ می شود شرعاً یانے وتبدیل کردن

---

[1] امام نووی نے عموم احادیث سے کہ لوگوں کی عزت ان کے مرتبہ کے مطابق کرو" اور" بوڑھے آدمی کی عزت کرو" اور" بڑے کی عزت کرو" سے استدلال کیا ہے، کہ ان کے استقبال کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے ابن الحاج نے اس پر اعتراض کیا ہے، کہ قیام علی سبیل الاکرام عمومات مذکورہ میں داخل ہے، لیکن محل نزاع کے متعلق نہی ثابت ہے، تو یہ اس عموم سے خاص سمجھا جائے گا۔ ۱۲

سوال:۔ کیا اس طرح کے نام رکھنا جائز ہے، عبد حسین یا عبد حسن یا عبد علی یا بندہ علی یا عبد النبی یا عبد الکعبہ

این چنین اسمار شرعاً احسن است یا الزم و واجب از کتب معتبرہ شرعیہ بیان شافی کہ متلقی بالحق باشد باحیطہ تحریر فرمودہ، ثبت مہر نمودہ بمن سائل عنایت فرمایند، موجب کمال اجر و ثواب عند اللہ تعالے خواہد بود۔ فقط۔

الجواب:۔ این چنین تسمیہ غیر مشروع است، و شرک حقیقی نیست، و تبدیل این چنین اسمار احسن است الزم و واجب نیست، واللہ اعلم بالصواب

محمد صدر الدین ۱۲۳۵

محمد فضل حق ۱۲۳۷

با حافظ سید محمد ۱۲۳۳

فی الواقع این چنین تسمیہ غیر مشروع است بنا بران مولانا شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ این را از جملہ شرک در غیر عبادت تحت این آیت کریمہ فلا تجعلوا للہ انداداً نوشتہ اند عبارتہ ہکذا اما ہمسر کنندگان در غیر عبادت پس بسیار اند، از انجملہ کسانے کہ در ذکر دیگران را با خدا ہمسری کنند و نام دیگران را با نام خدا بطریق تقرب ذکر می نمایند، و از ان جملہ اند کسانے کہ در نام نہادن خود را بندہ فلان و عبد فلان می گویند، و این شرک در تسمیہ است، انتہی کلامہ مختصراً پس از تقریر شاہ صاحب مغفور و نبرد در تسمیہ این چنین اسمار غیر مشروع شد و ارتکاب غیر مشروع منہی عنہ است پس ازین احتراز پر ضرور است، کہ توہم شرکت نباید، واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

این چنین نامہا مقرر نمودن فی الحقیقہ غیر مشروع و منہی عنہ است، بلکہ اطلاق شرک بران وارد

وغیرہ کیا ان میں کوئی شرک کا شائبہ پایا جاتا ہے، یا نہیں، اگرچہ شرک خفی ہو اور کیا ایسے ناموں کو بدلنا چاہیئے یا نہیں، اور اگر بدلنا ہے، تو کیا بدلنا احسن ہے یا ضروری و واجب، کتب معتبرہ کے حوالے سے جواب عنایت فرمائیں

الجواب:۔ ایسے نام غیر مشروع ہیں، اور ان میں حقیقی شرک نہیں ہے، اور ایسے ناموں کا بدلنا احسن ہے واجب نہیں ہے۔

شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو غیر عبادت میں شرک قرار دیا ہے، اور وہ فلا تجعلوا للہ انداداً کے تحت لکھتے ہیں غیر عبادت میں خدا کے ساتھ ہمسر بنانے والے بہت ہیں، انہی میں سے وہ لوگ ہیں جو خدا کے نام کے علاوہ اوروں کے نام کو تقرب کے لئے پکارتے ہیں، اور انہی میں سے وہ لوگ ہیں، جو نام رکھنے میں اپنے آپ کو فلاں کا بندہ اور فلاں کا غلام کہلاتے ہیں، اور یہ نام رکھنے میں شرک ہے، شاہ صاحب کی تقریر سے معلوم ہوا کہ ایسے نام رکھنا غیر مشروع ہے، اور غیر مشروع کا ارتکاب منہی عنہ ہے، ان سے پرہیز کرنا ضروری ہے، کیونکہ اس سے شرک کا وہم ہوتا ہے ۱۲ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے تو ایسے نام رکھنے کو صاف شرک لکھا ہے، چنانچہ آیت فلما اتاہما صالحا

شدہ است، کما یفہم من کلام رئیس المحدثین و قدوۃ الاتقیاء المحققین حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کہ در ترجمہ کلام مجید مسمی بفتح الرحمن تحت آیت فلما اتاھما صالحا جعلا لہ شرکاء الایۃ کہ در سورہ اعراف در سیپارہ قال الملاء واقع است می نویسند این تصویر است حال آدمی را کہ نزدیک ثقل حمل نیت درست کند، وچوں فرزند بوجود آید آن را فراموش سازد، ودر تسمیہ اشراک کند، و ازینجا دانستہ شد کہ شرک در تسمیہ نوعے است از شرک، چنانچہ اہل زمان ما غلام فلان و عبد فلان نام می نہند، انتہی وملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ در شرح وصیت نامہ می نویسند واما ما اشتہر من التسمیۃ بعبد النبی فظاہرہ کفر الا ان اراد بالعبد المملوک انتہی۔ پس ظاہر ا تبدیل این چنین اسماء لازم و پر ضرور است، واللہ اعلم بالصواب،

محمد قطب الدین

حفیظ اللہ

تسمیۃ عبد النبی وعبد الرسول ممنوع شرعا لنہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولشوھم الشرکۃ فی تسمیۃ عبد الحارث قال اللہ تعالی فی ھذہ الایۃ دعوا اللہ ربھما لئن اتیتنا صالحا لنکونن من الشاکرین فلما اتاھما صالحا اعطاھما ماطلباہ من الولد الصالح السوی جعلا لہ شرکاء ای جعل اولادھما لہ شرکاء علی حذف المضاف واقامۃ المضاف الیہ مقامہ وکذلک فیما اتاھما ای اتی اولادھما دلیلہ فتعالی اللہ عما یشرکون حیث جمع الضمیر وآدم وحواء بریان من الشرک ومعنی اشراکھم فیما اتاھم تسمیتھم

جعلا لہ شرکاء الآیہ کے تحت لکھتے ہیں، یہ آدمی کی حالت کی تصویر ہے، جب حمل ظاہر ہوتا ہے، تو اس کی نیت درست ہوتی ہے، لیکن جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے، تو اس کو فراموش کر دیتا ہے اور نام رکھنے میں شرک کرتا ہے، اس سے معلوم ہوا، کہ نام میں شرک کرنا بھی شرک کی ایک قسم ہے، چنانچہ ہمارے زمانے کے لوگ بھی عبد فلاں اور غلام فلاں وغیرہ نام رکھتے ہیں، اور ملا علی قاری نے وصیت نامہ میں لکھا ہے، کہ یہ جو عبد النبی وغیرہ نام رکھتے ہیں، ظاہرا یہ کفر ہے مگر اس صورت میں کہ عبد کا معنی غلام کر لیا جائے، پس ایسے اسماء کا بدلنا نہایت ضروری ہے ۱۲

اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے نام رکھنے سے منع فرمایا ہے، اور اس سے شرک کی بو آتی ہے، لنکونن من الشاکرین کی جمع کی ضمیر سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہاں حضرت آدم وحوا علیہما السلام مراد نہیں ہیں، بلکہ ان کی اولاد مراد ہے کیونکہ انہوں نے تو شرک نہ کیا تھا، کافر لوگ بجائے عبد اللہ، عبد الرحمن وغیرہ کے عبد العزی، عبد مناۃ، عبد شمس وغیرہ نام رکھا کرتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جو نام اچھے یا مشروع نہ ہوتے، ان کو بدل دیتے، جیسے عاص عزیز، عتلہ، شیطان، حکم، غراب، حباب، شہاب وغیرہ ۱۲

اولادهم بعبد العزی وعبد مناة وعبد شمس ونحو ذلك مكان عبد الله وعبد الرحمن وعبد الرحيم وقد غير النبی صلی الله عليه وسلم اسم القبيح مثل العاص وعزيز وعتلة وشيطان وحكم وغراب وحباب وشهاب هكذا فی المشكوة وتفسير المدارك۔

حافظ اللہ بن محمد ابو احمد ۱۲۱۷

اگر از تسمیہ بعبد النبی وعبد الرسول عبدیت حقیقۃً مراد دارد لاریب شرک وکفر است۔ کما ہو الظاہر والاکفر نیست۔ لیکن خالی از جرم ہم نیست۔ بجہت ایہام شرک۔ پس تبدیل ہم چون اسماء مذکورہ الزم وواجب است۔ ملا علی قاری در مرقاۃ شرح مشکوۃ نوشتہ۔ ولا يجوز نحو عبد الحارث ولا عبد النبی ولا غيره مما شاع فيما بين الناس انتهی وابن حجر مکی در تحفہ نوشتہ ويحرم ملك الملوك لان ذلك ليس لغير الله تعالی وكذا عبد النبی او الكعبة او الدار او علی او الحسين لايهام التشريك انتهی۔ وہم چنیں در شرعۃ الاسلام وشرح آن وکتب دیگر مرقوم است۔ کما لا يخفی علی الناظر فقط۔ كتبه عبده المسكين محمد بشير الدين العثمانی نسبا والقنوجی وطنا

محمد بشیر ونذیر احمد ۱۲۶۷ھ

مسئلہ۔ واضح ہو کہ اسمائے الٰہیہ میں سے جن ناموں کا اطلاق کرنا غیر پر وارد ہوا ہے ان ناموں کے ساتھ نام رکھنا کسی شخص کا یا موہم یا عورت درست وروا ہے اور جن ناموں کا اطلاق غیر اللہ تعالےٰ پر وارد نہیں ہوا ہے ان ناموں کے ساتھ غیر کا نام رکھنا جائز نہیں ہے۔ اعلم ان اسماء الله تعالی توقيفية بمعنی انه لا يجوز ان يطلق اسم ما لم يأذن له الشرع وان يطلق علی غيره كذا يستفاد من كتب العقائد وشروح الحديث۔ پس اطلاق رؤف ورحیم ورشید وصبور وملک ومالک ومقسط وجامع ووالی وہادی ووارث وباعث وعزیز وشہید ومومن وعلیم وسمیع وبصیر وحکم وعدل ولطیف وخبیر وحلیم وعظیم وشکور وعلی وکبیر وحفیظ وجلیل وکریم ومجیب وحکیم ووکیل وقوی ومتین

اگر عبد النبی اور عبد الرسول وغیرہ سے حقیقی عبدیت مراد ہو تو بے شبہ یہ کفر وشرک ہے، ورنہ کفر نہیں ہے لیکن ایسے اسماء کو بدل دینا چاہیئے، کیوں کہ ان سے شرک کا وہم ہوتا ہے، ملا علی قاری اور ابن حجر مکی نے ایسے ناموں کا تبدیل کرنا واجب کہا ہے، اور فقہ کی کتابوں میں مثلاً شرعۃ الاسلام وغیرہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے، واللہ تعالےٰ اعلم ۱۲۔

اے معلوم ہونا چاہیئے، کہ اللہ تعالےٰ کے تمام نام توقیفی ہیں، یعنی جائز نہیں کہ اللہ تعالےٰ کے لئے کوئی ایسا نام تجویز کر لیا جائے جو شریعت نے مقرر نہ کیا ہو، یا خدا تعالےٰ کا کوئی نام کسی آدمی کے لئے تجویز کر لیا جائے، کتب عقائد اور شروح حدیث میں ایسا ہی ہے ۱۲

وولی ومالع ونافع وواجد وواحد ووا حد وقادر کا غیر اللہ پر ہوتا ہے اور تعامل اس کا قرون ثلاثہ میں درمیان صحابہ رض وعلمائے صالحین کے پایا گیا ہے، اور ان ناموں کے سوا جو اور اسمائے الٰہیہ ہیں ان کا اطلاق غیر اللہ تعالے پر وارد نہیں ہوا ہے، پس کسی شخص کا غفور نام رکھنا نہیں چاہیئے، اور بہتر یہ ہے، کہ عورتوں کا نام مردوں کے نام کے ساتھ مشابہ نہ رکھے، اور اگر کوئی رکھ لے، تو کچھ مضائقہ نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

کتاب البرّ والصّلۃ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے، کہ والد کا حق ۱/۵ یعنی پانچ حصے، اور والدہ کا حق ۱/۳ یعنی تین حصے ہیں، آیا یہ درست ہے یا کہ نہیں؟

(۲) اور حقوق زن و شوہر میں کیا فرق ہے؟

(۳) اور اولاد کا حق والدین پر کس قدر ہے، اور والدین کا حق اولاد پر کس قدر ہے، از روئے آیات قرآن شریف و احادیث صحیحہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جواب فرماویں خداوند کریم آپ کو جزائے خیر دیوے

(۴) ایک لڑکا بالغ صاحب اولاد ہے، وہ خود آپ اپنی زبان سے کہتا ہے، اپنے باپ سے کہ مجھ کو آپ عاق کر دو اپنی فرمانبرداری سے، مجھ کو کچھ تمہاری پرواہ نہیں ہے، باپ اس کا نہیں چاہتا ہے، بلکہ وہ خود آپ چاہتا ہے، اس کے بارے میں جو کچھ حکم خدا و رسول اللہ کا ہے از روئے آیات و حدیث صحیحہ کے ارقام فرماویں۔

الجواب: زید کا قول صحیح نہیں ہے، بلکہ والدہ کا حق والد کے حق سے سہ گونہ زیادہ ہے یعنی اگر والد کا حق ایک حصہ ہے، تو والدہ کا حق تین حصہ ہے، یا اگر والد کا حق تین حصہ فرض کرو تو والدہ کا حق نو حصہ ہے، صحیح بخاری میں ہے۔ عن ابی هریرة قال جاء رجل الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله من احق بحسن صحابتی قال امك قال ثم من قال امك قال ثم من قال امك قال ثم من قال ثم ابوك فتح الباری صفحہ ۲۲ ۵ جزو ۲۴ میں ہے قال ابن بطال مقتضاه ان یکون للام ثلاثة امثال ما للاب

۱؎ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا میری حسن صحبت کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیری ماں، اس نے کہا، پھر کون؟ فرمایا تیری ماں، اس نے کہا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں، اس نے کہا پھر کون، فرمایا تیرا باپ (بخاری) ۲؎ ابن بطال نے کہا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ جتنی نیکی باپ

من البر قال وکان ذلک لصعوبۃ الحمل ثم الوضع ثم الرضاع فہذہ تنفرد بہا الام ثم تشارک الاب فی التربیۃ وقد وقعت الاشارۃ الی ذلک فی قولہ تعالی ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وہنا علی وہن وفصالہ فی عامین فسوی بینہما فی الوصایۃ وخص الام بالامور الثلاثۃ انتہی۔

(۲) زن و شوہر کے حقوق کے بارے میں چند حدیثوں کا ترجمہ لکھ دیا جاتا ہے انہیں حدیثوں سے ان دونوں کے حقوق میں فرق معلوم ہو جائے گا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، تم لوگوں نے عورتوں کو اللہ کی امان کے ساتھ لیا ہے، اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ کے کلمہ کے ساتھ حلال کیا ہے اور اور تمہارا ان پر یہ حق ہے، کہ وہ کسی ایسے شخص کو جس کو تم ناپسند اور مکروہ سمجھتے ہو، تمہارے بستر پر نہ آنے دیں، اگر وہ ایسا کریں، سو ان کو مارو، مگر سخت مار نہ مارو، اور ان کا حق تم پر یہ ہے، کہ ان کو کھانا اور کپڑا اور دستور کے موافق، مشکوۃ شریف میں معاویہ قشیری سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں، کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، کہ زوجہ کا شوہر پر کیا حق ہے، آپ نے فرمایا، کہ جب تم کھاؤ، تو اس کو بھی کھلاؤ، اور جب تم کپڑا پہنو تو اس کو بھی پہناؤ، اور اس کے منہ پر نہ مارو اور اگر (تنبیہاً) اس سے جدائی کرو، تو گھر ہی میں کرو، روایت کیا اس حدیث کو احمد اور ابوداؤد، اور ابن ماجہ نے، فرمایا اللہ تعالےٰ نے وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا۔ یعنی زندگی بسر کرو، عورتوں کے ساتھ، اور صحبت رکھو ان کے ساتھ اچھی طرح پر، پس اگر ناپسند رکھو ان کو پس شاید کہ مکروہ رکھو کسی چیز کو، اور کرے اللہ اس میں بھلائی بہت، مولانا شاہ عبدالقادر صاحب اس آیت کے فائدہ میں لکھتے ہیں، عورتوں کے ساتھ گذر کرے تحمل کے ساتھ، اگر ان میں بعضی چیز ناپسند ہو، تو شاید کچھ خوبی بھی ہو، بدخو کے ساتھ بدخوئی نہ چاہیئے، خلاصہ یہ کہ شوہر پر زوجہ کا

سے کی جائے، ماں سے اس سے تین گنا زیادہ کی جائے، کیونکہ اس نے حمل، وضع حمل اور دودھ پلانے کی تین صعوبتیں باپ سے علیحدہ برداشت کی ہیں، پھر اس کے بعد بچے کی تربیت میں دونوں شریک ہوئے، اور قرآن مجید میں بھی اس کا اشارہ پایا جاتا ہے، فرمایا ہم نے انسان کو ماں باپ کے متعلق وصیت کی، اس کی ماں نے اس کو تکلیف پر تکلیف برداشت کر کے پیٹ میں اٹھایا، اور پھر دو سال بعد اس کا دودھ چھڑایا، اللہ تعالےٰ نے وصیت میں تو ماں باپ دونوں کو رکھا، اور پہلے تین امور میں ماں کا تذکرہ الگ کیا ۱۲

نان ونفقہ اور اس کے ساتھ حسن معاشرت اور حسن خلق ضروری ہے، اور اس کے علاوہ اس کو دین کی باتوں کی تعلیم دینا، اور اس کے عقاید واعمال کی اصلاح کرنا بھی لازم ہے، فرمایا اللہ تعالے نے قوا انفسکم واھلیکم نارا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی شخص اپنی زوجیہ کو ضرورت کے لیئے بلائے، تو اس کو اس کے پاس آنا ہی چاہیئے، اگرچہ وہ تنور پر ہو، اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص اپنی عورت کو اپنے فرش پر بلائے، اور وہ آنے سے انکار کرے، اور اس وجہ سے وہ شخص غصہ کی حالت میں رات بسر کرے، تو صبح تک اس عورت پر فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں، سنن ابی داؤد میں قیس بن سعد سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں، کہ میں جو شہر حیرہ میں آیا، تو وہاں کے لوگوں کو دیکھا، کہ وہ اپنے رئیس وسردار کو سجدہ کرتے ہیں، تو میں نے اپنے جی میں کہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کے زیادہ مستحق ہیں، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ سے عرض کیا، کہ میں شہر حیرہ میں گیا تھا، تو وہاں کے لوگوں کو دیکھا، کہ وہ اپنے رئیس وسردار کے لیئے سجدہ کرتے ہیں، سو آپ سجدہ کے لیئے زیادہ مستحق ہیں، آپ نے فرمایا بتاؤ اگر تم میری قبر پر جاؤ گے، تو کیا اس کو بھی سجدہ کرو گے، میں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا، تو ایسا نہ کرنا، اگر میں کسی شخص کو کسی شخص کے لیئے سجدہ کرنے کا حکم کرتا، تو عورتوں کو حکم کرتا، کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں، اس وجہ سے کہ شوہروں کا عورتوں پر بہت کچھ حق ہے، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور ہم لوگ بھی حاضر تھے، اس نے کہا، کہ میرا شوہر صفوان بن معطل رض مجھے مارتا ہے جب میں نماز پڑھتی ہوں، اور روزہ کے افطار کرنے کا حکم کرتا ہے، جب میں روزہ رکھتی ہوں، اور خود فجر کی نماز اس وقت پڑھتا ہے، جب سورج نکل آتا ہے، صفوان بن معطل بھی وہاں موجود تھے، آپ نے صفوان سے ان باتوں کی نسبت دریافت کیا، جو ان کی بی بی نے بیان کی تھیں، وہ بولے یا رسول اللہ میری بی بی نے جو نماز پڑھنے پر مارنے کی بات کہی ہے سو یہ نماز میں دو دو سورتیں پڑھتی ہے، حالانکہ میں اس کو دو دو سورتیں پڑھنے سے منع کر چکا ہوں، پس آپ نے فرمایا، کہ اگر ایک ہی سورت ہو، تو بھی لوگوں کے لیئے کافی ہے

لے اپنے آپ کو بھی اور اپنے اہل وعیال کو بھی آگ سے بچاؤ ۱۲

صفوان نے کہا اور اس نے جو روزہ کے متعلق بات کہی ہے، سو یہ روزہ رکھتی ہے، اور روزہ رکھے چلی جاتی ہے، اور میں ایک جوان آدمی ہوں، اور مجھ سے صبر نہیں ہوسکتا، پس آپ نے فرمایا کوئی عورت بلا اجازت اپنے شوہر کے نفلی روزہ نہ رکھے، صفوان نے کہا، اور اس نے جو سورج نکلنے پر نماز پڑھنے کی بات کہی ہے، سو ہم لوگ کام کاج والے آدمی ہیں، رات کو سوتے نہیں ہیں، اور ہماری یہ عادت ہے، ہم لوگ سورج نکلنے سے پہلے اٹھ نہیں سکتے آپ نے فرمایا اے صفوان جب تمہاری آنکھ کھلے، اس وقت نماز پڑھ لیا کرو، خلاصہ یہ کہ عورت پر اپنے شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری فرض ہے ہر حالت میں اس کو راضی رکھنا لازم ہے، بلا مرضی شوہر کے کوئی کام نہ کرے، حتی کہ نفلی روزہ بھی بغیر حکم شوہر کے نہ رکھے، واللہ اعلم بالصواب۔

(۳) چند آیات و احادیث والدین و اولاد کے حقوق کے بارے میں نقل کی جاتی ہیں، جن سے معلوم ہو جاوے گا، کہ اولاد کا حق والدین پر کس قدر ہے، اور والدین کا حق اولاد پر کس قدر ہے، اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی عبادت کا حکم فرمایا، وہیں والدین کے ساتھ احسان اور بھلائی کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے، چنانچہ فرمایا ہے۔ وقضی ربك الا تعبدوا الا اياه وبالوالدين احسانا یعنی حکم کیا تیرے رب نے کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو، اور ماں باپ کے ساتھ احسان اور بھلائی کرو، اور جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی شکر گذاری کا حکم فرمایا، وہیں والدین کی شکر گذاری کا حکم فرمایا ہے، چنانچہ فرماتا ہے۔ ان اشکرلی ولوالدیك یعنی میری شکر گذاری کرو اور اپنے والدین کی، اور والدین کی خدمت میں نہایت عاجزی اور مہربانی سے پیش آنے کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔ واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيرا یعنی والدین کے سامنے عاجزی کے بازو مہربانی سے جھکا، اور کہہ اے رب تو ان پر رحم کر جیسا کہ انہوں نے چھوٹے پنے میں مجھے پالا اور پرورش کی، انسان کے بڑھاپے کا زمانہ نہایت نازک زمانہ ہوتا ہے، اس کے قویٰ اور حواس میں فتور آجاتا ہے اس کے اقوال و افعال بچوں کے سے فضول اور بے معنی ہونے لگتے ہیں، اس وجہ سے لوگوں کے نزدیک ان کی وقعت کم ہو جاتی ہے، اس بڑھاپے کے زمانہ میں ان کی خدمت اور تعظیم و تکریم کے بارے میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔ اما يبلغن عندك الكبر احدهما او كلاهما فلا تقل لهما اف ولا تنهرهما وقل لهما قولا كريما یعنی اگر تیرے سامنے تیرے ماں باپ دونوں یا ایک بڑھاپے کو پہنچ جاویں، تو ان کو اف نہ کہو، اور ان کو جھڑکو نہیں، اور ان سے اچھی بات بولو، والدین اگر مشرک و کافر ہوں، تو بھی دنیا میں ان کی خدمت اور ان کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کرنے کا حکم ہے

جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے وصاحبہما فی الدنیا معروفا یعنی دنیا میں کافر ماں باپ کے ساتھ بھلائی کے ساتھ مصاحبت رکھو، صحیحین میں ابن مسعود رضہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، کہ کون سا کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے آپ نے فرمایا، اپنے وقت پر نماز پڑھنا، میں نے کہا، پھر کون سا، آپ نے فرمایا والدین کے ساتھ نیکی کرنا، میں نے کہا، پھر کونسا، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا، ابن ماجہ میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ایک مرد نے کہا، یا رسول اللہ والدین کا حق اولاد پر کیا ہے، آپ نے فرمایا، وہ دونوں تیرے لئے جنت ہیں، اور دوزخ یعنی والدین کے حقوق اولاد پر بیشمار ہیں، بس اتنا سمجھ رکھو، کہ اگر ان کی اطاعت کرو گے، اور ان کو خوش وراضی رکھو گے، تو جنت میں جاؤ گے، اور اگر ان کی نافرمانی کرو گے، اور ان کو ناخوش رکھو گے، تو دوزخ میں جاؤ گے، اور ترمذی وابن ماجہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، اور بولا کہ میرا باپ میرے مال کا محتاج ہے، آپ نے فرمایا تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے الخ جامع ترمذی وغیرہ میں ہے، کہ حضرت ابن عمر رضہ نے کہا کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی، جس کو میں محبوب رکھتا تھا، مگر میرے باپ عمر رضہ کو وہ ناپسند تھی، انہوں نے کہا، کہ اس کو طلاق دے دے، طلاق دینے سے میں نے انکار کیا، پس انہوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا ذکر کیا، آنحضرت نے مجھ سے فرمایا کہ تم اپنی عورت کو طلاق دے دو، صحیحین میں ابوبکرہ رضہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ کیا میں تم لوگوں کو بڑے سے بڑے گناہ پر آگاہ وخبردار نہ کروں، ہم لوگوں نے کہا ہاں آگاہ وخبردار کیجیے، آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا، اور ان کو ستانا، مسند امام احمد میں معاذ بن جبل سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی وصیت کی، بعض ان میں سے یہ ہیں، کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا، اگرچہ تو قتل کر دیا جائے، اور جلا دیا جائے، اور والدین کی ہرگز نافرمانی نہ کرنا اگرچہ وہ تجھ کو اس بات کا حکم کریں، کہ تو اپنے اہل اور مال کو چھوڑ کر الگ ہو جا، ان آیات واحادیث سے معلوم ہو سکتا ہے، کہ والدین کا اولاد پر کس قدر حق ہے۔

اور اولاد کے حقوق والدین پر یہ ہیں، کہ بچپن میں ان سے پیار کریں، شفقت ومحبت سے ان کی پرورش کریں، سنت کے مطابق ان کا نام رکھیں، عقیقہ وختنہ کریں، جب ہوشیار ہوں،

تو ان کو علم و ادب کی تعلیم دیں، اور اسی میں کوشش بلیغ کریں، والدین پر اولاد کا بہت بڑا حق یہی ہے، کہ ان کو علم نافع کی تعلیم دیں، اور آداب شرعیہ سکھلائیں، اس حق سے زیادہ بڑا اور اہم کوئی اور حق اولاد کا والدین پر نہیں ہے، فرمایا اللہ تعالےٰ نے یا ایہا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا یعنی اے ایمان والو بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے گھر کے لوگوں کو آگ سے شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے فائدے میں لکھتے ہیں، کہ ہر مسلمان کو لازم ہے، کہ اپنے گھر والوں کو دین کی راہ پر لادے، لالچ دے کر ڈر دکھا کر پیار سے مار سے، پھر بھی اگر راہ پر نہ آویں، تو ان کی کم بختی، یہ بے گناہ ہے، مشکوٰۃ شریف میں ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد کو نماز پڑھنے کا حکم کرو، جب وہ سات برس کے ہوں، اور نماز پڑھنے کے لئے ان کو مارو، جب وہ دس برس کے ہوں، اور ان کے سونے کی جگہوں میں جدائی اور علیحدگی کرو، روایت کیا اس حدیث کو ابو داؤد نے، و نیز مشکوٰۃ شریف میں ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کے یہاں اولاد پیدا ہو، تو اس کو چاہیئے، کہ اس کا اچھا نام رکھے، اور اچھا ادب سکھلائے، پس جب بالغ ہو، تو اس کا نکاح کر دے، اور اگر بالغ ہونے کے بعد اس کا نکاح نہیں کیا، اور اولاد سے کوئی گناہ ہو گیا تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے، روایت کیا اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں، و نیز مشکوٰۃ شریف میں ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اپنے بیٹے کو اس سے بڑھ کر اور بہتر کوئی تحفہ نہیں دے سکتا ہے، کہ اس کو اچھا ادب سکھلائے، روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(۴) عقوق کے معنی ہیں ماں باپ کی نافرمانی کرنا، اور ان کو اذیت اور تکلیف پہنچانا، اور یہ گناہ کبیرہ ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے ساتھ شرک کرنا کبیرہ گناہ ہے اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا، اور ان کو تکلیف واذیت پہنچانا کبیرہ گناہ ہے، الحدیث متفق علیہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی باتوں کی وصیت فرمائی تھی، از انجملہ ایک یہ بات تھی، کہ اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو، اگرچہ وہ تیرے اہل ومال سے تجھ کو نکل جانے کا حکم کریں، اور عاق اس نالائق اولاد کو کہتے ہیں، جو اپنے ماں باپ کا نافرمان اور ان کو اذیت پہنچانے والا ہو، پس صورت مسئولہ میں اس لڑکے بالغ کا اپنے باپ سے یہ کہنا، کہ مجھ کو آپ عاق کر دو، ایک مہمل ولغو بات ہے، اولاد کا باپ سے عاق کرنے کا سوال

کرنا کچھ معنی نہیں رکھتا، ہاں اگر اولاد اپنے ماں باپ کی نافرمان و موذی ہوگی، تو وہ سخت گنہ گار ہوگی، اسی طرح ماں باپ اپنی اولاد کے اگر ضروری حقوق ادا نہ کریں گے، تو وہ بھی گنہ گار ہوں گے
واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری۔ عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ اگر سید محتاج و قرضدار ہو، تو وہ سوال واسطے ادائے قرض اپنے کے دولت مندوں و ذی مقدور لوگوں سے کرے، تو کچھ حرج شرعی اس کے حق میں ہوگا یا نہیں اور لوگوں پر کچھ حق سید کا بھی ہے یا نہیں، اور کیوں کر سید سے پیش آنا چاہیے بینوا توجروا

الجواب:۔ درصورتیکہ محتاج قرضدار قوم سادات سے ہوں تو مقتضائے آیت قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی حسب روایت ابن ابی حاتم کے بیچ تفسیر آیت مذکورہ کے کہ مراد قربی سے حضرت فاطمہ و علی و حسن و حسین رضی اللہ عنہم ہیں، تو اعانت و امداد و رفع تکلیف وادائے قرض سادات کرام کے زیادہ تر ثواب کثیر اور سبب خوشنودی جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں متصور ہوگی، اسی واسطے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ ارقبوا محمدا فی اھل بیتہ، چنانچہ صحیح بخاری میں مذکور ہے (ترجمہ) یعنی احترام و رعایت آداب کرو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیچ خبر گیری و اکرام و مددگاری اہل بیت میرے کے یعنی سلوک و اکرام کرنا اہل بیت قوم سادات کے ساتھ موجب تعظیم و احترام تام آن سرور خیر البشر شافع روز حشر ہے۔ وقال اللہ تعالیٰ قل ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین (ترجمہ) کہو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے کہ واسطے خدا تعالیٰ کے اولاد ثابت کرتے ہیں تعالے اللہ عن ذلک، اگر واسطے رحمن کے اولاد ہوتی، تو میں اول عبادت اس کی کرتا، لیکن حق تعالیٰ اس بات سے پاک اور منزہ ہے، اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے، کہ جس کسی کا حق اوپر کسی شخص کے ہوتو چاہیے، کہ ساتھ اولاد اس کی کے حق ادا کرے ھکذا فی شرعۃ الاسلام من تالیف قاضی ثناء اللہ مرحوم واللہ اعلم بالصواب

حررہ سید شریف حسین عفی عنہ

از شرف سید کونین شد شریف حسین

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مسماۃ ہندہ زوجہ اپنی کو ماں

۱؎ آپ کہیں میں اس پر تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا، مگر قرابت کی محبت مانگتا ہوں ۱۲

اور باپ اس کے سے ملنے نہیں دیتا، اور نہ ماں باپ کو اس کے اجازت دیتا ہے، بلکہ زوجہ کو روکتا ہے، اور منع کرتا ہے ماں باپ کے گھر جانے سے، جو حکم شرع شریف کا ہو بیان فرمادیں، بینوا توجروا۔

الجواب:- درصورت مرقومہ شرع کا یہ حکم ہے کہ زید کو منع کرنا نہیں پہنچتا ہندہ کو ماں باپ کے گھر جانے سے، اور نیز منع نہ کرے ماں باپ ہندہ بیٹی کے ملنے سے، کیونکہ روکنا اور منع کرنا موجب ایذا رسانی اور قطع صلہ رحمی کا ہوتا ہے، اور یہ گناہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وعاشروھن بالمعروف[1] اور روکنا خلاف عرف کے ہے۔ قال بعضھم لا یمنع الابوین من الدخول علیھا للزیارۃ فی کل جمعۃ وانما یمنعھم من الکینونۃ عندھا وبہ اخذ مشائخنا رحمۃ اللہ علیہم وعلیہ الفتوی وقیل لا یمنع من الخروج الی الوالدین فی کل جمعۃ مرۃ وعلیہ الفتوی کذا فی غایۃ السروجی کذا فی العالمگیریۃ[2] واللہ اعلم بالصواب

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

---

[1] اور ان سے دستور کے مطابق زندگی گزارو ۱۲

[2] بعض نے کہا ماں باپ کو بیٹی کے پاس ملاقات کے لئے ہفتہ میں ایک بار آنے سے خاوند روک نہیں سکتا، ہاں پوشیدہ صلاح مشورہ سے ان کو روک سکتا ہے ہمارے علماء کا یہی مذہب ہے اور اسی پر فتوی ہے، اور ایسا ہی ہفتہ کے بعد اپنی بیوی کو بھی ماں باپ کی ملاقات کے لئے جانے سے روک نہیں سکتا ۱۲

کتاب مناقب الصحابۃ وغیرھم رضی اللہ عنہم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی خالد بن ولید کو ولد الزنا اور برا بھلا کہتے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ برائی ان کی قرآن مجید سے ثابت ہے، اور وہ صحابی ہرگز نہیں ہیں، دوسرے مولوی صاحب ان کے مقابلہ میں یہ کہتے ہیں، کہ خالد مذکور صحابی تھے، انہیں برا نہیں کہنا چاہیے، اب جو بیان حق ہو، وہ ارشاد ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- درصورت مرقومہ معلوم ہو، کہ ولید بن مغیرہ مخزومی خالد رضی اللہ عنہ کا باپ کافر تھا جس کی برائی سورہ نون وغیرہ میں مذکور ہے، اور خالد رضی اللہ عنہ بیٹے ولید بن مغیرہ کے صحابی جلیل القدر ہیں، جو کوئی خالد بن ولید کو برا کہے، وہ جاہل واہی ہے، جو کتب تفسیر و سیر سے واقف نہیں، ایسے جاہل کو واجب ہے، کہ خالد بن ولید کے برا کہنے سے توبہ کرے، اور خالد رضی اللہ عنہ کو صحابی سمجھے، اور بزرگ جانے، جیسا کہ تقریب و استیعاب و تفسیر عزیزی وغیرہ میں مذکور ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین | محمد اسد علی اسلام آبادی

سوال:- چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اہل سنت والجماعت دریں صورت کہ بمقابلہ ذکر حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ و معاویہ کہ نیز صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بود، معاویہ را خاطی باغی باید گفت یا امیر معاویہ و بغیر مقابلہ ذکر حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ در دیگر جاہا بنام معاویہ بلفظ حضرت یا رضی اللہ عنہ ضرور است یا نہ و بلفظ رضی

سوال:- کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی یا خاطی کہنا جائز ہے یا نہیں، اور حضرت علی رض کے مقابلہ کے بغیر ان کو امیر یا امام یا رضی اللہ عنہ کہنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور صحاح

اللہ عنہ یا نام مذکور در صحاح ستہ وغیرہ کتب مسطور است یا نہ وخطا وبغی کہ از امیر معاویہ با حضرت علی کرم اللہ وجہہ بوقوع آمدہ بود باز بصلاح پیوست یا تا یوم الوفات بعداوت ماند، واگر شخصے بتعصب معاویہ گوید چہ حکم دارد فقط بینوا توجروا۔

الجواب: (از مولوی محمد فصیح صاحب غازی پوری) بمقابلہ ذکر حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ وکرم اللہ وجہہ ہرگاہ تذکرہ در پیش شود، در آن مقام ذکر لفظ حضرت والفاظ دعائیہ تعظیمیہ مناسب نیست، زیرا کہ بمقابلہ خاتم الخلفاء حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ خطاء وبغاوت ازیشان ثابت شدہ است لہذا خاطی وباغی باید دانست، زیادہ ازین شناعت وزیادتی درست نیست، کف لسان ضرور است، چنانچہ ملا جامی علیہ الرحمۃ در عقاید منظومہ خود افادہ فرمودہ اند بیت

آن خطائے کہ رفت منکر بود　　حق درانجا بدست حیدر بود

چہ بلاغت نمودہ اند کہ نام ہم نگرفتہ اند وداد بلاغت دادہ اند جزاہ اللہ خیر الجزاء نکتہ کف لسان راخوب فہمیدہ اند وتصریح این مضمون در کتب کلامیہ موجود است، ودر کتب سیر ہم علمائے محققین فرمودہ اند چنانچہ در مواہب ومدارج وشرح سفر السعادت موجود است ہر کس بخواہد بہ بیند، ودر صحاح ستہ لفظ رضی اللہ عنہ نیست وآنچہ خطاء وبغی واقع شدہ، اگر رفع می شد علمائے محققین خاطی باغی چرامی گفتند این امر آنچنان نیست کہ دران این قدر تعمق وتفتیش رود ودر تعبیر مقابلہ ذکر حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ لفظ حضرت بگوید چنانکہ با خودہا ہم این لفظ را استعمال می کنند، بایں سبب کہ صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافتہ اند،

ستہ میں ان کے نام کے ساتھ کہیں رضی اللہ عنہ کا لفظ آیا ہے یا نہیں؟ اور وہ غلطی یا بغاوت جو امیر معاویہ سے سرزد ہوئی پھر اس کا اندمال ہو گیا تھا، یا آخری دم تک قائم رہا اگر کوئی تعصب کی بنا پر صرف معاویہ کہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب (از مولوی محمد فصیح غازی پوری) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں جہاں امیر معاویہ کا تذکرہ ہو، وہاں لفظ "حضرت" یا دعائیہ الفاظ کہنا درست نہیں کیونکہ انہوں نے آخری خلیفہ راشد کے خلاف بغاوت کی ہے لہذا ان کو غلط کار اور باغی سمجھنا چاہیے، اور اس سے آگے بڑھ کر ان کو برا بھلا کہنا درست نہیں ہے، اس سے زبان کو روکنا چاہیے، ملا جامی نے کیا خوب کہا ہے، کہ جو غلطی ان سے سرزد ہوئی وہ بری تھی اور حق اس وقت حضرت علی کی طرف تھا دیکھو کس طرح انہوں نے اپنی زبان کو روکا، اور اس کی تصریح کتب کلامیہ میں موجود ہے، مثلاً مواہب

وخود حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کہ خاتم خلفاء بودند و باب مدینۃ العلم بودند بلفظ اخوان تعبیر فرمودہ اند بہرکیف از امر دیان بہتر اند مضائقہ ہم ندارد و چندان جائے بحث نیست، زیرا کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ ہمیں فرمودہ اند اخواننا قد بغوا علینا، درین باب آداب حضرت خاتم الخلفاء را ملاحظہ باید کرد کہ چہ قدر پاس صحبت رسالت ہمان است نمودہ اند کہ باوجود بغی وخطا از برادری اسلامی خارج نہ فرمودند سبحان اللہ ثم سبحان اللہ پس مذہب اہل سنت والجماعت ہمان است کہ عین مضمون ارشاد حضرت خاتم الخلفاء است، چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ در تحفہ اثنا عشریہ افادہ آن فرمودہ اند ہر کس کہ خواہد بہ بیند و زیادہ تطویل کلام درین مقام نباید کلمہ کہ کف لسان وار داست و بہ ہمیں نکتہ وارسیدہ محققین کف لسان نمودہ اند، چنانچہ حافظ شیراز کہ لسان الغیب لقب دارند او شان ہم کف لسان نمودہ و فرمودہ اند شعر

رموز سلطنت ملک خسروان دانند گدائے گوشہ نشینے تو حافظا مخروش

جزاہ اللہ خیر الجزاء ہمین مسلک اہل سنت والجماعت است، بدگفتن وطعن نمودن ولعن گفتن را عبادت شمردن کار روافض وخوارج است، کہ از پایہ حق دور افتادہ اند وامر حق نصیب اہل سنت والجماعت شدہ، چنانچہ حافظ شیراز فرمودہ شعر

جنگ ہفتاد ودو ملت ہمہ را عذر بنہ چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

چہ بلاغت نمودند حافظ شیرازی درین مقام کہ ہفتاد ودو ملت را ذکر نمودہ ویک ملت را گذاشتہ ہماں ملت ملت سنت وجماعت است، کہ اہل حق اند چنانچہ از حدیث معلوم می شود و

مدارج، شرح سفر السعادت وغیرہ اور صحاح ستہ میں امیر معاویہ کے ساتھ رضی اللہ عنہ کے الفاظ نہیں آئے اور خطاء و بغاوت کا اگر ازالہ ہو جاتا تو صحابیت کو خاطی اور باغی کیوں کہتے، اور یہ بات کوئی ڈھکی چھپی ہوئی نہیں ہے اور حضرت علیؓ کے مقابلہ کے بغیر ان کے نام کے ساتھ "حضرت" کا لفظ کہنا چاہیئے، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو بھائی کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، بہرحال وہ ہم سے بہتر ہیں، اس معاملہ میں حضرت علی کی پیروی ہم پر لازم ہے، کہ باوجودیکہ ان کے خلاف بغاوت کی گئی، لیکن پھر بھی انھوں نے صحابی ہونے کا پاس رکھا، اور اسلامی برادری سے ان کو خارج نہ کیا، چنانچہ اہل سنت کا یہی مذہب ہے اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ اثنا عشریہ میں یہی کچھ فرمایا ہے، اگر خواہش ہو تو اس کا مطالعہ فرمائیں، اور اس حد سے آگے بڑھ کر ان کو برا بھلا کہنا روافض اور خوارج کا مذہب ہے، اہل سنت کا نہیں، اس کی تفصیل

تفصیل آن طول می خواہد کہ این مقام مقام آن نیست و ہمین قدر برائے اہل انصاف کافی و وافی است، و اہل تعصب را دفاتر ہم کفایت نمی کند، فقط

حررہ العبد الضعیف محمد فصیح عفی عنہ بمقام مظفر پور

تحریر دلپذیر حضرت مولٰنا نائب رسول الثقلین سید محمد نذیر حسین صاحب

مد ظلہ العالی در رد جواب مولوی محمد فصیح صاحب

در صورت مرقومہ برار باب دیانت و اصحاب فطانت پوشیدہ نیست کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ از جملہ صحابہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم است، و روی ابن بطال باسناد صحیح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ انہ قال لا تسبوا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلمقام احدھم ساعۃ مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیر من عمل احدکم اربعین سنۃ وفی روایۃ وکیع خیر من عبادۃ احدکم عمرہ و اسلام آوردہ بود وے رضی اللہ عنہ روز فتح مکہ و یک صد و شصت و سہ حدیث از وے مروی است، چنانچہ در کتب صحاح ستہ وغیرہ از کتب احادیث اہل سنت و جماعت مذکور است، و از وے رضی اللہ عنہ چندے از صحابہ کبار مانند عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن زبیر و ابو الدرداء و جریر بن عبداللہ البجلی و نعمان بن بشیر وغیرہم من الصحابۃ روایت حدیث کردہ اند، و از تابعین کبار مثل سعید بن المسیب و حمید بن عبدالرحمن وغیرہما نیز از وے روایت حدیث کردہ اند چنانکہ در تقریب و تہذیب الکمال، و لسان المیزان و تہذیب الاسماء و اطراف ابو یحیی مزی و اکمال وغیرہ

بڑی لمبی چوڑی ہے اہل انصاف کے لئے اتنا ہی کافی ہے، اور متعصب کے لئے کئی دفتر ہوں، تو بھی کافی نہیں،

الجواب:۔ (از جناب سید محمد نذیر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ) اہل عقل و دانش پر مخفی نہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو گالیاں نہ دو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ان کا ایک ساعت بیٹھنا تمہارے چالیس سال کے اعمال سے بہتر ہے، اور وکیع کی روایت میں عمر بھر کے اعمال سے بہتر ہے کے الفاظ ہیں، آپ فتح مکہ کے دن ایمان لائے، آپ سے ایک سو ترسٹھ ۱۶۳ احادیث مروی ہیں، جو صحاح ستہ میں اور دوسری کتابوں میں مروی ہیں، ان سے بڑے بڑے صحابہ نے روایت کی مثلاً عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، ابو الدرداء، جریر بن عبداللہ بجلی، نعمان بن بشیر وغیرہ اور تابعین میں سے سعید بن مسیب، حمید بن عبدالرحمن وغیرہ

من کتب اسماء الرجال کہ نقاد و صراف اسامی رواۃ حدیث مستند مذکور است، و نیز در اصابہ ابن حجر و شیخ جلال الدین سیوطی در بعض تصانیف تصریح بدان کردہ اند کما لا یخفی علی من تتبع کتب اسماء الرجال والسیر المعتبرۃ من تواریخ الخلفاء، و حدیثے کہ مشتمل بر دعا خیر کردن آں سرور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم برائے وے رضی اللہ عنہ وارد گشتہ در جامع ترمذی موجود است و ترمذی آن را حسن گفتہ، اخرج الترمذی وحسنہ عن عبد اللہ بن ابی عمیرۃ الصحابی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لمعاویۃ اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا و اخرج الامام احمد فی مسندہ عن عرباض بن ساریۃ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم علم معاویۃ الکتاب والحساب وقہ العذاب واخرج ابن ابی شیبۃ فی المصنف والطبرانی فی الکبیر عن عبد الملک بن عمیر قال معاویۃ ما زلت اطمع فی الخلافۃ منذ قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا معاویۃ اذا ملکت فاحسن کذا فی تاریخ الخلفاء للسیوطی وغیرہ، و در صحیح بخاری در ذکر امیر معاویہ می نویسد حدثنا الحسن بن بشر ثنا المعافی عن عثمان بن الاسود عن ابن ابی ملیکۃ قال اوتر معاویۃ بعد العشاء برکعۃ وعندہ مولی لابن عباس فاتی ابن عباس فقال دعہ فانہ قد صحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدثنا ابن ابی مریم ثنا نافع بن عمر حدثنی ابن ابی ملیکۃ قیل لابن عباس ھل لک فی امیر المؤمنین معاویۃ فانہ ما اوتر الا بواحدۃ قال اصاب انہ فقیہ حدثنا عمرو بن عباس ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبۃ عن ابی التیاح قال سمعت حمران بن ابان

روایت کرتے ہیں، چنانچہ اس کی تصریح کتب اسماء الرجال و سیرت میں موجود ہے، اور ترمذی میں ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی، کہ اے اللہ اسے ہادی و مہدی بنا دے، اور مسند احمد میں ہے، کہ اے اللہ معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم سکھا، اور اسے عذاب سے محفوظ رکھ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ جب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ وصیت فرمائی، کہ جب تو بادشاہ ہو جائے تو احسان کرنا، مجھے اسی روز سے اپنے بادشاہ بننے کا یقین تھا، صحیح بخاری میں ہے، کہ امیر معاویہ نے ایک رکعت وتر پڑھا ابن عباس کے آزاد کردہ غلام پاس تھے، انہوں نے جا کر ابن عباس سے کہا، کہ امیر معاویہ نے ایک رکعت وتر پڑھا ہے، تو انہوں نے فرمایا، جانے دو، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے ٹھیک کیا، وہ ایک فقیہ صحابی ہیں، ایک دفعہ امیر معاویہ نے کہا، کہ تم ایسی نماز پڑھنے لگے ہو،

عن معاویۃ قال انکم لتصلون صلوٰۃ لقد صحبنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فما رأیناہ یصلیہا ولقد نہی عنہما یعنی الرکعتین بعد العصر انتہی ما فی صحیح البخاری، پس از صحیح البخاری کہ اصح کتب است در احادیث، چنانکہ علماء معتبرین بران تصریح کردہ اند صحابی بودن امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ وعدالت وفقاہت وے از زبان ابن عباس رضی اللہ عنہ ثابت شد، وہرگاہ بودن امیر المؤمنین معاویہ صحابی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم متحقق گردید پس ترضی وترحم برائے وے مستحب خواہد بود چہ وے صحابی است وبرائے ہر صحابی ترضی وترحم نزد اہل سنت وجماعت بالاجماع مستحب است، ودرین صورت باعتبار نفس شرافت صحابیت امیر معاویہ را حضرت ورضی اللہ عنہ گفتن بمقابلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ عنہ نزد اہل سنت وجماعت درست وروا است وممنوع نیست، زیرا کہ مشاجرات باخودہا از صحابیت خارج نمی کند خلافا للروافض آرے درمیان بزرگی حضرت علی رضی اللہ عنہ وحضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تفاوت بسیار بودن بعید نیست، چہ جناب علی مرتضیٰ در عشرہ مبشرہ بالجنۃ داخل اند وکثیر الصحبۃ از آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفضیلت دامادی وغیرہ میدارند کما لا یخفی علی الماہر بالشریعۃ الغراء ویستحب الترضی للصحابۃ والترحم للتابعین ومن بعدہم من العلماء والعباد وسائر الاخیار وکذا یجوز عکسہ وہو الترحم للصحابۃ والترضی للتابعین ومن بعدہم علی الراجح ذکرہ الکرمانی وقال الزیلعی الاولی ان یدعو للصحابۃ بالترضی وللتابعین بالرحمۃ ولمن بعدہم بالمغفرۃ والتجاوز کذا

جو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا حالانکہ ہم لوگ آپ کی صحبت میں رہے، آپ نے عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

صحیح بخاری میں جو کہ حدیث کی کتابوں میں سے صحیح ترین کتاب ہے آپ کا صحابی ہونا، اور زبان ابن عباس عادل اور فقیہ ہونا ثابت ہو گیا، تو آپ ترضی اور ترحم کے مستحق ہوں گے، کیونکہ اہل سنت کے نزدیک صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہ کہنا بالاتفاق مستحب ہے، اور صحابی ہونے کی حیثیت سے ان کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں بھی حضرت اور رضی اللہ عنہ کے الفاظ کہنا مستحب ہے ممنوع نہیں ہے کیونکہ آپس کی لڑائی سے صحابہ صحابیت کی زندگی سے محروم نہیں ہو جاتے، ہاں رافضی کا مذہب اس کے خلاف ہے، البتہ امیر معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما میں درجے کا بہت فرق ہونا بھی بعید نہیں ہے کیونکہ حضرت علی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، کثیر الصحبت ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہیں، لہٰذا صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہ اور تابعین کے لئے

فی تنویر الابصار والدر المختار والفتاوی العالمگیریۃ والغیاثیۃ وغیرہ من کتب الفقہ الحنفیۃ وغیرھا من کتب سائر المذاھب المتبوعۃ کما لا یخفی علی الماھر بالکتب الشرعیۃ وغیر صحابی از ادنی صحابی بدرجہ بزرگی صحابی نخواہد رسید۔ فھم احق وکا یبلغ غیرھم ادناھم ولو انفق ملاء الارض ذھبا کذا فی الطحطاوی حاشیۃ الدر المختار وغیرھا من کتب اھل السنۃ۔ ومناقب وفضائل صحابہ بر دیگران بنا بر شرف صحبت آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کافی ووافی است قال صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث ابن مالک اذا ذکر اصحابی فامسکوا وفی لفظ وایاکم وما شجر بین اصحابی فلو انفق احدکم مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ الحدیث وقال صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث ابن مالک طوبی لمن رانی ومن رای من رانی۔ وقال صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فمن سبھم فعلیہ لعنۃ اللہ الحدیث کذا فی غنیۃ الطالبین للشیخ الکامل المکمل عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ومشاجرات صحابہ رض منافی نیستند بودن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ از اصحاب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم وچون از اصحاب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بودند پس افضلیت شان بر غیر صحابہ در ضمن عمومات نصوص لازم آمد اگرچہ فضیلت با فضیلت غیرے تفاوت از عرش تا فرش دارد ھو المقصود پس آنہا را جز بنیکی ودعا خیر یاد نباید کرد، وبآنہا کینہ وعداوت وبغض نباید داشت واز مشاجرات آنہا کف اللسان باید بود تا دل نیک باید کرد وجہت صحابی بودن آنہا مقتضی ترک کینہ وعداوت است لقولہ تعالی ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا الایۃ از این جہت عداوت با کسے از

ان کے بعد کے لوگوں کے لئے رحمہ اللہ کہنا مستحب ہے، فقہ اور عقاید کی کتابوں سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور غیر صحابی خواہ کتنے بڑے درجے کا آدمی ہو، کسی ادنی صحابی کے درجہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا، شرف صحبت کے بہت سے حقوق ہیں، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جب میرے صحابہ کا تذکرہ ہو تو اپنی زبان کو تھام لو، اور فرمایا" میرے صحابہ کے جھگڑوں کا تذکرہ مت کرو، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ جتنا بھی سونا خرچ کرے، تو ان کے ایک مد جو یا نصف مد کو بھی نہیں پہنچ سکتا" اور آپ نے فرمایا "مبارک ہے وہ جس نے مجھے دیکھا، اور مبارک ہے وہ جس نے میرے صحابہ کو دیکھا" اور فرمایا" میرے صحابہ کو گالی نہ دو، جو ان کو گالی دے گا، اس پر خدا کی لعنت برسے گی" پس معاویہ چونکہ صحابی ہیں، لہذا تمام روئے زمین کے غیر صحابہ سے افضل ہیں، اگرچہ صحابہ، صحابہ میں عرش سے لے کر فرش تک سے بھی زیادہ فاصلہ ہو، لہذا ان کو دعائے خیر

صحابہ نتوان کرد کہ دلیل ضلالت است، اما محبت با ہر یک از آنہا بقدر محبت ہر یک از آنہا است با رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وچوں در مقابلہ ومطاعن صحابہ ظاہر شدہ کہ منازعات و مشاجرات کہ در صحابہ واقع شدہ بنا بر خطا اجتہادی واقع شدہ بکفر نمیرساند چنانچہ امیر المؤمنین علی مرتضی رضی اللہ عنہ گفتہ۔ انما اصبحنا نقاتل اخواننا فی الاسلام علی مادخل فیہ من الزیغ والاعوجاج والشبھۃ والتاویل کذا فی نہج البلاغۃ و رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم درحق امام حسن فرمودہ ابنی ھذا سید ولعل اللہ یصلح بین فئتین عظیمتین من المسلمین چنانچہ جناب قاضی ثناء اللہ صاحب تفسیر مظہری در سیف المسلول افادہ فرمودہ وہکذا الیستفاد من نہج الازہر لملا علی القاری و مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ در تحفہ اثنا عشریہ می فرمایند کہ پس در کتب امامیہ متواتر رسیدہ کہ حضرت امیر از لعن اہل شام منع فرمودہ، ونیز اہل سنت گفتہ اند کہ در نہج البلاغہ روایتے دیگر موجود است کہ شیعہ ازاں چشم پوشی می کنند، و آں روایت صریح دلالت دارد بر آنکہ مانع بقاء شرکت اسلام واخوت ایمانی بود۔ وھو انہ لما سمع لعن اھل الشام من اصحابہ خطب وقال اصبحنا نقاتل اخواننا فی الاسلام علی مادخل فیہ من الزیغ والاعوجاج والشبھۃ والتاویل انتہی ما فی تحفۃ اثنا عشریۃ و جناب مورد تجلیات سبحانی محبوب ربانی حضرت سید محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ در غنیۃ الطالبین در عقیدہ اہل سنت والجماعت

سے یاد کرنا چاہیے، اور ان کے متعلق دل میں کینہ اور عداوت نہ رکھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے ایماندار دل کی کیفیت بیان فرمائی ہے، کہ وہ دعائیں مانگتے ہیں، کہ ہمارے دلوں میں ایمانداروں کے متعلق کینہ اور عداوت نہ رکھنا، اور ہمارے دلوں میں ہر صحابی کے لیے اتنی ہی محبت ہونی چاہیے، جتنی کہ ان کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی، اور جو جھگڑے صحابہ میں ہوئے، وہ اجتہادی غلطی کی بنا پر سرزد ہوئے، اور اجتہادی غلطی سے کوئی آدمی کافر نہیں ہو جاتا، چنانچہ حضرت علی نے خود فرمایا تھا، ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے لڑنے لگے، کیونکہ شبہ اور تاویل سے ان کے دلوں میں کجی آگئی ہے، شیعہ کی کتابوں میں ہے، کہ حضرت علی نے شامیوں پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے، اور نہج البلاغت میں یہ روایت موجود ہے کہ اس جنگ کی وجہ سے حضرت علی رضہ نے ان کو ایمان اور اسلامی برادری سے خارج نہ کیا، اور وہ روایت یہ ہے، کہ جب حضرت علی رضہ نے اپنی فوج سے شامیوں کے متعلق سب وشتم سنا تو فرمانے لگے، ہماری اپنے بھائیوں سے لڑائی چھڑ گئی ہے، کیونکہ شبہ اور تاویل کی وجہ سے ان کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں، شیخ عبدالقادر جیلانی

افادہ می فرمایند وارشاد می نمایند۔ اتفق اھل السنة علی وجوب الکف عما شجر بینھم والامساک عن مساویھم واظھار فضائلھم ومحاسنھم وتسلیم امرھم الی اللہ عز وجل علی ما کان وجری من اختلاف علی وطلحة وزبیر وعائشة ومعاویة رضی اللہ عنھم علی ما قدمنا بیانہ واعطاء کل ذی فضل فضلہ کما قال اللہ عز وجل والذین جاءوا من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رؤف رحیم وقال اللہ تعالیٰ تلک امة قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون انتھی ما فی غنیة الطالبین ونیز درین کتاب مسطور است نبذی ازان بقلم می آید فخرج علی رض الی المسجد فبایعہ الناس فکان اماما حقا الی ان قتل خلاف ما قال الخوارج انہ لم یکن اماما قط تبا لھم واما قتالہ لطلحة وزبیر وعائشة ومعاویة فقد نص الامام احمد رحمہ اللہ علی الامساک عن ذلک وجمیع ما شجر بینھم من منازعة ومنافرة وخصومة لان اللہ تعالیٰ یزیل ذلک من بینھم یوم القیامة کما قال عز وجل ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین الایة ومن قاتلہ من معاویة وطلحة والزبیر وطلبوا ثار عثمان رض خلیفة حق المقتول ظلما والذین قتلوہ کانوا فی عسکر علی رض فکل ذھب الی تاویل صحیح فاحسن احوالنا الامساک فی ذلک وردھم الی اللہ عز وجل وھو احکم الحاکمین

غنیہ میں لکھتے ہیں، کہ اہل سنت کا اتفاق ہے، کہ صحابہ کرام کے جھگڑوں اور ان کی بدگوئی سے اپنی زبان بند رکھنی چاہیے اور ان کے فضائل ومحاسن کو بیان کرنا چاہیے، اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کرنا چاہیے حضرت علی، طلحہ، زبیر، حضرت عائشہ صدیقہ اور امیر معاویہ کی لڑائی کا تذکرہ نہ ہونا چاہیے، اور ہر ایک کی نیدگی کا اقرار کرنا چاہیے غنیہ میں یہ بھی لکھا ہے، کہ حضرت علی مسجد کی طرف نکلے، تو لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، سو آپ شہید ہو گئے تک امام برحق تھے، لیکن خارجی ان کو امام برحق نہیں مانتے، خدا ان کو غارت کرے، اور حضرت علی وطلحہ وزبیر ومعاویہ وحضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کی جنگ سے اپنی زبان کو روکنا چاہیے، کیونکہ مسند احمد میں نص ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کے دلوں سے دشمنی اور کینہ وغیرہ نکال دیں گے، حضرت علی خلیفہ برحق تھے ان کے خلاف خروج ہوا، حضرت علی رض اس حیثیت سے سچے تھے، اور ان سے لڑائی کرنے والے حضرت عثمان خلیفہ برحق اور مظلوم خلیفہ کے خون کا مطالبہ کرتے تھے، اور جن سے مطالبہ تھا، وہ حضرت علی کی فوج میں شامل تھے، لہٰذا وہ اپنی جگہ پر سچے تھے، تو ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں، کہ ہم اس معاملہ میں خاموش

وخیر الفاصلین انتہی ما فی غنیۃ الطالبین۔ پس از تقریر دلپذیر جناب محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ ہم ہویدا گردید، کہ مشاجرات آنہا را بر خطاء اجتہادی حمل باید کرد، و این معاملہ را سپرد خدا می شاید چنانکہ از کلام درنظام شان مستفاد می شود کما لا یخفی علی العالم المنصف المتفطن بالکلام و باغیان و مقتولان از مقابلین علی مرتضی بر حکم اشتباہ حق و خطاء اجتہادی کہ ہر کس از فریقین خود را بر امر حق دانستہ مقابلہ کرد و اشتباہ حق و باطل درین معرکہ رو داد، اگرچہ در حقیقت یکے مصیب بود و دیگر ماؤل و مخطی گشتہ شدند و بعقیدہ ہر یکے از فریقین و طرفین شہید گشتند، بنا بر اعتقاد حق ہر یک از آنہا بجانب خویش چنانکہ از غنیۃ الطالبین وغیرہ مستفاد گردد، بلکہ از کلام امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ صاف خطاء اجتہادی از مقابل وے رضی اللہ عنہ واضح می شود حیث قال اصبحنا نقاتل اخواننا فی الاسلام علی ما دخل فیہ من الزیغ و الاعوجاج والشبہۃ والتاویل کذا فی نہج البلاغۃ وہذا در کتب فقہی نویسند و ان قتل عادل باغیا ورثہ مطلقا وبالعکس اذا قال الباغی ذقت قتلہ انا علی باطل لا یرثہ اتفاقا لعدم الشبہۃ وان قال انا علی حق فی الخروج علی الامام واصر علی دعواہ ورثہ کذا فی تنویر الابصار والدر المختار وغیرہما من کتب الفقہ وفی الاختیار وما اصاب کل واحد من الفریقین من الاخر من دم او جراحۃ او استہلاک مال فہو موضوع لا دیۃ فیہ ولا ضمان وما کان قائما فی ید کل واحد من الفریقین للاخر فہو لصاحبہ انتہی ما فی رد المختار حاشیۃ در المختار وغیرہ من کتب الفقہ۔ و آنچہ در سوال مذکور است، کہ کسے کہ خود را بمذہب اہل سنت و جماعت گوید، و از تعصب بحق

رہیں، اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیں، اور طرفین کے جو آدمی ان جنگوں میں مرے ہیں، وہ شہید ہیں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا، اگرچہ فی الحقیقت ایک گروہ حق پر تھا، اور دوسرا غلطی پر اور وہ غلطی اجتہادی تھی جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی ہے، فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے، کہ اگر عادل باغی کو قتل کر دے تو وہ اس کا وارث ہوگا، اور اس کے برعکس بھی، اگر باغی اس کا اصرار کرے، کہ میں اس خروج میں حق پر ہوں، اور اگر باغی قتل کے وقت اقرار کرے، کہ میں باطل پر تھا، تو اس کا وارث نہیں ہوگا، اور ان جنگوں میں جو زخم فریقین کے آدمیوں کو لگے ان کی دیت نہیں ہے، اور جو مال لوٹ لیا گیا، اگر وہ ختم ہو چکا ہے تو اس کی چٹیان نہیں، اور اگر مال بعینہ ہو، تو وہ مالک کو مل جائے گا، اور یہ جو لکھا ہے، کہ اگر کوئی تعصب کی راہ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو رضی اللہ عنہ نہ کہے بلکہ برائی بیان کرے، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ

حضرت معاویہ بلفظ رضی اللہ عنہ نہ گوید بلکہ بدگوید چہ حکم وارد پس جوابش این است کہ امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ با علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ مقابلہ ومقاتلہ کردہ مخطی بود وعلی رضی اللہ تعالےٰ عنہ مصیب بود ومخطی در اجتہاد مورد لعن وسب وشتم نیست بر مذہب اہل سنت بلکہ فاسق معین ومرتکب کبیرہ را لعن کردن جائز نیست، بر مسلک اہل سنت چہ جائے کہ مخطی در اجتہاد حاشا کہ لعن وسب ودر حق او اصلا روا نیست لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن لعن المصلین ومن کان من اہل القبلۃ کذا فی خلاصۃ الفتاوی وغیرہ من کتب الفقہ والعقائد اما ما وقع من امتناع جماعۃ من الصحابۃ عن نصرۃ علی وخروج معہ فی المحاربۃ ومن محاربۃ طائفۃ منہم کما وقع فی حروب الجمل والصفین فلا یدل علی عدم صحۃ خلافتہ ولا تضلیل علی مخالفیہ فی ولایتہ اذ لم یکن ذلک نزاع فی حقیقۃ امارتہ بل کان عن خطاء فی اجتہادہم حیث انکروا علیہ ترک القود من قتلۃ عثمان رض بل زعم بعضہم انہ کان مائلا الی قتلہ والمخطی فی الاجتہاد لا یضل ولا یفسق علی ما علیہ الاعتماد کذا فی منہج الازہر شرح فقہ اکبر لملا علی القاری الحنفی وغیرہ من کتب العقائد پس ہر کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ را از راہ تعصب وبغض رضی اللہ عنہ نہ گوید او خود در وعید حدیث گرفتار خواہد بود. قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فمن سبہم فعلیہ لعنۃ اللہ الحدیث کذا فی غنیۃ الطالبین وغیرہ من کتب اہل السنۃ وسب کنندہ وبدگوئندہ او در پردہ عقیدہ روافض می دارد

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی اور اس لڑائی میں حضرت علی حق پر تھے اور امیر معاویہ خطا پر اور اس اجتہادی غلطی پر اہل سنت کے نزدیک سب وشتم اور بدگوئی کرنا درست نہیں ہے بلکہ فاسق معین اور مرتکب کبیرہ کو بھی لعنت کرنا جائز نہیں ہے، چہ جائے کہ اجتہادی غلطی پر اس کی بدگوئی کی جائے، نبی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نمازی اور اہل قبلہ پر لعنت نہ کیا کرو، اور جو لوگ حضرت علی کی مدد کرنے سے رک گئے، یا جنہوں نے ان کے برخلاف جنگ کی، نہ تو وہ اس سے گمراہ ہوئے، اور نہ حضرت علی کی خلافت اس سے ناجائز ہوئی کیونکہ حضرت علی کی خلافت کی حقانیت کے متعلق جھگڑا نہیں تھا بلکہ ان کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ حضرت علی حضرت عثمان رض کا قصاص لینے میں کوتاہی کر رہے ہیں، بلکہ بعض لوگ تو اس طرف تھے کہ حضرت علی خود قاتلین کی حمایت کر رہے ہیں، اب اگر کوئی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا کہے، تو وہ اس وعید کے لئے تیار ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے صحابہ کو گالی نہ دو،

گو بظاہر خود را از اہل سنت می شمارد، و ہم چنین ہر کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا را بد گوید او موذی باست و من جملہ من یوذی اللہ و رسولہ داخل است از گمان بد و سوء نفسانی خود توبہ نماید، پس واجب است ہر کہ از ین عقیدہ بد کہ زوجہ مطہرہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابی پیغمبر خدا را بدی گوید توبہ کند، و مسلک اہل سنت اختیار نماید تا در دنیا و دین از مواخذ نجات یابد و این آیت کریمہ را کنتم خیر امۃ اخرجت للناس الآیۃ و رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ الآیۃ کہ در شان صحابہ رضی اللہ عنہم درجہ بدرجہ بقدر استحقاق خیریت ہر یک از ایشان مشعر و ناطق است تلاوت کردہ باشد و عقیدہ تا الصحابۃ از ترتیب الخلفاء الراشدین کرتبتھم فی الخلافۃ پیش نظر دارد، و فضیلت ہر یک صحابی را حسب روایات کتب احادیث صحیحہ موافق قرار داد و مذہب متبوعہ حقہ اہل سنت و جماعت ملحوظ در عقیدہ خود بدارد تا خود را در زمرہ اہل سنت پندارد و تفصیل این اجمال را در شرح مواقف و شرح مقاصد و ازالۃ الخفاء فی اثبات خلافۃ الخلفاء وغیرہ ملاحظہ نماید تا از انہا عبرت گیرد و مذہب و مسلک اہل سنت را معلوم کند و از جہالت و نادانی خود بیرون آید۔ وما علینا الا البلاغ۔ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

سید محمد نذیر حسین — صح الجواب بعون الملک الوھاب — محمد صدر الدین ۱۲۷۵

لقد اصاب من اجاب — محمد قطب الدین ۱۲۷۴ — الجواب صحیح — محمد عبد الرب ۱۲۶۷

اصاب المجیب فی الجواب بلا ارتیاب — سید الدولۃ عزیز الملک محمد یوسف علی خان

الجواب صحیح — محمد عبد القادر — الجواب صحیح — حفیظ اللہ ۱۲۸۱ — الجواب صحیح

شکر ہمین بس است کہ صدیق محرم — الجواب صحیح — محمد یوسف ۱۲۷۰

ما قال المجیب فھو حق والحق احق بالاتباع و اولیٰ لان الحق یعلو ولا یعلیٰ — محمد حسین فقیر

الجواب صحیح — محمد اسد علی ۱۲۲۸

جوان کو گالی دے گا، اس پر اللہ کی لعنت برسے گی، اور ایسا آدمی جوان کو گالی دے، وہ حقیقت میں شیعہ ہے، اگرچہ بظاہر اپنے آپ کو اہل سنت کہلائے، اور جو حضرت عائشہ صدیقہ کی بدگوئی کرے حقیقت میں وہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتا ہے، پس ایسے عقیدہ سے توبہ کرنا لازمی ہے، اور صحابہ کرام کا عقیدہ یہ تھا، کہ ان چاروں خلفاء کی خلافت جس ترتیب سے ہوئی ہے، اسی ترتیب سے ان کا مرتبہ اور مقام تھا، اس اجمال کی تفصیل اگر دیکھنا منظور ہو، تو شرح مواقف، شرح مقاصد اور ازالۃ الخفاء کا مطالعہ کرنا چاہیئے، واللہ اعلم ۱۲

فتویٰ در باب تفضیل شیخین از علمائے محدثین

سوال اول: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس میں کہ یہ جو کتب عقاید مثل عقیدہ صابونیہ و عقیدہ واسطیہ و انتقاد الرجیح وغیرہا میں مندرج ہے، کہ افضل اس امت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر رض پھر حضرت عثمان رض پھر حضرت علی رض یہ امر شرعی ہے یا غیر شرعی ہے، بر تقدیر ثانی یہ کہنا جائز ہے یا نہیں کہ حضرت علی افضل ہیں حضرت ابوبکر و عمر رض سے، اور عمر رض ابوبکر رض سے

سوال دوم: جس شخص کا یہ مقولہ ہو، کہ اگر کوئی علی رض کو ابوبکر رض سے افضل کہے تو اس کو بھی سچا دیندار جانتا ہوں، اور اس ترتیب کو کہ ابوبکر افضل ہیں عمر رض سے، اور عمر رض عثمان رض سے اور عثمان علی رض سے غیر شرعی جانتا ہوں، ایسا شخص کیسا ہے، مخالف عقیدہ سلف کے ہے یا موافق اور سلف اہل سنت و علمائے محدثین کا اس میں کیا عقیدہ تھا۔

سوال سوم: حضرت عائشہ صدیقہ رض حضرت علی رض سے کیوں لڑیں، آیا بوجہ خلافت کے یا بجہت طلب قاتلان عثمان رض کے، بر تقدیر ثانی اہل جمل کا قتال حضرت علی رض کے بحکم یا رضا حضرت عائشہ رض کے تھا، یا درمیان میں مفسدوں نے فساد ڈالدیا تھا، بر تقدیر ثانی حضرت عائشہ رض پر اطلاق باغیہ کا کرنا اس وقت میں صحیح تھا، یا صحیح نہیں تھا، اور سلف کا اس میں کیا عقیدہ ہے، فقط، بینوا توجروا۔

الجواب (۱) یہ جو کتب عقاید میں مندرج ہے، کہ افضل اس امت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوبکر رض ہیں، پھر عمر رض پھر عثمان رض پھر علی رض یہ امر شرعی ہے، اور دلیل اس پر حدیث ابن عمر رض ہے، قال کنا نخیر بین الناس فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنخیر ابابکر رض ثم عمر بن الخطاب رض ثم عثمان بن عفان رواہ البخاری[1] اور یہ حدیث حکما مرفوع ہے، کما لا یخفی علی من لہ ادنی الالمام بعلوم الاصول، اور طبرانی[(1)]

[1] ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ میں بعض کو بعض پر فضیلت دیتے تھے، ہم کہتے تھے ابوبکر سب سے افضل ہیں، ان کے بعد عمر رض پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم (بخاری)

(۱) مجمع الزوائد میں لکھا ہے۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط بنحوہ باختصار الا انہ قال ابوبکر و عمر و عثمان

کی روایت میں ہے۔ فیسمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا ینکرہ یہاں سے صراحتہ تقریر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھی جاتی ہے۔

(۲) قائل مقولہ مذکورہ کا مخالف ہے عقیدہ جمہور سلف وعلمائے محدثین کے۔

(۳) جنگ حضرت عائشہ صدیقہ رضی حضرت علی رضی سے بجہت طلب قصاص عثمان رضی کے تھی مفسدوں نے درمیان میں فساد ڈالدیا تھا، اس لئے اطلاق باغیہ کا حضرت عائشہ رضی پر صحیح نہیں ہے سلف کا اس بارہ میں یہی عقیدہ ہے۔ والتفصیل موکول الی کتب العقائد۔ واللہ اعلم۔ کتبہ محمد بشیر عفی عنہ

محمد بشیر ۱۲۹۴
شیخ محمد عفی عنہ

الجواب صحیح۔ کتبہ محمد بن عبد العزیز القاضی نی بھوپال

فی الواقع افضل اس امت کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی پھر حضرت عثمان رضی پھر حضرت علی رضی اور یہ امر شرعی ہے اور اس پر ایک دلیل حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صعد احدا وابوبکر رضی وعمر رضی وعثمان رضی فرجف بھم فقال اثبت احد فانما علیک نبی وصدیق وشہیدان رواہ البخاری وجہ دلالت اس حدیث کی اس امر پر یہ ہے، کہ افضل ناس مطلقا نبی ہوتے ہیں، پھر صدیق پھر شہید جیسا کہ آیت کریمہ اولئک الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین اس پر دال ہے، اور ابوبکر صدیق ہیں، اور عمر رضی اور عثمان رضی شہید، ایسا شخص مخالف ہے عقیدہ

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو سنتے تھے، اور اس کا انکار نہیں کرتے تھے ۱۲ [2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم احد پہاڑ پر چڑھے ہوئے تھے، پہاڑ کانپنے لگا تو آپ نے فرمایا، اے احد ٹھہر جا تیرے اوپر نبی اور صدیق اور دو شہید ہیں (بخاری) [3] یہ وہ لوگ ہیں، جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین میں سے ۱۲

ثم استقر الناس فیبلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا ینکرہ علینا وابو یعلی نحوہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہم ثقوا وفیہم خلاف انتہی۔ ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ۔

(ترجمہ) مجمع الزوائد میں ہے، کہ طبرانی نے اوسط اور کبیر میں اس حدیث کو بیان کیا ہے، کہ صحابہ کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں افضلیت میں حضرت ابوبکر اور عمر اور عثمان کا نام لیا کرتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس بات کا علم تھا لیکن آپ نے منع نہیں کیا، ابو یعلی نے بھی اسے بیان کیا ہے، اور اس کے رجال کی توثیق کی ہے ۱۲

سلف صالحین وائمہ محدثین ومجتہدین کے، جنگ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ حضرت علی رضہ سے بوجہ طلب قصاص قاتلان حضرت عثمان رضہ سے تھی مفسدوں نے بیچ میں فساد ڈال دیا تھا اس لئے اطلاق باغیہ کا ان پر صحیح نہیں ہے سلف صالحین کا اس میں یہی عقیدہ ہے۔

نمقہ محمد عبد اللہ غازی پوری مدرس مدرسہ چشمہ رحمت

الجواب صحیح وخلافہ تبیح۔ العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ بقلم خود

سید محمد نذیر حسین | یہ جواب صحیح ہے شریف حسین

یہ جواب صحیح ہے غلام اکبر خاں | الجیب مصیب تلطف حسین عفی عنہ

اصاب من اجاب محمد عبد الرحمن | الجواب صحیح ابو نصر عبد اللہ فضل حسین مظفر پوری

عبد الرحیم | للہ در المجیب فانہ فیما قال مصیب ابو محمد ابراھیم

نعم الجواب وھو الصواب محمد ادریس | الجواب صحیح محمد اسماعیل

اچھا جواب لکھا ہے عبد العزیز مظفر پوری

اصاب من اجاب واللہ اعلم بالصواب۔ نظیر حسین اروی نظیر حسین اروی

سوال:۔ مراد از تفضیل شیخین بر جناب مرتضی چیست، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ آنچہ جناب شاہ عبد العزیز محدث دہلوی دربارہ تفضیل شیخین رضہ بر علی مرتضی نوشتہ اند کافی است لہذا نقل آن کردہ می شود تا اظہار حق گردد وتردد خاطر زائل شود، عبارتہ ہکذا، تفضیل شیخین رضی اللہ عنہما بر مرتضی رضی اللہ عنہ من کل الوجوہ نیست بلکہ علمائے محققین نوشتہ اند کہ تفضیل احد الشیخین علی الآخر من جمیع الوجوہ مجال نیست تفضیل حضرت مرتضی در جہاد سیفی وسنانی وفن قضا وکثرت روایت حدیث وہاشمیت ونسبت دامادیت حضرت بتول زہرا بر صدیق اکبر قطعی است وہم چنین تفضیل آنجناب در قدم اسلام

سوال:۔ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کیسی فضیلت حاصل ہے؟

الجواب:۔ بالکل وہی فضیلت جو شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی نے لکھی ہے، بغور ملاحظہ فرمائیں، تاکہ شکوک زائل ہو جائیں، شیخین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ہر طرح سے فضیلت حاصل نہیں ہے، بلکہ شیخین میں سے بھی ایک کو دوسرے پر ہر طرح سے فضیلت حاصل نہیں ہے، حضرت علی تلوار اور نیزے کے جہاد قضا کے فن، کثرت روایت اور ہاشمی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا داماد ہونے میں شیخین سے افضل ہیں اور یہ فضیلت صدیق اکبر پر بھی ہے علاوہ حضرت عمر رضہ پر پہلے اسلام لانے اور پہلے نمازیں پڑھنے میں بھی ہے

و ادل من صلی بر حضرت عمر رض فاروق قطعی است، بلکہ مراد از تفضیل شیخین بر جناب مرتضیٰ نیست مگر تفضیل انہا در شبہ بہ نبی من جہۃ سیاستہ الامۃ وحفظ الدین وسد باب الفتنۃ وترویج الاحکام الشرعیۃ واشاعۃ الاسلام فی البلدان واقامۃ الحدود والتعزیرات وہمین است مقاصد خلافت کبرے، ولہذا تقدیم الشیخین درین امر مجمع علیہ صحابہ بود، بلکہ در صواعق محرقہ ودیگر کتب حدیث معتبرہ مذکور است کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فرمودند۔ سالت اللہ ان یقدمک یا علی فابی علی الا تقدیم ابی بکر رض واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید شریف حسین

سید محمد نذیر حسین

از شرف سید کتین شل شریف حسین

سوال: چہ می فرمایند علمائے شریعت اہل سنت والجماعت درحق کسے کہ خود را از اہل سنت وجماعت وانماید ودر عقیدہ خود تفضیل حضرت علی رضی اللہ عنہ بر اصحاب ثلاثہ اعنی حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر وحضرت عثمان رضی اللہ عنہم دہد یا گوید کہ تفضیل حضرات اصحاب بترتیب خلافت صرف در امور سیاست مدنی است نہ تفضیل از جہت دیگر فضائل ونہ در امور باطنی است یا گوید کہ در ولایت باطنی اصحاب ثلاثہ را دخل نیست یا گوید کہ این اصحاب ثلاثہ را از خلافت فضیلت شدنہ از سابق پس بر معتقدین این سخنہا اطلاق تفضیلیہ ومخالف اجماع ہست یا نہ؟

الجواب: افضلیت اصحاب رضی اللہ عنہم یعنی خلفائے اربعہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شیخین کی تفضیلت حضرت علی رض پر اس لحاظ سے ہے، کہ وہ امت کی سیاست، حفاظت دین، اور فتنے کا سد باب، اور احکام شرعیہ کی ترویج، اور شہروں میں اشاعت اسلام اور حدود و تعزیرات کے قائم کرنے میں ان سے افضل ہیں، اور یہی خلافت کبریٰ کا مقصد ہے، اور اسی لحاظ سے شیخین کی افضلیت صحابہ میں مسلم تھی، بلکہ صواعق محرقہ اور حدیث کی دوسری معتبر کتابوں میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا اے علی میں نے خدا سے دعا مانگی، کہ علی کو آگے بڑھا دے لیکن خدا تعالیٰ نے ابوبکر کو آگے بڑھایا۔ واللہ اعلم

سوال: اگر کوئی سنی حضرت علی رض کو اصحاب ثلاثہ پر فضیلت دے، یا کہے کہ ان کو حضرت علی پر سیاسی امور میں برتری حاصل تھی ویسے نہیں، یا کہے کہ اصحاب ثلاثہ کو ولایت اور امور باطنی میں کوئی دخل نہیں ہے، یا کہے کہ ان کو خلافت کی وجہ سے فضیلت مل گئی، ورنہ یہ حضرت علی رض سے افضل نہیں تھے، تو ایسے آدمی کو تفضیلی شیعہ، اور مخالف اجماع کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

ترتیب خلافت است مطلقاً بلا تقیید بظاہر یا باطن واطلاق تفضیلیہ وخاطی ومخالف اجماع بر تفضیل دہندہ حضرت علی رض بر خلفائے ثلاثہ صحیح است، وافضلیت خلفائے ثلاثہ پیشتر از زمان خلافت ثابت است، کہ ہمان سابقہ فضل وتقدم ورجحان کہ در اذہان صحابہ رض بود آنہا را در زمان آنہا متعین برائے خلافت کردہ اخرج البخاری فی صحیحہ عن ابن عمر قال کنا فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نعدل بابی بکر رض احدا ثم عمر رض ثم عثمان رض ثم نترک اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نفاضل بینہم واخرج ابوداؤد فی کتاب السنۃ فی باب التفضیل من حدیث عبید اللہ عن نافع عن ابن عمر قال کنا فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نعدل بابی بکر رض احدا ثم عمر رض ثم عثمان رض ثم نترک اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نفاضل بینہم ومن طریق سالم بن عبد اللہ ان ابن عمر قال کنا نقول ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی افضل امۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ ابوبکر رض ثم عمر رض ثم عثمان رض واخرجہ من طریق جامع بن ابی راشد ثنا ابو یعلی عن محمد بن الحنفیۃ قال قلت لابی ای الناس خیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابوبکر رض قال قلت ثم من قال ثم عمر رض قال ثم خشیت ان اقول ثم من فیقول عثمان فقلت ثم انت یا ابت قال ما انا الا رجل من المسلمین واخرج من طریق محمد الفریابی قال

الجواب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے اربعہ کی فضیلت ان کی خلافت کی ترتیب پر ہے، مطلقاً اس میں ظاہر یا باطن کی کوئی قید نہیں ہے، خلفائے ثلاثہ پر حضرت علی رض کو فضیلت دینے والے کو تفضیلی شیعہ اور خطاکار اور مخالف اجماع کہہ سکتے ہیں، اور خلفائے ثلاثہ کی فضیلت خلافت کے زمانہ سے پہلے بھی مسلم تھی، اور اسی تقدم ورجحان کی وجہ سے جو ذہنوں میں تھی، ان کو خلافت میں انتخاب کیا گیا، حضرت عبد اللہ بن عمر رض کہتے ہیں، کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت ابوبکر رض کے ہم پلہ کسی کو نہیں سمجھتے تھے، پھر ان کے بعد حضرت عمر رض اور ان کے بعد حضرت عثمان رض، اور اس کے بعد ہم صحابہ کی تخییر چھوڑ دیتے تھے، کسی کو کسی پر فضیلت نہ دیتے تھے، یہ حدیث بخاری اور ابوداؤد میں کئی طرق سے مروی ہے، محمد بن حنفیہ کہتے ہیں، کہ میں نے اپنے باپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا ابوبکر رض، میں نے پوچھا پھر کون، کہنے لگے حضرت عمر رض پھر مجھے خطرہ محسوس ہوا، کہ اگر اسی طرح سوال کیا تو آپ حضرت عثمان رض کا نام لے دیں گے، میں نے پوچھا، پھر ان کے بعد تو آپ ہوں گے، فرمانے لگے میں تو ایک عام

سمعت سفیان یقول من زعم ان علیا رض کان احق بالولایۃ منہما نقد خطاء ابا بکر رض وعمر رض والمہاجرین رض والانصار وما اراہ یرتفع لہ مع ھذا عمل الی السماء واخرج من طریق عباد بن سماک قال سمعت سفیان یقول الخلفاء خمسۃ ابوبکر رض وعمر رض وعثمان رض وعلی رض وعمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہم انتہی ۔ من سنن ابی داؤد وفی کتاب الاعتقاد للبیہقی بسندہ الی ابی ثور عن الشافعی رح انہ قال اجمع الصحابۃ واتباعہم علی افضلیۃ ابی بکر رض ثم عمر رض ثم عثمان رض ثم علی رض انتہی ودر شرح عقاید نسفی گفتہ افضل البشر بعد نبینا ابوبکر الصدیق رض ثم عمر الفاروق رض ثم عثمان ذی النورین رض ثم علی المرتضی رض رضی اللہ عنہم وخلافتہم علی ھذا الترتیب انتہی

حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

احمد علی کل حال — مولانا احمد علی سہارنپوری

عالم علی — مراد آبادی

سعادت حسین — بہاری

لطف علی — بہاری

سید علی اعظم — پھلواری

محمد علی حبیب — پھلواری

مسلمان آدمی ہوں، سفیان ثوری کہتے تھے، کہ جو آدمی یہ کہے، کہ حضرت علی شیخین سے ولایت کے زیادہ حقدار ہیں تو اس نے ابوبکر رض وعمر فاروق رض، اور تمام مہاجرین وانصار کو خطا کار کہا، مجھے امید نہیں کہ ایسے آدمی کا کوئی بھی نیک عمل آسمان کی طرف جائے، سفیان ثوری کہا کرتے تھے خلفائے راشدین پانچ ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رض حضرت عمر فاروق حضرت عثمان ذی النورین، حضرت علی مرتضی، حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہم، امام شافعی کہتے ہیں، صحابہ اور تابعین کا اجماع ہے، کہ سب سے افضل حضرت ابوبکر رض ہیں، پھر حضرت عمر رض پھر حضرت عثمان رض پھر حضرت علی رض، شرح عقاید نسفی میں بھی اسی طرح ہے"

کتابُ ذِکرِ الانبیاءِ وبَدأُ الخلق

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ذبیح کون تھے اسمٰعیل علیہ السلام یا اسحٰق علیہ السلام یعنی ذبح کرنے کا حکم کس کی نسبت آیا تھا، آیا اسمٰعیل علیہ السلام کی نسبت یا اسحٰق علیہ السلام کی نسبت، بعض لوگ کہتے ہیں اسمٰعیل علیہ السلام ذبیح تھے، اور بعض لوگ کہتے ہیں اسحاق علیہ السلام تھے۔ پس اس بارے میں قول فیصل کیا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اس بارے میں علماء کا اختلاف چلا آتا ہے بعض اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبیح بتاتے ہیں، اور بعض اسحٰق علیہ السلام کو، مگر نظم قرآن سے جو بات ثابت ہوتی ہے، وہ یہی ہے، کہ اسمٰعیل علیہ السلام ذبیح تھے، اور اس بارے میں میرے نزدیک یہی قول اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے، واللہ اعلم بالصواب، علامہ ابن القیم زاد المعاد میں لکھتے ہیں۔ و اسمٰعیل ھو الذبیح علی قول الصواب عند علماء الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم واما القول بانہ اسحٰق فباطل باکثر من عشرین وجھا وسمعت شیخ الاسلام ابن تیمیۃ قدس اللہ روحہ یقول ھذا القول انما متلقی من اھل الکتاب مع انہ باطل بنص کتابھم فان فیہ ان اللہ امر ابراھیم ان یذبح ابنہ بکرہ وفی لفظ وحیدہ و لا یشک اھل الکتاب مع المسلمین ان اسمٰعیل ھو بکر اولادہ (یعنی علمائے صحابہ رضؓ و تابعین و تبع تابعین و من بعد ہم کے نزدیک قول صواب یہی ہے، کہ اسمٰعیل علیہ السلام ذبیح ہیں اور اسحاق علیہ السلام کا ذبیح ہونا باطل ہے، اور اس کے بطلان میں بیس سے بھی زیادہ وجہیں ہیں اور میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ روحہ سے سنا ہے، وہ فرماتے تھے، کہ یہ قول (یعنی اسحٰق علیہ السلام کا ذبیح ہونا) اہل کتاب سے لیا گیا ہے، حالانکہ یہ قول خود انہی کی کتاب سے باطل ہے، کیونکہ ان کی کتاب میں یہ صاف لکھا ہوا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم کیا، کہ اپنے پہلے بیٹے کو ذبح کر، اور ایک لفظ میں ہے، کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر، اور

اس بات میں نہ اہل کتاب کو شک ہے اور نہ اہل اسلام کو کہ ابراہیم علیہ السلام کے پہلے اور اکلوتے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام ہی تھے۔ والذی غر اصحاب ھذا القول ان فی التوراۃ التی بایدیھم اذبح ابنك اسحٰق قال وھذہ الزیادۃ من تحریفھم وکذبھم لانھا تناقض قوله بکرك ووحیدك ولکن الیھود حسدت بنی اسمٰعیل علی ھذا الشرف واحبوا ان یکون لھم وان یسوقوہ الیھم ویختاروہ دون العرب ویابی اللہ الا ان یجعل فضله لاھله۔ یعنی اور جس وجہ سے اہل کتاب کو دھوکا ہوا ہے، وہ یہ ہے، کہ جو توراۃ ان کے ہاتھوں میں ہے، اس میں یہ عبارت ہے اذبح ابنك اسحٰق یعنی ذبح کر اپنے بیٹے اسحاق کو، کہا ابن تیمیہ نے کہ اس عبارت میں لفظ اسحاق کی زیادتی اہل کتاب کی تحریفات سے ہے کیونکہ یہ زیادتی مخالف ہے ان کی کتاب کے اس قول سے کہ ذبح کر اپنے پہلے اور اکلوتے بیٹے کو، مگر یہود کو اس پر رشک ہوا کہ ذبح ہونے کا شرف بنی اسمٰعیل میں رہے، اور انہوں نے چاہا کہ اس شرف کو کھینچ کر اپنے میں لائیں، اور اپنے لئے ثابت کریں، اور عرب میں یہ شرف نہ رہے، مگر اللہ تعالیٰ کو ہرگز یہ منظور نہیں ہے، کہ اس کا فضل اس شخص کے لئے ثابت ہو، جو اس فضل کا اہل نہیں ہے۔ وکیف یسوغ ان یقال ان الذبیح اسحٰق واللہ تعالیٰ قد بشر ام اسحٰق به وبابنه یعقوب فقال تعالیٰ عن الملائکۃ انھم قالوا لابراھیم لما اتوہ بالبشری لا تخف انا ارسلنا الی قوم لوط وامرأته قائمۃ فضحکت فبشرناھا باسحٰق ومن وراء اسحٰق یعقوب فمحال ان یبشرھا بانه یکون له ولد ثم یامر بذبحه ولا ریب ان یعقوب داخل فی البشارۃ فتناول البشارۃ لاسحٰق ویعقوب فی اللفظ الواحد وھذا ظاھر الکلام وسیاقه۔ یعنی یہ قول کہ ذبیح اسحاق علیہ السلام تھے، کیونکر جائز ہو سکتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسحاق علیہ السلام کی ماں کو اسحٰق علیہ السلام اور ان کے بیٹے یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی، چنانچہ فرمایا فبشرناھا باسحاق ومن وراء اسحٰق یعقوب یعنی ہم نے ان کو اسحاق کی بشارت دی، اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی، پس یہ بات محال و ناممکن ہے، کہ اللہ تعالیٰ اسحاق علیہ السلام کی ماں کو اسحاق علیہ السلام کے بیٹے ہونے کی بشارت دے، اور پھر اسحاق علیہ السلام کے ذبح کرنے کا حکم کرے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے، کہ بشارت میں یعقوب علیہ السلام ضرور داخل ہیں، پھر علامہ ابن قیم سوال و جواب کی صورت میں ایک اشکال کا جواب دے کر فرماتے ہیں۔ ویدل علیه ان سبحانه لما ذکر

قصۃ ابراھیم وابنہ الذبیح فی سورۃ الصافات قال فلما اسلما وتلہ للجبین ونادیناہ ان یا ابراھیم قد صدقت الرؤیا انا کذلک نجزی المحسنین ان ھذا لھو البلاء المبین وفدیناہ بذبح عظیم وترکنا علیہ فی الاخرین سلام علی ابراھیم کذلک نجزی المحسنین انہ من عبادنا المؤمنین (ثم قال) وبشرناہ باسحق نبیا من الصالحین فھذہ بشارۃ من اللہ لہ شکرا علی صبرہ علی ما امر بہ وھذا ظاھر جدا فی ان المبشر بہ غیر الاول بل ھو کالنص فیہ۔ یعنی اس بات پر کہ ذبیح اسمٰعیل علیہ السلام تھے یہ بات دلالت کرتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ نے ابراہیم اوران کے بیٹے ذبیح کا قصہ سورۃ والصافات میں ذکر کرکے پھر فرمایا ہے وبشرناہ باسحق نبیا من الصالحین یعنی ہم نے ابراہیم کو اسحق کی بشارت دی، درانحالیکہ وہ نبی ہیں صالحین سے ہیں، پس یہ ایک بشارت ہے اللہ کی طرف سے، ابراہیم علیہ السلام کو اس بات پر کہ انہوں نے صبر کیا، اس بات کا جس کا ان کو حکم ہوا تھا پس ابراہیم اوران کے بیٹے ذبیح کے ذکر کرنے کے بعد پھران کو ان کے صبر پر اسحاق کی بشارت دینا یہ صاف اور صریح دلیل ہے، کہ اسحاق علیہ السلام غیر ذبیح ہیں، پھر اس کے بعد ابن القیم لکھتے ہیں۔ فان قیل فالبشارۃ الثانیۃ وقعت علی نبوتہ ای لما صبر الاب علی ما امر بہ واسلم الولد لامر اللہ جازاہ اللہ علی ذلک بان اعطاہ النبوۃ قیل البشارۃ وقعت علی المجموع علی ذاتہ ووجودہ وان یکون نبیا ولھذا انتصب نبیا علی الحال المقدر ای مقدر نبوتہ فلا یمکن اخراج البشارۃ ان یقع علی الاصل ثم یخص بالحال التابعۃ الجاریۃ مجری الفضلۃ ھذا محال من الکلام بل اذا وقعت البشارۃ علی نبوتہ فوقوعھا علی وجودہ اولی واحری وایضا فلا ریب ان الذبیح کان بمکۃ ولذلک جعلت القرابین یوم النحر کما جعل السعی بین الصفا والمروۃ ورمی الجمار تذکیراً[1]

---

[1] اگر سوال کیا جائے کہ دوسری بشارت صرف نبوت کے اظہار کی تھی، کہ جب باپ اور بیٹے نے اللہ تعالےٰ کے حکم کو تسلیم کرلیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی نبی بنانے کی خوشخبری سنائی، اس کا جواب یہ ہے، کہ نبوت کی خوشخبری تو تب ہی ہوسکتی تھی، جب کہ ان کا وجود باقی رہتا، نبوت کی بشارت کا وقوع وجود کے وقوع پر مقدم ہے، اس کے علاوہ یہ بات تو یقینی ہے، کہ یہ ذبیح مکہ میں واقع ہوا، یہی وجہ ہے کہ قربانیوں کی رسم مکہ میں چلی آتی ہے، اگر حضرت اسحاق ذبیح ہوتے، تو شام میں ہوتے، کیونکہ وہ مکہ میں کبھی نہ آتے، تو قربانیوں کی رسم بھی شام میں ہوتی، یہ صاف دلیل ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل تھے نہ کہ حضرت اسحاق اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے، کہ حضرت

لشان اسماعیل وامہ واقامۃ لذکر اللہ ومعلوم ان اسماعیل وامہ ھما اللذان کانا بمکۃ دون اسحق وامہ ولھذا اتصل مکان الذبح وزمانہ بالبیت الحرام الذی اشترک فی بناۂ ابراھیم واسمعیل کان النحر بمکۃ من تمام حج البیت الذی کان علی ید ابراھیم وابنہ اسمعیل زمانا ومکانا ولوکان الذبح بالشام کما یزعم اھل الکتاب ومن تلقی عنھم لکانت القرابین والنحر بالشام لا بمکۃ وایضا فان اللہ سبحانہ سمی الذبیح حلیما لانہ لا احلم ممن اسلم نفسہ للذبح طاعۃ لربہ ولما ذکر اسحق سماہ علیما فقال ھل اتاک حدیث ضیف ابراھیم المکرمین اذ دخلوا علیہ قالوا سلاما قال سلام قوم منکرون (الی ان قال) قالوا لا تخف وبشروہ بغلام علیم وھذا اسحق بلا ریب لانہ من امرأتہ وھی المبشرۃ بہ واما اسماعیل فمن السریۃ وایضا فانھما بشرا بہ علی الکبر والیاس من الولد وھذا بخلاف اسماعیل فانہ ولد قبل ذلک وایضا فان اللہ سبحانہ اجری العادۃ البشریۃ ان بکر الاولاد احب الی الوالدین ممن بعدہ وابراھیم لما سال ربہ الولد ووھبہ لہ تعلقت شعبۃ من قلبہ بمحبتہ واللہ تعالی قد اتخذہ خلیلا والخلۃ منصب یقتضی توحید المحبوب بالمحبۃ وان لا یشارک بینہ وبین غیرہ فیھا فلما اخذ الولد شعبۃ من قلب الوالد جاءت غیرۃ الخلۃ تنتزعھا من قلب الخلیل فامرہ الخلیل بذبح المحبوب فلما اقدم علی ذبحہ

اسماعیل کو اللہ تعالیٰ نے حوصلے والا لڑکا فرمایا ہے، اور حضرت اسحاق کو علم والا لڑکا کہا ہے، اور اس سے بڑھ کر اور حوصلہ کیا ہو سکتا ہے، کہ کوئی اپنی جان ذبح ہونے کے لئے پیش کر دے، اگر ذبیح حضرت اسحاق ہوتے، تو ان کو حوصلے والا لڑکا کہا جاتا، اور تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے، کہ حضرت اسحاق کی ولادت سے پہلے ذبح ہونے کا واقعہ ہو چکا تھا، اور یہ بھی ذہن میں رکھیں، کہ حضرت اسحاق کی ولادت حضرت سارہ اور حضرت ابراہیم کے بڑھاپے میں ہوئی اور حضرت اسماعیل کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم اتنے بوڑھے نہ تھے، اور حضرت ہاجرہ نوجوان تھیں، اور یہ جو سورہ ذاریات میں بشارت مذکور ہے، وہ حضرت اسحاق کے متعلق ہے، اور دستور تھا کہ پہلے بیٹے کی قربانی کی جائے، اور پہلا بیٹا اسمٰعیل ہے اسحاق نہیں، اور یہ بھی انسانی فطرت ہے، کہ جتنا پیار پہلے بچے سے ہوتا ہے دوسری اولاد سے اتنا پیار نہیں ہوتا، ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے ایک بچے کی دعا مانگی، جب لڑکا مل گیا تو حضرت ابراہیم کے دل میں اس بچے کی محبت بھی آ گئی، اور آپ اللہ تعالیٰ کے خلیل تھے اور خلت کا تقاضا تھا، کہ اس دل میں اور کسی کی محبت پیدا نہ ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بچے کو ذبح کرنے کا حکم

وکانت محبۃ اللہ اعظم عندہ من محبۃ الولد خلصت الخلۃ حینئذ من شوائب المشارکۃ فلم یبق فی الذبح مصلحۃ اذا کانت المصلحۃ انما ھی فی العزم وتوطین النفس فیہ فقد حصل المقصود فنسخ الامر وفدی الذبح وصدق الخلیل الرؤیا وحصل مراد الرب ومعلوم ان ھذا الامتحان والاختیار انما حصل عند اول مولود ولم یکن لیحصل فی المولود الآخر دون الاول بل لم یحصل عند المولود الآخر من مزاحمۃ الخلۃ ما یقتضی الامر بذبحہ وھذا فی غایۃ الظہور وایضا فان سارۃ امرأۃ الخلیل غارت من ھاجرۃ وابنہا اشد الغیرۃ فانہا کانت جاریۃ فلما ولدت اسمٰعیل واحبہ ابوہ اشتدت غیرۃ سارۃ فامر اللہ سبحانہ ان یبعد عنہا ھاجرۃ وابنہا ویسکنہا فی ارض مکۃ لیبرد عن سارۃ حرارۃ الغیرۃ وھذا من رحمتہ ورأفتہ فکیف یامر سبحانہ بعد ھذا ان یذبح ابنہا ویدع ابن الجاریۃ بحالہ ھذا مع رحمۃ اللہ لہا وابعاد الضرر عنہا وجبرہ لہا فکیف یامر بعد ھذا بذبح ابنہا دون ابن الجاریۃ بل حکمۃ البالغۃ اقتضت ان یامر بذبح ولد السریۃ فحینئذ ترق قلب سارۃ علی ولدھا وتتبدل قسوۃ الغیرۃ رحمۃ ویظہر لہا برکۃ ھذہ الجاریۃ وولدھا وان اللہ لا یضیع بیتا ھذہ وابنہا منہم ویری عبادہ جبرہ بعد الکسر ولطفہ بعد الشدۃ وان عاقبۃ صبر ھاجرۃ وابنہا علی البعد والوحدۃ والغربۃ والتسلیم الی ذبح الولد آلت الی ما آلت الیہ من جعل آثارھما

دے دیا چونکہ ابراہیم علیہ السلام کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اسماعیل کی محبت سے زیادہ تھی، لہذا ان کو ذبح کرنے پر تیار ہو گئے، جب حضرت ابراہیم کے دل سے شراکت کی تمام آمیزشیں دور ہو گئیں، تو اب بچے کے ذبح کا کوئی فائدہ نہیں تھا، لہذا ان کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا، مینڈھے سے ان کا فدیہ دیا گیا، اور خلیل کا خواب سچا ہو گیا، خدا تعالیٰ کی مراد پوری ہو گئی، تو معلوم ہوا کہ یہ امتحان پہلے بچے کی پیدائش پر ہی ہوا تھا، دوسری اولاد کے متعلق اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا، اور یہ بھی سوچیں، کہ جب حضرت ہاجرہ کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو حضرت سارہ کے دل میں رشک آیا، اللہ تعالیٰ نے اس نیک بندی کا دل ٹھنڈا کرنے کے لئے حضرت ابراہیم کو حکم دیا کہ ہاجرہ اور ان کے بیٹے کو عرب میں چھوڑ آؤ، اور خدا تعالیٰ یہ کیسے کر سکتے تھے، کہ ہاجرہ کا بیٹا تو زندہ رہے، اور سارہ کو بعد میں بیٹا دے کر اس کو ذبح کرا دیا جائے، بلکہ حکمت اور مصلحت کا تقاضا یہی تھا، کہ حضرت اسماعیل ذبیح ہوں، اور پھر ہاجرہ اور ان کے بچے نے اس راہ میں جو تکلیفیں برداشت کیں، وطن سے دور ہوئے، غربت، تنہائی اور مسافری کی صعوبتیں برداشت کیں، تو ان کو یہ انعام ملا، کہ خدا تعالیٰ نے ان کے

وموطئ اقدامہما مناسک لعبادہ المؤمنین ومتعبدات لہم الی یوم القیامۃ وھذا سنتہ تعالیٰ فیمن یرید رفعہ من خلقہ ان یمن علیہ بعد استضعافہ وذلہ و انکسارہ قال تعالیٰ ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلہم ائمۃ ونجعلہم الوارثین وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم انتہی کلام ابن القیم۔

اگر کوئی کہے، کہ ظاہر نظم قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے، کہ اسمٰعیل علیہ السلام ذبیح تھے مگر قرآن میں اس کی صاف تصریح نہیں آئی ہے، کہ ذبیح کون تھے، اور حدیثوں میں تو صاف تصریح آگئی ہے، کہ ذبیح اسحٰق علیہ السلام تھے، پس ان احادیث کے مطابق اسحٰق علیہ السلام کو کیوں ذبیح نہیں کہا جاتا، اور صاف اور مصرح امر کو چھوڑ کر غیر مصرح کو کیوں اختیار کیا جاتا ہے، اور وہ حدیثیں یہ ہیں (۱) تفسیر در منثور میں ہے۔ اخرج الدارقطنی فی الافراد والدیلمی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذبیح اسحٰق (۲) تفسیر در منثور میں ہے واخرج الطبرانی وابن مردویہ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اکرم الناس قال یوسف بن یعقوب بن اسحاق ذبیح اللہ (۳) تفسیر در منثور میں ہے اخرج ابن ابی حاتم عن ابی روق رضی اللہ عنہ قال لما حبس یوسف علیہ السلام اخاہ بسبب السرقۃ کتب الیہ یعقوب علیہ السلام من یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم خلیل اللہ الی یوسف عزیز فرعون اما بعد فانا اھل بیت موکل بنا البلاء ان ابی ابراہیم علیہ السلام القی فی النار فی اللہ فصبر فجعلہا اللہ علیہ بردا وسلاما وان ابی اسحٰق علیہ السلام قرب للذبح

قدموں کے نشانات محفوظ رکھے، اور ان کو حج کے ارکان بنا دیا، اللہ تعالیٰ کسی کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ذبیح اسحاق ہے۔ ۲؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا، کہ سب سے معزز آدمی کون ہے؟ آپ نے فرمایا یوسف بن یعقوب بن اسحاق ذبیح اللہ۔

۳؎ جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو چوری کے الزام میں روک لیا، تو یعقوب علیہ السلام نے عزیز مصر کی طرف خط لکھا، کہ ہم ایک ایسا گھرانہ ہیں، جن پر مصیبت مسلط ہے، میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا، اور اس نے صبر کیا، تو اللہ نے ان پر آگ کو ٹھنڈا کر دیا، اور میرے باپ اسحاق علیہ السلام کو قربان گاہ میں لے جا کر ذبح کیا، اس نے صبر کیا، تو اللہ نے ان کو بچا لیا، اور فدیہ میں

فی اللہ فصبر ففداہ اللہ بذبح عظیم۔ وان اللہ کان وھب لی قرۃ عین فسلبنیہا فلاذھب حزنہ بصری وایبس لحمی علی عظمی فلا لیلی لیل ولا نھاری نھار ولا سیر الذی فی یدیک بما ادعی علیہ من السرق اخوۃ کامہ فکنت اذا ذکرت اسفی علیہ قربتہ منی فیسلی عنی بعض ما کنت اجد وقد بلغنی انک حبستہ بسبب سرقۃ فخل سبیلہ فانی لم الد سارقا ولیس بسارق والسلام (۴) مشکوۃ شریف کے باب النذور میں ہے۔ عن محمد بن المنتشر قال ان رجلا نذر ان ینحر نفسہ ان نجاہ اللہ من عدوہ فسأل ابن عباس فقال لہ سل مسروقا فسالہ فقال لا تنحر نفسک فانک ان کنت مومنا قتلت نفسا مؤمنۃ وان کنت کافرا تعجلت الی النار واشتر کبشا فاذبحہ للمساکین فان اسحق خیر منک وفدی بکبش فاخبر ابن عباس فقال ھکذا کنت اردت ان افتیک رواہ رزین۔

تو جواب اس کا یہ ہے، کہ یہ سب حدیثیں ضعیف وناقابل احتجاج ہیں، پہلی حدیث کو جلال الدین نے جامع صغیر میں ذکر کرکے برمز (ض) ضعیف کہا ہے، اور اس کے علاوہ اہل علم نے بھی اس حدیث کی تضعیف کی ہے، اور دوسری حدیث کو بخاری ومسلم وغیرہما نے روایت کیا ہے، مگر اس میں لفظ اسحاق کے بعد ذبیح اللہ کا لفظ نہیں ہے، اہل علم نے اس بات کی تصریح کر دی ہے، کہ اس حدیث میں ذبیح اللہ کا لفظ کسی راوی نے اپنی طرف سے زیادہ کر دیا ہے، اور تیسری حدیث کی نسبت تفسیر بیضاوی وغیرہ میں لکھا ہے لم یثبت یعنی یہ حدیث

مینڈھا ذبح ہوگیا، اور مجھے اللہ نے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمائی تھی، وہ مجھ سے چھین لی، اس کا غم میری بینائی لے گیا، اور میری ہڈیوں سے گوشت خشک ہوگیا، اور نہ رات میری رات ہے، اور نہ دن میرا دن ہے، اور وہ قیدی جو آپ کے پاس چوری کے الزام میں گرفتار ہے، وہ اس کا ماں جایا بھائی ہے، میں اس کو دیکھ کر اپنے دل کو تسلی دے لیا کرتا تھا، آپ وہ بھی مجھ سے چوری کے بہانے چھن گیا، آپ اسے چھوڑ دیں، نہ وہ چور ہے نہ میں چور جننے والا ہوں۔

۱؎ ایک آدمی دشمن کے پنجہ میں گرفتار ہوگیا، اس نے نذر مانی کہ اگر مجھے خدا تعالیٰ نے اس دشمن سے نجات دی، تو میں اپنے آپ کو خدا کے لئے ذبح کروں گا، اس نے ابن عباس سے مسئلہ پوچھا، آپ نے فرمایا مسروق سے پوچھو، اس سے پوچھا تو اس نے کہا اپنے آپ کو قتل نہ کر، اگر تو مومن ہے، تو ایک مومن کا قتل تیرے ذمہ ہوگا، اور اگر کافر ہے تو آگ کے لئے جلدی کیوں کرتا ہے ایک مینڈھا ذبح کرکے مسکینوں کو کھلا دے، اسحاق تجھ سے بہتر تھے، ان کا فدیہ بھی ایک مینڈھے سے چکایا تھا اس نے ابن عباس کو مسروق کا جواب بتایا، تو آپ کہنے لگے میں بھی تجھ کو یہی جواب دینا چاہتا تھا۔

ثابت نہیں ہے، اور چوتھی کی سند کا حال معلوم نہیں کہ کیسی ہے صحیح ہے یا ضعیف، اور اگر صحیح بھی ہو تو یہ ابن عباس کا قول ہے جو محتمل ہے، کہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔
الغرض ان حدیثوں میں سے کوئی حدیث قابل احتجاج و لائق اعتماد نہیں ہے، اور ان حدیثوں کے علاوہ اور حدیثیں بھی پیش کی جاتی ہیں، مگر وہ بھی ایسی ہی ناقابل احتجاج ہیں، اور ساتھ اس کے ان احادیث کے معارض ایسی حدیثیں بھی ہیں، جن میں صاف تصریح ہے، کہ ذبیح اسمٰعیل علیہ السلام تھے، مثلاً ایک یہ حدیث جو تفسیر درمنثور میں بحوالہ ابن جریر وغیرہ ہے۔ اخرج ابن جریر والاموی فی المغازی والخلعی فی فوائدہ والحاکم وابن مردویہ بسند ضعیف عن عبد اللہ بن سعید الصنابحی قال حضرنا مجلس معاویۃ بن ابی سفیان فتذاکروا القوم اسمعیل واسحق ایھما الذبیح فقال سقطتم علی الخبیر کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتاہ اعرابی فقال یا رسول اللہ خلفت الکلأ یابسا والماء عابسا ھلک العیال وضاع المال فعد علی مما افاء اللہ علیک یا ابن الذبیحین فتبسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم ینکر علیہ فقال القوم من الذبیحان یا امیر المؤمنین قال ان عبد المطلب لما حفر زمزم نذر للہ تعالی ان سھل حفرھا ان ینحر بعض ولدہ فلما فرغ اسھم بینھم وکانوا عشرۃ فخرج السھم علی عبد اللہ فاراد ذبحہ فمنعہ اخوالہ من بنی مخزوم وقالوا ارض ربک وافد ابنک ففداہ بمائۃ ناقۃ فھو الذبیح و اسماعیل الثانی۔ دیکھو یہ حدیث صاف اور صراحت طور پر بتاتی ہے، کہ ذبیح اسمٰعیل علیہ السلام تھے، پس احادیث مذکورہ بالا جن سے اسحاق علیہ السلام کا ذبیح ہونا ثابت ہوتا ہے بوجہ تعارض کے بھی ناقابل استدلال ہیں، الحاصل تعیین ذبیح میں حدیثیں مختلف و متعارض آئی ہیں، اور باوجود تخالف و تعارض کے کل کی کل ضعیف ہیں، اس تعارض و ضعف کی وجہ

لہ امیر معاویہ بن ابی سفیان کہتے ہیں، کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ایک اعرابی آیا، اور کہنے لگا، یا رسول اللہ گھاس خشک ہو گئے، پانی ختم ہو گئے، اہل و عیال ہلاک ہونے لگے، مال ضائع ہو گیا، اے ذبیحین کے بیٹے میری کچھ مدد کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے، اور اس پر انکار نہ کیا، لوگوں نے امیر معاویہ سے پوچھا وہ ذبیح کون سے ہیں، تو فرمایا عبد المطلب نے جب زمزم کا کنواں کھودنا چاہا، تو نذر مانی اگر یہ کنواں آسانی سے مجھے دستیاب ہو گیا تو میں اپنی اولاد میں سے ایک لڑکا خدا کے نام پر ذبح کروں گا، چنانچہ انہوں نے اپنی اولاد پر قرعہ ڈالا، تو حضرت عبد اللہ کا نام نکلا، لیکن ان کے بدلے سو اونٹ ذبح کئے گئے، اور دوسرے ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے

سے ان کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے، اسی وجہ سے ان کو کالعدم سمجھ کر ظاہر نظم قرآن سے جو بات ثابت ہوئی ہے، اس کو اختیار کیا گیا ہے، واللہ تعالےٰ اعلم۔

کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ　　سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کیا اللہ تعالےٰ نے کوئی انسان اور بھی پیدا کیا ہے، تو وہ کیا ہوئے، اور ان کا قصہ کس طرح سے ہے، براہ نوازش اس کا احوال خلاصہ تحریر فرمایئے۔

الجواب:۔ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے خداوند کریم نے کوئی اور انسان پیدا نہیں کیا، بلکہ آدم علیہ السلام سے پہلے جنات لوگ تھے، جب اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانا چاہا، تو فرشتوں سے کہا، کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں، تو فرشتوں نے کہا، کیا تو زمین میں ایسے شخص کو خلیفہ بنائے گا، جو اس میں فساد مچائے اور خونریزی کرے، اور ہم تیری تسبیح کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ، اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں، اللہ تعالےٰ نے فرمایا، میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، مفسرین نے لکھا ہے، کہ فرشتوں نے جو یہ کہا، کہ کیا تو زمین میں ایسے شخص کو خلیفہ بنائے گا، جو اس میں فساد مچائے اور خونریزی کرے، سو اس وجہ سے کہا، کہ پہلے زمین میں جنات رہتے تھے، پھر جب انہوں نے باہم فساد مچایا، اور خونریزی کی، تو اللہ تعالےٰ نے ان کے پاس فرشتوں کو بھیجا، اور فرشتوں نے ان کو پہاڑوں اور جزیروں میں نکال باہر کیا، پس فرشتوں نے انہیں جنات پر قیاس کرکے یہ بات کہی، تفسیر جلالین میں ہے۔ قالوا اتجعل فیہا من یفسد فیہا بالمعاصی ویسفک الدماء یریقہا بالقتل کما فعل بنو الجان وکانوا فیہا فلما افسدوا ارسل اللہ الیہم الملائکۃ فطردوھم الی الجزائر والجبال انتہی۔ واللہ تعالی اعلم　حررہ محمد علی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یوسف نجار سے مریم علیہا السلام کا نکاح بعد پیدائش عیسےٰ علیہ السلام کے مسلمانوں کی تاریخ میں ثابت ہے یا نہیں؟

لہ فرشتوں نے کہا، کیا تو زمین میں ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے، جو گناہ کرکے بگاڑ پیدا کرے، اور قتل کرکے خون ناحق بہائے، جیسے پہلے زمین میں جن کیا کرتے تھے، جب انہوں نے فساد مچا رہا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف فرشتوں کو بھیجا، انہوں نے ان کو مار مار کر جزیروں اور پہاڑوں کی طرف دھکیل دیا ۱۲

الجواب:۔ صورت مرقومہ میں معلوم ہو کہ مسلمانوں کی کسی تاریخ کی کتاب میں یہ مذکور نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف یعنی مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام کا بے شوہر رہنا، قرآن شریف سے بوضاحت ثابت ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ومریم ابنت عمران التی احصنت فرجہا فنفخنا فیہ من روحنا وصدقت بکلمات ربہا وکتبہ وکانت من القانتین اور جو شخص اس کا قائل ہے، وہ ضال ومضل ہے، اور انجیل سے تمسک پکڑنا اس بارے میں ناجائز ہے، کیونکہ وہ محرف ہے۔ واللہ اعلم۔ املاہ عبد المنان الوزیرابادی

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ایک شخص کہتا ہے، کہ جنات کو کسی قسم کا تصرف نہیں ہے، بلکہ وہ مانند انسان کے ہیں، و نیز کہتا ہے، کہ کوہ قاف کے وجود کا کوئی ثبوت نہیں ہے، کیا اس کا قول صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:۔ اللہ تعالیٰ نے جنوں کو بہت کچھ قوت دی ہے، دیکھو سلیمان علیہ السلام نے جب اپنے درباروالوں سے کہا ایکم یاتینی بعرشہا قبل ان یاتونی مسلمین یعنے تم لوگوں میں سے کون شخص بلقیس کا تخت میرے پاس اٹھا لائے گا قبل اس کے کہ وہ لوگ مسلمان ہو کر میرے پاس آدیں، تو سلیمان علیہ السلام کے جواب میں ایک جن بولا۔ قال عفریت من الجن انا اتیک بہ قبل ان تقوم من مقامک وانی علیہ لقوی امین۔ یعنی کہا ایک عفریت نے جنوں میں سے میں لا دیتا ہوں اس کے تخت کو آپ کے پاس قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں، اور میں اس کے لانے پر قوت رکھتا ہوں، اور امانت دار ہوں، اور ایک دوسرا شخص جو کتاب الٰہی کا علم رکھتا تھا بولا۔ انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک یعنی میں اس کو آپ کے پاس لا دیتا ہوں، قبل اس کے کہ پھر آئے آپ کی طرف آپ کی نظر۔ اور ہاں واضح رہے کہ بلقیس کا تخت کوئی معمولی تخت نہیں تھا، اس کی عظمت کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولہا عرش عظیم یعنی بلقیس کے پاس ایک بڑا تخت ہے، اور سنو سلیمان علیہ السلام کے پاس خدمت اور کام کے لئے جو جن رہا کرتے تھے، ان کا حال اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے۔ یعملون لہ ما یشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب

۱؎ اور مریم عمران کی بیٹی جس نے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا، ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی، اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی، اور وہ فرمانبرداروں سے تھی ۱۲

وقدور راسیات یعنی سلیمان علیہ السلام جو چاہتے ان کے لئے جن لوگ بناتے قلعے اور تصویریں اور لگن جیسے تالاب، اور دیگیں ایک جگہ ثابت رہنے والیں پس شخص مذکور کا یہ کہنا کہ جنات کو کسی قسم کا تصرف نہیں، بلکہ وہ مانند انسان کے ہیں غلط ہے، کوہ قاف کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے، جس طرح دنیا کے اور بہت سے پہاڑوں اور شہروں وغیرہ کا وجود کتب جغرافیہ وکتب لغت سے اور خبر متواتر سے ثابت ہے، اسی طرح کوہ قاف کا وجود بھی کتابوں سے ثابت ہے، صراح[1] میں ہے، قاف یکے از حروف معجمہ، کوہ گرداگرد زمین، واللہ اعلم۔ حررہ محمد عبد الحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ھوالموفق: جو شخص یہ کہتا ہے، کہ جنات کو کسی قسم کا تصرف نہیں، بلکہ وہ مانند انسان کے ہیں اس کا اگر یہ مقصود ہے، کہ جو تصرفات واختیارات اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں مثلاً غیب دانی وغیرہ، تو اس شخص کا یہ قول صحیح اور درست ہے بے شک جنات کو ان تصرفات میں سے کسی قسم کا تصرف نہیں ہے، اس بارے میں جنات اور انسان اور تمام مخلوق برابر ہیں کسی مخلوق کو کسی قسم کا تصرف نہیں ہے، اور اگر اس شخص کا یہ مقصود ہو کہ جس قدر اور جس طرح کی قوت اللہ تعالیٰ نے انسان کو دی ہے، اسی قدر اور اسی طرح کی قوت جنات کو بھی دی ہے، اس معنی میں جنات مانند انسان کے ہیں، تو اس شخص کا یہ قول غلط ہے، دیکھو جنات کو آسمان تک چڑھ جانے کی قوت دی گئی ہے، اور ان کو مختلف صورتوں میں متشکل ہونے کی قوت دی گئی ہے، کیا یہ قوت انسان کو بھی دی گئی

---

[1] قولہ صراح میں ہے الخ اقول۔ اسی طرح قاموس، لسان العرب وغیرہ میں بھی لکھا ہے، اور تفسیر در منثور میں بھی کئی روائتیں اسی قسم کی لکھی ہیں، چنانچہ اس میں لکھا ہے۔ اخرج ابن ابی الدنیا فی العقوبات وابو الشیخ فی العظمۃ عن ابن عباس قال خلق اللہ جبلا یقال لہ ق محیط بالعالم وعروقہ الی الصخرۃ التی علیہا الارض فاذا اراد اللہ ان یزلزل قریۃ امر ذلک الجبل فحرک العرق الذی یلی تلک القریۃ فیزلزلہا ویحرکہا فمن ثم تحرک القریۃ دون القریۃ واخرج عبد الرزاق عن مجاھد قال ق جبل محیط بالارض انتہی ایسے ہی معجم البلدان حموی جلد ۷ صفحہ ۱۴ میں لکھا ہے ھذا الجبل یقوف اثر الارض فیستدیر حولہا اور نیز اس میں ہے وقالوا واصول الجبال کلہا من عرق جبل قاف اور نیز اسی میں ہے قال المفسرون انہ الجبل المحیط بالارض انتہی لیکن مستدرک علی معجم البلدان میں لکھا ہے وقولہ قاف بین البحر الاسود وبحر خزر بین جلد ۱ صفحہ ۳ کشف القناع عن احوال الاقالیم والبقاع میں بھی ایسا ہی لکھا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ از روئے تحقیق جدید تواریخ اور جغرافیہ کی رو سے اب کوہ قاف علاقہ روس میں بحیرہ کیسپین (خزر) اور بحیرہ اسود کے درمیان کا نام ہے، اسی کے دامن کا علاقہ قفقاز کہلاتا ہے، واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب، ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ دہلی ٹیا محل۔

ہے اللہ تعالیٰ سورہ جن میں فرماتا ہے۔ وانا لمسنا السماء فوجدناها ملئت حرسا شديدا وشهبا وانا كنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الآن يجد له شهابا رصدا وانا لا ندري اشر اريد بمن في الارض ام اراد بهم ربهم رشدا [1] حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ وروى البيهقي في مناقب الشافعي باسناده عن الربيع سمعت الشافعي يقول من زعم انه يرى الجن ابطلنا شهادته الا ان يكون نبيا انتهى وهذا محمول على من يدعي رؤيتهم على صورهم التي خلقوا عليها واما من يدعي انه يرى شيئا منهم بعد ان يتطور على صور شتى من الحيوان فلا يقدح فيه وقد تواردت الاخبار بتطورهم في الصور [2] انتهى۔ اور کوہ قاف کے وجود یا اس کی کیفیت کے متعلق کوئی حدیث مرفوع صحیح میری نظر سے نہیں گذری، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام از دہن مادر پیدا شدہ اند یا مانند دیگر مولود پیدا شدہ اند، بینوا توجروا

الجواب: شیخ عبد الحق محدث دہلوی در مدارج النبوت می نویسد، کہ از حلیمہ مرضعہ آمدہ کہ گفت آمنہ کہ بیرون آمد از فرج من شہابے کہ روشن شد بآن زمین تا دیدم من قصور شام را وزائیدن من اورا نظیف کہ نہ بود باوے چرک واین صریح است درآن کہ ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطریق معتاد شدہ است کہ سائر زنان لامی باشد و حدیث

---

[1] اور ہم نے آسمانوں کو ٹٹولا، تو اس کو سخت پہرے داروں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا، اور ہم نے آسمانوں میں سننے کے لئے بیٹھنے کی جگہ بنا رکھی تھی، سو اب جو کوئی سننا چاہے، تو وہ اپنے لئے گھات میں لگا ہوا شعلہ پاتا ہے، اور ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا گیا ہے، یا اللہ ان کا کچھ بھلا کرنا چاہتا ہے۔

[2] امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں، جو آدمی جنوں کو اپنی اصلی صورت میں دیکھنے کا دعوٰی کرے ہم اس کی شہادت قبول نہیں کریں گے، ماسوائے اس کے کہ کوئی نبی ہو اس کا مطلب یہ ہے، کہ اگر کوئی جنوں کو دوسری شکل اختیار کئے ہوئے دیکھنے کا مدعی ہو، تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، کیونکہ اس طرح دیکھنے سے متعلق متواتر اخبارات ملتی رہتی ہیں۔

سوال: کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کے منہ سے پیدا ہوئے ہیں یا ان کی پیدائش بھی دوسرے بچوں جیسی ہے؟

الجواب: شیخ عبد الحق محدث دہلوی مدارج النبوت میں حضرت حلیمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت آمنہ نے کہا میری شرمگاہ سے ایک نور نکلا جس سے تمام زمین روشن ہو گئی اور میں نے اس سے شام کے محل

دیگر نیز کہ در وے آمدہ فاخذنی المخاض کہ معنے درد زہ است ظاہر دران است و عبدالرحمن بن عوف الوالدہ خود کہ شفا نام دارد، روایت می کند، کہ گفت ہنگامے کہ ولادت کرد آمنہ افتاد مولود در دست و آواز کرد شنیدم گویندہ را کہ می گوید یرحمک اللہ۔ انتہی ما فی المدارج وھکذا فی السیرۃ الشامیۃ۔ پس ازین ردست قول آن کہ گوید کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم از دہن مادر شریفہ پیدا شدہ اند، و علیٰ ہذا القیاس ولادت حضرت عیسےٰ علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام نیز بطریق معتاد شدہ است، چنانچہ آیت کریمہ در سورہ مریم فاجاءھا المخاض الی جذع النخلۃ نص صریح است برین معنے قال فاجاءھا المخاض وھو فی الاصل منقول من جاء لکنہ خص بہ فی الاستعمال کانی فی اعطی وقرئ المخاض بالکسر وھما مصدر ان مخضت المرأۃ اذا تحرک الولد فی بطنھا للخروج وفی تفسیر الجلالین المخاض وجع الولادۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال، کیا فرماتے ہیں علمائے محققین اس مسئلہ میں کہ کسی نبی یا صدیق یا شہید یا ولی یا صالح کا بعد موت یا قبل موت اپنے کی کسی شخص کے سر پر آنا، اور اس کی زبان پر بولنا، اور اس کی مدد کرنا، اسی طرح کسی ملک یا جن صالح کا کسی کے سر پر آنا، اور اس کی زبان پر بولنا اور اس کی مدد کرنا کسی دلیل شرعی سے ثابت ہے یا نہیں، اور در صورت ثانیہ اگر یہ امر تجربہ سے ثابت ہو تو عقیدہ اس کا رکھنا مضر ہے یا نہیں، اور اس کے تجربہ کا کوئی طریقہ صحیح ہے یا نہیں، جواب ہر امر کا بحوالہ کتاب معتبر تفصیل و توضیح تحریر فرمایئے:۔

دیکھئے۔ اور میں نے جب آپ کو جنا، تو آپ بالکل پاک صاف تھے آپ پر کوئی میل کچیل نہ تھی، اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ آپ کی ولادت بھی دوسرے بچوں کی طرح ہوئی ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت آمنہ نے کہا، مجھ کو جننے کا درد ہوا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی والدہ شفا کہتی ہیں، کہ جب حضرت آمنہ کے بچہ پیدا ہوا، تو میں نے ان کو ہاتھ میں لے لیا، اور میں نے ایک کہنے والے کی آواز سنی "خدا تجھ پر رحم کرے" ان روایات سے پتہ چلتا ہے، کہ آپ کی ولادت ماں کے منہ سے نہیں ہوئی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں ہے، کہ حضرت مریم کو جننے کا درد ایک کھجور کے تنے کے پاس آیا۔ مَخَضَتِ الْمَرْأَۃُ کا معنے ہے، کہ بچے نے پیٹ میں حرکت کی، تفسیر جلالین میں ہے، مخاض کا معنے ہے جننے کا درد ۱۲

الجواب: ۔ درصورت مرقومہ ظاہر ہو، کہ کسی نبی یا صدیق یا شہید یا ولی یا مرد صالح وغیرہ کا کسی شخص کے سر پر آنا، اور اس کی زبان پر کلام کرنا، اور اس کی اعانت کرنا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہے، یہ بات بالکل غلط اور لغو ہے، اور قایل ایسے امورات کا واہی ہے، قول اس کا لایق سماعت کے نہیں ہے، البتہ جن شیاطین ایسے کام کرتے ہیں، جیسا کہ سورہ بقرہ میں مذکور ہے۔ الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس[1] الآیۃ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

---

[1] وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں، وہ قیامت کو ایسے اٹھیں گے، جیسے کسی کو شیطان نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو۔ الآیۃ

کِتَابُ المِعرَاج

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین حقیقت گزین اور مفتیان شرع متین صداقت آئین بیانات اختلافات آیات وروایات مختلف سمات ذیل میں، کہ مسمی زید بحوالہ کتاب انیس الواعظین راوی ہے، کہ شب معراج میں جبریل امین بمعیت اسرافیل مع ستر ہزار ملائک کے بحکم خداوند عرش بریں چرخ چارمیں سے بیت اللطیف ام ہانی میں خواب گاہ جناب رسالت پناہ یعنی سید المرسلین محبوب رب العالمین محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے مخطوب بخطاب وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین صلوات اللہ علیہ والہ واصحابہ اجمعین میں نازل ہوئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لولاک لما خلقت الافلاک کو حالت خواب میں مشاہدہ کرکے بپاس ادب اور عظمت و رفعت کے اس محبوب رب کو بیدار نہ کرسکے، اور مؤدب کھڑے رہے، اس اثنار میں حکم خداوند ذوالجلال بسوئے جبریل نزول اجلال پایا، کہ کف پائے احمد مرسل محبوب لم یزل سے شرف اندوز بوسہ ہو، کہ یہ دولت سعادت قدم بوسی تجھ کو نصیب ہو، چنانچہ روح الامین متعمل ارشاد رب العالمین خداوند زمان وزمین ہوئے، مسمی بکر کہتا ہے، بحوالہ تفسیر درمنثور کہ جبریل امین فلک پر سے نازل ہوئے، اور آنحضرت مصدر نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کو بخانہ ام ہانی سوتا دیکھ کر کف پا اپنے سے ٹھوکر لگا کر، اور اپنا پاؤں آپ کے پاؤں پر رکھ کر خواب سے بیدار کیا، بکر کہتا ہے، کہ روایت تفسیر درمنثور کی صحیح ہے، اور انیس الواعظین کتاب محض غیر معتبر ہے اب سوال یہ ہے، کہ کون روایت صحیح ہے، درمنثور کی یا انیس الواعظین کی، اور انیس الواعظین کیسی کتاب ہے، معتبر یا غیر معتبر؟

الجواب: چونکہ سوال روایات مذکورہ کی صحت وضعف کے متعلق ہے، اور

لہ ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے ۱۲ ؎۲ اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا ۱۲

سوال میں روایات بعینہا مندرج نہیں ہیں، لہذا پہلے روایتیں درج کی جاتی ہیں، پھران کا جواب دیا جاوے گا، انیس الواعظین کی عبارت یہ ہے، شب دوشنبہ بست وہفتم ماہ رجب خواجہ کائنات درخانہ ام ہانی کہ عمہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بودہ است خفتہ بود چشم درخواب ودل مبارک او بیدار حق تعالیٰ فرمان داد کہ اے روح ما درماہ مالبسوئے بندہ ما برو کہ بہ بیند ونظارہ کند خلق را مہتر جبریل علیہ السلام با ہفتاد ہزار فرشتہ واسرافیل علیہ السلام براق دست گرفتہ پیش دراستادہ جبریل علیہ السلام درخانہ ام ہانی درآمد مہتر عالم صلی اللہ علیہ وسلم بر بوریا غلطیدہ بود، جبریل واسرافیل علیہما السلام استادہ شدند بعدہ فرمان شد کہ قبل قدمیہ بر قدم اولب بنہ تا او بیدار شود وعظمت تو بلند گردد کہ ہر کس را تحمل پابوسی او نیست، انتہی مختصرا۔ اور تفسیر در منثور کی روایت یہ ہے۔ اخرج ابن اسحاق وابن جریر وابن المنذر عن الحسن بن حسین قال قال رسول اللہ علیہ وسلم بینا انا نائم فی الحجر جاءنی جبریل فھمزنی برجلیہ فجلست فلم ار شیئا فعدت لمضجعی فجاءنی الثانیۃ فھمزنی بقدمہ فجلست فلم ارشیئا فعدت لمضجعی فجاءنی فھمزنی بقدمہ فجلست فاخذ بعضدی انتھی مختصرا۔ یہ دونوں کتابوں کی روایتیں ہیں، اور ان کے صحت وضعف کے بارے میں یہ جواب ہے، کہ یہ دونوں روایتیں غیر صحیح وغیر معتبر ہیں، انیس الواعظین کی روایت تو اس واسطے غیر معتبر ہے، کہ یہ ظاہر ہے،

لہ ماہ رجب کی ستائیس تاریخ اور سوموار کی رات تھی، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پھوپھی ام ہانی کے گھر میں سوئے ہوئے تھے، آنکھیں سوتی ہوئی تھیں، اور دل بیدار تھا، خدا تعالیٰ نے حکم دیا اے روح الامین ہمارے بندہ کی طرف جاؤ، کہ مخلوق کا نظارہ کرے، جبریل نے اپنے ہمراہ اسرافیل اور ستر ہزار فرشتوں کو لیا، اور براق کو ہاتھ میں پکڑا، اور آپ کے دروازہ پر پہنچا، ام ہانی کے گھر میں داخل ہوا، آپ ایک بوریا پر لیٹے ہوئے تھے، جبریل اور اسرافیل دونوں فرشتے کھڑے رہے، خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا، کہ آپ کے قدموں کا بوسہ لو، تاکہ آپ بیدار ہو جائیں، اور تمہارا مرتبہ بڑھ جائے، کیونکہ ہر کسی کو آپ کی قدم بوسی کا شرف نصیب نہیں ہوتا ۱۲

سلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حطیم میں سویا ہوا تھا، جبریل میرے پاس آئے اور اپنے دونوں قدموں سے مجھ کو ٹھوکا دیا، میں اٹھ بیٹھا مجھے کوئی چیز نظر نہ آئی پھر میں لیٹ گیا، تو پھر قدم سے ٹھوکا دیا، پھر میں اٹھ بیٹھا، مجھے کوئی چیز نظر آئی، پھر میں لیٹ گیا اس نے پھر ٹھوکا دیا میں اٹھ بیٹھا، تو اس نے مجھے بازو سے پکڑ لیا ۱۲

کہ مصنف انیس الواعظین محدث نہیں ہے، اور نہ روایت مذکورہ میں کسی کتاب حدیث کا حوالہ دیا ہے، اور نہ کسی محدث مخرج کا نام لیا ہے، حالانکہ غیر محدث کی ذکر کی ہوئی روایت کے معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے، کہ وہ اپنی روایت میں کسی کتاب حدیث کا حوالہ دے اور اس بات پر اتفاق ہے، حنفیہ نے بھی اس بات کی تصریح کی ہے، چنانچہ ملا علی قاری رح اپنی موضوعات کبیر میں لکھتے ہیں حدیث من قضی صلوۃ من الفرائض فی اخر جمعۃ من شہر رمضان کان ذلک جابرا لکل صلوۃ فائتۃ فی عمرہ سبعین سنۃ باطل قطعا لانہ مناقض للاجماع علی ان شیئا من العبادات لا یقوم مقام فائتۃ سنوات ثم لا عبرۃ بنقل صاحب النہایۃ ولا بقیۃ شراح الہدایۃ فانہم لیسوا من المحدثین ولا اسندوا الحدیث الی احد من المخرجین یعنی حدیث من قضی صلوۃ من الفرائض الخ یقینا جھوٹی ہے، کیونکہ اجماع کے خلاف ہے، اس کے علاوہ کوئی عبادت چند برسوں کی نماز فوت شدہ کے قائم مقام نہیں ہو سکتی، پھر صاحب نہایہ اور بقیہ شارحین ہدایہ کے نقل کرنے کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ نہ تو یہ حضرات محدثین میں ہیں، اور نہ حدیث مذکور کو کسی محدث کی طرف منسوب کیا ہے، اور انیس الواعظین کوئی معتبر کتاب نہیں ہے، اور در منثور کی روایت کے غیر معتبر ہونے کی کئی وجہیں ہیں، اول یہ کہ در منثور میں ہر قسم کی ضعیف اور صحیح روایتیں موجود ہیں، پس جب تک اس کی روایت کی تصحیح محدثین سے ثابت نہ ہو تب تک وہ قابل احتجاج نہیں ہو سکتی، اور در منثور کی اس معراج والی روایت کی تصحیح کسی محدث سے ثابت نہیں، لہذا یہ روایت قابل احتجاج نہیں، دوسری وجہ یہ کہ اس روایت کی سند میں جو ایک راوی حسن بن حسین ہے، کتب اسماء رجال سے اس کا پتہ نہیں چلتا، کہ یہ کون ہے، اور کیسا ہے، مقبول ہے یا غیر مقبول، تقریب اور خلاصہ میں اس نام کا کوئی راوی نہیں ہے اور میزان الاعتدال میں اس نام کے چھ راوی ہیں، اور چھوں مخدوش اور نا قابل احتجاج ہیں اور تیسری وجہ یہ کہ حسن بن حسین صحابی نہیں ہے، کیونکہ اس نام کا راوی صرف میزان میں ہے اور میزان میں صحابہ رضی اللہ عنہم مذکور نہیں، کما صرح صاحب المیزان فی خطبتہ پس در منثور کی یہ روایت مرسل یا منقطع ٹھہری، اور روایت مرسل یا منقطع قابل احتجاج نہیں ہوتی، چوتھی وجہ یہ ہے، کہ در منثور میں اس روایت کی پوری سند مذکور نہیں ہے، پس معلوم نہیں کہ باقی رواۃ کیسے ہیں مقبول یا غیر مقبول، الحاصل در منثور کی یہ روایت بھی غیر معتبر و نا قابل استدلال ہے

باقی رہا معراج کا واقعہ جو صحیح حدیث سے ثابت ہے، سو اس میں نہ تو یہ ہے، کہ جبرئیل علیہ السلام ستر ہزار فرشتوں کو لے کر آئے، اور نہ اس میں یہ ہے، کہ حضرت جبریل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کو بوسہ دیا، یا ٹھوکر لگائی، بلکہ اس میں صرف اس قدر بیان ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کہ میرے گھر کی چھت پھٹی جب کہ میں مکہ میں تھا، اور جبریل علیہ السلام اترے، اور میرے سینہ کو پھاڑا، اور اس کو زمزم کے پانی سے دھویا، پھر سونے کا ایک طشت لائے، جو حکمت، اور ایمان سے بھرا ہوا تھا، پھر اس کو میرے سینہ میں ڈالا، اور بند کر دیا، پھر میرا ہاتھ پکڑا، اور مجھے آسمان کی طرف چڑھایا گیا، چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ بخاری و مسلم یوں مذکور ہے۔ عن انس قال کان ابوذر یحدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فرج عنی سقف بیتی وانا بمکۃ فنزل جبرائیل علیہ السلام ففرج صدری ثم غسلہ بماء زمزم ثم جاء بطست من ذھب ممتلئ حکمۃ وایمانا فافرغہ فی صدری ثم اطبقہ ثم اخذ بیدی فعرج بی الی السماء الحدیث متفق علیہ۔ حررہ ابو محمد عبد الحق اعظم گڈھی

سید محمد نذیر حسین

لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے مکان کی چھت کھولی گئی، میں مکہ میں تھا، جبریل علیہ السلام نازل ہوئے، انہوں نے میرا سینہ کھول دیا، پھر اس کو زمزم کے پانی سے دھویا، پھر ایک سونے کا تھال حکمت اور ایمان سے بھر کر لائے اور اسے میرے سینہ میں انڈیل دیا، پھر اس کو سی دیا، پھر میرا ہاتھ پکڑا، اور مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا (متفق علیہ) ۱۲

تقریظ از رشحات قلم منشی محفوظ علی صاحب

مصلح سنگ و منیجر دلی پرنٹنگ ورکس دھلی،

(طبع اوّل)

الحمد لله الذی خلق الانسان وعلمه البیان والصلوٰة والسلام الانسان الاکملان علی سید الانس والجان محمد ن المبعوث من اکرم نبی عدنان وعلی اٰله واصحابه اولی الهدایة والعرفان مادام القمران واختلف الملوان ؕ

اما بعد۔ ناظرین یہ مجموعہ فتاوے جو آپ کی نظر کے سامنے ہے اس جہت سے کہ واقعات وحوادث یومیہ کے شرعی احکام بتاتا ہے۔ اور سبیل حق اور راہ ہدایت دکھلاتا ہے اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰة والتحیة کو شاہراہ شریعت تک پہونچاتا ہے گویا اس پر عمل کرنے والوں کو خدا تک پہونچاتا ہے حرز جان بنانے بلکہ جان سے بھی زیادہ عزیز کہنے کے سزاوار ہے کیونکہ احکام شرعیہ کا علم حاصل کرنا اور پھر اس پر عمل کرنا ہی تمام سعادتوں کا اصل الاصول اور حقیقی زندگی کے لئے حرز مقبول ہے۔ پس اس کے تمام وسائل اور ذرائع بھی اس قدر مقبولیت تامہ کاملہ اپنے اندر رکھتے ہوں گے اس کے علاوہ یہ مجموعہ فتاوی اس شخص کے قلم کا نتیجہ ہے جو وسعت علم ونظر اور محبت قرآن وحدیث میں اہل زمانہ کا امام تھا یعنی جناب راس المحدثین، قدوة المحققین عالم باعمل محدث اکمل حضرت سیدنا ومولانا مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی نور الله مرقدہٗ جن کے بحر علم وعمل سے ایک زمانہ سیراب اور جن کی علمی، شعاعوں سے تمام اطراف ہندوستان بہرہ یاب ہے جن کے سینکڑوں تلامذہ علم حدیث کے ممتاز خادم اور اسفار سنّت کے متمیز مصنف ہیں۔

ظاہر ہے کہ ایسے کامل اکمل علامہ وعصر کے قلم ونظر سے نکلے ہوئے فتوے کس قدر معتبر ومقبول ہوں گے اور کس درجہ واقعات کا صحیح صحیح حکم بتائیں گے۔

مشتاقان سنت نبویہ جلدی کریں اور اس حرز جان کو اپنے لئے دستور العمل بنائیں۔

اور حضرت میاں صاحب مرحوم کے لائق جانشین مولوی سید ابوالحسن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی ہمت و محنت کی داد خریداری تکمیل فتاویٰ سے فرمائیں خصوصًا ایسی حالت میں کہ زمانہ کو احکام شریعت حقہ کی ازبس ضرورت ہے اور ہر مسلمان کو تہذیب نفس کی حاجت ہے۔ جناب مولوی سید ابوالحسن صاحب لائق جانشین میاں صاحب مرحوم کی ہمت بڑھانی اور تکمیل فتاویٰ کی خریداری لازم ہے۔ فجزاہ اللہ عنا وعن جمیع المسلمین وما علینا الا البلغ المبین۔

بندہ محفوظ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشاریہ

فتاوےٰ نذیریہ کامل

ناشر

اہلحدیث اکادمی — کشمیری بازار لاہور

جلددوم - ۴۷،
جلدسوم - ۲۶۵

محمد غلام اکبر (خان)

جلداول - ۱۴۵، ۱۸۰، ۲۰۷، ۲۶۷، ۳۵۶، ۶۱۷، ۷۱۷،
جلددوم - ۲۲۰،
جلدسوم - ۴۵۹،

محمد غوث (مجددی)

جلددوم - ۵۰۶،

محمد فضل الرحمن خان (قاضی)

جلداول - ۱۲۹،

محمد فضل الرحمن (مرادآبادی)

جلداول - ۳۷۹،

محمد فضل حق

جلدسوم - ۱۶۸، ۳۳۴،

محمد فقیر اللہ (شاہ پوری)

جلداول - ۵۷۷،
جلددوم - ۱۱۴، ۱۱۷، ۵۷۰،
جلدسوم - ۲۵۰،

محمد فیض اللہ (سوادرای)

جلدسوم - ۳۱۰،

محمد قاسم (شاہ آبادی)

جلداول - ۱۸۰،

محمد قاسم (مدرسہ امینیہ)

جلداول - ۶۵۲،

محمد قطب الدین

جلداول - ۵۳، ۱۲۹، ۱۳۶، ۱۵۲، ۱۶۱، ۲۲۳، ۲۸۳،
جلددوم - ۵۰، ۱۹۷، ۲۱۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۸۷،
جلدسوم - ۱۷۲، ۲۰۶، ۲۲۴، ۲۵۵، ۲۹۲، ۳۴۴، ۴۳۴، ۴۵۶،

محمد قطب الدین (بن قاضی سراجدین)

جلداول - ۲۲۳،

محمد قطب الدین (خان)

جلداول - ۶۰۹،
جلددوم - ۵۲، ۵۳،

محمد قمر الدین

جلداول - ۳۵۷،

محمد کرامت اللہ

جلداول - ۳۴۷، ۳۵۲، ۴۹۹،

محمد کرم الدین

جلددوم - ۲۷۳،

محمد کریم اللہ

جلداول - ۳۴۲، ۶۰۸، ۶۰۹،
جلددوم - ۲۲۸، ۲۳۷، ۲۸۷، ۳۳۲، ۵۰۶، ۵۰۹،
جلد - ۳۳۲،

محمد گلزار حسین

جلداول - ۱۸۱،

تمت بالخیر

مرتبہ
نذیر احمد سبحانی

مینجر
اہلحدیث اکادمی ـــــ لاہور

سنن ابن ماجہ شریف مترجم اردو

چار ہزار سے زائد احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کلامی فقہی احکام و مسائل کا بہترین مجموعہ جسے حضرت امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی نے مرتب فرما کر مسلمانان عالم پر احسان عظیم فرمایا ہے۔

یہ امر مخفی نہیں کہ صحاح ستہ کتب احادیث میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ اور محدثین نے ان کتابوں کے درجے قرار دے کر ان کی ترتیب دی ہے۔ سنن ابن ماجہ شریف صحاح ستہ میں ایک صحیح مستند کتاب تسلیم کی گئی ہے۔

یہ ترجمہ کئی سال سے نایاب تھا اب اس کو ضروری قواعد و تشریحات کے اضافے کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ احادیث و ابواب کے سلسلہ وار نمبر دیئے گئے ہیں صفحہ کے اوپر والے حصہ میں عربی متن مع اعراب درمیان میں ترجمہ اور نیچے حاشیہ و تشریح ہے۔ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ مگر علیحدہ علیحدہ حصے بھی مل سکتے ہیں۔

ترجمہ و فوائد: حضرت علامہ وحید الزماں خان۔

تشریح و تصحیح: مولانا محمد سلیمان صاحب کیلانی۔

کتابت و طباعت و جلد سازی عمدہ۔ کاغذ گلیز۔ دیدہ زیب ڈسٹ کور۔

قیمت جلد اول .... ۲۰ روپے

〃 جلد دوم .... ۱۶ روپے

〃 جلد سوم .... ۱۲ روپے

〃 کامل سیٹ .... ۴۸ روپے

ملنے کا پتہ:- **اہلحدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور**

سنن ابن ماجہ شریف (اردو ترجمہ)

چار ہزار سے زائد احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کلامی فقہی احکام و مسائل کا بہترین مجموعہ جسے حضرت امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی نے مرتب فرما کر مسلمانان عالم پر احسان عظیم فرمایا ہے۔

یہ امر مخفی نہیں کہ صحاح ستہ کتب احادیث میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں اور محدثین نے ان کتابوں کے درجے قرار دے کر ان کی ترتیب دی ہے۔ سنن ابن ماجہ شریف صحاح ستہ میں ایک صحیح و مستند کتاب تسلیم کی گئی ہے۔

یہ ترجمہ کئی سال سے نایاب تھا اب اس کو ضروری قواعد و تشریحات کے اضافے کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ احادیث و ابواب کے سلسلہ وار نمبر دئیے گئے ہیں صفحہ کے اوپر والے حصہ میں عربی متن مع اعراب، درمیان میں ترجمہ اور نیچے حاشیہ و تشریح ہے۔ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے مگر علیحدہ علیحدہ حصے بھی مل سکتے ہیں۔

ترجمہ و فوائد: حضرت علامہ وحیدالزمان خان رحمہ

تشریح و تصحیح: مولانا محمد سلیمان صاحب کیلانی

کتابت۔ طباعت و جلد سازی عمدہ۔ کاغذ گلیز۔ دیدہ زیب ڈسٹ کور

قیمت جلد اول ۲۰/- جلد دوم ۱۶/- جلد سوم ۱۲/- کامل سیٹ ۴۸ روپے۔

"مفردات القرآن"

امام راغب اصفہانی کا شاہکار ہے۔ یہ کتاب اپنی اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے جس درجہ علمائے متاخرین میں مقبول ہوئی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ شارحین حدیث علامہ ابن حجر اور علامہ عینی اور دیگر فضلاء نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ یہ کتاب عربی کی ادق ترین کتب میں شمار ہوتی ہے اردو دان حضرات جو قرآن کے مطالعہ کا شوق رکھتے ہیں اس کتاب سے مستفید نہیں ہو سکتے تھے۔ فاضل مترجم نے اس کو اردو کا لباس پہنا کر ان لوگوں کیلئے سہولت پیدا کر دی ہے۔ طبع جدید میں احادیث و اشعار کی مکمل تخریج کر دی ہے۔ آیات قرآنیہ کے نمبر لگا دئیے ہیں جس سے قرآن پاک کی ایک مکمل لغات اور بہت سے علمی فوائد کا مرقع بن گئی ہے۔

یہ لغات تیرہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

مقدمہ میں اصول تفسیر پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔

ترجمہ۔ شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد عبدہ صاحب

قیمت ۳۲ روپے

اہلحدیث اکادمی کشمیری بازار۔ لاہور